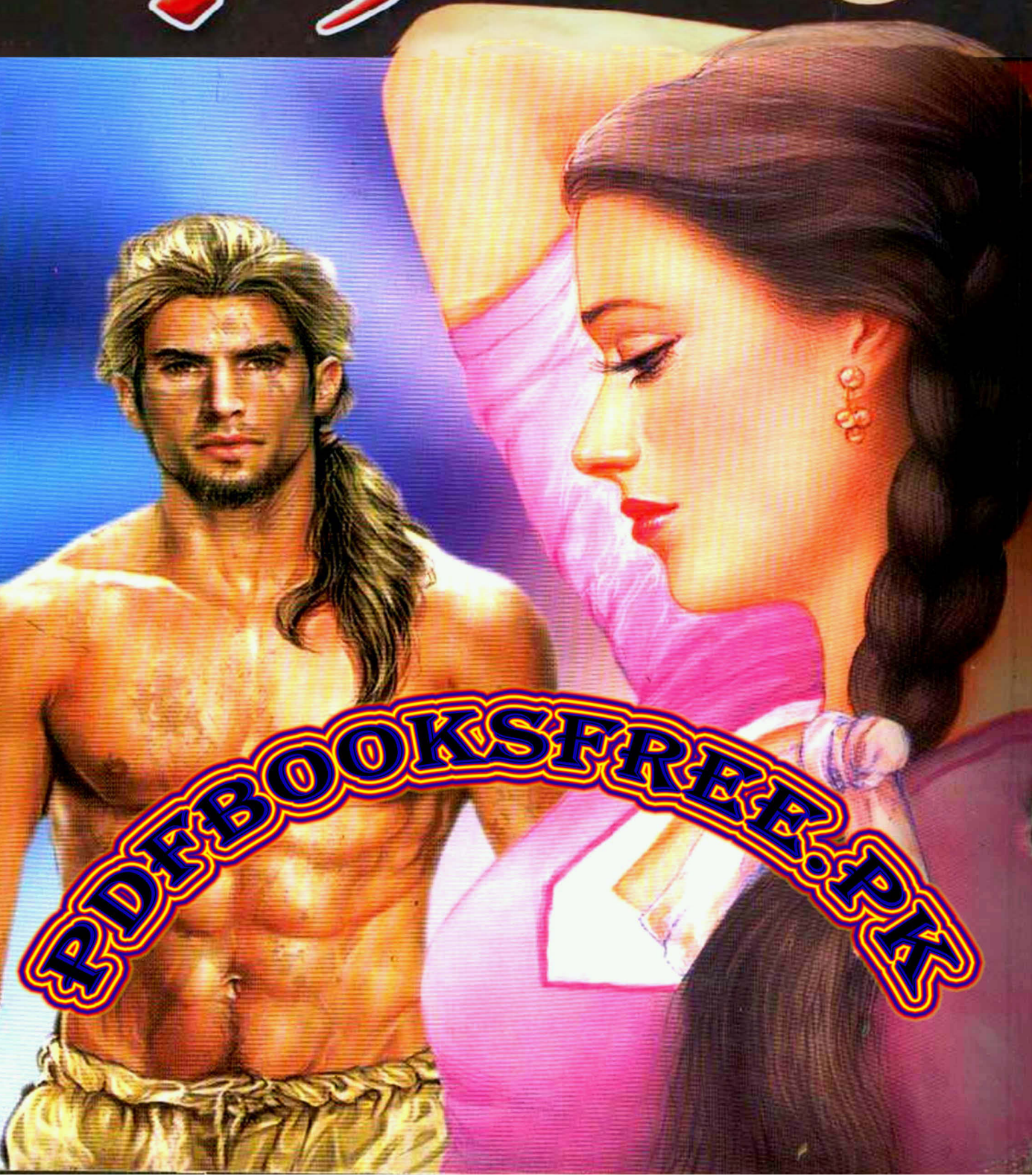


ایک نوجوان کے بلند حوصلوں اور بے مثال ولولوں کی تہلکہ خیز کہانی

سراب

راوی: شہباز ملک
تحریر: کاشف زبیر

18

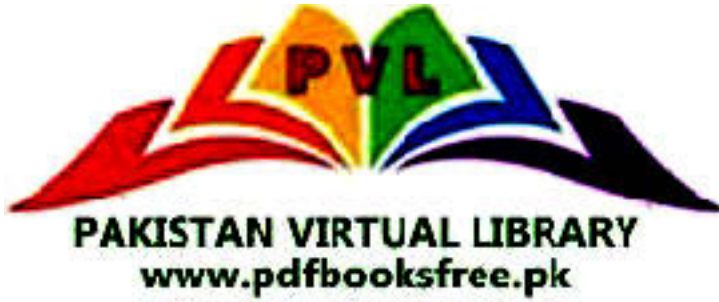


ایک نوجوان کے بلند حوصلوں اور بے مثال ولولوں کی ایک تہلکہ خیز کہانی

سراب

اٹھارہواں حصہ

راوی: شہباز ملک



احباب ادب پبلشرز
اردو بازار لاہور

اے اللہ ہمارے علم میں اضافہ فرما آمین!

خوبصورت اور معیاری کتابیں.....

جملہ حقوق محفوظ ہیں

بار اشاعت ————— اول
مطبع ————— یو این ڈی پرنٹرز، لاہور
کمپوزنگ ————— میزان کمپوزنگ - لاہور
قیمت ————— 250 روپے
بیرون ملک ————— 10 برطانوی پونڈ
15 امریکی ڈالر

ملنے کے پتے

اشرف بک ایجنسی اقبال روڈ، کمیشی چوک، راولپنڈی
سعید بک بینک جناح سپر مارکیٹ، اسلام آباد
مختار برادرز امین پور بازار، فیصل آباد
کلاسک بکس اندرون بوہریٹ، ملتان
علی بک سٹال نسبت روڈ، چوک میوہسپتال، لاہور

خزینہ علم و ادب الکریم مارکیٹ اردو بازار، لاہور
دعا پبلشرز الحمد مارکیٹ، اردو بازار، لاہور
رشید نیوز ایجنسی فریئر مارکیٹ، فریئر روڈ - کراچی
ویکلم بک پورٹ مین اردو بازار، کراچی
فرید پبلشرز مین اردو بازار، کراچی

آغاز میں بدحواس ہو جانے والے ریٹائٹ کے سپاہی اب سنبھل رہے تھے ان میں سے کچھ آگ بجھانے کی کوشش کر رہے تھے اور باقی جوابی کارروائی کی تیاری کر رہے تھے۔ مگر ان کی طرف سے کی جانے والی تیروں کی بوچھاڑ غیر منظم تھی اور نشانہ کے بغیر تھی۔ اس دوران میں جلتے تیروں کی تیسری برسات بھی ہو چکی تھی اور کئی سپاہی جو تیروں کا نشانہ بنے تھے ان کی لکڑی کی ذرہیں آگ پکڑ رہی تھیں۔ یہ دوہری مصیبت تھی۔ باہر آنے والے سامیرا کے سپاہیوں کی تعداد پچاس ساٹھ سے زیادہ نہیں تھی ان میں تیر انداز اور نیزہ بردار مساوی تعداد میں تھے۔ نیزہ بردار صرف تیر اندازوں کا تحفظ کر رہے تھے۔ جوان کی آڑ سے آتشیں تیر برسا رہے تھے۔ ہر تیر باری کے بعد پڑاؤ میں لگنے والی آگ میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ آگ پکڑنے کے لیے وہاں خیمے تھے۔ لکڑی کا بے شمار ساز و سامان تھا۔ جلتے تیروں کے لیے ہدف کی کمی نہیں تھی وہ جہاں گرتے ان کو آگ لگانے کو کچھ نہ کچھ مل جاتا تھا۔ یہ سب کچھ میری سوچ اور منصوبے کے عین مطابق ہو رہا تھا۔

مگر اب ریٹائٹ کے سپاہی آگے بڑھنے کے لیے بھی پرتول رہے تھے اور ان کی طرف سے تیر بازی میں شدت آگئی تھی اس لیے سامیرا کی سپاہ جیسے اچانک اندر سے نمودار ہوئی تھی اسی طرح وہ ترتیب سے کٹمی اور تیزی سے واپس دروازے میں چلی گئی۔ آخری سپاہی کے اندر جاتے ہی دروازہ بند ہو گیا۔ اب ریٹائٹ کی سپاہ پڑاؤ میں لگنے والی آگ بجھانے کی کوشش کر رہی تھی اور دوسری طرف فصل میں لگنے والی آگ بھی پڑاؤ کے نزدیک آرہی تھی۔ فصل کے پودے اگرچہ خشک ہو چکے تھے مگر میں نے سوچا نہیں تھا کہ وہ اتنی تیزی سے آگ پکڑ لیں گے اور اب یہ آگ ہر طرف سے فصلوں کو چاٹ رہی تھی۔ دیکھا جائے تو بہت ہی اندوہناک صورت حال بن رہی تھی آنے والے سرما میں وادی کے لوگوں کی خوراک تباہ ہو رہی تھی اور یقیناً اب انہیں بہت سخت حالات کا سامنا کرنا پڑتا۔ مگر ان لوگوں کو جو اس خانہ جنگی سے بچ جاتے۔

ریٹائٹ کی سپاہ اپنے ساتھ تیر برسانے والی جو بھاری مشینیں لائی تھی اس میں تین آگ کی پلینٹ میں آچکی تھیں اور شعلے انہیں پوری طرح اپنی گرفت میں لے چکے تھے۔ ان کی آگ بجھانے کی کوششیں ناکام ثابت ہو رہی تھیں۔ اسی طرح خیموں میں لگنے والی آگ بھی پھیل رہی تھی۔ پڑاؤ میں افراتفری اب چیخ و پکار میں بدل گئی تھی۔ جب سامیرا نے مجھے برف والے کا پیغام بھیجا کہ میں جنگ ہونے تک یہیں رکوں۔ تب مجھے اس حکم کی وجہ سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ مگر اب میں سمجھ گیا تھا کہ یہ حکم کیوں دیا گیا تھا۔ جنگ کا آغاز مجھے ہی کرنا تھا۔ ورنہ

ریناٹ کی سپاہ تو محاصرہ کر کے آرام سے بیٹھنے کے لیے آئی تھی۔ یہ حقیقت بھانپ لینے کے بعد میں نے یہ تدبیر کی اور ریناٹ کی چال الٹ دی۔ وہ جس فصل پر قبضے کا منصوبہ بنا کر سامیرا کو شکست تسلیم کرنے پر مجبور کرنا چاہ رہا تھا وہ فصل اب تقریباً تباہ ہو چکی تھی۔ آرگون کے کھیت تو مکمل نذر آتش ہو چکے تھے اب سامیرا کی طرف کے کھیت بھی آگ میں یوں گھر چکے تھے کہ چند گھنٹوں بعد یہاں سوائے راکھ کے اور کچھ باقی نہ رہتا۔ میں نے ایرٹ اور ربیک سے کہا۔ ”میرا خیال ہے وقت آگیا ہے ہمیں آرگون کی طرف جانا ہے۔“

وہ پُر جوش ہو گئے۔ ”ہم تیار ہیں جناب۔“

فصل میں لگی آگ سے بچنے کے لیے ریناٹ کی سپاہ عارضی طور پر محاصرہ بھول کر باغات کی طرف پسا ہو رہی تھی۔ اس لیے بھی ہمارا اس جگہ سے نکل جانا لازمی تھا۔ کچھ دیر بعد ہم اپنا سامان اور ہتھیار اٹھائے باغات سے گزر رہے تھے۔ اس وقت آرگون کے باغات سے گزرنا خطرناک ہو سکتا تھا۔ اس کا امکان تھا کہ آرگون کی طرف سے کوئی امدادی فوج آرہی ہو اور ہمارا اس سے سامنا ہو جائے۔ فصل میں آگ لگنے کے بعد وہ باغات کا طویل راستہ اختیار کرنے پر مجبور ہو جاتے۔ مگر آرگون کی فسیل کے آخری حصے میں ہمیں اس کے باغات کے ساتھ سے گزرنا ہی پڑا تھا۔ یہاں تک پہنچنے میں ہمیں ایک گھنٹہ لگا تھا اور شعلے اتنے بلند تھے کہ ان کی روشنی یہاں سے بھی نظر آرہی تھی۔ ربیک نے مجھ سے کہا۔ ”ہم نے سوچا بھی نہیں تھا کہ آگ اتنی تیزی سے پھیل جائے۔“

”ایسا لگ رہا ہے کہ دونوں طرف کی ساری فصلیں تباہ ہو جائیں گی۔“ ایرٹ نے کہا۔

”مجھے اب اس کی فکر ہو رہی ہے۔ آنے والے سرما میں وادی کے لوگوں کو فاقہ کشی کا سامنا کرنا پڑے

گا۔“

وہ دونوں بھی فکر مند ہو گئے اب تک جوش میں انہیں احساس نہیں تھا۔ ایرٹ نے سر ہلایا۔ ”آپ ٹھیک

کہہ رہے ہیں۔ مگر جنگ میں ایسا ہوتا ہے۔“

میں نے سر دآہ بھری۔ ”ہمارے ہاں بھی کہا جاتا ہے کہ جنگ اور محبت میں سب جائز ہے۔“

کچھ دیر بعد ہم باغات کی بھی آخری حد تک پہنچ گئے تھے۔ ہمارے دائیں طرف آرگون کی فسیل تھی اور

اس کے ساتھ جنگل اور ویرانہ تھا۔ اس ویرانے میں ہارن تھے۔ اسار تھے اور گوزر تھے۔ یہ تمام جانور ہمارے لیے

خطرناک تھے اور ان سے بچاؤ کے لیے ہمارے پاس مشروب تھا۔ سب نے یہ مشروب پیا کچھ دیر آرام کے لیے

رک گئے۔ آرام کے ساتھ ساتھ اتنی دیر میں ہمارے جسموں سے بُو آنے لگتی اور پھر آگے روانہ ہو جاتے۔ آرام

کے اس وقفے میں، میں نے ایرٹ سے پوچھا۔ ”روغن جمع کرنے کے دوران جانور ملے تھے؟“

اس نے جواب دیا۔ ”دوبار جناب۔ مگر ہمارے پاس سے آتی بُو کی وجہ سے وہ نزدیک نہیں آئے تھے۔“

”مگر ہمیں پھر بھی ہوشیار رہنا چاہیے۔ ہارن خطرناک ہے۔ وہ گوشت خور نہیں ہے اس کے باوجود

انسانوں سے بہت زیادہ دشمنی رکھتا ہے۔“ میں نے انہیں خبردار کیا۔

”شاید اس لیے کہ وہ اس وادی میں انسانوں کو اپنا حریف سمجھتا ہے۔“ ایرٹ نے کہا۔

وہ ٹھیک کہہ رہا تھا۔ دیکھا جائے تو انسان کے بعد وہی اس وادی کا سب سے طاقتور اور خطرناک جانور

تھا۔ جسمانی قوت میں انسان اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا مگر جہاں تک عقل کا تعلق ہے وہ انسان کے سامنے بے

بس تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وادی کی حکمرانی اس سے چھن گئی تھی اور ردِ عمل میں وہ انسانوں سے صرف نفرت کر سکتا تھا یا جہاں موقع ملتا وہ انسانوں کو فنا کے گھاٹ اتار کر اپنی تسکین کرتا تھا۔ مگر وہ اس سے زیادہ اور کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ اب ہم جنگل میں داخل ہو گئے تھے اور یہاں سے اس کے عقبی حصے تک پہنچنے میں ہمیں دو گھنٹے لگ سکتے تھے۔ ہم نے روشنی کے لیے ایک چھوٹی مشعل جلائی تھی اور اس کی روشنی نمایاں کرنے سے گریز کر رہے تھے۔ روشنی دیکھ کر جانور ہماری طرف متوجہ ہو سکتے تھے۔ میرا اندازہ تھا کہ رات کے دو بجے یا اس سے ذرا اوپر کا وقت تھا۔ روشنی ہونے میں ابھی چار گھنٹے کا وقت تھا۔ اگر ہم چار بجے تک سرنگ کے خفیہ راستے تک پہنچ جاتے تو ہمارے پاس آگے کارروائی کے لیے دو گھنٹے بچتے۔ اس قسم کی کارروائی تاریکی میں ہی کامیاب ہو سکتی تھی۔ مجھے لگ رہا تھا کہ دو گھنٹے نا کافی تھے۔ ہمیں صرف اندر ہی نہیں گھسنا تھا بلکہ ریناٹ تک پہنچنا تھا۔ ساشا نے جو بتایا تھا وہ ایک بظاہر ناقابلِ تسخیر قسم کے حصار میں محفوظ تھا۔ اس تک رسائی یقیناً آسان نہیں تھی۔ ایک بار شہر میں ہماری موجودگی کا راز قبل از وقت فاش ہو جاتا تو ہمارے لیے جان بچانا بھی مشکل ہو جاتا۔ وہاں باقاعدہ فوج نہیں تھی۔ لیکن باقاعدہ فوج سے زیادہ تربیت یافتہ ریناٹ کے خاص محافظ تھے اور ان کی تعداد بھی سینکڑوں میں تھی۔



میں نے ایک گھنٹے بعد آرام کے وقفے میں ربیک اور ایرٹ سے مشورہ کیا۔ ایرٹ نے کہا۔
 ”جناب سچی بات ہے ہم اس بارے میں کچھ نہیں جانتے مگر مجھے بھی لگ رہا ہے کہ صبح ہونے کا وقت قریب ہے اور اتنی سی دیر میں ہم کچھ نہیں کر سکتے۔ ہمیں طویل وقت درکار ہے۔“
 ”مگر اس صورت میں ہم باہر کہاں رکیں گے؟“ ربیک نے نقطہ اٹھایا۔ ”اس علاقے میں خطرات بہت زیادہ ہیں۔ دوسرے کل تک یقیناً آگ بجھ جائے گی۔ اس کا بھی امکان ہے کہ ریناٹ کی فوج خوفزدہ ہو کر شہر میں واپس آجائے۔“
 ”فوج کی واپسی کا امکان کم ہے۔“ میں نے کہا۔ ”اس کا آرگون کی عوام اور خود فوج پر بہت برا اثر پڑے گا۔ میرا نہیں خیال کہ ریناٹ فوج واپس بلائے گا۔“
 ایرٹ نے تائید کی۔ ”دیکھا جائے تو اس کا کوئی خاص نقصان نہیں ہوا ہے۔ چند سپاہی مرے ہیں اور آگ سے سامان کو نقصان ہوا ہے۔ کل تک وہ سب ٹھیک کر لیں گے۔“
 ”اس لیے فوج کی واپسی کا امکان بہت کم ہے۔“ میں نے کہا۔ ”بلکہ ممکن ہے کہ شہر میں اگر کچھ اضافی دستے ہوں تو اس پہلی شکست کے بعد ریناٹ انہیں بھی فوج کے پاس بھیج دے۔“
 ”ایسا ہو جائے تو اور اچھا ہوگا۔“

آرام کے مختصر وقفے کے بعد ہم آگے بڑھے۔ اب عقب میں نظر آتی آگ کی روشنی نظر نہیں آرہی تھی مگر دور وادی کی دیواروں پر اس کا ہلکا سا انعکاس محسوس ہو رہا تھا۔ فصلوں میں لکڑی نہیں ہوتی ہے اور آگ بہت تیزی سے انہیں جلا کر راکھ کر دی۔ دوسرے ان میں سبزہ تھا اس لیے دھواں بہت اٹھتا۔ مگر یہ بات یقینی تھی کہ آگ صبح تک بجھ جائے گی۔ البتہ اس کے اثرات باقی رہیں گے جیسے زمین سے پیش اٹھتی رہے گی اور دھواں دیر تک برقرار رہے گا۔ یہاں ہوا نہیں چلتی ہے جو دھواں اڑا کر لے جائے۔ سامیرا کی طرف آگ کا باغات پہنچنے کا

امکان نہیں تھا اس سے پہلے ہی ریٹائٹ کے سپاہ اس کا تدارک کر لیتے کیونکہ ان کے پڑاؤ کے بعد تو باغات تھے۔ بلکہ کھیت اس کے بعد بھی تھے مگر ان کی تعداد کم ہو گئی تھی۔ دوسری طرف آرگون کے باغات کو بھی بچانے کی کوشش کی جا رہی ہوگی۔ کیونکہ ایک فصل کے مقابلے میں یہ باغات کہیں زیادہ قیمتی تھے اور ان کے درخت برسوں میں جا کر پھل دینے کے قابل ہوتے۔ جب کہ نئی فصل چند دن بعد بھی کاشت کی جاسکتی تھی اور سردیاں آنے سے پہلے وہ تیار ہو جاتی۔

یقیناً ریٹائٹ کے آدمیوں کی توجہ اس وقت کہیں زیادہ منقسم ہوگی۔ سب سے کم توجہ شہر پر ہوگی، اس کے باوجود ہمارے لیے آرگون کی مہم آسان نہیں تھی۔ اب ہم آرگون کی فسیل کے تقریباً آخری حصے تک پہنچ گئے تھے اور ہمیں گھوم کر اس کے عقب میں جانا تھا جہاں سے معبد کو جانے والی سرنگ گزرتی تھی۔ ہم ایسے جنگل سے گزر رہے تھے جس میں کہیں کہیں چٹانیں اور جھاڑیاں بھی تھیں۔ میں پہلی بار اس طرف آیا تھا اور میرے لیے نشانی وہ ٹیلہ نما پہاڑی تھی جس پر چڑھ کر میں نے اور روبیر نے پہلی بار سرنگ کے ہوائی دخول کے راستے دیکھے تھے۔ وہ پہاڑی ابھی دور تھی اور اس جگہ سے نظر نہیں آرہی تھی۔ مجھے یاد آیا کہ اس ہی قسم کی جھاڑیوں میں وہ خوش رنگ پرندہ تھا جو پروں سے زہرے یلے کانٹے برساتا تھا اور روبیر نے مجھے بتایا تھا کہ اس سے ہارن جیسا خوفناک جانور بھی بھاگتا ہے۔ میں نے اپنے ساتھیوں کو خبردار کیا۔ ریک نے کہا۔

”وہ دس قدم کے فاصلے سے خطرناک ہوتا ہے۔ اس سے زیادہ فاصلہ ہو تو کانٹے اثر نہیں کرتے ہیں۔“

”پھر بھی محتاط رہو اور تیرکمان سنبھال لو نظر آتے ہی اسے نشانہ بنانے کی کوشش کرنا۔“ میں نے حکم دیا تو انہوں نے تیرکمان سنبھال لیے تھے اور ہم احتیاطاً جھاڑیوں سے دور ہو کر گزر رہے تھے۔ یہاں زمین سخت اور پتھریلی تھی۔ صرف وہیں سبزہ تھا جہاں مٹی تھی۔ شاید اسی وجہ سے اس جگہ سبزہ زیادہ نہیں تھا اور جو تھا وہ بھی خشک سا تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ موسم گرم اور جس والا ہو رہا تھا۔ شاید وسیع رقبے پر لگنے والی آگ کا اثر تھا جو یہاں رات سرد اور خشک نہیں ہوئی تھی جیسا کہ ہو جاتی تھی۔ اوپر آسمان صاف تھا اور ستارے نظر آرہے تھے۔ میری کوشش تھی کہ صبح سے پہلے ہم اس ٹیلے تک پہنچ جائیں اور پھر سارا دن وہیں رہیں۔ شام کے بعد ہی ہم سرنگ میں داخل ہونے کی کوشش کرتے۔ ٹیلے تک پہنچنا یوں بھی ضروری تھا کہ اس کے بعد ہم یہاں پائے جانے والے خطرناک جانوروں کی نظروں سے محفوظ ہو جاتے۔

اگر کوئی ہارن ہمیں دیکھ لیتا اور نزدیک نہ بھی آ پاتا تب بھی وہ ہمارے آس پاس ہی رہتا اور اگر زیادہ ہوتے تو ہمارے گرد گھیرا ڈال لیتے جیسا کہ انہوں نے کنوئیں والی چٹان کے پاس کیا تھا۔ میں اس کینہ پرور مخلوق سے ممکنہ حد تک دور رہنا چاہتا تھا کہ اسی میں ہماری بچت تھی۔ بالآخر مجھے پہاڑی کا ہیولہ نظر آیا اور میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ ہمیں اس کی طرف جانا ہے۔ اجنبی علاقہ ہونے کی وجہ سے راستہ تلاش کرنے میں دشواری پیش آرہی تھی اور ہمیں جھاڑیوں کے درمیان بھٹکنا پڑ رہا تھا۔ میں اور ریک سب سے آگے تھے۔ ایک جگہ راستہ دو جھاڑیوں کے درمیان سے گزر رہا تھا اور ہم سب قطار بنا کر اس کے درمیان سے گزرنے لگے تھے۔ دائیں طرف کی جھاڑی میں ہلکی سی حرکت ہوئی اور میں چوکنا ہو گیا۔ میں نے ہاتھ بلند کر کے سب کو روکنے اور بات کرنے کا اشارہ کیا تو وہ اپنی اپنی جگہ ٹھہر گئے۔ ریک کے پیچھے موجود ایرٹ نے تیرکمان کا رخ جھاڑی کی طرف کر

دیا تھا۔ اچانک جھاڑی سے وہی خوش رنگ مگر زہریلے کانٹوں والا پرندہ نکلا اور نکلتے ہی اس نے رقص کے انداز میں اپنے پر پھڑپھڑانا شروع کر دئے۔ میں چلایا۔
”پیچھے ہٹو۔“

سب سے آگے میں اور ریک تھے۔ اتفاق سے ہم دونوں کے ذہن میں ایک ہی ترکیب آئی تھی۔ ہم اپنے کرتے لہراتے ہوئے دوسری طرف مڑ گئے تھے اور اسی لمحے ایرٹ نے تیر مارا۔ پرندے نے کریہہ سی آواز نکالی اور تیر کھا کر واپس اسی جھاڑی میں گھس گیا۔ باقی سب غلٹ میں پیچھے بھاگے تھے۔ پرندے کے غائب ہوتے ہی میں اور ریک بھی بھاگے۔ ریک پیچھے تھا مگر وہ آگے نکل گیا کیونکہ چند قدم اٹھاتے ہی مجھے چکر سا آیا اور ایسا لگا جیسے تاریک رات اور تاریک ہو گئی ہو۔ میری آنکھوں کے سامنے اندھیرا سا آیا تھا۔ میں نے اندھوں کی طرف چند قدم اٹھائے اور سر جھٹکا تو اندھیرا چھٹا تھا مگر چکر اب بھی آرہے تھے اور منظر نظروں کے سامنے لہرا رہا تھا۔ تب مجھے اپنے بانیں بازو میں چھبی کسی چیز کا احساس ہوا۔ میں نے ہاتھ پھیرا اور اس گلاب کے کانٹے جیسی چیز کو نکال دیا جو کھال میں پیوست تھی۔ یہ اسی پرندے کا زہریلا کانٹا تھا جو میرے بازو میں پیوست ہوا تھا۔ میرے ساتھیوں کو ذرا دیر سے احساس ہوا۔ اس دوران میں وہ جھاڑیوں سے نکل گئے تھے اور میں ابھی جھاڑیوں کے درمیان تھا۔ ایرٹ کو پہلے احساس ہوا اور وہ پلٹ کر آیا۔

”کیا ہوا جناب آپ ٹھیک ہیں؟“

”مجھے زہریلا کانٹا لگا ہے۔“ میں نے ڈوبتی آواز میں کہا۔ اب میرے لیے کھڑے رہنا بھی مشکل ہو رہا تھا میں وہیں بیٹھ گیا۔ وہ سب میرے گرد جمع ہو گئے تھے۔ مگر یہاں خطرہ تھا۔ وہ پرندہ زیادہ دور سے نہیں نکلا تھا اور یہاں شاید اس کا گھر تھا۔ اس نے ہمیں مداخلت کا سمجھ کر حملہ کیا تھا۔ ہمارا یہاں سے نکل جانا ضروری تھا۔ ممکن ہے وہاں اور پرندے ہوتے اور وہ حملہ کرتے تو ان سے بچنا محال ہو جاتا۔ اس وقت بھی سب اس لیے بچ گئے تھے کہ ہم ایک قطار میں تھے۔ ریک کی خوش قسمتی نے اسے محفوظ رکھا تھا مگر میں اتنا خوش قسمت ثابت نہیں ہوا۔ میں خود پر جبر کر کے اٹھا اور ان سے کہا۔ ”یہاں سے ہٹو..... یہاں خطرہ ہے۔“

ان کو بھی ہوش آیا۔ ایرٹ اور ریک نے مجھے دائیں بائیں سے سہارا دے کر اٹھایا اور جھاڑیوں سے ہٹ گئے۔ یہ سلانے اور غنودگی لانے والا زہر تھا۔ کیونکہ میں نہ تو درد اور نہ ہی کسی قسم کی بے چینی محسوس کر رہا تھا بس دل چاہ رہا تھا کہ یہیں لیٹ کر سو جاؤں۔ بعض اقسام کے سانپوں کا زہر بھی یہی خاصیت رکھتا ہے۔ وہ جسے ڈس لیں وہ سو جاتا ہے اور اسی نیند میں موت خاموشی سے انسان کو ساتھ لے جاتی ہے۔ میں غنودگی سے لڑنے لگا۔ وہ لوگ مجھے جھاڑیوں سے دور لے آئے۔ ریک پوچھ رہا تھا کہ میں کیسا محسوس کر رہا ہوں اور مجھے اس کا سوال کئی بار پوچھنے پر سمجھ میں آیا۔ میں اپنے اندر ایک جنگ لڑ رہا تھا اور میری توجہ باہر کی طرف کم ہو گئی تھی۔ میں نے اسے بہ مشکل بتایا کہ میں کیا محسوس کر رہا ہوں۔ اس نے دواؤں والے تھیلے سے ایک سفوف نکالا اور پانی میں ڈال کر مجھے پلایا۔ اس نے کہا۔

”یہ زہر کا توڑ ہے۔“

اس توڑ کا اثر ہوا تھا اور میں چند منٹ بعد غنودگی کی کیفیت میں کمی محسوس کرنے لگا۔ اب چکر آنا بند ہو گئے

اور لیٹ کر سو جانے کی خواہش بھی پہلے جیسی بے قابو نہیں رہی تھی۔ اگر مجھے خود پر قابو پانے کی مشق نہ ہوتی تو شاید میں سو ہی جاتا۔ کیفیت بہتر ہوتے ہی میں کھڑا ہو گیا۔ میں جتنا متحرک رہتا ہر کارثرتا ہی کم ہوتا جاتا۔ میں نے حکم دیا۔ ”ٹیلے کی طرف چلو اس سے پہلے کہ کوئی اور مصیبت نازل ہو جائے۔“

وہ سمجھتے تھے اس لیے کسی نے اعتراض نہیں کیا اور مجھے سہارے کی ضرورت نہیں تھی مگر ریک میرے ساتھ رہا اور ہم کچھ دیر میں ٹیلے تک پہنچ گئے۔ مجھے یاد تھا کہ اوپر جانے کا راستہ کہاں ہے۔ میں نے ان کو بتایا اور وہ باری باری اوپر جانے لگے۔ پھر مجھے سہارا دے کر چڑھایا۔ سفوف کا اثر ہرگز رتے منٹ مجھے بہتر کر رہا تھا۔ یہ تیر بہ ہدف قسم کا تریاق تھا اور میرا خیال تھا کہ اسے بھی اور گانے نے بنایا ہوگا۔ جس نے جانوروں سے بچانے والا محلول تیار کیا تھا۔ جب ہم ٹیلے پر چڑھے اور محفوظ بلندی تک پہنچ گئے تو انہوں نے میرے لیے ایک جگہ بنائی جہاں میں آرام سے بیٹھ سکوں۔ باقی جس کو جہاں جگہ ملی وہیں بیٹھ گیا۔ میں نے پہلی بار مشعل کی روشنی میں اپنے بازو کا جائزہ لیا جہاں کا ٹانگہ سا تھا۔ وہاں پانچ روپے کے سکے جتنا نیلگوں دائرہ بن گیا تھا مگر اس میں تکلیف نہیں تھی۔ میں نے تیرے کر اس کی نوک اس جگہ چھوئی اور وہاں سے سیاہی مائل گاڑھا سا خون بہنے لگا تھا۔

یقیناً یہ زہریلا خون تھا۔ میں نے اسے بہنے دیا۔ کچھ دیر بعد خون سرخ ہونے لگا۔ تب میں نے انگوٹھے سے دبا کر خون روک دیا۔ خون نکلنے سے سیاہ دائرہ مدہم پڑ گیا تھا۔ اب میں زیادہ بہتر محسوس کر رہا تھا۔ کچھ دیر بعد میں نے انگوٹھا ہٹایا تو خون رک گیا تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ ریک اور دوسرے کچھ حیرت زدہ تھے۔ ریک نے کہا۔ ”آپ خوش قسمت ہیں کہ اس کے زہر نے اثر نہیں کیا ورنہ اس کے کانٹے کا شکار ہونے والا مشکل سے ہی بچتا ہے۔“

”ہاں میں خوش قسمت ہوں۔“ میں نے اقرار کیا۔ ماضی میں بھی میں زہر کا شکار ہو کر بچ گیا تھا اور اس کی وجہ اللہ کی مہربانی کے بعد وہی دوائیاں تھیں جو حکیم قادس نے مجھے دی تھیں اور جن کا جزو اعظم اس وادی سے آنے والا ایک پتھر کا سفوف تھا۔ زہریلے ترین کوبرا کے کانٹے کے باوجود میں بچ گیا تھا۔ بلکہ میرے خون میں کچھ ایسی خصوصیت پیدا ہو گئی تھی کہ اس سے بڑے کنور کے ناقابل علاج مرض کا علاج بھی ممکن ہو گیا تھا۔ مگر یہ علاج اس کی قسمت میں نہیں تھا۔ اگر وہ انسانیت کے نام پر یا سادھنا کے واسطے مجھ سے خون چاہتا تو شاید میں مان بھی جاتا مگر اس نے جبراً میرے جسم سے خون کشید کرنا چاہا تھا اور اسی کشش میں وہ ناکام رہا۔ بہر حال میرے خون میں یہ اثر اب بھی موجود تھا کہ پرندے کا مہلک زہر مجھے ہلاک کرنے میں ناکام رہا تھا۔

مجھے ذرا بھی شبہ نہیں تھا کہ خوش رنگ پرندے کا زہر بہت خطرناک ہو سکتا ہے۔ ہماری دنیا میں خطرناک ترین حیاتیاتی زہر ان جانوروں کے جسم میں ہوتے جو بظاہر بہت بے ضرر دکھائی دیتے ہیں۔ جیسے مچھلی، جیلیش، پلائی پس اور رے شارک وغیرہ۔ سانپ بچھو تو بس بدنام ہیں۔ ورنہ زہریلے ترین سانپ کا زہر بھی آدمی کو آدھے گھنٹے سے پہلے ہلاک نہیں کر سکتا ہے۔ ہاں خوف سے وہ مر جائے تو الگ بات ہے لیکن ایک قسم کی مچھلی کا زہر اتنا خطرناک ہوتا ہے کہ اگر وہ کاٹ لے تو انسان چار سیکنڈ میں مر جاتا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ قدرت نے اس مچھلی کو کانٹے کی جبلت ہی نہیں دی ہے۔ اسی طرح جیلیش کا زہر اگر زیادہ مقدار میں جسم میں آئے تو سانس رکنے سے چند منٹ میں موت واقع ہو جاتی ہے۔ پتنگ نما رے شارک کا زہر بھی بہت خطرناک ہوتا ہے۔ یہ پرندہ بھی ایسے

ہی بے ضرر دکھائی دینے والے زہریلے جانوروں میں شامل تھا۔

روشنی ہونے سے پہلے ربیک نے وہی سفوف دوبارہ پانی میں گھول کر دیا۔ میں تقریباً نوے فیصد ٹھیک ہو گیا تھا۔ بازو کا سیاہ دائرہ خاصہ ہم پڑ گیا تھا مگر ابھی پوری طرح ختم نہیں ہوا تھا۔ میں نے بازو استعمال کر کے دیکھا اور مجھے کوئی دشواری پیش نہیں آئی تھی۔ غنودگی والی کیفیت مکمل ختم ہو چکی تھی اور خاصی دیر سے جاگنے کے باوجود میں چاق و چوبند تھا۔ باقی سب آرام کر رہے تھے اور اونگھ رہے تھے۔ ان لوگوں کو خاصی دیر کے بعد اطمینان کا موقع ملا تھا اور یہ مہلت عارضی تھی۔ وہ اس وقفے میں جتنا آرام کر لیتے اتنا ہی اچھا تھا۔ میں نے کہا۔ ”دن میں سب آرام کریں گے اور رات میں ہم آرگون میں داخل ہوں گے۔“

”کس راستے سے جناب؟“ ربیک نے پوچھا۔

”وہ دیکھ رہے ہو چھوٹی سی کون جو ہر تھوڑی دیر بعد زمین سے اٹھی ہوئی ہیں۔“ میں نے ہوائی دخول کے راستوں کی طرف اشارہ کیا۔ ”یہ معبد اور آرگون کو ملانے والی سرنگ کے ہوائی دخول کے دہانے ہیں۔ ان میں سے ایک میں اندر جانے کا راستہ ہے لیکن ہم اسے اسی وقت استعمال کر سکتے ہیں جب اندر کوئی نہ ہو۔“

”آپ کا مطلب ہے کہ رات کے وقت؟“

”بالکل میری معلومات کے مطابق اس سرنگ کو رات میں صرف ہنگامی حالات میں استعمال کیا جاتا

ہے۔“

ربیک کون گن رہا تھا۔ ”یہ تو بہت ہیں۔“

”وہ جو شہر کی طرف سے چوتھی کون ہے۔“ میں نے بتایا۔ ”یہاں سے سب سے نزدیک وہی ہے۔“

”تبھی آپ اس جگہ تک آئے ہیں؟“

”نہیں یہ اتفاق ہے کہ وہ یہاں سے نزدیک ہے۔ یہاں آنے کی وجہ ہارن ہیں۔ ان کا مسکن یہاں سے

نزدیک ہی ہے۔ ان سے بچنے کے لیے یہاں اور کوئی جگہ نہیں ہے سوائے اس ٹیلے کے۔“

”اس کے باوجود اگر ہم ان کی نظروں میں آگئے تو وہ یہاں بھی گھیر لیں گے۔“

”اس لیے اب خود کو چھپاؤ۔“ میں نے کہا۔ ”ہمیں نمایاں اور اکٹھے نہیں ہونا چاہیے۔“

ہم سب ٹیلے پر اوپر نیچے اس طرح بکھر گئے کہ مختلف پناہ گاہوں میں روپوش ہو گئے اور الگ بھی ہو گئے۔

اس طرح نمایاں نہیں رہے تھے۔ مجھے بھوک لگ رہی تھی اس لیے میں نے اپنے تھیلے سے میٹھی نکلیاں نکالی اور

انہیں کھا کر چند گھونٹ پانی پیا تھا۔ یہاں پانی کا منبع نامعلوم تھا اس لیے سب کو احتیاط سے پانی استعمال کرنے کو

کہا تھا۔ میں ایک اندر کی دھنسی ہوئی چٹان کے خلا میں گھس کر بیٹھا ہوا تھا اور اس کی ساخت ایسی تھی کہ یہ جسم کو

سہارا دے رہی تھی مگر احتیاطاً میں سونے سے گریز کر رہا تھا۔ ربیک کچھ دیر ایک جھاڑی کی جڑ سے ٹکا ہوا تھا اور

ایٹ ذرا اوپر تھا۔ میں زمین سے کوئی تیس فٹ کی بلندی پر تھا۔ یہاں سے سامنے جنگل کا منظر دکھائی دے رہا

تھا۔ اچانک ہی جھاڑیوں میں ہل چل سی ہوئی اور اس میں سے دو عدد ہارن نکلے۔ انہیں دیکھتے ہی سب ایک

دوسرے کو خبردار کرنے لگے اور جو جہاں تھا وہاں زیادہ دبک گیا۔ مگر ہارن ہماری طرف نہیں آئے بلکہ وہ دائیں

طرف ذرا گھنی جھاڑیوں میں چلے گئے اور کچھ دیر بعد ہمیں اندازہ ہوا کہ وہ محبت کے مراحل طے کر رہے تھے۔ کسی

قدردوری سے ان کی حرکات اور مسرت بھری غراہٹوں سے تو ایسا ہی لگ رہا تھا۔ ربیک مسکرانے لگا۔
 ”ہمیں کوئی خطرہ نہیں ہے۔“

”جب تک ہم نظر نہیں آتے۔“ میں نے کہا۔ ہارن کا یہ جوڑا تقریباً پندرہ بیس منٹ وہاں رہا اور پھر دوڑتا ہوا اندر گھنے جنگل کی طرف چلا گیا۔ وہ یہاں اسی کام کے لیے آیا تھا۔ اب تک میں نے ہارن کو خوفناک روپ میں ہی دیکھا تھا یہ پہلا موقع تھا کہ میں اسے ذرا مختلف روپ میں دیکھ رہا تھا۔ کتنی عجیب بات ہے کہ مغرب کی دیو مالائی کہانیوں میں ہارن جیسے ایک کردار کا ذکر ملتا ہے۔ جس کا دھڑکھوڑے جیسا اور اوپری جسم انسانوں جیسا ہوتا ہے۔ وہ تیرکمان لے کر گھنے جنگلوں میں سفر کرنے والے عام انسانوں کی بلاؤں اور خطرناک مخلوقات سے حفاظت کرتا ہے۔ وہ انسانوں جیسی عقل رکھتا ہے اور بولتا بھی ہے۔ مگر یہاں جو مخلوق پائی جاتی تھی وہ قطعی حیوان تھی اور انسانوں کی شدید دشمن تھی۔ اس کی دشمنی کا روپ میں دیکھ چکا تھا کہ وہ انسان کو مارنے کے لیے خود بھی مرنے کو تیار ہو جاتا ہے۔

ہارن کے جانے کے بعد سب پھر سے ریلیکس ہو گئے۔ تھے۔ مجھے نیند آرہی تھی اور میں نے سوچا کہ کچھ دیر آرام کر لیا جائے۔ میں اسی کھوہ میں گھسا ہوا اونگھنے لگا اور کچھ دیر بعد سو گیا۔ آرام سے پہلے میں نے ربیک کی ڈیوٹی لگا دی تھی کہ وہ جاگتا رہے۔ اگر خود آرام کرے تو کسی اور کی ڈیوٹی لگا دے۔ ایک ہی پوزیشن میں زیادہ دیر سونا ممکن نہیں تھا اس لیے جب جسم بے آرام ہوا تو خود بخود میری آنکھ کھل گئی اور میں کھوہ سے نکل آیا۔ موسم آج بھی گرم اور پُر جھس تھا۔ ایسا لگ رہا تھا کہ آگ کا اثر ابھی وادی کی فضا میں باقی تھا۔ ویسے بھی یہ محدود جگہ تھی اور یہاں کوئی بھی موسمی تبدیلی بہت زیادہ محسوس کی جاسکتی تھی۔ گرمی اور جس کی وجہ سے بار بار پیاس لگ رہی تھی اور اس لیے سب ہی معمول سے زیادہ پانی پی رہے تھے مگر ہمارے پاس خاصی مقدار میں پانی تھا اور اس کا خطرہ نہیں تھا کہ پانی بالکل ہی ختم ہو جائے گا۔ یہ چوبیس گھنٹے آرام سے چل سکتا تھا۔ اس کے باوجود ہم احتیاط کر رہے تھے اور جب پیاس بڑھ جاتی تب ہی پانی پیتے تھے۔ مجھے خیال آیا کہ آرگون کا جائزہ لینا چاہیے اور میں نے ایرٹ سے کہا۔

”اوپر چلتے ہیں وہاں سے آرگون شہر نظر آتا ہے۔“

ربیک اب آرام کر رہا تھا۔ ایرٹ اور میں اوپر کی طرف روانہ ہوئے۔ ٹیلے کی بلندی سو فٹ کے لگ بھگ تھی اور یہاں سے کئی میل کی دوری تک دیکھا جاسکتا تھا۔ آرگون کی عقبی تفصیل یہاں سے کوئی نصف میل کے فاصلے پر تھی۔ جو حصہ نظر آ رہا تھا وہ شہر کا اہم ترین حصہ تھا یعنی شاہی علاقہ پھر سرکاری علاقہ اور اس کے آس پاس امرا کی رہائش گاہیں تھیں۔ اگرچہ اتنی دور سے وہاں ہونے والی سرگرمیاں دیکھنا ممکن نہیں تھا مگر مجھے اور ایرٹ کو لگا کہ وہاں بہت زیادہ چہل پہل ہے۔ شاید حفاظتی انتظامات کو از سر نو منظم کیا جا رہا تھا۔ بہت دور جنوب میں ماحول دھندلا سا تھا جیسے وہاں اب بھی دھوئیں کا اثر ہو۔ لازمی بات ہے اگر آگ باغات تک نہیں پہنچی تھی تو وہ فصل چاٹ کر بجھ چکی تھی۔ ایرٹ نے کہا۔ ”ایسا لگ رہا ہے یہاں کوئی جلسہ ہو رہا ہے۔“

میں نے اتفاق نہیں کیا۔ ”اس موقع پر جلسے کی تک سمجھ میں نہیں آرہی، میرا خیال ہے یہاں حفاظتی انتظامات پھر سے ترتیب دیئے جا رہے ہیں ہمیں نظر آنے والی سرگرمی اسی سے متعلق ہے۔ یا پھر شہر میں کوئی

ہنگامی صورت حال درپیش ہے۔“

ایرٹ نے میری طرف دیکھا۔ ”اس صورت میں ہمارا اندر گھسنا مناسب ہوگا؟“

”یہ تو اسی وقت پتا چلے گا جب ہم اندر پہنچ جائیں گے۔“ میں نے کہا۔ ”ہمیں آج رات اندر گھسنا ہے البتہ کارروائی کرنی ہے یا نہیں اس کا فیصلہ ہم اندر جانے کے بعد ہی کریں گے۔ ممکن ہے حالات سازگار نہ ہوں تو ہم جیسے اندر گئے ہوں گے اسی طرح واپس بھی آجائیں گے۔ ایک بات ذہن نشین کر لو ہم خود کشی کرنے نہیں جا رہے ہیں ہر قدم سوچ سمجھ کر اور دیکھا بھال کر اٹھانا ہے۔“

ایرٹ نے سر ہلایا۔ ہم خاصی دیر اوپر رہے اور رفتہ رفتہ آرگون میں نظر آنے والی سرگرمی مدہم پڑ گئی۔ ایسا لگ رہا تھا جس مقصد کے تحت یہ سرگرمی جاری تھی وہ پورا ہو گیا تھا۔ ہم نیچے اترے تو شام قریب تھی۔ ساشا ایک طرف بیٹھی اپنے طویل سنہری مائل بھورے بال سنوار رہی تھی۔ میں نے یہاں عورتوں کے بال عام طور سے سنہری، سرخ یا کس براؤن رنگ کے دیکھے تھے۔ بہت کم ایسی تھیں جن کے بال سیاہ یا گہرے رنگ کے ہوں۔ ہمارے درمیان وہ واحد فرد تھی جس نے سفید لباس پہنا ہوا تھا۔ میں اس کے پاس آیا۔ ”تمہیں لباس بدلنا ہوگا۔“

”میرے پاس اور لباس نہیں ہے۔“

”ہمارے پاس ہے۔“ میں نے کہا اور آرگون کی فوجی وردیاں نکال کر اس کے سامنے ڈھیر کر دیں۔ ”اس میں سے دیکھ لو جو تمہیں پورا آئے وہ پہن لو۔“

اس نے میری طرف دیکھا۔ ”کیا تم لوگ آرگون میں داخل ہو گے؟“

”بالکل ہم اسی لیے یہاں آئے ہیں۔“

”اور مجھے بھی ساتھ لے جاؤ گے؟“

”ظاہر ہے ورنہ تمہیں یہاں کیوں لاتے؟“

”میں جو جانتی ہوں تمہیں بتا چکی ہوں پھر مجھے ساتھ رکھنے کا کوئی جواز نہیں ہے۔“

”جواز ہے۔“ میں نے آہستہ سے کہا۔ ”میرا خیال ہے تم جتنا جانتی ہو تم نے اتنا بتایا نہیں ہے۔“

وہ کچھ دیر مجھے گھورتی رہی پھر اس نے وردیوں میں سے اپنے ساز کی وردی تلاش کی اور اسے لے کر نیلے کے ایک ایسے حصے میں چلی گئی جہاں وہ لباس بدل سکتی تھی۔ میں جب اسے دیکھتا مجھے رویر کا خیال آتا اور میرا دل یہ سوچ کر بوجھل ہو جاتا کہ ریٹا اور اس کے ظالم آدمیوں کی قید میں نہ جانے اس پر کیا گزر رہی ہو گی؟ مگر فی الحال اس کے لیے میں یا کوئی بھی دوسرا کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ وہ تقدیر کے حوالے تھی۔ اگر اس کے نصیب میں زندگی اور رہائی تھی تو یہ اسے ضرور ملے گی۔ صرف وہی نہیں بلکہ آرگون کے ہزاروں شہری زندگی اور رہائی کی امید میں بیٹھے تھے۔ ساشا لباس بدل کر آئی تو اب وہ ہمارے جیسی لگ رہی تھی۔ سفید رنگ کے لباس میں وہ الگ اور نمایاں تھی۔ اگرچہ ریٹا اور سرکاری حکام کے لیے مخصوص حصے میں جو پہریدار تھے ان کی وردی سرمئی رنگ کی تھی اور ہم عام سرخ فوجی وردی میں تھے مگر پھر بھی ہمیں اجنبی سمجھنا دشوار تھا۔ جب تک ہم پر شک نہ ہوتا کوئی ہمیں نہ روکتا۔

اگر ہمارے لیے ریٹا اور سرکاری حکام کے لیے علاقے میں گھسنا دشوار ہوتا تو ہم شہر کی طرف جاسکتے

تھے اور وہاں کہیں پناہ حاصل کر سکتے تھے۔ میری چھٹی حس کہہ رہی تھی کہ یہ مہم اتنی آسان نہیں ہوگی اور ایسی عجلت جس میں ہمارا راز فاش ہو جائے ناکامی کا سبب بن جائے گی۔ صرف ایک درجن افراد کے ہمراہ سینکڑوں اور ہزاروں مسلح افراد کا مقابلہ دیوانے کا خواب تھا۔ ایک ایسی مہم جس کی ناکامی کا امکان دیکھا جائے تو ننانوے فیصد سے بھی زیادہ تھا اور کامیابی کا امکان ہزار میں ایک بھی نہیں تھا۔ اس لیے اسے دیوانے کا خواب کہا جاسکتا تھا۔ مگر میں اوپر والے کے بھروسے پر جا رہا تھا۔ مجھے امید تھی کہ جیسے اس نے پہلے بے شمار مواقعوں پر ناقابل یقین کامیابی دی تھی اسی طرح اس مہم میں بھی کامیاب کرے گا۔ اوپر سورج ڈھلتے ہی نیچے تاریکی چھانے لگی تھی۔ ہم نے کچھ مشعلیں جلا لیں مگر اس طرح کہ ان کی روشنی براہ راست دور سے نہ دیکھی جاسکے اور آس پاس اجالا رہے۔ دن ڈھلا اور گرمی میں کمی آئی تو سب اٹھ گئے تھے۔ خوش گپیوں کے ساتھ کھانے پینے کا سلسلہ جاری تھا۔ وہ سب نوجوان تھے اور ان کی گفتگو کا مرکز لڑکیاں تھیں۔ تقریباً سب کی کوئی نہ کوئی پسند تھی۔ ربیک میرے ساتھ تھا۔ میں نے اس سے پوچھا۔

”تمہیں کوئی لڑکی پسند ہے؟“

اس نے نفی میں سر ہلایا۔ ”میں نے کبھی اس بارے میں سوچا ہی نہیں۔“

”ان سب کو تو کوئی نہ کوئی پسند ہے۔“

”مجھے بھی شاید کوئی پسند آجائے۔“ اس نے کہتے ہوئے دزدیدہ نظروں سے ساشا کی طرف دیکھا۔ یہ ایک لمبائی نظر تھی مگر مجھے اس میں پسند کا رنگ دکھائی دیا۔ وہ ایک پتھر سے یوں ٹیک لگا کر بیٹھی تھی کہ اس کی کمر کمان ہو گئی تھی اور کسی قدر فننگ کے کرتے میں اس کا یہ پوز بہت نظر نواز تھا۔ ربیک اب الاؤ جلا رہا تھا تاکہ کھانا تیار کیا جائے۔ کئی وقت سے خشک اور تیار اشیاء پر گزارا ہو رہا تھا۔ انہوں نے ایک تو دلہ نما چیز کی تیاری شروع کی اور اس کے ڈول ڈالا۔ یہاں ڈول نما برتن تھے جن میں کچھ پکایا جاسکتا تھا۔ پھر انہوں نے خشک کی ہوئی سبزیوں اور خشک گوشت کی ایک ڈش کے لیے سامان نکالا۔ الاؤ بھی اس طرح جلایا تھا کہ اس کی روشنی دور سے نظر نہ آئے۔ ایک گھنٹے میں کھانا تیار ہو گیا اور سب نے کھا بھی لیا۔ میں نے دلہ لیا تھا کیونکہ دوسری ڈش میں گوشت تھا۔

میری ہدایت پر سب نے سیر ہو کر کھایا کیونکہ آگے کچھ پتا نہیں تھا کہ کیا ملے اور کیا نہ ملے۔ کھانے کے بعد باقی سب آرام کرنے لگے اور میں ربیک اور ایرٹ کے ساتھ میٹنگ میں لگ گیا۔ ایما اور مارٹ کچھ فاصلے پر موجود تھے۔ مگر وہ صرف سن رہے تھے۔ میں نے کہا۔ ”ایک بات ذہن میں رکھو کہ ہم ایک بہت ہی مشکل مہم پر جا رہے ہیں جہاں سے زندہ واپسی یا کامیابی کا امکان بہت کم ہے۔“

”ہم سمجھتے ہیں جناب۔“ ایرٹ نے کہا۔

”دوسرے ہم صرف ہتھیار اور پانی ساتھ لے جاسکتے ہیں۔ باقی سارا سامان یہیں چھوڑ کر جانا ہوگا جس میں خوراک بھی شامل ہے۔“

”اسی لیے تو سب نے آپ کے حکم پر ڈٹ کر کھالیا ہے۔“ ربیک ہنسا۔ ”آگے کا کچھ پتا نہیں ہے اور یہ بات سب سمجھتے ہیں۔“

”ہمیں ایک دستے کی صورت میں اندر گھسنا ہوگا۔ کیونکہ ہمیں شہر کی طرف جانا ہے اس لیے اگر وہاں کسی نے روکا تو ہمارا بہانہ ہوگا کہ دوپہر میں ہم کچھ خاص سامان لے کر معبد گئے تھے اور اب واپس آئے ہیں۔“

”اگر کسی نے پوچھ لیا کہ ہم تو جاتے نظر نہیں آئے؟“ ربیک نے سوال کیا۔

”فرض کرو تم سے یہ سوال کیا جائے تو تمہارے پاس کیا جواب ہوگا؟“

”یہی کہ ہم تقریباً صبح کے وقت گئے تھے۔ لازمی بات ہے اس دوران میں پہرہ دینے والوں کی تبدیلی ہوئی ہوگی۔“

”بہترین جواب ہے اور اسی لیے تم ہمارے سربراہ ہو گے۔“ میں نے کہا۔ ”میں بول نہیں سکوں گا اس لیے اگر کسی نے مجبور کیا تو میں گونگا بن جاؤں گا۔“

ربیک ہچکچایا مگر پھر مان گیا۔ ”ٹھیک ہے جیسا آپ کہیں۔“

”ہمارا تعلق شہر کے اندر پہرہ دینے والی فوج سے ہوگا۔ ہم اندر ہی تعینات ہیں۔“

”یعنی باہر ہونے والی جنگ سے ہمارا کوئی تعلق نہیں ہوگا۔“ ایرٹ نے سر ہلایا۔ ”یہ مناسب حکمت عملی ہے ورنہ باہر موجود سپاہ کی شہر میں موجودگی کا کوئی جواز نہیں ہوگا۔“

”سب چیزیں طے کر لی جائیں تاکہ ہر شخص ایک ہی بات کرے۔“ میں نے کہا۔ ”ہماری تعیناتی مشرقی سمت میں ہوگی۔“

”ایک سوال ہے۔“ ایرٹ نے ہاتھ اوپر کیا۔ ”اگر ہم کسی وجہ سے پھنڑ جائیں تو.....“

”اس صورت میں سب شہر کے وسط میں جمع ہونے کی کوشش کریں گے۔ جہاں عام لوگوں کی رہائش ہو۔ امرا، سرکاری اور شاہی علاقے سے دور نکلنے کی کوشش کریں گے کیونکہ وہاں سب سے زیادہ خطرہ ہے۔ کسی بھی مشکل صورت حال میں سب اپنی جان بچانے کی کوشش کریں گے۔“

رفتہ رفتہ ہم نے بہت سے چھوٹی چھوٹی چیزیں بھی طے کر لیں کہ کس صورت میں ہمیں کیا کرنا تھا۔ اس میں خاصا وقت لگا تھا مگر اب ایک مکمل پلان ہمارے سامنے موجود تھا۔ ہم تینوں دن میں آرام کر چکے تھے اور اب ہمیں آرام کی خاص ضرورت نہیں تھی۔ پیٹ بھرنے سے خمار کا جو وقت ہوتا ہے وہ ہم نے گفتگو کر کے گزار دیا تھا اور چاک و چوبند ہو گئے تھے۔ نصف رات سے پہلے سب تیار تھے۔ روانگی سے پہلے ربیک نے سب کو تفصیل سے اپنا پلان بریف کیا۔ اس مہم کا کمانڈر میں تھا لیکن اگر ہمارا سامنا اندرونی پہرے داروں سے ہوتا تو ربیک کمانڈر بن جاتا۔ بریفنگ کے بعد سب ٹیلے سے اترے۔ اپنا سارا ہی سامان ہم نے ٹیلے پر ایک جگہ محفوظ کر دیا تھا۔ اب سب کے پاس ہتھیار تھے اور پانی کی چھالگلیں تھیں۔ ہاں سب نے سفید کرتے اور پاجامے پر مشتمل اپنا عام لباس بھی ساتھ رکھ لیا تھا تاکہ ضرورت پڑنے پر ہم عام آدمی کا روپ دھار سکیں۔ ربیک نے دواؤں والا تھیلا بھی ساتھ لے لیا تھا کہ اس کی ضرورت پڑ سکتی تھی۔ ہم نے تین عدد مشعلیں جلائی تھیں۔

”جھاڑیوں سے دور رہنا ہے۔“ میں نے خبردار کیا۔ ”اگر پرندہ نظر آئے تو سب اپنی ڈھالوں کے پیچھے پناہ لیں گے۔“

ہمارے پاس چھ عدد ڈھالیں بھی تھیں۔ مگر شہر میں داخل ہونے کے بعد ہم ان ڈھالوں کو چھوڑ دیتے

کیونکہ ان کا کام تو صرف میدان جنگ میں یا شہر سے باہر ہوتا تھا۔ شہر میں سپاہی ڈھال لے کر نہیں گھومتے ہوں گے۔ مگر اس کا فیصلہ ہم اندر جانے کے بعد ہی کر سکتے تھے۔ ٹیلے سے اتر کر ہم چوتھی کون تک آئے۔ جب اس کے نزدیک پہنچے تو اس کی اصل جسامت واضح ہوئی اور میرے ساتھی حیران ہوئے تھے کہ اس ویرانے میں یہ بیس بائیس فٹ اونچی تعمیر کیسے کی گئی ہوگی۔ یہ پکی ہوئی اینٹوں سے بنی ہوئی اتنی مضبوط تعمیر تھی کہ بے شمار سال گزر جانے کے بعد یہ ذرا بھی شکست ورنخ سے محفوظ تھیں۔ بلکہ اس کے اوپر گرد جم گئی تھی اور پلاسٹر کا کام دے رہی تھی جو اصل تعمیر کو موسم کی شکست ورنخ سے محفوظ رکھتی۔ ربیک نے اوپر کی طرف دیکھا اور بولا۔ ”ہم اوپر تک نہیں جا سکتے ہیں۔“

ایرٹ نے اس کی تائید کی۔ ”ہاں یہ تو بالکل سیدھی ہے کہیں ذرا سا بھی خلا نہیں ہے۔“

”اسے اسی لیے ایسا بنایا گیا ہے کہ کوئی جانور اوپر نہ چڑھ سکے اور سوراخ سے اندر نہ جاسکے۔ اگر وہ اندر جائے گا تو بلندی اتنی ہے کہ نیچے گرنے والا جانور مر جائے گا یا شدید زخمی ہوگا۔ مگر ہم نے اس پر چڑھنا نہیں ہے۔“

”تب نیچے کیسے اتریں گے؟“

میں نے ایک مشعل لے کر جھاڑیاں ہٹائیں اور کون میں بنا ہوا خفیہ دروازہ سامنے آگیا۔ ”دروازہ.....“

ربیک نے مضطرب لہجے میں کہا۔ ”یہ کس نے بنایا ہے؟“

”کیرٹ نے۔“ میں نے جواب دیا۔ ”اسی نے مجھے اس بارے میں بتایا تھا۔“

”آپ نے پہلے بھی اسے دیکھا ہے؟“ ربیک نے پوچھا۔

”ظاہر ہے ورنہ میں تم لوگوں کو سیدھا یہاں کیسے لاتا۔ میں روبیر کے ساتھ یہاں آیا تھا۔ کیرٹ نے نہ جانے کیسے اسے بنوایا اور یہاں سے نیچے اترنے کا مکمل انتظام بھی کیا۔“ میں نے انہیں رسیوں کے بندل دکھائے جو یہاں موجود تھے۔ اگرچہ ہمیں ان کی ضرورت نہیں تھی کیونکہ ہمارے پاس بھی خاصی رستی تھی۔ اپنے باپ کا نام سن کر ساشا آگے آئی۔ اس نے خفیہ دروازہ دیکھا۔

”یہ بابا نے بنوایا ہے؟“

”ہاں یہ کیرٹ نے بنوایا ہے۔ صرف یہی نہیں اس نے اپنے لوگوں کی آزادی کے لیے اور بھی بہت کچھ کیا ہے۔“

”اپنی جان تک دے دی۔“ ساشا بولی۔

”ہاں انسانوں میں سب سے عظیم وہی مانا جاتا ہے جو دوسروں کے لیے اپنی جان دیتا ہے اور کیرٹ نے یہ عظمت حاصل کر لی ہے اب ہمیں اس کے نقش قدم پر چلنا ہے۔ اس وادی کی آنے والی نسلوں اور ان کی آزادی کے لیے ضرورت پڑنے پر اپنی جان بھی قربان کرنی ہے۔“

میری اس بات پر ساشا مجھے عجیب نظروں سے دیکھ رہی تھی اس نے آہستہ سے کہا۔ ”تمہارا تعلق یہاں سے نہیں ہے۔“

”میرے نزدیک سب انسان ایک سے ہیں۔“

ریک نے اندر گھس کر احتیاط سے دروازہ کھولا۔ پچھلی باریہ بہت مشکل سے کھلتا تھا مگر اس بار آسانی سے کھل گیا۔ اس نے اندر جھانکا اور پھر پلٹ کر بولا۔ ”سرنگ میں روشنی ہے۔“

”سرنگ میں ہمہ وقت روشنی ہوتی ہے کیونکہ یہاں دن میں بھی تاریکی ہوتی ہے۔“ میں نے بتایا اور آگے آیا۔ کچھ دیر دیکھتا رہا مگر اندر کوئی حرکت نظر نہیں آئی۔ اگر یہاں پہرہ تھا تو کوئی پہرے دار اس حد تک نہیں آ رہا تھا۔ میں نے پہلے خود جانے کا فیصلہ کیا۔ رستی کو ذرا فاصلے پر موجود ایک مضبوط درخت کے تنے سے باندھ دیا تھا۔ میں نے اپنے تمام ہتھیار اتار دیئے۔ رستی کو مخصوص انداز میں اپنے بازو کے گرد لپیٹا اور پھر اس کا ایک حصہ پاؤں میں لپیٹا۔ وہ غور سے مجھے دیکھ رہا تھا کہ میں یہ کیا کر رہا ہوں؟ میں نے رستی نیچے پھینکی اور پھر خود بھی اچانک ہی سر کے بل نیچے گیا۔ مجھے یوں گرنے کے انداز جاتے دیکھ کر ان لوگوں کے منہ سے اضطرابی آوازیں نکلی تھیں اور بیک وقت کئی سرکون کے خفیہ دروازے پر نمودار ہوئے تھے۔ مگر جب انہوں نے مجھے الٹا لٹکے پایا تو اطمینان کا سانس لیا۔ میں نے آہستہ سے کہا۔ ”کوئی اور اس طرح نہ آئے اور اگر میں ہاتھ دائرے میں لہراؤں تو رستی اوپر کھینچنا۔“

میں کہتے ہوئے نیچے سرکنے لگا۔ ایک پاؤں پر رستی لپٹی تھی اور دوسرے جوتے کی نوک سے اسے کھلنے سے روک رہا تھا۔ جب میں بیک وقت نوک اور ہاتھوں کی گرفت نرم کرتا تو نیچے پھسلنے لگتا تھا۔ بظاہر یہ بڑا خطرناک تھا مگر رستی سے نیچے جانے کا سب سے آسان طریقہ تھا کیونکہ آپ کا سر نیچے ہوتا ہے اور آپ سب دیکھ رہے ہوتے ہیں اگر میں سیدھا جاتا تو پہلے میرے پاؤں ظاہر ہوتے اور میں نہیں دیکھ سکتا تھا کہ سرنگ میں کوئی ہے جو مجھ دیکھ سکتا ہے۔ اب پہلے میں دیکھتا اور پھر کسی کو نظر آتا۔ رفتہ رفتہ رستی چھوڑتے ہوئے میں نیچے تک آیا۔ میں نے نیچے اتنی ہی رستی پھینکی تھی جو سرنگ کے فرش سے ذرا اوپر ختم ہو جائے بالکل نیچے تک نہ جائے۔ یہ فرش سے کوئی پانچ فٹ اوپر تھی۔ ایک منٹ بعد میرا سر سرنگ کی چھت تک پہنچ گیا۔ میں نے گردن گھما کر دونوں طرف دیکھا۔

اگرچہ درخت کے بڑے تنوں سے بنی تکنوی شکل کی آرج جس نے چھت کو سہارا دیا ہوا تھا وہ نظروں میں حائل تھیں مگر دس گز تک زمین صاف نظر آرہی تھی اور یہاں کوئی فرد نہیں تھا۔ احتیاطاً میں مزید نیچے ہوا۔ دونوں طرف سرنگ دور تک صاف اور خالی تھی۔ ہر دس قدم کے بعد دونوں طرف دیوار میں مشعلیں روشن تھیں۔ میں نے رستی سے پاؤں نکالا اور اب میں سیدھا جھول رہا تھا۔ فرش میرے پیروں سے کوئی چار فٹ نیچے تھے مگر میں سیدھا نہیں اترا بلکہ ذرا سا جھولا لیا اور آرج کے ستون کی آڑ میں کودا تھا۔ ستون کوئی دو فٹ موٹا اور مضبوط ترین لکڑی کا بنا ہوا تھا۔ اس کے اوپر تختے لگے تھے جو اصل میں مٹی کو نیچے آنے سے روکنے کے لیے تھے۔ سرنگ کا فرش اور دیواریں پکی ہوئی اینٹوں کی بنی ہوئی تھیں۔ رستی چھت سے نیچے آرہی تھی میں نے اسے بھی سمیٹ کر کنارے کر لیا۔ اگرچہ یہاں کوئی نہیں تھا مگر آنے کا احتمال بھی تھا اور ہم جتنا نظروں سے بچتے اتنا محفوظ رہتے تھے۔

میں نے جھانک کر اوپر اشارہ کیا تو پہلے ایرٹ آیا۔ وہ بھی نیچے اترتے ہی ستون کی آڑ میں ہو گیا۔ اس کے بعد ایما ر آیا تھا۔ باری باری سب نیچے آتے رہے اور ستونوں کی آڑ میں ہوتے رہے۔ دس منٹ میں سب نیچے آ گئے تھے۔ پھر ایرٹ اور ایما ر نے ایک کام کیا۔ ایما ر ہلکے جسم کا تھا۔ وہ ایرٹ کے شانوں پر پاؤں رکھ کر کھڑا

ہوا اور اس نے رتی کو لپیٹ کر ستون کے اوپری حصے میں یوں چھپا دیا کہ نیچے کوئی دیکھ نہیں سکتا تھا۔ رتی اوپر سے کون کی اندرونی دیوار کے ساتھ چپکی ہوئی تھی اس لیے نیچے سے نظر نہیں آ رہی تھی آخر میں ریک آیا تھا جو دروازہ بند کرتا آیا تھا۔ اب ہم اس راستے کو واپسی کے لیے استعمال کر سکتے تھے لیکن میری خواہش تھی کہ ہماری واپسی نہ ہو اور ہم یہیں کامیاب ہو کر رہیں۔ سا شا درمیان میں آئی تھی اور میں اسے دیکھ کر حیران ہوا تھا کیونکہ اس نے سر پر ایک اسکارف نما کپڑا باندھ لیا تھا تاکہ اس کے بال چھپ جائیں اور چہرے پر ہلکی سی مٹی لی تھی جس سے اس کی جلد کی ملائم پن اور نرمی چھپ رہی تھی۔ یہ احتیاط ریک نے بھی کی تھی۔ میں نے اس سے کہا۔

”کسی سے سامنا ہونے کی صورت میں سامنے مت آنا۔“

اس نے سر ہلایا۔ ”میں سمجھتی ہوں۔“

ہم دیواروں سے لگے لگے اور ستونوں کی آڑ لیتے ہوئے سرنگ کے دہانے کی طرف بڑھے۔ یہاں سے آرگون میں نکلنے والا دہانہ زیادہ دور نہیں تھا۔ کیونکہ سرنگ آخری حصے میں اوپر اٹھ رہی تھی اور یہ والا حصہ نیچا تھا اس لیے سرنگ کا دہانہ بالکل نزدیک جانے پر نظر آیا۔ اس سے ہمیں بھی آسانی رہی کہ کوئی ہمیں وہاں سے نہیں دیکھ سکتا تھا۔ ہم دس منٹ میں دہانے تک پہنچ گئے اور پہلے میں نے دیوار سے لگ کر باہر دیکھا۔ اس وقت باقی سب نیچے تھے۔ سامنے وسیع میدان تھا۔ میں اس جگہ سے گزر چکا تھا۔ اس لیے یہاں کا نقشہ میرے ذہن میں تھا۔ یہ میدان بیک وقت شاہی محل، سرکاری دفاتر اور کسی قدر امرا کے محلات کے ساتھ لگتا تھا۔ مگر یہاں آمد و رفت کے دوراستے تھے۔ ایک راستہ جو براہ راست شاہی محل سے آتا تھا۔ دوسرا سرکاری عمارتوں کی طرف سے آتا تھا۔ ہمیں اسی طرف سے جانا تھا۔ کیونکہ یہیں سے گزر کر ہم شہر تک رسائی حاصل کر سکتے تھے۔

پہلے میرا ارادہ تھا کہ شاہی محل پر براہ راست دھاوا بولا جائے مگر جب سا شانے اس کے حفاظتی انتظامات کے بارے میں بتایا تو میں نے ارادہ ترک کر دیا۔ اب ہمیں شہر میں پہلے ان مددگار گروہوں تک رسائی حاصل کرنی تھی جو پورے شہر میں پھیلے ہوئے تھے اور کیرٹ نے نقشے پر ان کی نشاندہی کی تھی۔ مگر اس نے مزید یہ نہیں بتایا تھا کہ میں ان تک رسائی کیسے حاصل کروں گا۔ آرگون بہت بڑا شہر نہیں ہے۔ ہمارے حساب سے یہ ایک معمولی سا قصبہ کہلا سکتا ہے۔ اس کی آبادی تیس ہزار سے زیادہ نہیں تھی۔ مگر کسی کو تلاش کرنے کے لحاظ سے یقیناً یہ خاصا بڑا شہر تھا۔ مصیبت یہ تھی کہ ریٹاٹ کے خلاف بغاوت کرنے والوں کا کوئی اتا پتا نہیں تھا اور ہم دروازے بجا کر لوگوں سے ان کے بارے میں نہیں پوچھ سکتے تھے۔ معلوم نہیں کیوں کیرٹ نے اتنا اہم نقطہ نظر انداز کر دیا تھا۔ اس وقت میں نے بھی اس پر توجہ نہیں دی تھی۔

مگر اب ہم شہر میں تھے اور باغیوں سے رابطہ کرنا از حد ضروری ہو گیا تھا کہ وہی میری اصل مدد کر سکتے تھے۔ میں سوچ رہا تھا کہ ہمیں سرکاری علاقے کے بجائے کسی اور راستے سے آگے جانا چاہیے مگر میں کسی ایسے راستے سے لاعلم تھا اور میرے ساتھی تو پہلی بار اس شہر میں آئے تھے۔ صرف ایک سا شا تھی جو اس شہر سے اچھی طرح واقف تھی۔ میں نے اشارے سے سا شا کو آگے بلایا اور اس سے کہا۔ ”وہ دیکھو عام شہر کی طرف جانے کے لیے وہ ایک راستہ ہے کیا تمہارے علم میں کوئی دوسرا راستہ ہے؟“

”ہے۔“ اس نے خلاف توقع کہا۔ ”وہ امرا کے محلات کے درمیان سے گزرتا ہے مگر وہاں بھی سخت پہرہ ہوتا

ہے اور عام لوگ یا فوج اس راستے سے نہیں گزرتی ہے صرف امرا اور ان کے ملازمین یہ راستہ استعمال کرتے ہیں۔“
”کیا یہ فیصل تک جانے کے لیے مختصر پڑتا ہے؟“

”ہاں اس راستے سے کم ہے۔“ ساشا نے سر ہلایا اور سرکاری دفاتر کے درمیان سے گزرنے والے راستے کی طرف اشارہ کیا۔ میں ساشا کے ہمراہ واپس آیا۔ ایرٹ اور ربیک کے سامنے صورت حال رکھی۔

”سرکاری دفاتر والے راستے پر فوجی دستے ملنے کا پورا امکان ہے۔ اگر انہوں نے روک لیا اور ہم کسی سوال کا تسلی بخش جواب نہ دے سکے تو راز فاش ہو جائے گا۔ دوسری طرف امرا کے علاقے سے عام لوگوں اور فوج کو گزرنے کی اجازت نہیں ہے۔“

”یہ جنگ کا وقت ہے۔“ ایرٹ نے کہا۔ ”ایسے میں فوج کو سب کرنے کی اجازت ہوتی ہے۔“
”ہم دیکھ چکے ہیں کہ ریٹاٹ نے سپاہیوں کو کس حد تک آزادی دی ہوئی ہے۔“ ربیک بولا۔ ”اس لیے اگر ہم امرا کے علاقے سے جائیں تو کوئی نہیں روکے گا۔“

مختصر بحث کے بعد امرا کے محلات کے درمیان سے گزرنے والا راستہ اختیار کرنے کا فیصلہ ہوا اور ہم روانہ ہوئے۔ سرنگ سے نکلنے ہی ہم نے دستے کا روپ دھار لیا اور اپنی چال ڈھال بھی سپاہیوں جیسی کر لی۔ ہم دھیمی رفتار سے دوڑ رہے تھے۔ ساشا کو درمیان میں اس طرح رکھا تھا کہ وہ کسی کو نظر نہ آئے۔ میدان میں شاہی محل کی فیصل کے ساتھ ساتھ ہر چند قدم کے فاصلے پر سپاہی موجود تھے اور انہوں نے سرمئی رنگ کی وردی پہن رکھی تھی۔ انہوں نے ہمیں دیکھ لیا تھا، مگر انہوں نے نہ تو ہماری طرف توجہ دی اور نہ ہی کسی نے ہمیں روکا۔ ہم آرام سے امرا کے محلات کے درمیان سے گزرنے والی شاہراہ پر آ گئے۔ یہ صاف ستھری شاہراہ پتھروں سے بنی تھی اور اس کے دونوں کناروں پر باقاعدہ فٹ پاتھ بنے ہوئے تھے۔ جن کے ساتھ بارش کے پانی کی نکاسی کے لیے نالیاں تھیں۔ یہاں عالی شان عمارتوں پر پہریدار دکھائی دے رہے تھے۔ پوری سڑک پر کنارے لگے کھمبوں پر روشن لیمپ لگے ہوئے تھے۔ یہ تیل سے جلنے والے دیے تھے۔ ہر چیز سے یہ پوش ترین علاقہ لگ رہا تھا۔

پورا آرگون شہر تقریباً چار کلومیٹر طویل تھا جو طوالت جنوب سے شمال کی طرف تھی اور اس کی چوڑائی مشرق سے مغرب کی طرف تین کلومیٹر تھی۔ رقبے کے لحاظ سے یہ خاصا بڑا شہر تھا۔ یہاں جگہ جگہ میدان تھے۔ شاہراہیں بہت چوڑی اور صاف ستھری تھیں۔ اسی طرح مکانات کا سائز بھی بڑا تھا۔ عام افراد کے لیے بھی مکان خاصے بڑے اور پختہ تعمیر کیے گئے تھے۔ شمال کا پورا حصہ خاص تھا۔ یہاں شاہی محل جو اصل میں پورا ایک کمپلکس تھا۔ پھر سرکاری دفاتر اور گودام تھے۔ یہیں وہ کارخانے تھے جو ضروریات زندگی کی اشیاء تیار کرتے تھے۔ شاہی محل شمال مشرقی سمت تھا جب کہ دفاتر اور گودام وغیرہ شمال کی طرف کسی قدر وسط اور جنوب میں تھے۔ امرا کے محلات شمال مغرب میں تھے اور ان کا ایک چھوٹا سا حصہ سرنگ والے میدان کے ساتھ لگتا تھا۔ اس سرنگ کے ساتھ لگنے والا سرکاری علاقہ اصل میں گوداموں اور اشیاء بنانے والے کارخانوں پر مشتمل تھا۔ ابھی تک ہمیں کسی نے نہیں روکا تھا اور عمارتوں کے پہریداران کے دروازوں تک محدود تھے۔ مجھے کوئی فوجی دستہ بھی نظر نہیں آیا تھا۔

”دن میں یہاں بہت سرگرمی تھی لیکن اس وقت یہاں سناٹا ہے فوجی دستے تک نہیں ہیں۔“ ایرٹ نے میرے ساتھ دوڑتے ہوئے کہا۔ ربیک سب سے آگے تھا۔

”تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔“ میں نے کہا۔ ”تم نے دیکھا کہ شاہی محل کی فسیل کے ساتھ بھی سپاہی موجود ہیں پہلے یہ یہاں نہیں تھے۔ جب میں یہاں لایا گیا تو سپاہی صرف فسیل پر تھے۔ احاطے کے اندر بھی سپاہی صرف عمارتوں پر تھے۔ مگر اب ایسا لگ رہا ہے جیسے ریٹائرڈ اور شاہی محل کی حفاظت بہت زیادہ بڑھادی گئی ہے۔“

ہم جس رفتار سے چل رہے تھے دس منٹ بعد ہم امرا کے علاقے سے نکل آئے اور عام شہری علاقے میں داخل ہوئے۔ یہاں ایک چوڑی دیوار تھی جو دونوں علاقوں کو جدا کر رہی تھی۔ مگر دیوار کے راستے پر کوئی پہرہ نہیں تھا یہاں کوئی گیٹ بھی نہیں تھا صرف راستہ بنا ہوا تھا۔ اب تک ہمیں کوئی فوجی دستہ نہیں ملا تھا۔ عام آبادی والے علاقے میں بھی ویرانی اور سناٹا تھا۔ لوگ اپنے گھروں میں دیکھے ہوئے تھے۔ بہت کم گھروں سے روشنی جھلک رہی تھی۔ یہاں گلیوں میں روشنی کا کوئی انتظام نہیں تھا۔ میں نے دیکھا وہاں اب گندگی اور کچرے کا راج تھا ایسا لگ رہا تھا کہ اس علاقے کی صفائی ستھرائی چھوڑ دی گئی تھی۔ جب کہ پہلے عام افراد کی آبادی بھی صاف ستھری اور تمام بنیادی سہولتوں سے آراستہ تھی۔ ریٹائرڈ کی طرز حکمرانی کی ایک جھلک اس علاقے کی حالت زار پیش کر رہی تھی۔

جب اوپری اور حکمران طبقے میں بدعنوانی آجائے تو عام آدمی کی حالت میں ایسا ہی تغیر آتا ہے۔ جیسا کہ آرگون کے اس عام آبادی والے علاقے میں دکھائی دے رہا تھا۔ وجہ سادہ تھی کہ وسائل کا بیشتر حصہ حکمران طبقے پر خرچ کیا جا رہا تھا اور عام افراد کے لیے بہت کم حصہ رہ جاتا تھا۔ ایک جگہ چھوٹا سا پارک تھا جس کی دیکھ بھال نہ ہونے سے اس کی گھاس بڑھ گئی تھی اور دوسرے غیر ضروری پودے اگ آئے تھے۔ چھٹائی نہ ہونے سے درخت بے ہنگم ہو رہے تھے۔ مجھے یہ جگہ عارضی پناہ کے لیے مناسب لگی اور ہم پارک میں آ گئے۔ اس کے گرد چار فٹ اونچی چار دیواری تھی اور دو طرف سے راستے تھے۔ پارک کی حالت سے لگ رہا تھا کہ کسی نے مہینوں سے یہاں کا رخ نہیں کیا ہے۔ اس لیے اب بھی کسی کے آنے کا امکان نہیں تھا۔ میں نے کہا۔ ”سب یہیں رکیں میں اور ربیک باہر کا جائزہ لے کر آتے ہیں۔“

”میں بھی چلوں؟“ ایرٹ نے التجا کی۔

”نہیں تم یہاں دیکھو گے اب یہ سب تمہارے سپرد ہیں اگر کوئی ہنگامی صورت حال پیش آئے یا ہم واپس نہ آئیں تو تم اپنے طور پر فیصلہ کرو گے۔ اولین ترجیح یہاں سے بہ حفاظت واپسی کی ہوگی۔“ اس نے نفی میں سر ہلایا۔ ”اگر آپ نہ آئے تو میں آپ کی تلاش میں نکلوں گا۔“

”نہیں۔“ اس بار میرا لہجہ سخت تھا۔ ”جیسا میں نے کہا ہے ویسا کرنا ہے۔ اب سب کی ذمہ داری تم پر ہو گی یہ سوچ کر ہر فیصلہ کرنا۔“

ایرٹ نے سر ہلایا۔ ”ٹھیک ہے میں ایسا ہی کروں گا۔“

میں اور ربیک پارک سے باہر آئے اور اب ہمارا رخ آرگون کے وسطی حصے کی طرف تھا۔ ہم ابھی تک عام آبادی سے گزر رہے تھے۔ یہاں بھی ویرانی تھی۔ بہت کم گھروں سے روشنی جھلک رہی تھی۔ درحقیقت بلیک آؤٹ کا ماحول تھا حالانکہ یہاں کی جنگ میں اس کی ضرورت نہیں تھی۔ ہم مرکزی شاہراہ تک پہنچے جو سرکاری

دفتر اور گوداموں والے علاقے سے آرہی تھی۔ یہ شاہراہ سیدھی آرگون کی فصیل کے مرکزی دروازے تک جاتی تھی۔ یہاں سے وہ میدان دکھائی دے رہا تھا جو فصیل کے ساتھ تھا اور اس کے دائیں طرف یعنی جنوب مشرق سمت فوجی دستوں کی رہائش گاہیں اور فوجی دفاتر تھے۔ وہاں مشق کے لیے میدان بھی تھے جہاں سپاہی تیراندازی اور دوسرے طریقوں سے لڑائی کی مشق کرتے تھے۔ وہاں روشنی تھی اور سب صاف دکھائی دے رہا تھا۔ حیرت انگیز بات تھی کہ یہاں بھی اکاؤنٹ لوگ نظر آرہے تھے اور وہ سپاہی تھے۔ اب تک ہمیں ایک بھی عام فرد نظر نہیں آیا تھا۔ ان کو شاید سختی سے گھروں تک محدود کر دیا گیا تھا۔ ساشا نے بتایا تھا کہ کرفیو کی خلاف ورزی کرنے والوں کو سخت سزا دی جا رہی تھی۔ اس شاہراہ کے پار مشرقی سمت میں بھی کچھ عام آبادی تھی۔ اچانک وہاں ایک گلی سے شور سنائی دیا اور روشنی بھی نظر آرہی تھی۔ ربیک نے اشارہ کیا۔

”وہاں کچھ ہو رہا ہے۔“

میں نے کہا۔ ”آؤ دیکھتے ہیں لیکن جب تک میری طرف سے اشارہ نہ ہو معاملے میں دخل مت دینا اور کمانڈر اب تم ہو گے۔“

ہم گلی کی طرف بڑھے۔ اس میں داخل ہوتے ہی معاملہ سمجھ میں آ گیا۔ چار سپاہیوں نے ایک آدمی کو نیچے گرایا ہوا تھا اور اسے بے دریغ ٹھوکروں سے مار رہے تھے۔ اس کے ساتھ ایک عورت کھڑی تھی جس نے چھوٹا سا بچہ گود میں اٹھا ہوا تھا اور دوسرا اس کا کرتا تھا مے کھڑا تھا۔ وہی شور کر رہی تھی اور وہائیاں دے رہی تھی کہ اس کے شوہر کو نہ مارا جائے۔ مگر سپاہی اس کی چیخ و پکار سے بے نیاز اس کے شوہر کو مار رہے تھے۔ میں نے آہستہ سے ربیک سے کہا۔ ”ان سے ذرا بے نیازی سے پوچھو کہ آدمی کا قصور کیا ہے؟“

ربیک آگے بڑھا اور اس نے یوں کہا جیسے اسے اس معاملے سے خاص دلچسپی نہ ہو۔ ”اسے کیوں مار رہے ہو؟“

”یہ رات کے وقت باہر نکلا ہے۔“ ایک سپاہی نے جواب دیا۔ وردی کی وجہ سے وہ ہمیں بھی سپاہی سمجھ رہا تھا۔

”میرے بچے کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے ہمیں حکیم کے پاس جانا ہے۔“ عورت بولی۔ ”ہمارا کوئی قصور نہیں ہے۔“

”قصور کیوں نہیں ہے۔“ سپاہی دستے کا سربراہ ایک پستہ قد مگر گٹھے جسم والا آدمی تھا۔ وہ عورت کو حریص نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ میں نے بتایا کہ یہاں تقریباً تمام ہی عورتیں اور لڑکیاں حسن کے مروجہ پیمانوں پر پوری اترتی تھیں اور وہ بہت طویل عرصے تک جوان رہتی تھیں۔ سامیرا کی مثال میرے سامنے تھی جو ستر برس سے اوپر کی ہو کر بھی جوان لگتی تھی۔ یہ عورت بھی خوب صورت تھی اگرچہ دو بچوں کی ماں تھی مگر چہرے اور جسامت سے لڑکی جیسی لگ رہی تھی۔ مارکھانے والا اس کا شوہر بھی لڑکا سا تھا۔ ربیک نے سپاہیوں سے کہا۔

”اسے کھڑا کرو۔“

سپاہیوں نے مارنا چھوڑ کر اسے بازوؤں سے پکڑ کر سیدھا کھڑا کیا۔ وہ جھول رہا تھا۔ ربیک نے اس سے پوچھا۔ ”یہ عورت ٹھیک کہہ رہی ہے؟“

”یہ میری بیوی..... ہے۔“ اس نے بہ مشکل کہا۔ ”ہمارا چھوٹا بیٹا..... بیمار ہے۔“

”تمہیں معلوم ہے کہ رات کے وقت باہر نکلنے کی اجازت نہیں ہے تمہیں صبح تک انتظار کرنا ہوگا۔“

”اب اسے سزا ملے گی۔“ دستے کے سردار نے کہا۔ ”گرفتار کرلو انہیں۔“

”نہیں بس کافی سزا مل گئی ہے۔“ ربیک نے کہا۔ ”انہیں جانے دو۔“

”تمہارا اس معاملے سے تعلق نہیں ہے۔“ سردار رعونت سے بولا۔

”میرا تعلق ہے کیونکہ میرا تعلق شہر کی فوج سے ہے اور میں تم سے کہیں بڑا افسر ہوں۔“

پستہ قد نے غور سے ربیک کو دیکھا۔ ”اگر ایسا ہے تو تمہارے نشانات کہاں ہیں اور پٹکا کہاں ہے؟“

”میرا لباس خراب ہو گیا تھا اور میں اس وقت عام لباس میں ہوں اگر تم میرے ساتھ چلو تو میں تمہاری تسلی کرا سکتا ہوں۔“ ربیک نے بلف کیا اور پھر خاندان کی طرف اشارہ کیا۔ ”ان کو بھی لے چلو۔ وہاں میں انہیں بھی اپنے افسر کے سامنے پیش کر دوں گا۔“

”اس کی ضرورت نہیں ہے۔“ سردار نے فوری فیصلہ کر لیا۔ ”ویسے بھی اس وقت جیل پوری طرح بھر گئی ہے۔ کل رات بھی ہم نے بہت سے لوگوں کو پکڑا تھا۔“

ربیک اور میں چونکے مگر اس سے سوال نہیں کر سکتے تھے ورنہ وہ مشکوک ہو جاتا۔ کل رات بہت سے لوگوں کو کیوں پکڑا گیا تھا؟ ربیک نے حاضر دماغی سے کام لیا۔ ”اسی لیے تمہیں گرفتار کرنے سے منع کر رہا ہوں۔ جیل میں بالکل بھی جگہ نہیں ہے۔“

”انہیں تو میں.....“ سردار بولتے بولتے رک گیا مگر میں سمجھ گیا تھا کہ وہ انہیں اپنی تحویل میں رکھتا اور اس کی نیت عورت پر خراب تھی۔ مگر ہمارے آنے سے اس کے متوقع رنگ میں بھنگ پڑ گیا تھا۔ اس نے اپنے ساتھیوں کو اشارہ کیا اور وہ چاروں وہاں سے جانے لگے۔ ان کے جانے کے بعد میں نے آدمی سے کہا۔

”تم کہاں رہتے ہو؟“

”یہ سامنے میرا مکان ہے۔“ اس نے جواب دیا۔ اب وہ بہتر نظر آ رہا تھا۔ جان بچنے اور گرفتار نہ ہونے پر وہ خوش تھا۔ ”میں آپ کا شکر گزار ہوں کیا آپ کچھ دیر کے لیے میرے مہمان بنیں گے۔“

”کیوں نہیں۔“ ربیک نے میرا اشارہ سمجھ کر سر ہلا دیا۔ کچھ دیر میں ہم اس چھوٹے لیکن صاف ستھرے اور سجے ہوئے مکان میں تھے۔ یہاں فرش پر اون سے بنے ہوئے نمدے نما قالین تھے مگر یہ آرام دہ تھے۔ ہم اپنا اسلحہ اتار کر بیٹھ گئے۔ آدمی اندر گیا اور پہلے پانی لے آیا۔ اس کا لباس نیچے گرنے سے خراب اور زخموں کی وجہ سے خون آلود ہو رہا تھا۔ ربیک نے اس سے کہا۔ ”تم جا کر لباس بدل لو اور اپنے زخم بھی دیکھ لو۔“

وہ سر ہلاتا ہوا چلا گیا۔ کچھ دیر بعد عورت پیالیوں میں مقامی چائے اور بسکٹ نما میٹھی نکلیاں لے آئی۔ وہ سچ جج بہت کسمن اور معصوم سی تھی۔ اسے معلوم ہی نہیں تھا کہ وہ کتنے بڑے خطرے سے بچی تھی اگر سپاہی اسے اور اس کے شوہر گرفتار کر کے لے جاتے تو اس کے ساتھ بہت برا ہوتا۔ اس وقت بھی وہ ہمارے سامنے اپنی پوری معصومیت کے ساتھ موجود تھی یہ سوچے بغیر کہ ہم بظاہر اسی فوج سے تعلق رکھتے تھے جو کچھ دیر پہلے اس کے شوہر پر تشدد کر رہی تھی۔ درحقیقت یہ لوگ جانوروں کی طرح سادہ ذہن رکھتے تھے اور ان میں خطرہ بھانپنے کی وہ

صلاحیت نہیں تھی جو اس وادی سے باہر انسانوں میں پائی جاتی ہے۔ ربیک نے اس سے پوچھا۔ ”تمہارے بچے کو کیا ہوا ہے؟“

”اسے بخار ہے اور بہت کھانس رہا ہے۔“

”اسے لے کر آؤ۔“ ربیک نے کہا اور دروازوں کا تھیلا نکالا۔ عورت بیٹے کو لے آئی۔ یہ سنہری بالوں اور نیلگوں آنکھوں والا بہت پیارا سا بچہ تھا اس کی عمر چھ سات مہینے سے زیادہ نہیں تھی۔ مگر صحت اچھی تھی۔ ربیک نے اسے دیکھا اور پھر ایک لکڑی کی ڈبیا نکال کر اس میں موجود بام بچے کے سینے پر ملا اور دوسری ڈبیا سے خمیرہ نما چیز نکال کر اسے انگلی سے چٹائی۔ بچہ مزے سے اس کی انگلی چوسنے لگا۔ ربیک نے عورت سے کہا۔ ”ابھی اسے دودھ مت دینا اور اسے کپڑے میں لپیٹ دو مگر زیادہ گرم کپڑا نہ ہو بس اسے ہوانہ لگے۔“

عورت بچے کو اندر لے گئی۔ اس دوران میں اس کا شوہر آگیا۔ اس نے اپنے زخم صاف کر کے کپڑے بدل لیے تھے۔ ہمیں تنہائی کے جو چند لمحے ملے اس میں، میں نے ربیک سے کہا کہ وہ کل ہونے والے ہنگامے کی ان سے پوری رپورٹ لے مگر اس طرح کہ انہیں محسوس نہ ہو۔ مرد کے آنے پر میں خاموش ہو گیا۔ وہ بہت احسان مند تھا اور بار بار اس کا ذکر کر رہا تھا۔ مرد کا نام رائر تھا جب کہ اس کی بیوی کا نام رینور تھا۔ ربیک نے اس کے بارے میں پوچھا۔ اس نے بتایا کہ وہ لکڑی کا کام کرتا تھا اور آرگون کے سب سے بڑے کارخانے میں سپر وائزر تھا۔ رینور گھریلو عورت تھی۔ وہ بچوں کی دیکھ بھال کرتی تھی مگر چند دن پہلے تک وہ باغات میں کام کرنے جاتی تھی کیونکہ آرگون کی تمام ہی نوجوان آبادی کو جبری فوجی قانون کے تحت بھرتی کر لیا گیا تھا اور انہیں ان کے گھر والوں سے دور فوجی بیرکوں میں رکھا جا رہا ہے۔ رائر صرف اس لیے بچ گیا تھا کہ وہ ہتھیار سازی کے شعبے میں کام کرتا تھا اور نہ اسے بھی جبری بھرتی کر لیا جاتا۔ یہ اس نے بعد میں بتایا۔ ربیک نے ہوشیاری سے اس سے سوالات شروع کیے اور پھر اسے کل والے واقعے پر لے آیا۔ اس نے کہا۔

”ہم پرسوں سے شہر سے باہر تھے۔ کل یہاں کیا ہوا تھا؟“

رائر نے چونک کر ہمیں دیکھا اور پھر ہچکچا کر بولا۔ ”آپ کو پتا ہوگا جناب آپ کا تعلق فوج سے ہے۔“

”میں نے بتایا نہ کہ ہم پرسوں سے گئے ہوئے تھے اور ابھی واپس آئے ہیں۔ تم بے فکر ہو کر بتاؤ۔“

اس نے کہنا شروع کیا۔ ”کل اچانک ہی فوج نے شہر کے سات آٹھ مقامات پر صبح سے چھاپے مارنا

شروع کیے اور بہت سے لوگوں کو پکڑ کر لے گئے۔“

”کیوں؟“ ربیک نے پوچھا۔

”پتا نہیں جناب۔“ وہ جلدی سے بولا۔

ربیک نے اس کے چہرے پر نظر جما کر کہا۔ ”تمہیں معلوم ہے اور تم جانتے ہو ہمیں معلوم ہو جائے گا اس

لیے تمہارے نہ بتانے سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔“

رائر مشکل میں دکھائی دے رہا تھا ہم اس کے محسن تھے اور وہ یہ بات اچھی طرح سمجھتا تھا کہ ہم نے کس

موقع پر اس کی مدد کی تھی۔ اگر ہم مداخلت نہ کرتے تو سپاہی اسے اور اس کی بیوی کو لے جاتے۔ اس کے بیوی کے

ساتھ جو ہوتا وہ یہاں متعدد عورتوں کے ساتھ ہو چکا تھا اور رائر بھی اس سے بے خبر نہیں ہوگا۔ اس نے چند لمحے

سوچنے کے بعد کہا۔ ”مجھے ٹھیک سے نہیں معلوم مگر سنا ہے کہ چھاپوں میں باغی پکڑے گئے ہیں جو شاہ معظم کے خلاف دشمنوں کا ساتھ دے رہے تھے۔“

اب سمجھ میں آ گیا کہ صبح ہمیں ٹیلے سے آرگون میں زبردست سرگرمی کیوں دکھائی دی تھی یقیناً باغیوں کو گرفتار کر کے وہاں لایا جا رہا تھا اور جیسا کہ رائٹر پر تشدد کرنے والے دستے کے سردار نے کہا تھا کہ جیل میں گنجائش ختم ہو گئی ہے۔ کیرٹ نے جن مددگار گروپوں کا ذکر کیا تھا وہ سب پکڑے جا چکے تھے یا ان میں اکثریت اب جیل میں تھی۔ گویا شہر میں اس وقت کوئی ہماری مدد کرنے والا باقی نہیں رہا تھا یا اگر تھا تو وہ خود چھپتا پھر رہا ہوگا اور اسے خود مدد کی ضرورت ہوگی۔ ربیک نے پوچھا۔ ”کتنے لوگ پکڑے گئے ہیں۔“

رائٹر حساب کتاب سے نا آشنا تھا۔ اس نے دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو پھیلا کر کہا۔ ”یہ جتنی انگلیاں ہیں اتنی ہی بار اور پھر پانچ بار اور۔“

ربیک نہیں سمجھا تھا مگر میں سمجھ گیا۔ اس کا مطلب تھا دس ضرب دس ضرب پانچ برابر پانچ سو۔ یعنی پانچ سو کے قریب افراد گرفتار ہوئے تھے۔ کیرٹ نے بتایا تھا کہ باغی تعداد میں زیادہ نہیں تھے اور اگر پانچ سو بندے پکڑے گئے تھے تو تقریباً سارے باغی اس وقت جیل میں تھے۔ وہ صرف قید نہیں تھے ان کی جان کو بھی خطرہ تھا۔ ریٹائٹ انہیں بخشتا نہیں۔ اس دوران میں رینور بھی آ کر وہاں بیٹھ گئی تھی اس نے ربیک کو بتایا کہ اب بچہ سکون میں تھا اور اس کا بخار بھی کم ہو گیا تھا۔ کھانسی بند ہونے سے اسے نیند آ گئی تھی۔ رائٹر نے سناہم نے اس کے بچے کا علاج بھی کر دیا ہے تو وہ مزید شکر گزار ہو گیا۔ اس نے کہا۔ ”میں سوچ بھی نہیں سکتا کہ فوج میں ایسے آدمی بھی ہوں گے.....“ بولتے ہوئے اسے احساس ہوا کہ وہ کیا کہہ گیا ہے تو اس نے بوکھلا کر کہا۔ ”میرا مطلب ہے.....“

”میں سمجھتا ہوں تمہارے احساسات۔“ ربیک نے ہاتھ اٹھا کر کہا وہ بہت عقل مندی سے بات کر رہا تھا۔ ”مت بھولو کہ میرا تعلق بھی تم لوگوں سے ہے میں اسی طبقے کا ایک فرد ہوں اور یہاں ہونے والا بہت کچھ مجھے پسند نہیں ہے۔“

رائٹر نے اطمینان کا سانس لیا۔ ”شکریہ جناب ورنہ آپ کی جگہ کوئی اور ہوتا تو میں پھر مشکل میں پڑ جاتا۔“

”جن جگہوں پر چھاپہ پڑا ان میں سے یہاں کی کوئی جگہ بھی ہے؟“ ربیک نے ایک پھر وہی سوال کیا جو میرے دل میں تھا۔

اس کا جواب رینور نے دیا۔ ”ہماری پچھلی گلی میں چار گھروں سے لوگ پکڑے گئے۔ میں نے شور ہونے پر پچھلی دیوار سے جھانک کر دیکھا تھا۔ سپاہی اتنے لوگ پکڑ کر لے گئے۔“

رینور نے انگلیاں پھیلا کر انہیں تین بار کھولا اور بند کیا۔ یعنی سپاہی تیس کے قریب افراد لے گئے تھے۔ اب ربیک نے رینور سے سوالات شروع کیے اور اس سے جو تصویر سامنے آئی وہ کچھ یوں تھی کہ صبح کے وقت جب مرد کاموں پر جا چکے تھے۔ سپاہیوں نے اس گلی کو اور اس سے آگے پیچھے والی گلی کو گھیر لیا اور پھر مخصوص گھروں میں گھسے تھے۔ چار گھروں میں موجود ہر فرد کو انہوں نے گرفتار کر لیا۔ ان میں چھ سات عورتیں بھی تھیں۔ صبح کا وقت اس لیے منتخب کیا گیا کہ اس وقت لازمی سب مردوں عورتوں کو کام پر ہونا چاہیے تھا مگر وہ گھروں میں پائے گئے تھے۔ میں سوچ رہا تھا کہ اتنی عیاری صرف ڈیوڈ شاد کھا سکتا ہے یقیناً ریٹائٹ کے پیچھے اس کا دماغ کام کر رہا تھا۔

اسی نے شہری آبادی کے خلاف یہ پلان تیار کیا تھا کہ جبری بھرتی اور عورتوں کو مشقت پر لگا کر کسی بھی ممکنہ بغاوت کا سدباب کیا جائے۔ اس طرح باغیوں کو میل ملاقات اور میٹنگوں سے بھی روکا جاسکتا تھا۔

ریک سوال کر رہا تھا۔ رائٹر اور رینور جواب دے رہے تھے اور میں ان کا تجزیہ کر رہا تھا۔ رفتہ رفتہ شہر کی ایک مجموعی تصویر سامنے آرہی تھی کہ بہت سے گھروں میں کیوں تاریکی تھی اور یہاں اتنا زیادہ سناٹا اور ویرانی کیوں تھی؟ ریناٹ اور اس کے نو لے کا جبر و تشدد صاف دکھائی دے رہا تھا۔ حوصلہ افزا بات یہ تھی کہ شہر میں اب روایتی فوج کم رہ گئی تھی مگر شاہی اور سرکاری علاقے کی حفاظت کے لیے نہایت تربیت یافتہ گارڈز ضرور موجود تھے۔ میں ایک سوال کرنا چاہ رہا تھا مگر ان لوگوں کے سامنے نہیں کر سکتا تھا ورنہ وہ میری زبان سن کر چونک جاتے۔ میں نے اشارے سے ریک کو باہر چلنے کو کہا۔ ریک سمجھ گیا اس نے ان دونوں سے وہیں ٹھہرنے کو کہا اور میرے ساتھ باہر آیا میں نے بہت دھیمی آواز میں کہا۔ ”رینور سے پوچھو کہ چھاپہ مارنے والی فوج نے کیسی وردیاں پہن رکھی تھیں۔ رائٹر کو بھی کریدو کہ شہر میں فوج کی کیا پوزیشن ہے اور باہر فوجی کتنی تعداد میں دکھائی دیتے ہیں؟“

ریک نے سر ہلایا اور ہم واپس اندر آئے۔ ریک نے فوری سوال نہیں کیا اور گپ شپ کے انداز میں بات کرتا رہا۔ اس نے شرارت بھرے انداز میں رینور کی تعریف کی اور رائٹر سے کہا۔ ”تم خوش قسمت ہو جو اتنی حسین بیوی کے شوہر ہو۔“

رینور شرمائی اور رائٹر مسکرانے لگا اس نے برا نہیں منایا تھا۔ ”آپ نے ٹھیک کہا میں سینور کا جتنا شکر ادا کروں کم ہے۔“

”میں تم لوگوں کے لیے کھانے کو کچھ لاؤں؟“ رینور نے پوچھا۔
 ”نہیں مجھے معلوم ہے تم لوگوں کے پاس خود اپنے لیے کم ہے اس لیے زحمت مت کرو۔“ ریک نے منع کر دیا اس نے چائے اور میٹھی ٹکیوں کی طرف اشارہ کیا۔ ”یہ بھی بہت ہے۔“
 وہ دونوں شرمندہ نظر آنے لگے۔ رینور نے کہا۔ ”جو آپ نے ہمارے لیے کیا ہے اس کے مقابلے میں یہ کچھ بھی نہیں ہے۔“

”مگر اس شہر میں جو عام لوگوں کے ساتھ ہو رہا ہے اس پر مجھے بہت شرمندگی ہے۔“ ریک نے بات آگے بڑھائی۔ ”یہاں چھاپہ مارنے والے کیا فوجی وردی میں تھے؟“
 رینور نے نفی میں سر ہلایا۔ ”وہ سرمئی وردی میں تھے۔“
 ”خاص سپاہی۔“ رائٹر نے آہستہ سے کہا۔ ”عام فوج شہر میں بہت کم رہ گئی ہے اور تمام ذمے داریاں خاص فوج نے سنبھال لی ہیں۔“

”مگر تم پر تشدد کرنے والے تو عام فوج کے لوگ تھے۔“
 ”ہاں مگر انہیں دیکھ کر مجھے تعجب ہوا۔ ورنہ ان گلیوں میں اب عام فوج کا کوئی سپاہی مشکل سے ہی نظر آتا ہے۔ میرا خیال ہے وہ کسی خاص.....“ رائٹر ایک بار پھر بولتے بولتے رک گیا۔
 ”تم کھل کر بات کرو۔“ ریک نے اس کی حوصلہ افزائی کی۔ ”مجھے معلوم ہے کہ عام فوج کو آج کل کھلی

چھوٹ دی ہوئی ہے اور وہ لوگوں کے ساتھ زیادتی کر رہی ہے۔“

رائٹر نے گہری سانس لی۔ ”آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ یہ اپنے مقصد کے تحت یہاں آتے ہیں۔ عام سے اکیلی رہ جانے والی عورتیں ان کا نشانہ بنتی ہیں۔ یہ اسی لیے یہاں آئے تھے اور بد قسمتی سے ہم اپنے سب وجہ سے باہر نکلے اور ان کے ہاتھ آ گئے۔“

”ہمیں فصیلوں تک محدود رہنے کا حکم ہے۔“ ربیک نے کہا۔ ”تم ٹھیک کہہ رہے ہو آبادی میں آ والے بدینتی کی وجہ سے آتے ہیں۔“

رینور نے پہلی بار میری طرف اشارہ کیا۔ ”آپ ہی بول رہے ہیں یہ تو کچھ بول ہی نہیں رہے؟“

”یہ میرا ماتحت ہے اور میرے سامنے بات نہیں کرتا۔“ ربیک نے جواب دیا۔ ”میرا ایک مشورہ۔ دونوں یہاں سے چلے جاؤ۔“

”کہاں؟“ رائٹر پریشان ہو گیا۔

”کیوں؟“ رینور نے پوچھا۔

”تم لوگ سپاہیوں کی نظر میں آ چکے ہو۔ وہ ابھی میری وجہ سے چلے گئے مگر وہ پھر آ سکتے ہیں اور اس وجہ سے آ سکتے ہیں جب رائٹر کام پر ہو۔“

”ہم کہاں جائیں؟“ وہ پریشان ہو گئے تھے۔ ربیک کا خدشہ انہوں نے فوراً تسلیم کر لیا تھا۔

”کسی رشتے دار کے ہاں۔“ ربیک نے کہا۔ ”جب تک جنگ کے حالات ہیں تم لوگ احتیاط کرو۔ لوگ کے اندر موجود شیطان حالات کی وجہ سے باہر آ گئے ہیں۔“

اس دوران میں، میں سوچ رہا تھا کہ کیا ہم رائٹر پر اعتماد کر سکتے ہیں۔ وہ خود بھی ریناٹ کی فوج کا ستایا تھا اگر ہم نہ آتے تو اس کے خاندان پر بہت بڑا سانحہ بھی گزر سکتا تھا۔ میں نے ربیک کو پھر اشارہ کیا اور ہم آئے۔ میں نے اسے اپنے خیال کے بارے میں بتایا۔ ”میرا خیال ہے ہم ان پر اعتماد کر سکتے ہیں۔“

”آپ کا مطلب ہے کہ ہم ان کی مدد سے بچ جانے والے باغیوں تک پہنچیں؟“

”بالکل میرا یہی خیال ہے ہمیں اس وقت آرگون میں ٹھکانے اور مدد کی ضرورت ہے۔“

ربیک ہچکچایا۔ ”جناب ان پر اعتماد کیا جاسکتا ہے لیکن اگر یہ پکڑے گئے تو ہمارے بارے میں اگلنے زیادہ دیر نہیں لگائیں گے۔“

میں نے سر ہلایا۔ ”تم ٹھیک کہہ رہے ہو لیکن ہم خطرہ مول لے سکتے ہیں۔ اس شہر میں ایسا فرد تلاش جسم پر ہم بھروسہ کر سکیں اس وقت بہت مشکل ہے۔“

ربیک اب بھی ہچکچا رہا تھا۔ ”خطرہ بہت زیادہ ہے جناب۔“

”اب خطرہ مول لیے بغیر چارہ نہیں ہے۔“

ربیک نے سر ہلایا۔ ”جیسے آپ کہیں.....“

ہم اندر کی طرف بڑھے تھے کہ کسی نے بیرونی دروازہ بجایا اور بجانے کا انداز خطرے کی گھنٹی بجارہا تھا انداز بہت جارحانہ تھا۔ پھر کوئی چلایا۔ ”شاہ معظم کے نام پر دروازہ کھولنے کا حکم دیا جاتا ہے۔“

رائٹر اور ریور بیک وقت باہر آئے۔ یہ دو کمرے کا مختصر سا مکان تھا جس میں سامنے اور عقبی سمت صحن تھا۔ رائٹر کا چہرہ سفید ہو رہا تھا۔ اس نے گھبرا کر کہا۔ ”یہ وہی لوگ ہیں پھر آئے ہیں۔“ مگر میں جان گیا تھا اس بار وہ رائٹر اور ریور کے لیے نہیں بلکہ ہمارے لیے آئے تھے۔ ربیک بھی سمجھ گیا تھا اس نے کہا۔ ”یہ تمہارے لیے نہیں ہمارے لیے آئے ہیں۔“

”کیا مطلب؟“ رائٹر چونکا۔

ربیک نے جواب دیا۔ ”ہم ریٹائرمنٹ کی فوج سے نہیں ہیں۔ ہمارا تعلق سامیرا سے ہے۔“ رائٹر دم بخود رہ گیا تھا۔ مگر ریور نے حاضر دماغی کا ثبوت دیا۔ اس نے سرگوشی میں رائٹر سے کہا۔ ”تم ان لوگوں کو روکو۔“

پھر اس نے مجھے اور ربیک کو ساتھ آنے کو کہا اور ہمیں لے کر عقبی صحن میں آئی۔ اس دوران میں دروازہ بنانے کا عمل شدت اختیار کر گیا تھا۔ ریور نے ہمیں اشارے سے دیوار پھلانگ کر عقبی گلی میں جانے کو کہا۔ میں نے اچھل کر سات فٹ اونچی دیوار پر ہاتھ جمائے اور جسم اوپر اٹھایا تھا۔ ربیک نے نیچے سے مجھے ہتھیار پکڑائے اور خود بھی اچھل کر دیوار پر چڑھا تھا۔ لیکن اس سے پہلے ہم نیچے کودتے مکان کے اگلے صحن سے رائٹر کی دردناک چیخ سنائی دی۔ ریور ٹرپ کر بھاگی تھی اور پھر اس کی چیخ سنائی دی تو میں نے گلی میں کودنے کا ارادہ ترک کر دیا۔ ربیک نے میری طرف دیکھا وہ بھانپ گیا تھا کہ میں باہر کودنے پر آمادہ نہیں ہوں۔ اس نے سرگوشی میں کہا۔ ”ہمیں نکل جانا چاہیے۔“

”نہیں ہمیں ان کی مدد کرنی چاہیے۔“ میں نے جواب دیا اور واپس صحن میں کود گیا۔ مجبوراً ربیک بھی واپس کودا۔ اس نے تیرکمان اور میں نے نیزہ سنبھال لیا۔ آگے جانے کی ضرورت نہیں تھی ہماری تلاش میں آنے والے جلد یا بدیر اسی طرف آنے والے تھے اور ان کی آوازیں بتا رہی تھیں کہ وہ اسی سمت آرہے تھے۔ رائٹر اور ریور کی اولین چیخوں کے بعد ان کی آوازیں دوبارہ نہیں آئی تھیں۔ ہمیں زیادہ دیر انتظار نہیں کرنا پڑا۔ موت کے ہر کارے نمودار ہوئے تھے۔

آنے والے دو مسلح سپاہی تھے جنہوں نے سرمئی رنگ کی وردیاں پہن رکھی تھیں۔ ان کے ہتھیار اور دوسرا ساز و سامان بہت اعلیٰ درجے کا تھا اور وہ خود بھی یقیناً اعلیٰ تربیت یافتہ تھے۔ ان میں سے آگے والے نے آتے ہی مجھ پر نیزے سے وار کیا۔ مگر میں ہوشیار تھا۔ میں ایک طرف ہوا اور نیزہ میری گردن کے پاس سے گزرا تھا۔ اس سے پہلے وہ نیزہ واپس کھینچتا۔ ربیک کا چلایا ہوا تیرا اس کی آنکھ میں اتر گیا تھا۔ اس کے حلق سے عجیب سی آواز نکلی اور وہ بے جان ہو کر نیچے گرنے لگا۔ میں نے اس کا نیزہ پکڑا اور اسے الٹی سمت سے دوسرے کے سر پر مارا۔ وہ ربیک کو نشانہ بنانے جا رہا تھا۔ میری ضرب نے اسے گڑبڑا دیا اور ایک لمحے کے لیے اس کی توجہ ربیک سے ہٹی۔ اس موقع سے فائدہ اٹھا کر ربیک نے دوسرا تیرا اس کی گردن میں اتار دیا۔ انہوں نے زرہ اور خود پہن رکھا تھا اس لیے ربیک کھلی اور نازک جگہوں کو نشانہ بنا رہا تھا۔ تیرکھا کر اس نے بھیا تک آواز نکالی اور نیچے گر کر ٹرپنے لگا۔ اسے اذیت سے نجات دلانے کے لیے میں نے نیزے سے اس کے چہرے پر وار کیا اور وہ ایک لمحے میں آخری بار ٹرپ کر ساکت ہو گیا۔

مکان کی ساخت ایسی تھی کہ دونوں کمرے آگے پیچھے تھے اور ایک پتلی سی گلی آگے پیچھے کے صحنوں کو ملا رہی تھی۔ آنے والے اسی گلی سے نمودار ہوئے تھے۔ میں نے ربیک کو اشارہ کیا اور وہ سر ہلاتے ہوئے پھرتی سے کمرے کی چھت پر چڑھ گیا۔ چھت آٹھ فٹ اونچی تھی۔ اوپر چڑھنے سے پہلے اس نے کمان شانے پر لگائی اور نیزہ میرے حوالے کر دیا تھا اس لیے کوئی رکاوٹ نہیں تھی۔ میں نے گلی میں جھانک کر دیکھا اور بال بال بچا تھا۔ تیر میرے پاس سے گزرا تھا۔ دوسری طرف دشمن گھات لگائے ہوئے تھے۔ میں نے ایک ہاتھ سے نیزہ سنبھالا اور دوسرے سے دشمن سپاہی کی لاش اٹھائی اور اسے سامنے کر کے آگے بڑھا۔ اسی لمحے ربیک نے اوپر سے کارروائی کی کیونکہ آگے کسی کی لرزہ خیز چیخ سنائی دی۔ مجھ پر چلایا جانے والا دوسرا تیر لاش کے سینے میں اتر گیا۔ اس سے آگے میں نے تیر انداز کو مہلت نہیں دی اور لاش اس پر پھینک کر پہلو سے نیزہ اس کے پیٹ میں اتار دیا۔ اس نے ڈکرانے کی آواز نکالی اور آگے جھکا۔ لاش بدستور ہمارے درمیان تھی۔ اس کا وزن نیزہ پر آیا تو اس کی انی زخم کو پھاڑتی ہوئی آزاد ہوئی۔ سپاہی اس بار حلق پھاڑ کر چلایا تھا۔

اگلے صحن کا منظر تشویش ناک تھا۔ رائٹر ایک طرف دیوار سے ٹکا ہوا تھا اور اس کا ہاتھ پیٹ پر تھا جہاں سے اس کا کرتہ خون سے سرخ ہو رہا تھا۔ رینور اس کے نزدیک زمین پر ڈھیر تھی اور کسی قدر حرکت کر رہی تھی۔ مارے جانے والے دو سپاہیوں کے علاوہ بھی وہاں دو سپاہی تھے۔ ان میں سے ایک رائٹر کی طرف لپک رہا تھا۔ شاید وہ اسے ختم کرنا چاہتا تھا یا ڈھال بنانا چاہتا تھا۔ میں نے رسک نہیں لیا اور عقب سے نیزہ اس کی کمر میں اتار دیا۔ اسی لمحے ربیک کا چلایا ہوا تیر بھی اس کی گدی میں اتر کر دوسری طرف نکل گیا اور وہ اوندھے منہ گر کر ساکت ہو گیا۔ چھٹا جو صحیح سلامت تھا اس نے موقع کی نزاکت بھانپ کر فرار کی کوشش کی مگر میرا نیزہ راستے میں آیا اور وہ رک گیا۔ اس نے اپنا نیزہ پھینک دیا اور تقریباً رونے والے انداز میں بولا۔ ”مجھے مت مارو..... سینور کے لیے۔“

ربیک اوپر سے گلی میں دیکھ رہا تھا کہ وہاں کوئی اور تو نہیں ہے مگر گلی میں اور کوئی نہیں تھا۔ شاید یہی ایک دستہ آیا تھا۔ اطمینان کرنے کے بعد ربیک اوپر سے کودا۔ ”بس یہی چھ تھے۔“

”یہ ایک زندہ ہاتھ آیا ہے۔“ میں نے کہا۔ ”ذرا اس سے پوچھ گچھ کرو۔ جب تک میں ان کو دیکھتا ہوں۔“

میرا اشارہ رائٹر اور رینور کی طرف تھا۔ ربیک نے دھکا دے کر سپاہی کو اوندھے منہ گرایا اور اس کا نیزہ اسی کی گدی پر رکھ کر اس سے پوچھ گچھ کرنے لگا۔ میں رائٹر کے پاس بیٹھا اور اس کا کرتا اوپر کر کے دیکھا۔ اس کے پیٹ پر نیزے کا زخم تھا جس سے رہ رہ کر خون ابل رہا تھا۔ میں نے اسی کا کرتہ پھاڑا اور اس کے ایک حصے کی گدی سی بنا کر دوسرے حصے کو پٹی بنا کر اس کے گرد کس کر لپیٹ دیا۔ بظاہر اس کے کسی اہم عضو کو نقصان نہیں ہوا تھا۔ مگر خون روکنا ضروری تھا۔ اگر خون زیادہ بہہ جاتا تو اس کی جان کو خطرہ ہو سکتا تھا۔ رائٹر نے رینور کی طرف اشارہ کیا۔ ”اسے دیکھو، اس کے سر پر چوٹ آئی ہے۔“

رینور کے سر پر کسی چیز کی ضرب لگی تھی۔ اس کی کپٹی ہلکی سی متورم تھی مگر وہ ابل رہی تھی یعنی اسے ہوش آنے والا تھا۔ میں اندر آیا کہ پانی لاؤں تو ان دونوں کا بڑا بیٹا کمرے میں کھڑا ہوا تھا اور اس کی آنکھوں میں خوف تھا۔

میں نے پانی لیا اور باہر آیا۔ رینوز کے منہ اور حلق میں پانی ڈالا تو اسے تیزی سے ہوش آ گیا۔ وہ اٹھ بیٹھی اور پھر رائز کو زخمی پا کر اس سے لپٹ گئی۔ وہ میری بات نہیں سمجھتے مگر میں ان کی بات سمجھ سکتا تھا۔ رینوز روتے ہوئے رائز سے اس کی طبیعت کا پوچھ رہی تھی وہ اس کا زخم بھی دیکھنا چاہتی تھی مگر رائز نے اسے روک دیا۔ ”میں ٹھیک ہوں، ان لوگوں نے ایک بار پھر ہمیں بچا لیا ہے۔“

ان کی طرف سے اطمینان کے بعد میں باہر گلی میں آیا۔ مکان میں خاصا شور شرابا ہوا تھا مگر آس پاس ایسے کوئی آثار نہیں تھے کہ کسی کے کان پر جوں بھی رینگے ہو۔ لوگوں نے یقیناً سنا ہوگا مگر کسی نے باہر نکل صورت حال جاننے کی کوشش نہیں کی۔ اس کی معقول وجہ تھی سرکاری کام میں مداخلت کرنے والے خود مشکل میں پڑ جاتے۔ اس لیے کسی نے مداخلت کرنا تو ایک طرف رہا مگر سے جھانک کر بھی نہیں دیکھا تھا۔ میں گلی کے سرے تک آیا اور بڑی سڑک پر جھانک کر دیکھا تو مجھے دور سے سرخ وردی میں ملبوس ایک چھوٹا دستہ اسی طرف آتا دکھائی دیا۔ میں تیزی سے واپس آیا اور ربیک سے کہا۔ ”کچھ اور عام سپاہی اس طرف آرہے ہیں۔“ وہ فکر مند ہو گیا۔ ”ہمیں فوراً یہاں سے نکلنا ہوگا۔“

”اس نے کیا بتایا ہے؟“

”اس کا کہنا ہے کہ اس کے دستے کو یہاں چھاپہ مار کر دو عام سپاہیوں کو گرفتار کرنے کا حکم ملا تھا۔ اس کے ساتھ ہی مکان میں موجود افراد کو گرفتار کرنے کا حکم تھا۔ اس کے ساتھ ہی یہ بھی کہا تھا کہ اگر مزاحمت کی جائے تو سب کو ختم کر دیا جائے۔“

ربیک کی بات سن کر میں نے اطمینان محسوس کیا۔ اس کا مطلب تھا کہ ہم پر عمومی شک تھا اور ہمارا شمار بھی باغیوں میں کیا جا رہا تھا ورنہ خصوصی دستے کو ہمیں ختم کرنے کا حکم نہ دیا جاتا۔ ان کی آمد پر مجھے خدشہ ہوا تھا کہ شاید ہماری باہر سے آمد کا راز کھل گیا ہے اور چھاپہ اسی وجہ سے مارا گیا تھا۔ میرا دھیان ڈیوڈ شا کی طرف گیا تھا۔ مگر اطمینان کے باوجود خطرہ ابھی ٹلا نہیں تھا۔ ہمیں یہاں سے فوری نکلنا تھا۔ رائز اور رینوز مجھے ایک اجنبی زبان بولتے پا کر حیران ہوئے تھے۔ مگر فی الحال وہ ایسی مصیبت میں تھے کہ اپنی حیرت کا اظہار بھی نہیں کر سکتے تھے۔ میں نے ان کی طرف اشارہ کیا۔ ”یہ بھی خطرے میں ہیں، انہیں یہاں سے جانا ہوگا۔“

”سنو تم دونوں کو خطرہ ہے۔“ ربیک نے ان سے کہا۔ ”جلد مزید سپاہی آنے والے ہیں ان کی آمد سے پہلے تمہیں نکلنا ہوگا۔ ورنہ وہ تمہیں گرفتار کر لیں گے یا مار دیں گے۔“

رائز نے سر ہلایا۔ ”تم فکر مت کرو ہمارے پاس جگہ ہے۔ تم دونوں اب کہاں جاؤ گے؟“

”ہمارے اور ساتھی ہیں۔ ہم ان کے پاس واپس جائیں گے۔“

رائز اس دوران میں سنبھل گیا تھا۔ اس کا خون بہنا رک گیا تھا۔ مگر ساتھ ہی میں نے محسوس کیا کہ وہ کچھ بدلا ہوا لگ رہا تھا۔ کچھ دیر پہلے وہ دبا ہوا اور سہا ہوا لڑکا تھا مگر اب زخمی ہونے کے باوجود اس کے انداز میں ایک طرح کا اعتماد اور حوصلہ نظر آ رہا تھا۔ اس نے کہا۔ ”نہیں آپ ہمارے ساتھ جائیں گے۔“

”تم کیا کہہ رہے ہو؟“ رینوز نے جیسے خبردار کرنے والے انداز میں کہا مگر رائز نے اسے تسلی دی۔

”یہ ہمارے ہی لوگ ہیں۔ کیا یہ لاشیں ثابت کرنے کے لیے کافی نہیں ہیں۔ تم بچوں کو لو۔“

میں چونکا اور ربیک سے کہا۔ ”ان سے کہو کھل کر بات کریں کیا یہ ریٹاٹ کے مخالفوں میں سے ہیں؟“
 ربیک نے پوچھا تو رائٹر نے سر ہلایا۔ ”ہاں اور میرے بیشتر ساتھی پکڑے جا چکے ہیں۔ خوش قسمتی سے
 میں محفوظ رہا۔“

رینور اندر چلی گئی تھی۔ اس کے جاتے ہی رائٹر نے اٹھ کر ایک نیزہ اٹھایا اور اچانک ہی عقب سے زمین
 پر لیٹے سپاہی کی پشت میں عین دل کے مقام پر اتار دیا۔ وہ چند لمحے کو تڑپا اور ساکت ہو گیا۔ میں نے یار ربیک نے
 مداخلت نہیں کی۔ اس کا انجام بالآخر یہی ہونا تھا اور رائٹر کے ہاتھ ہوا تھا اس لیے ہمیں زحمت نہیں کرنا پڑی تھی۔
 رینور دونوں بچوں کو لے آئی، اس نے ایک نظر مارے جانے والے سپاہی کو دیکھا مگر کچھ کہا نہیں۔ شاید اسے بھی
 علم تھا کہ اس سپاہی کا کیا انجام ہو سکتا ہے۔ ربیک مجھے ایک طرف لے گیا۔ ”کیا ہم ان پر اعتماد کر سکتے ہیں؟“
 ”کرنا پڑے گا اس کے سوا ہمارے پاس کوئی اور راستہ نہیں ہے۔“ میں نے جواب دیا۔ ”ہمیں جلد از جلد
 اپنے لوگوں سے رابطہ کرنا ہے۔“

”یہ بتا رہا ہے ان میں سے بیشتر پکڑے جا چکے ہیں۔“

”اس کے باوجود کچھ نہ کچھ بچے ہیں۔ جیسے یہ لوگ اور ہمیں ان کی مدد سے باقیوں کو بھی چھڑانا ہوگا۔“
 ربیک چونکا اور پھر اس نے کچھ نہیں کہا۔ ہم باہر آئے اور مرکزی شاہراہ سے مخالف سمت میں روانہ ہو
 گئے۔ ایک گلی عبور کرتے ہیں رائٹر مڑ گیا تھا۔ وہ زخمی ہونے کے باوجود تیز چل رہا تھا اور ہم سے آگے تھا۔ ہر گلی
 میں داخل ہونے سے پہلے وہ جھانک کر دیکھ لیتا تھا۔ چھوٹے بچے کو رینور نے اٹھا رکھا تھا اور بڑا لڑکا ربیک نے
 اپنے شانے پر بٹھالیا تھا۔ میں سب سے پیچھے تھا اور پیچھے کا خیال رکھتے ہوئے چل رہا تھا۔ میرا خیال تھا کہ رائٹر
 ہمیں عام آبادی کے کسی مکان یا ٹھکانے تک لے جائے گا مگر جب وہ پوش علاقے کے پاس پہنچا اور اسے عام
 آبادی سے جدا کرنے والی دیوار کے ساتھ ساتھ چلتے لگا تو میں چونکا اور ربیک کے توسط سے پوچھا۔ ”تم کہاں
 لے جا رہے ہو؟“

رائٹر نے جواب دیا۔ ”ہمیں امراء والے حصے میں جانا ہے۔“

”وہاں سارے حکومت کے حامی ہیں۔“ ربیک بولا۔

رائٹر رک گیا اور اس نے ربیک کی طرف دیکھا۔ ”سب نہیں ہیں بہت سے ریٹاٹ کے مخالف بھی ہیں۔
 آخر کیرٹ بھی تو اس کا مخالف تھا۔“

”یہ ٹھیک کہہ رہا ہے۔“ میں نے ربیک سے کہا۔ ”ہمیں اس پر اعتماد کرنا چاہیے۔“

ربیک نے سر ہلایا اور ہم دوبارہ آگے روانہ ہوئے۔ خوش قسمتی سے سپاہی ہمارے پیچھے نہیں آئے تھے یا
 پھر میں نے جو دستہ دیکھا تھا وہ کہیں اور جا رہا تھا۔ رائٹر دیوار کے ساتھ چلتے چلتے اچانک رکا اور دیوار کے ساتھ لگی
 پھولدار جھاڑی میں گھس گیا۔ جھاڑی نے دیوار کو اچھی طرح کو رکھا ہوا تھا۔ چند لمحے بعد اس نے اندر سے سر نکالا
 اور ہمیں اندر آنے کا اشارہ کیا۔ ہم جھاڑی میں گھسے تو نیم تاریکی میں دیوار کی جڑ میں ایک چھوٹا سا غلاف نظر آیا رائٹر
 اس سے ریگ کر دوسری طرف جا رہا تھا۔ بظاہر یہ پانی کی نکاسی کا سوراخ تھا جسے ذرا بڑا کر لیا گیا تھا۔ یہ دو فٹ
 چوڑا اور زمین سے کوئی ایک فٹ اونچا تھا۔ رائٹر کے بعد ربیک گیا۔ رینور نے چھوٹا بچہ اسے پکڑا لیا اور خود گئی اس

سے پہلے اس کا بڑا بیٹا دوسری طرف گیا تھا۔ سب سے آخر میں، میں دوسری طرف نکلا۔ مٹی سے رگڑ کھا کر ہمارے لباس خراب ہوئے تھے مگر اس وقت کسی کو لباس کا ہوش نہیں تھا۔ میں نے ربیک کے توسط سے پوچھا۔
 ”اب کتنی دور جانا ہے؟“

”زیادہ دور نہیں ہے۔“ رائٹر نے جواب دیا۔ میں نے اشارے سے اسے رد کیا۔
 ”تمہیں بتایا تھا کہ ہمارے ساتھی بھی ہیں۔“

”اگر وہ کسی محفوظ جگہ ہیں تو ان کی فکر مت کرو ورنہ ان کو بھی اسی جگہ بلوالیں گے۔“ رائٹر نے کہا اور چلنے لگا۔ چند منٹ بعد ہم ایک خاصے بڑے اور سرخ رنگ میں رنگے مکان کے سامنے تھے۔ یہاں آس پاس کوئی نظر نہیں آ رہا تھا۔ رائٹر نے آگے بڑھ کر لکڑی کے گیٹ پر دستک دی۔ فوراً گیٹ میں ایک چھوٹی کھڑکی کھلی اور وہ سرگوشیوں میں کسی سے بات کرنے لگا۔ اس گفت و شنید کا نتیجہ یہ نکلا کہ ایک منٹ بعد گیٹ میں چھوٹا دروازہ کھلا اور رائٹر نے پلٹ کر ہمیں اندر آنے کا اشارہ کیا۔ اندر جاتے ہوئے میرے ذہن میں چند لمحے کے لیے خدشہ آیا تھا۔ بظاہر تو دونوں رائٹر ریٹ مخالف گروہ سے تعلق رکھتا تھا اس نے کیرٹ کا حوالہ بھی دیا تھا۔ مگر انسان کے بارے میں کیا کہا جاسکتا ہے بعض اوقات انسان خود کو بھی دھوکے میں رکھتا ہے۔ دوسروں کو دھوکا دینا تو بہت عام سی بات ہے۔ ہم اندر آئے یہ خاصا بڑا احاطہ تھا جس کے وسط میں بڑا سا کوشی نما مکان تھا۔ ہم رائٹر کی رہنمائی میں اندر آئے۔ وہ ہمیں ایک کمرے میں لے آیا۔

”آپ سب بیٹھیں۔“ اس نے فرش پر بچھے عمدہ قالین کی طرف اشارہ کیا۔ ”میں ابھی آتا ہوں۔“
 رینور بھی بچوں کے ساتھ ہمارے ساتھ ہی تھی۔ میں اور ربیک قالین پر بیٹھ گئے مگر ہم نے اپنے ہتھیار ساتھ ہی رکھے تھے۔ رینور اپنے بچوں کو سمیٹ کر بیٹھی ہوئی تھی اور وہ مطمئن نظر آ رہی تھی۔ اس نے جس طرح رائٹر کو نکالا تھا اس سے میں سمجھ گیا تھا کہ وہ اس کے ساتھ پوری طرح شامل تھی۔ مجھے حیرت ہوئی کہ وہ دونوں کم عمر میاں بیوی اپنے گھر اور بچوں کے ساتھ یہ بھاری ذمہ داری بھی اٹھائے ہوئے تھے۔ وہاں ایک طرف مٹی کے صراحی نما جگ میں پانی اور مٹی کے ہی پیالے رکھے تھے۔ مجھے پیاس لگی تھی مگر میں نے احتیاطاً پانی سے گریز کیا۔ کچھ دیر بعد رینور کے بیٹے نے پانی مانگا تو اس نے اسے جگ سے پانی نکال کر دیا اور جب اس نے پی لیا تو میں نے اور ربیک نے بھی طلب کیا۔ میں نے پیالہ ختم کیا تھا کہ رائٹر ایک شخص کے ہمراہ اندر آیا اور میں اسے دیکھ کر چونکا جیسے وہ مجھے دیکھ کر چونکا تھا۔ یہ شاہی قید خانے کا نگران لمبا تڑنگا اور خوش رو جوان تھا۔ اس نے دوران قید میرے ساتھ اچھا سلوک کیا تھا۔ اس نے بے ساختہ کہا۔ ”تم.....؟“

رائٹر چونکا۔ ”آپ انہیں جانتے ہیں۔“

نگران نے سر ہلایا۔ ”بہت اچھی طرح اور تم بالکل صحیح آدمی کو لے کر آئے ہو۔“

وہ اور رائٹر میرے سامنے قالین پر بیٹھ گئے۔ میں نے ربیک کے توسط سے کہا۔ ”میرا خیال نہیں تھا کہ تم بھی ریناٹ کے مخالفوں میں سے ہو گے؟“

”تقریباً پورا آگن سوائے ایک مخصوص ٹولے کو چھوڑ کر ریناٹ کا مخالف ہے مگر اس کی قوت اور جبر کے آگے مجبور ہیں۔“ نگران نے جواب دیا۔ ”میرا نام انسا ہے۔“

”میرے بارے میں تو تم جانتے ہو گے۔ یہ ر بیک ہے اور میرے ساتھ ایک درجن افراد اور بھی ہیں۔“
 ”وہ کہاں ہیں؟“

”نی الحال وہ ایک محفوظ جگہ ہیں۔“ میں نے واضح جواب دینے سے گریز کیا۔ ر بیک نے ترجمان کی ذمہ داری سنبھال لی تھی اور اپنے طور پر کچھ کہنے سے گریز کر رہا تھا۔ انسا ر سمجھ گیا اس نے دوبارہ پوچھنے سے گریز کیا۔ مجھے یہ جان کر خوشی ہوئی تھی کہ ایک اہم سرکاری عہدہ رکھنے والا بھی کیرٹ کے ساتھیوں میں سے تھا۔ خاص بات یہ تھی کہ وہ اس قید خانے کا نگران تھا جہاں ہمارے ساتھی قید کیے گئے تھے۔ اگر کوئی فرد اس شہر میں مجھے سب سے زیادہ بہتر انداز میں صورت حال سے آگاہ کر سکتا تھا تو وہ انسا رہی تھا۔ مگر اس سے پہلے میں اس سے کچھ پوچھتا ر اٹھاسے اپنی روداد سنانے لگا کہ اس پر کیا گزری اور وہ کیسے ہمیں لے کر یہاں پہنچا۔ انسا ر یہ سن کر فکر مند ہو گیا کہ ر اٹھ کے مکان پر چھ خاص سپاہ کے آدمی ہمارے ہاتھوں مارے گئے تھے۔ اس نے کہا۔
 ”اب، وسیع پیمانے پر تم سب کی تلاش شروع ہو جائے گی۔“

میں جانتا تھا کہ ایسا ہی ہوگا اور اب مجھے باغ میں رکے اپنے ساتھیوں کی فکر ہوئی۔ اسی وقت انسا ر نے مجھ سے کہا۔ ”تمہارے ساتھیوں کا یہاں آنا ضروری ہو گیا ہے فی الحال اس شہر میں میرے گھر سے زیادہ محفوظ جگہ اور کوئی نہیں ہے۔“

میں نے اسے نظر جما کر دیکھا۔ ”تم یہ بات کیسے کہہ سکتے ہو؟“
 ”کیونکہ یہاں ہمارے تین ٹھکانے ہیں مگر ان میں سے کسی پر چھاپہ نہیں مارا گیا لیکن عام آبادی کا ہر ٹھکانہ حکومت کا نشانہ بنا ہے۔“
 یہ سنتے ہی میرے اندر جیسے گھنٹی سی بجنے لگی۔ ”تمہارا مطلب ہے ہر ٹھکانہ جہاں ریٹاٹ کے مخالف موجود تھے؟“

انسا ر نے اثبات میں سر ہلایا۔ ”ہر ٹھکانہ، کوئی جگہ نہیں بچی، صرف وہی بچ سکے جو اس وقت وہاں نہیں تھے۔“

”اور وہ تمام افراد اس وقت یہاں پوش علاقے میں ان تین ٹھکانوں پر ہیں؟“ میں نے اگلا سوال کیا۔
 ”بالکل ان تین ٹھکانوں پر سو کے قریب لوگ ہیں اور یہاں حکومت نے چھاپہ نہیں مارا۔“
 ”وہ اب چھاپہ ماریں گے۔“ میں نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔ ”ہمیں فوری یہاں سے نکلنا ہوگا۔“
 ر بیک نے میری بات کا ترجمہ کیا تو انسا ر پریشان ہو گیا۔ ”کیا کہہ رہے ہو، یہاں کیوں چھاپہ پڑے گا۔“
 ”تم کیا سمجھتے ہو؟ جو لوگ عام آبادی میں مخالفوں کے ایک ایک ٹھکانے سے واقف ہوں وہ پوش آبادی میں ان کے ٹھکانوں سے بے خبر ہو سکتے ہیں۔“
 ”وہ یقیناً واقف نہیں ہیں۔“

”یہ تمہاری خوش فہمی ہے۔ وہ صرف انتظار کر رہے ہیں کہ سب یہاں جمع ہو جائیں تو وہ ایک ساتھ سب کو لے جائیں۔“ میں نے ر بیک اور ر اٹھ کی طرف دیکھا۔ ”ہمیں فوری یہاں سے نکلنا ہوگا۔“
 ”انسا ر اب کچھ پریشان نظر آنے لگا۔ ”تم کہاں جاؤ گے؟“

”میرے پاس ایک ٹھکانا ہے۔ ہم صبح ہونے سے پہلے وہاں پہنچ سکتے ہیں۔“ میں نے سوچتے ہوئے کہا۔
 ”انساں تمہارے ساتھ جو آدمی ہیں وہ میرے حوالے کر دو، ورنہ وہ سب پکڑے جائیں گے اور تمہارے خلاف
 ثبوت بن جائیں گے جب حکومت کو تمہارے پاس سے کوئی غیر متعلق آدمی نہیں ملے گا تو تم خود بخود بے گناہ بن
 جاؤ گے۔“

انساں نے اپنی پیشانی رگڑی۔ ”تم نے مجھے پریشان کر دیا ہے۔“
 ”میں نے بروقت خبردار کر دیا ہے۔ تم حکومت میں ہو لیکن اس سے بے خبر ہو کہ اس وقت ریٹائرمنٹ کا دماغ
 ایک ایسا شخص بنا ہوا ہے جس کی سازشوں سے شیطان بھی پناہ مانگتا ہے۔ وہ اس سارے کھیل کے پیچھے ہے۔“
 انساں نے کچھ دیر سوچنے کے بعد سر ہلایا۔ ”میں تیار ہوں لیکن تم ان آدمیوں سے کیا کام لو گے؟“
 ”میں سب سے پہلے قید خانے سے باقی افراد کو آزاد کراؤں گا۔“ میں نے جواب دیا۔ ”اس کے بعد
 دیکھیں گے کہ کیا کرنا ہے۔“

اتنی دیر میں انساں موقع کی نزاکت کو پوری طرح محسوس کرنے لگا تھا اور وہ تیزی سے باہر نکل گیا۔ اس کے
 جانے کے بعد ریک نے رائٹر کا زخم دیکھا۔ اس سے خون بہنا بند ہو گیا تھا مگر وہ فی الحال حرکت کے قابل نہیں
 تھا۔ میں نے اس سے کہا۔ ”تمہیں اپنی بیوی اور بچوں کے ساتھ یہیں رہنا ہوگا۔“
 اس نے نفی میں سر ہلایا۔ ”سپاہی میری تلاش میں بھی ہوں گے۔“
 ”تم اس قابل نہیں ہو کہ کسی سرگرمی میں حصہ لے سکو اور ریور عورت ہے بچے بھی ساتھ ہیں۔“ میں نے
 کہا۔ ”ہم سمجھ لو جنگ پر نکل رہے ہیں اور آنے والے وقت کا کچھ پتا نہیں ہے۔“
 رائٹر فکر مند ہو گیا۔ ”اس کے علاوہ تو ہمارے پاس کوئی ٹھکانا نہیں ہے۔“
 ”انساں سے بات کرو شاید اس کے پاس ایسی کوئی جگہ ہو جہاں وہ تم سب کو چھپا سکے۔“
 انساں کچھ دیر بعد اندر آیا اور اس نے کہا۔ ”میں نے تینوں ٹھکانوں سے آدمی بلوا لیے ہیں۔“
 ”ہم ہجوم لے کر نہیں جاسکتے ہیں۔“ میں نے اس سے کہا۔ ”دوسرے سب کو پوری طرح مسلح اور لڑائی
 کے لیے تیار ہونا چاہیے۔“

انساں نے سر ہلایا۔ ”میں نے کہہ دیا ہے۔“ اس نے کہتے ہوئے رائٹر کی طرف دیکھا۔ ”اب مجھے اسے اور
 اس کے بیوی بچوں کو چھپانے کا انتظام کرنا ہے۔ یہ تمہارے ساتھ نہیں جاسکتے۔“
 میں نے اطمینان محسوس کیا۔ ”یہی میں کہہ رہا ہوں کہ یہ ہمارے ساتھ نہیں جاسکتے۔“
 ”تم بتاؤ کہ ان لوگوں کو کہاں بھیجنا ہے میں انہیں ٹولیوں کی صورت میں روانہ کر دوں۔“
 میں نے ریک کی مدد سے انساں کو بتایا میرے ساتھی کہاں مقیم ہیں لیکن پہلے میرا جانا لازمی تھا ورنہ غلط فہمی
 ہونے کی صورت میں ہم آپس میں ہی لڑ پڑتے۔ انساں کو سمجھا کر میں نے کہا۔ ”ہمیں سب سے پہلے قید خانے پر
 حملہ کرنا ہے اور وہاں قید اپنے ساتھیوں کو چھڑانا ہے۔ یہ بتاؤ کہ وہاں حفاظتی انتظامات کی کیا پوزیشن ہے؟“
 ”بہت سخت۔“ اس نے جواب دیا۔ ”وہاں ریٹائرمنٹ کا خاص دستہ لگا ہوا ہے اور مجھے میرے عملے سمیت
 وہاں سے ہٹا دیا ہے۔“

میں نے حفاظتی انتظامات کا جو احوال لیا اس کے مطابق قید خانے پر تقریباً سو افراد پر مشتمل ایک دستہ تعینات تھا۔ یہ ریناٹ کے خاص دستے کے سپاہی تھے۔ انساں کا کہنا تھا کہ اس دستے میں سپاہیوں کی تعداد ایک ہزار سے اوپر تھی اور عملاً آرگون ان کے سپرد تھا۔ عام سپاہ میدان جنگ میں جا چکی تھی یا پھر فیصلوں تک محدود تھی مگر اس کی تعداد زیادہ نہیں تھی۔ وقت کم تھا اس لیے میں انساں سے زیادہ سوالات نہیں کر سکا۔ اس سے پہلے میرا خدشہ درست نکلتا ہمیں یہاں سے نکل جانا چاہیے تھا۔ اگر میرا خدشہ غلط بھی تھا اور ریناٹ کے آدمی انساں اور باقی دو پوش علاقے کے ٹھکانوں سے بے خبر تھے تب بھی ہمارا حرکت میں آ جانا ضروری تھا۔ ہمارے پاس انتظار کرنے کے لیے نہ تو وقت تھا اور نہ ہی وسائل تھے۔ ہمیں میدان جنگ سے دور آئے ہوئے ایک دن سے زیادہ وقت گزر گیا تھا اور ہم وہاں کے حال سے بے خبر تھے۔ انساں صرف اتنا جانتا تھا کہ ابھی جنگ شروع نہیں ہوئی ہے۔ یہ سن کر میں نے اچھا محسوس کیا تھا۔ جنگ میں جتنی تاخیر ہوتی ہمارے لیے اتنا ہی اچھا تھا۔ البتہ سامیرا کی فوج کو چھوٹی موٹی چھاپہ مار کارروائیاں کرتے دینی چاہیے تھی۔



انساں کے گھر سے روانہ ہوتے ہوئے میرا ذہن کئی سمتوں میں الجھا ہوا تھا۔ شہر میں گزشتہ روز ہونے والی چھاپہ مار کارروائی سے ظاہر تھا کہ ان کی پوری خبری کی گئی تھی۔ سوال یہ تھا کہ خبری آرگون کے اندر سے کسی نے کی تھی یا پھر سامیرا کے نزدیک موجود کسی غدار کا کام تھا۔ مگر آرگون میں موجود ان دستوں کے بارے میں زیادہ لوگ نہیں جانتے تھے۔ ان کا اصل انچارج میناٹ ہے۔ کچھ غور کرنے کے بعد مجھے لگا کہ غدار آرگون کا کوئی فرد تھا جو باغیوں کے ساتھ تھا اور موقع پا کر اس نے انہیں پکڑوا دیا۔ میں اور ربیک انساں کے گھر سے نکل کر اسی راستے سے عام آبادی میں داخل ہوئے جہاں سے رائٹر ہمیں لے کر آیا تھا اور پھر ہم اس باغ کی طرف بڑھے جہاں میں باقی سب کو ٹھہرا کر آیا تھا۔ ہم جان بوجھ کر تاریک گلیوں سے گزر رہے تھے۔ ربیک نے کہا۔ ”رائٹر کا ملنا اچھا ثابت ہوا۔“

”ہاں ہم جس مقصد کے ساتھ یہاں آئے تھے وہ حاصل ہو گیا ہے اور اب ہمیں اپنے اصل منصوبے پر عمل کرنا ہے۔“

”ہم کل ایک درجن ہیں اور انساں کے پاس اب سو آدمی رہ گئے ہیں کیا اتنے لوگ قید خانے پر حملے کے لیے کافی ہوں گے؟“

”اگر کوشش کی جائے تو کافی ہو سکتے ہیں۔ ہمیں اپنا منصوبہ اچھی طرح تیار کرنا ہوگا۔“ میں نے جواب دیا۔

”اگر ہم کامیاب ہو جاتے ہیں اور قید خانے سے اپنے لوگوں کو چھڑا لیتے ہیں تب بھی ہماری تعداد پانچ سو سے زیادہ نہیں ہوگی۔ اس صورت میں ریناٹ کا خاص دستہ بھی ہم سے دو گنا بڑا ہوگا۔“

ربیک کا انداز بحث کرنے والا نہیں تھا اور نہ ہی وہ خوفزدہ تھا۔ میں اس کی کیفیت سمجھ رہا تھا اس لیے نرمی سے جواب دیا۔ ”تعداد کبھی میدان جنگ کا فیصلہ نہیں کرتی ہے۔ تم لوگ جنگ سے نا آشنا ہو لیکن یہاں سے باہر کی دنیا کے لیے جنگ انوکھی شے نہیں ہے۔ وہاں لا تعداد بار ایسا ہوا ہے کہ دس گنا کم فوج نے فتح حاصل کی اور جو

دس گنا زیادہ تھے وہ شکست خوردہ ٹھہرے۔ اصل اہمیت حوصلے، دلیری اور حکمت عملی کی ہے۔ وہی فوج کامیاب ہوتی ہے جو ان تین شعبوں میں بہتر ہو۔“

”آپ جانتے ہیں ہمارا حوصلہ بلند ہے اور ہم لڑنے مرنے کے لیے تیار ہیں۔“

”باقی رہی حکمت عملی تو یہ مجھ پر چھوڑ دو۔ اللہ نے چاہا تو ہم انہیں شکست دیں گے۔“

اس گفتگو کے دوران ہم باغ کے نزدیک پہنچ گئے اور محتاط ہو گئے۔ میرے ذہن میں تھا کہ ممکن ہے میرے ساتھی پکڑے گئے ہوں اور باغ میں اس وقت ریناٹ کے آدمی ہمارا انتظار کر رہے ہوں۔ اس لیے ہم خاموشی سے اور تارکی کا سہارا لیتے ہوئے اس کی چار دیواری تک پہنچے۔ ربیک نے اندر جھانکا اور ہلکی سی پرندے والی آواز نکالی۔ اس کا فوری ردِ عمل ہوا اور اندر سے بھی ایسی ہی آواز آئی۔ چند لمحے بعد ایرٹ نمودار ہوا اور ہمیں دیکھتے ہی اس نے شکوہ کیا۔ ”آپ لوگ تو ایسے گئے کہ بس، یہاں ہم سب کا دم خشک ہو رہا تھا۔“

”ہمیں دیر ہوئی ہے۔“ ربیک نے کہا۔ ”لیکن ہم کامیاب لوٹے ہیں۔“

”کیا ہوا ہے؟“ ایرٹ بے تاب ہو گیا۔

”آرام سے۔“ میں نے اس کا شانہ تھپکا۔ ”پہلے یہ بتاؤ کہ یہاں کوئی مسئلہ تو نہیں ہوا؟“

”ایک بار ہوا تھا۔“ ایرٹ نے کہا۔ ”چند عام سپاہی یہاں آ گئے تھے اور ساشا نے آواز نکال کر انہیں متوجہ کر لیا مجبوراً ہمیں ان سب کا خاتمہ کرنا پڑا۔“

”ان کی لاشیں؟“

”وہ ہم نے ایک نزدیکی خالی گھر میں ڈال دیں۔ کسی نے نہیں دیکھا اور نہ ہی ان کی تلاش میں مزید کوئی

آیا۔“

ہم اندر آئے تو ساشا اس حالت میں پڑی تھی کہ ہاتھ پاؤں کے ساتھ ساتھ اس کا منہ بھی بند تھا۔ میں سمجھنے سے قاصر تھا کہ وہ ہماری اتنی مخالف کیوں ہو رہی تھی۔ اس کے باپ کا قاتل تو ریناٹ تھا۔ اسی نے کیرٹ کو سولی پر لٹکایا تھا مگر وہ اس کی طرف داری کر رہی تھی۔ میں اس کے پاس بیٹھا اور اس کے منہ سے کپڑا نکالا۔

”تمہارے ساتھ مسئلہ کیا ہے؟“

”یہ تمہاری سمجھ میں نہیں آئے گا اور جب آئے گا تو اس وقت تک بہت دیر ہو چکی ہوگی۔“

”تم کیا سمجھتی ہو کہ اگر ہمارے پاس سے چلی جاؤ گی تو ریناٹ یا اس کے آدمی تمہیں بخش دیں گے؟“

”میں نہیں جانتی میں بس یہاں سے جانا چاہتی ہوں۔“

وقت نہیں تھا اس لیے میں نے مزید بحث سے گریز کرتے ہوئے ساشا کا منہ بند کر دیا اور ربیک کی مدد سے سب کو آنے والی صورتِ حال پر بریف کیا۔ وہ یہ سن کر پُر جوش ہو گئے کہ سو کے قریب افراد مزید ہمارے ساتھ شامل ہونے والے تھے۔ پھر میں نے بتایا کہ ہمیں قید خانے پر حملہ کر کے باقی ساتھیوں کو چھڑانا ہے کیونکہ ان کے بغیر ہم آرگون میں مزید جدوجہد نہیں کر سکتے تھے۔ خلافِ توقع یہ سن کر وہ زیادہ پُر جوش ہو گئے تھے۔ دوسروں کی آمد کسی وقت بھی متوقع تھی اس لیے ہم سب ہوشیار ہو گئے۔ اس کا امکان تھا کہ ان کے پیچھے ریناٹ کے آدمی بھی چلے آئیں۔ آرگون جیسے چھوٹے شہر میں سوا افراد کا چھپ کر حرکت کرنا آسان نہیں تھا۔ خاص طور

سے جب شہر میں ہنگامی حالات نافذ ہوں اور جگہ جگہ فوج موجود ہو۔

میں اور دو افراد باغ میں رہے اور باقی آس پاس پھیل گئے تاکہ نگرانی کر سکیں۔ پہلی ٹولی ہماری آمد کے مشکل سے پندرہ منٹ بعد نمودار ہوئی اور باغ کی طرف آئی۔ وہ عام لباس میں لیکن پوری طرح مسلح تھے۔ ربیک نے ان سے سوال کیا کہ انہیں کس نے بھیجا ہے۔ انہوں نے انساں کا نام لیا تو انہیں باغ میں آنے کی اجازت دے دی مگر ان سے کہا کہ وہ اپنا اسلحہ ایک طرف ڈالتے جائیں۔ انہوں نے بلا جوں چرا حکم کی تعمیل کی۔ اپنا اسلحہ ایک طرف ڈال کر بیٹھ گئے۔ اس کے بعد ٹولیوں کی مسلسل آمد شروع ہو گئی۔ سب اپنا اسلحہ جمع کراتے رہے اور ایک طرف بیٹھتے رہے۔ میں نے ایک بار پھر محسوس کیا کہ سوچ کے اعتبار سے یہ لوگ بہت سادہ ہیں۔ یہ جلدی اعتبار کر لیتے ہیں اور بلاوجہ شک نہیں کرتے ہیں۔ ممکن ہے ہماری دنیا میں یہ سب اتنی آسانی سے نہ ہوتا۔ نہ انساں مجھ پر اعتماد کرتا اور نہ اس کے آدمی اتنی آسانی سے ہم پر اعتبار کر کے اپنا اسلحہ ہمارے حوالے کرتے۔

میں آنے والوں کو گن رہا تھا۔ رفتہ رفتہ ان کی تعداد بانوے تک پہنچ گئی تھی اور اس کے بعد ان کی آمد رک گئی۔ ربیک کی مدد سے میں نے ان سے معلوم کر لیا کہ ان میں کوئی اجنبی تو نہیں ہے وہ سب ایک دوسرے کو جانتے ہیں؟ سب کی ہی کسی نے کسی نے تصدیق کی کہ وہ ان میں سے ہے۔ پھر میں نے مزید آنے والوں کے بارے میں پوچھا۔ انہوں نے بتایا کہ ان کے مزید پندرہ کے قریب ساتھی تھے جنہیں آتا تھا۔ مگر پندرہ کے بجائے مزید دس افراد ہی آئے تھے اور پانچ افراد نہیں آئے حتیٰ کہ صبح ہو گئی۔ یہ سارا عمل تقریباً دو سے ڈھائی گھنٹے میں مکمل ہوا تھا۔ ایک سو دو افراد آئے تھے اور اب ہماری تعداد ایک سو پندرہ ہو گئی تھی۔ آخری فرد سا شاتھی مگر عملاً وہ دشمن بنی ہوئی تھی۔ آنے والے افراد میں آرگونی نامی شخص تھا۔ وہ یہاں باغیوں کا سربراہ تھا۔ وہ اپنے پانچ نہ آنے والے ساتھیوں کے بارے میں فکر مند تھا اور اس کا خیال تھا کہ وہ ریٹائرڈ کے آدمیوں کے ہاتھ لگ گئے تھے۔ وہ ان کے بارے میں سب سے پوچھتا رہا تھا۔

”وہ الگ نکلے تھے؟“ میں نے پوچھا۔

”نہیں وہ سب مختلف ٹولیوں کے ساتھ تھے اور راستے میں کہیں رہ گئے۔“

”میرا خیال ہے وہ کسی غلطی سے نہیں بلکہ جان بوجھ کر رہ گئے۔“ میں نے کہا۔ ”وہ نہ ٹولی سے پچھڑنا کس طرح ممکن ہے۔“

آرگونی چونکا۔ ”تمہارا مطلب ہے وہ غدار ہیں۔“

”اگر غدار نہیں ہیں تب بھی بزدل ضرور ہیں وہ جنگ سے جان بچا رہے ہیں۔“

میرا آرگونی سے تعارف ہوا تھا اور وہ کسی حد تک مجھ سے واقف تھا۔ روشنی ہونے کے بعد ہم باغ کے اندرونی حصے میں آ گئے تھے تاکہ باہر سے ہماری جھلک بھی نظر نہ آئے۔ نگرانی کے لیے تیس پینتیس افراد کو لگا دیا گیا تھا۔ ان میں سے کچھ بلند درختوں پر چڑھ کر آس پاس نظر رکھے ہوئے تھے اگر کوئی اس طرف آتا تو ان کی نظروں سے بچ نہیں سکتا تھا۔ میں آرگونی سے آرگون کی صورت حال جاننے لگا۔ اس نے بتایا کہ چھاپے ایک ہی وقت میں اور اتنے اچانک مارے گئے تھے کہ اس وقت اپنے ٹھکانوں پر موجود سارے ہی حریت پسند پکڑے گئے تھے۔ صرف وہی بچے تھے جو باہر تھے۔ چند ایک فرار ہونے میں کامیاب ہوئے اور انہوں نے ہی آرگونی اور

باقیوں کو خبردار کیا تھا۔ چھاپوں میں مزاحمت کرنے پر سو سے زیادہ حریت پسند مارے گئے تھے۔ پکڑے جانے والوں میں سے کئی شدید زخمی تھے۔ میں نے آریگو سے پوچھا۔ ”تمہارا کیا خیال ہے اگر انہیں چھڑانے کی کوشش کی جائے تو کامیابی کا کیا امکان ہے؟“

آریگو تقریباً پینتیس سے چالیس برس کا مضبوط جسم والا آدمی تھا اس کے لمبے سنہری بال شانوں سے بھی نیچے تک آرہے تھے۔ اس نے فوراً نفی میں سر ہلایا۔ ”بہت کم امکانات ہیں سمجھ لو خود کشی کے مترادف ہوگا۔“

”ہمیں یہ کام کرنا ہے۔“ میں نے کہا۔ ”ان پانچ سو افراد کے بغیر ہم ریٹائرڈ اور اس کے آدمیوں پر قابو نہیں پاسکتے ہیں۔“

آریگو کی آنکھیں پھیل گئیں۔ ”تم اتنی دور کا سوچ رہے ہو؟“

”میں اسی لیے یہاں آیا ہوں۔ تم فکر مت کرو میں جانتا ہوں کہ ایسے مشکل کام آسانی سے کس طرح ہوتے ہیں۔ مگر اس کے لیے ضروری ہے میں جیسا کہوں تم ویسا ہی کرو گے۔“

آریگو کا چہرہ ساٹ ہو گیا۔ ”ہمیں سامیرا کی طرف سے ایسی کوئی ہدایت نہیں ملی ہے۔“

میں نے حیرت سے اسے دیکھا۔ ”کیا تم میری حیثیت سے بے خبر ہو۔ میں سامیرا سمیت قلعوں میں موجود ہر فرد کا سربراہ ہوں۔ اس کی تصدیق یہ لوگ کر سکتے ہیں جو میرے ساتھ آئے ہیں۔“

ایرٹ اور ریک نے میری تائید کی۔ ”شہباز ٹھیک کہہ رہے ہیں یہ سب کے سربراہ ہیں۔“

آریگو کی آنکھوں میں شک نظر آنے لگا۔ ”ایسا کیسے ممکن ہے کہ باہر سے آنے والا ایک فرد ہمارا سربراہ بن جائے۔“

”یہ برف والے کے حکم سے ممکن ہوا ہے۔“ ریک بولا۔ ”کیا تم برف والے کا حکم ماننے سے انکار کر سکتے ہو؟“

آریگو نے نفی میں سر ہلایا۔ ”میرے علم میں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔“

”کیا تمہیں کیرٹ یا یہاں موجود کسی اور اہم فرد نے نہیں بتایا ہے؟“

اس نے پھر نفی میں سر ہلایا۔ ”اگر ایسا ہوتا تو میں حکم کی تعمیل کرتا، تم سے بحث کیوں کرتا؟“

یہ ایک نیا مسئلہ کھڑا ہو گیا تھا۔ میں نے نرم لہجے میں کہا۔ ”ٹھیک ہے تم مجھے سربراہ نہیں سمجھ رہے ہو لیکن میری تجویز پر تو غور کر سکتے ہو۔ تم سوچو کہ ان سو سو افراد کے ساتھ ہم کیا کر لیں گے۔ بلکہ کچھ وقت گزرے گا تو ہمیں اپنے کھانے کی فکر پڑ جائے گی کیونکہ ہمارے پاس خوراک نہیں ہے اور تم لوگ بھی خالی ہاتھ آئے ہو۔“

”تم ٹھیک کہہ رہے ہو، ہم ان سو سو افراد کے ساتھ کچھ نہیں کر سکتے۔“

”اس لیے پہلے ہمیں قید خانے میں موجود اپنے ساتھیوں کو چھڑانا ہوگا۔“

”یہ ممکن نہیں ہے، وہاں سخت پہرہ ہے۔ ریٹائرڈ کے خاص دستے وہاں لگے ہیں اور ان سے لڑنا ہر کسی کے بس کی بات نہیں ہے۔“

”ہم کل سے اب تک اسی خاص دستے کے دس افراد کو ٹھکانے لگا چکے ہیں۔“ ریک نے کہا۔ ”ہمارا ایک آدمی بھی زخمی نہیں ہوا۔ اس سے پہلے ہم شہر سے باہر درجنوں سپاہیوں کو ہلاک کر چکے ہیں اور ہمارا کوئی نقصان

نہیں ہوا۔“

”یہ اتنے تربیت یافتہ بھی نہیں ہیں جتنا کہ تم سمجھ رہے ہو۔“ ایٹ بولا۔ ”لگتا ہے تم ان سے مرعوب

ہو؟“

آریگو کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ ”یہ جھوٹ ہے میں ان سے ڈرتا نہیں ہوں۔“

”تم ڈرتے نہیں ہو لیکن کچھ کرنے کے لیے بھی تیار نہیں ہو۔“

”ہم سامیرا کی فوج کا انتظار کر رہے ہیں۔ جب وہ باہر سے حملہ آور ہوگی تب ہم اندر سے ریٹاٹ کے

آدمیوں پر حملہ کریں گے۔“

میں نے حیرت سے اسے دیکھا۔ ”تم سے کس نے کہا کہ سامیرا کی فوج یہاں حملہ کرے گی؟ وہ تو خود

ریٹاٹ کی فوج کے محاصرے میں ہے اور مدافعتی جنگ لڑ رہی ہے۔“

آریگو کے چہرے پر ایک بار پھر شک کے آثار نظر آئے اس نے کہا۔ ”لیکن وہاں سے جو اطلاعات آئی

ہیں ان کے مطابق سامیرا کی فوج کھل کر ریٹاٹ کی فوج پر حملے کر رہی ہے اور جلد اسے پسپا کرتی ہوئی آرگون

تک پہنچ جائے گی۔“

آریگو کی بات چونکا نے والی تھی۔ ”تم تک یہ اطلاع کیسے پہنچی، انسا نے تو ایسی کوئی بات نہیں کی تھی۔“

”انسا صرف ہمارا مددگار ہے اسے ہر بات کا علم نہیں ہوتا ہے۔“

”تم تک یہ اطلاع کب آئی؟“

”کل شام۔“ اس نے جواب دیا۔ اس وقت ہم ٹیلے پر وقت گزاری کر رہے تھے اور ہمیں قلعوں سے دور

نکلے تقریباً سترہ اٹھارہ گھنٹے ہو چکے تھے۔ اتنی جلدی وہاں صورت حال میں تبدیلی آئی تھی کہ سامیرا کی فوج

ریٹاٹ کی فوج پر جارحانہ حملے کر رہی تھی اور جلد وہ آرگون تک پہنچنے والی تھی۔ یہ بات مجھے ہضم نہیں ہو رہی تھی۔

ٹھیک ہے سامیرا کی فوج پہلے سے زیادہ بہتر حالت میں تھی اور اس میں لڑنے والوں کی تعداد اور استعداد میں بھی

اضافہ ہوا تھا مگر ریٹاٹ کی فوج تعداد میں اس سے زیادہ اور یقیناً بہتر تربیت یافتہ تھی۔ اس کے پاس اسلحہ بھی بہتر

اور کہیں زیادہ تھا۔ اگرچہ فصل کے جلنے سے ریٹاٹ کا ابتدائی پروگرام کسی حد تک متاثر ہوا ہوگا مگر اس کا مطلب یہ

نہیں تھا کہ اس کے پاس خوراک نہیں رہی تھی۔ آرگون میں موجود خوراک کے ذخیرے یقیناً کہیں زیادہ تھے بہ

نسبت سامیرا کے قلعوں میں موجود خوراک کے ذخائر کے۔

ریٹاٹ اب بھی مدافعتی جنگ کو ترجیح دیتا اور اگر اسے سارے سرما بھی محاصرہ کرنا پڑتا تو وہ اسے جاری

رکھتا۔ عقب سے اس کی فوج کو رسد ملتی رہتی اور ہر گزرتے دن قلعوں میں خوراک کے ذخائر کم ہوتے جاتے۔

سامیرا کو اپنے لوگوں کی پروا تھی اس کے برعکس ریٹاٹ کو آرگون کی عام آبادی کی قطعی پروا نہیں تھی اگر اسے ان کی

خوراک بند کرنا پڑتی تو وہ یہ کام بھی کر گزرتا۔ وہ ان لوگوں میں سے تھا جو انسانوں پر اپنا مکمل اقتدار چاہتے ہیں۔

انہیں اس کی پروا نہیں ہوتی ہے کہ یہ اقتدار کتنے انسانوں پر ہوتا ہے۔ اس لیے اگر وادی کی اکثر آبادی جنگ یا

بھوک سے فنا کے گھاٹ اتر بھی جاتی تو ریٹاٹ کا کوئی نقصان نہیں تھا۔ بلکہ شاید فائدہ تھا کہ بچ جانے والے باقی

عام لوگ اس کے اور اس کے خاص ٹولے کے غلام بن جاتے۔ اس لیے اگر وادی اور اس کے لوگوں کو بچانا تھا تو

ریناٹ اور اس کے ٹولے کا خاتمہ ضروری تھا۔

اس کے لیے ہمیں آرگون میں خود کو مضبوط کر کے حرکت میں آنا تھا اور مضبوط کرنے کے لیے قید خانوں میں موجود حریت پسندوں کی رہائی لازمی تھی۔ مگر یہاں رکاوٹ آرگیو کی صورت میں سامنے آئی تھی۔ وہ حریت پسندوں کا سربراہ تھا اور جنگ کے موڑ میں نہیں تھا۔ اسے یقین تھا کہ جلد جنگ آرگون تک آئے گی اور تب وہ اپنے ساتھیوں کے ہمراہ ریناٹ کی فوج پر اندر سے حملے کرے گا۔ اس کے خیال میں جنگ کا وہی وقت تھا۔ وہ اس سے پہلے حرکت میں آنے کو تیار نہیں تھا۔ دوسری طرف مجھے یقین تھا کہ جنگ کے آرگون کی فسیل تک آنے کا کوئی امکان نہیں تھا۔ یہ ہمارے پلان میں شامل ہی نہیں تھی۔ سامیرا اور اس کے ساتھی سمجھتے تھے کہ وہ کھل کر جنگ لڑنے کے بجائے مدافعتی جنگ سے اپنے مقاصد بہتر حاصل کر سکتے ہیں۔ میں نے ریک اور ایرٹ کی مدد سے یہ بات آرگیو کو سمجھانے کی کوشش کی مگر وہ جیسے سمجھنے کو تیار نہیں تھا۔ ریک اور ایرٹ غصے میں آ گئے۔ وہ مجھے ایک طرف لے گئے۔ ایرٹ نے کہا۔

”اگر یہ سمجھ نہیں رہا تو ہمیں معاملات اپنے ہاتھ میں لے لینے چاہئیں۔“

”تمہارا مطلب ہے کہ ہم آرگیو سے اختیار چھین لیں تو یہ آسان نہیں ہوگا اور شاید ہم آپس میں لڑ پڑیں۔“

”تب ہم کیا کریں؟“ ریک نے اس کی طرف دیکھا۔ ”یہ بہت کم سمجھ آدمی ہے میری تو سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اسے کس نے بہکایا ہے کہ جنگ جلد آرگون تک آنے والی ہے۔“

میں چونکا۔ ”یہ تم نے کام کا سوال کیا ہے، اب اس سے پوچھو کہ اس کی اطلاع کا ذریعہ کیا ہے؟“ ریک آرگیو کے پاس گیا اور کچھ دیر اس سے محو گفتگو رہا پھر اس نے واپس آ کر کہا۔ ”آرگیو کا کہنا ہے کہ اسے نیاٹ سے اطلاع ملی ہے۔“

میں نے انکار کیا۔ ”نیاٹ ایسی بات کر ہی نہیں سکتا، اول تو اسے ہمارے پلان کا اچھی طرح علم ہے دوسرے اس وقت قلعے محاصرے میں ہیں اور وہاں سے آرگون تک کوئی پیغام نہیں بھیجا جاسکتا ہے۔“

”اس کا کہنا ہے کہ پیغام تیرے باندھ کر باہر پھینکا گیا تھا۔ آرگون کی فوج میں بھی ان کے ساتھی شامل ہیں ان کے توسط سے یہ پیغام آیا ہے۔“

میں قدرتی طور پر فکر مند ہو گیا کیونکہ میرے علم میں ایسی کوئی بات نہیں تھی کہ آرگون کی فوج میں سامیرا کے حامی ہیں اور وہ آرگون کے حریت پسندوں تک پیغام رسانی کر رہے تھے۔ دوسری طرف آرگیو کا کہنا تھا کہ اسے پیغام مل رہے تھے۔ اگر یہ پیغام سچ سچ سامیرا کی طرف سے نہیں تھے تو اس کا مطلب تھا کہ آرگیو اور دوسرے حریت پسند ٹریپ ہو گئے تھے اور اسی وجہ سے ان کی بڑی تعداد پکڑی گئی اور عین اس وقت جب ہم آرگون میں داخل ہونے والے تھے۔ کیا یہ بھی اتفاق تھا؟ میں جیسے جیسے سوچ رہا تھا۔ میرا شبہ بڑھ رہا تھا کہ اس سارے معاملے کے پس پشت کوئی سازش ہے۔ سازش کی یہ زنجیر سامیرا کے قلعوں سے یہاں تک پھیلی ہوئی تھی۔ وہاں غداروں کی موجودگی تو مجھے دی جانے والی سزا سے ہی واضح ہو گئی تھی۔ یقیناً وہی لوگ وہاں کی درست اطلاعات یہاں ریناٹ تک اور غلط اطلاعات حریت پسندوں تک پہنچا رہے تھے۔

میں واقعات کی کڑیاں ملا رہا تھا۔ ہماری آمد سے پہلے حریت پسندوں کو اچانک چھاپوں میں گرفتار کر لیا گیا۔ گویا یہاں میری مدد کرنے والے خود بے یار و مددگار ہو گئے۔ جو تھوڑے بہت باقی بچے ان کو مس گائیڈ کیا جا رہا تھا۔ ایک سوال یہ تھا کہ جب ریٹائرڈ اور اس کے آدمی ان بچے حریت پسندوں تک رسائی رکھتے تھے تو انہیں کیوں نہیں پکڑ لیا؟ اس کا ممکنہ جواب یہ تھا کہ وہ ان کی مدد سے مجھ تک رسائی چاہتے تھے۔ میں ان سے رابطہ کرتا اور وہ پھر چھاپہ مار کر مجھ سمیت سب کو ایک ساتھ ہی لے جاتے۔ ایک بار وہ آرگون کی طرف سے بے فکر ہو جاتے تو اس کے بعد وہ آرام سے سامیرا اور اس کے لوگوں کے قلعوں میں بھوکے مرنے کا نظارہ کر سکتے تھے۔ انہیں جنگ کرنے کی ضرورت بھی باقی نہیں رہتی اور اگر سامیرا کی سپاہ حملہ کرتی تو وہ اسے با آسانی ناکام بنا سکتے تھے۔ ان کی قوت کہیں زیادہ تھی اور انہیں عقب سے مسلسل رسد مل رہی تھی۔

میں سوچ رہا تھا لیکن میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ موجودہ صورت حال میں کیا حکمت عملی اپنائی جائے۔ آرگيو مجھے سخت اور بے چک شخص لگا تھا۔ اس کے تاثرات بتا رہے تھے کہ وہ اپنی سوچ سے ایک انچ پیچھے نہیں ہٹے گا۔ اگر ہم اسے قابو کرنے کی کوشش کرتے تو اس کے ساتھی آڑے آتے اور ہمارے درمیان جنگ چھڑ جاتی۔ میں سوچتا رہا اور ٹھہرتا رہا۔ رفتہ رفتہ ایک حکمت عملی سمجھ میں آنے لگی۔ میں نے اس پر مزید سوچا اور پھر ربیک کو بلایا۔ ”میں آرگيو اور اس کے ساتھیوں سے بات کرنا چاہتا ہوں۔ تم میری بات کا مؤثر ترجمہ کرو گے۔“

”میں پوری کوشش کروں گا۔“

ہم آرگيو کے پاس آئے اور اس سے کہا کہ ہم اس سے اور اس کے آدمیوں سے بات کرنا چاہتے ہیں۔ اس نے اعتراض کیا۔ ”جو بات کرنی ہے مجھ سے کرو میرے آدمیوں سے بات کرنے کی کیا ضرورت ہے؟“

”تم صرف سن لو۔“ میں نے نرمی سے کہا۔ ”میں صورت حال تم سب کے سامنے رکھنا چاہ رہا ہوں۔“

کسی قدر ہچکچاہٹ کے ساتھ آرگيو مان گیا۔ اس نے اپنے سارے آدمیوں کو بلالیا۔ ہم باغ کے وسط میں تھے اور سوائے پہرہ دینے والوں کے باقی سب ہی وہاں موجود تھے۔ میں وسط میں کھڑا ہوا اور کہنا شروع کیا۔ ”دوستوں میرا تعلق اس وادی سے نہیں ہے۔ میں باہر سے آیا ہوں۔ بلکہ آیا نہیں ہوں بلایا گیا ہوں۔ مجھے برف والے نے بلایا ہے تاکہ میں وادی کے لوگوں کے درمیان جاری اس جنگ کا خاتمہ کر سکوں اور ان لوگوں کا ساتھ دوں جو آزادی سے زندگی گزارنا چاہتے ہیں۔ برف والے کے حکم پر مجھے سامیرا اور اس کے ساتھیوں کا سربراہ بنایا گیا اور میں نے وہاں فوج کی تربیت کی اور انہیں از سر نو منظم کر کے اس قابل بنایا کہ وہ ریٹائرڈ کی بڑی فوج کا مقابلہ کر سکیں۔ مگر تعداد اور اسلحے کے لحاظ سے وہ اب بھی اس قابل نہیں ہیں کہ کھلی جنگ میں ریٹائرڈ کی فوج کا مقابلہ کر سکیں۔“

ربیک میری بات کا ترجمہ کر رہا تھا۔ میں ایک جملہ کہہ کر خاموش ہو جاتا اور ربیک اس کا ترجمہ کر دیتا تو میں دوسرا جملہ کہتا۔ میں ان کو قلعوں کے حالات بتانے لگا اور یہ بھی کہ وہاں ریٹائرڈ کے آدمی موجود ہیں بالکل اسی طرح جیسے آرگون میں حریت پسند موجود ہیں۔ میں نے ان کو بتایا کہ کس طرح مجھے سازش میں پھنسا کر قلعوں سے نکلوا لیا گیا۔ اس ذلت آمیز سزا کے باوجود میں ان کے ساتھ رہا۔ میں نے فصلوں کو آگ لگا کر ریٹائرڈ کی ابتدائی حکمت عملی کو ناکام بنا دیا، پھر میں آرگون میں آیا مگر ریٹائرڈ کے جاسوس کام کر رہے ہیں اور انہوں نے

میری آمد کی اطلاع دی اس کی بنیاد پر حریت پسندوں کی بڑی تعداد کو گرفتار کر لیا گیا اور جو باقی رہ گئے وہ اس قابل نہیں رہے کہ آرگون میں کوئی بڑی کارروائی کر سکیں۔ میں دلائل سے بات کر رہا تھا کہ حریت پسندوں کی گرفتاری اس کا سب سے بڑا ثبوت ہے کہ ریناٹ کے جاسوس دونوں طرف پوری طرح سرگرم ہیں۔ پھر میں نے ان کو ڈیوڈ شا اور اس کے عزائم کے بارے میں بتایا جو اس وقت ریناٹ کے ساتھ تھا اور وہی اسے چلا رہا تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ ان میں سے اکثر میری تقریر سے نہ صرف حیران تھے بلکہ اس کے قائل بھی نظر آ رہے تھے۔ آخر میں ہمیں نے کہا۔

”اب ہمیں کیا کرنا چاہیے۔ میں چاہتا ہوں کہ قید خانوں میں قید نہ صرف اپنے ساتھیوں بلکہ ان عام لوگوں کو بھی چھڑایا جائے جنہیں بے گناہ یا معمولی جرموں میں قید کیا ہوا ہے۔ اس سے ہمیں دو فائدے حاصل ہوں گے اول ہماری تعداد بڑھ جائے گی اور ہم اندر موجود ریناٹ کی سپاہ سے نمٹ سکیں گے۔ دوسرے ہمیں آرگون کے عام لوگوں کی حمایت اور مدد حاصل ہو جائے گی۔ کوئی فوج اس وقت تک کامیابی حاصل نہیں کر سکتی جب تک اس کے پس پشت عوام نہ ہوں۔“

میری تقریر کے دوران آرگیو بے چین تھا اور جب میں نے صورت حال کے حوالے سے اپنی رائے دی تو اس سے برداشت نہیں ہو سکا اس نے اچانک کہا۔ ”بس بہت ہو گیا، تم میرے آدمیوں کو بہکانے کی کوشش کر رہے ہو۔“

”اس کے برعکس میں انہیں حالات سے آگاہ کر رہا ہوں۔ یہ وقت آرام سے بیٹھنے کا نہیں بلکہ حرکت میں آنے کا ہے تم سامیرا کی جس فوج کا انتظار کر رہے ہو وہ صرف اسی صورت میں یہاں آ سکتی ہے جب ہم ریناٹ اور اس کے ٹولے پر قابو پا کر آرگون کو اپنے ہاتھ میں لے لیں۔“

”مجھے یقین ہے وہ فوج جلد آنے والی ہے۔“

”اگر وہ فوج آنے والی ہوتی تو مجھے اتنی مشکل سے آرگون میں داخل نہ ہونا پڑتا۔ ہم اپنی جان پر کھیل کر یہاں تک آئے ہیں۔ تم خود سوچو کہ اگر سامیرا کی فوج اس قابل ہوتی تو میں اس کے ساتھ فاتحانہ کیوں نہ آتا۔“

”کیونکہ تم سزا یافتہ مجرم ہو۔“

”یہ الزام اور سازش تھی۔ جس لڑکی کے توسط سے یہ سازش کی گئی وہ آرگون میں قید ہے۔ اگر ہم نے قید خانے سے اسے چھڑا لیا تو وہ خود بتائے گی۔“

”ہم کچھ نہیں جانتے۔“ آرگیو نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔ ”اگر تم نے کچھ کرنا ہے تو ہم سے الگ ہو جاؤ۔ مجھے تو حیرت ہے انسا نے تم جیسے مجرم پر اعتماد کیسے کر لیا۔“

”تم بار بار مجھے بے عزت کر رہے ہو۔“ اس بار میں نے سخت لہجے میں کہا۔ ”اب میں برداشت نہیں کروں گا۔“

آرگیو کی آنکھوں میں چمک نمودار ہوئی۔ ”کیا کر لو گے؟“

”میں تم سے لڑوں گا۔“

”ان چند لوگوں کے ساتھ؟“ اس نے حقارت سے میرے ساتھیوں کی طرف دیکھا۔

”نہیں ہمارے درمیان دو بدو مقابلہ ہوگا جو جیتے گا وہی سب کا سربراہ ہوگا۔ بولو منظور ہے؟“

وہ بدکا۔ ”یہ سربراہی کہاں سے درمیان میں آگئی؟“

”کوئی شکست خوردہ شخص لڑنے والوں کی سربراہی کے قابل ہوتا ہے؟“ میں نے طنزیہ لہجے میں پوچھا۔

”میں اس کے لیے تیار نہیں ہوں۔“ اس نے انکار کیا۔

میں نے آریگو کے آدمیوں کی طرف دیکھا۔ ”تم نے دیکھا یہ شخص اصل میں لڑنے کے لیے ہی تیار نہیں

ہے جو ایک شخص سے مقابلہ نہ کرے وہ بھلا ایک فوج سے لڑنے کے لیے کیوں تیار ہوگا؟“

میری اس بات نے آریگو کو جا مے سے باہر کر دیا۔ وہ غراتا ہوا اٹھا۔ ”تمہیں بہت شوق ہے لڑنے کا، میں

تمہیں سبق سکھاتا ہوں۔“

وہ اٹھ کر میرے مقابل آیا تو میں نے کہا۔ ”میں تمہیں نقصان نہیں پہنچانا چاہتا اور میری کوشش ہوگی کہ

تمہیں کوئی خطرناک زخم یا چوٹ نہ لگے۔“

اس نے بھیڑیے کی طرح دانت نکالے۔ ”میں تمہیں ایسی کوئی ضمانت نہیں دے سکتا۔“

”میں تم سے ضمانت مانگ بھی نہیں رہا تمہاری جو مرضی میرے خلاف کرو۔“

میں نے اپنا نیزہ سنبھال لیا۔ آریگو کے ہاتھ میں بھی نیزہ تھا۔ ہم نے باقی ہتھیار الگ کر کے رکھ دیے

تھے۔ میرے ساتھی کسی قدر مضطرب ضرور ہوئے مگر وہ جانتے تھے کہ مجھے کوئی آسانی سے ٹاؤ نہیں کر سکتا ہے۔

آریگو نے پہلا وار ہی مہلک کیا اور جھکائی دے کر میرے پیٹ کو نشانہ بنایا میں پوری طرح ہوشیار تھا اس لیے

با آسانی اس کا وارنا کام بنادیا۔ میں نے دائیں پاؤں پر زور ڈالا اور رقص کے انداز میں یوں گھوما کہ نیزہ میرے

برابر سے گزرا اور میں نے مڑتے ہوئے اپنے نیزے سے آریگو کے پہلو پر ضرب لگائی۔ وہ اس کے لیے تیار نہیں

تھا لڑکھڑا کر پیچھے گیا۔ میں نے نیزے کو ڈنڈے کی طرح استعمال کیا تھا اس لیے اسے چوٹ آئی مگر زخم نہیں آیا۔

چند لمحے کے لیے اس کی آنکھوں میں حیرت نظر آئی، اسے توقع نہیں تھی کہ میں اس کا وار یوں ناکام بنادوں گا اور

اسے ضرب بھی لگاؤں گا۔

اس صدمے سے سنبھل کر اس نے اگلا نشانہ میرے اوپری جسم کا لیا۔ اس بار میں نے نیزے سے اس کا

وار روکا اور اس کا نیزہ گھماتے ہوئے دبا کر زمین پر ٹکایا اور اس کے اوپر سے اپنی لات گھمائی جو اس کے منہ پر لگی

اور وہ اپنا نیزہ چھوڑ کر پیچھے جا گرا۔ میں پیچھے ہٹ گیا۔ اس کے آدمی دم بخود تھے اور میرے ساتھی اب اس

مقابلے سے پوری طرح لطف اندوز ہو رہے تھے۔ انہیں اطمینان ہو گیا تھا کہ مجھ پر قابو پانا آریگو کے بس کی بات

نہیں تھی۔ حسب توقع وہ مشتعل ہو کر آیا اور اس نے نیزہ اٹھا کر مجھ پر پے در پے وار کیے۔ میں اس کے وار ناکام

بناتا رہا اور جیسے ہی وہ میرے نزدیک آیا میں نے اچانک بیٹھتے ہوئے سوپ کک ماری اور وہ دھڑام سے پورے

وزن کے ساتھ زمین پر گرا۔ دھمک بتا رہی تھی اسے خاصی چوٹ آئی تھی۔ اس کے سنہری بال کھل گئے تھے اور چہرہ

وحشیانہ ہو گیا تھا۔ وہ ایک چیخ کے ساتھ بنا نیزے کے میری طرف جھپٹا اور میں نے نیزہ اس کے پیروں میں

پھنسایا۔ وہ منہ کے بل میرے سامنے گرا اور میں نے اس کی پشت پر گھٹنا ٹیکتے ہوئے اس کے بال پکڑ کر اسے قابو

کر لیا۔ اس نے تڑپ کر زور لگایا مگر جب یہ زور اس کی گردن پر آیا تو وہ ساکت ہو گیا۔ میں نے آہستہ سے کہا۔

”میں چاہتا ہوں تم زندہ رہو اور ہمیں کامیابی حاصل کرتے دیکھو۔“

ریک نے میری بات کا ترجمہ کیا اس نے بھنچی آواز میں کہا۔ ”چھوڑو مجھے۔“

میں نے ایک جھٹکے سے اس کے بال چھوڑ دیئے اور پشت سے گھٹنا ہٹا لیا۔ دباؤ ہٹتے ہی وہ حرکت میں آیا اور اس نے وہ کام کیا جو میرے گمان میں نہیں تھا۔ اس نے نیچے گرے ہوئے مٹھی میں ریت بھر لی تھی اور وہی ریت اس نے اٹھتے ہوئے اچانک میری آنکھوں میں جھونک دی۔ میں نے آخری لمحے میں رخ پھیرا مگر کچھ ذرات آنکھوں میں گئے اور میں بے ساختہ آنکھیں بند کرنے پر مجبور ہوا۔ ریت نے لمحوں میں جیسے میری آنکھوں میں مرچ سی لگا دی تھی اور میں لڑکھڑا کر پیچھے ہوا۔ اس مہلت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے آریگو اپنے نیزے کی طرف لپکا اور اسے اٹھاتے ہی مجھ پر وار کیا۔ اس وقت تک میں آنکھیں مل کر کسی حد تک ریت نکال چکا تھا اور دیکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ وار کا احساس ہوتے ہی میں نیچے گرا اور نیزہ میرے اوپر سے گزرا۔ میں یقیناً بال بال بچا تھا۔

آریگو نے ناکامی کے بعد اسے واپس کھینچا اور دوبارہ میرے جسم میں اتارنے کی کوشش کی۔ اس کوشش کو میں نے کروٹ لے کر ناکام بنایا۔ نیزہ زمین میں دھنس گیا اور اس سے پہلے وہ اسے واپس کھینچتا میں نے واپس گھوم کر اسے پکڑ لیا اور سامنے کی طرف لات چلائی۔ یہ ایک اندھاوار تھا کیونکہ مجھے ابھی بھی صاف نظر نہیں آ رہا تھا مگر میرے جوتے کی ایڑی بالکل درست جگہ لگی اور یہ جگہ آریگو کا گھٹنا تھا۔ ہلکی سی چٹخنے کی آواز آئی جو فوراً ہی آنے والی دھاڑ میں دب کر رہ گئی۔ آریگو لڑکھڑا کر پیچھے گیا اور نیچے گر گیا۔ اس نے اٹھنے کی کوشش کی اور دوسری دھاڑ کے ساتھ دوبارہ نیچے گرا اور شدت کرب سے پاؤں پکڑ کر ڈکرانے لگا۔ وہ لڑنے کے قابل نہیں رہا تھا۔ میں کھڑا ہوا اور ریک نے مجھے پانی کی چھاگل دی۔ میں نے آنکھوں میں پانی مارا جس سے ریت نکلی اور تکلیف کی شدت اتنی کم ہوئی کہ میں آنکھیں درست طریقے سے کھول سکوں۔

آریگو کے آدمی اسے دیکھ رہے تھے مگر کسی نے مداخلت کرنے یا اس کی حمایت میں کچھ کہنے کی کوشش نہیں کی۔ آنکھیں صاف کر کے اور دیکھنے کے قابل ہونے کے بعد میں آریگو کی طرف آیا۔ ”مجھے افسوس ہے کہ تمہارا گھٹنا ٹوٹ گیا ہے مگر اس کے لیے تم نے مجھے مجبور کیا۔“

جواب میں اس نے نیچے تھوکا اور بولا۔ ”تم کیا سمجھتے ہو اس طرح میرے آدمیوں کو اپنے قابو میں کر لو گے۔“

”مجھے کسی کو قابو کرنے کا شوق نہیں ہے۔“ میں نے خشک لہجے میں کہا۔ ”میں ایک بڑے مقصد کے لیے کام کر رہا ہوں اور اس قسم کی چیزوں کی میرے نزدیک کوئی حیثیت نہیں ہے۔ تم اپنے لوگوں کے لیے کچھ کرنے کے بجائے صرف سرداری کے چکر میں پڑے ہو۔ تم میں اور ریٹاٹ میں کیا فرق ہے۔“

”تم باہر سے آئے ہو اور تمہیں ہمارے معاملات میں دخل دینے کا کوئی حق نہیں ہے۔“ اس نے بدستور ہٹ دھرمی سے کہا۔

میں نے اس کے آدمیوں کی طرف دیکھا۔ ”تم نے دیکھ اور سن لیا ہے، اب تم کیا کہتے ہو کیا تم میرا ساتھ دو گے کہ تمہارے ساتھیوں کو قید خانے سے چھڑایا جائے یا پھر تم آریگو کا ساتھ دو گے جو کچھ کرنے کے لیے تیار

نہیں ہے اور صرف وقت ضائع کر رہا ہے۔“

آریگو اپنے آدمیوں کی طرف دیکھ کر دھاڑا۔ ”اس کی باتوں میں مت آؤ۔“

”ہمارے پاس زیادہ وقت نہیں۔“ میں نے خبردار کیا۔ ”شاید ریناٹ کی فوج اس طرف آرہی ہے اور اب تم لوگ فیصلہ کر لو کہ کس کے ساتھ ہو۔ اگر تم آریگو کے ساتھ ہو تو میں جیسے آیا تھا ویسے ہی واپس چلا جاؤں گا کیونکہ میں پھر اپنی اور اپنے ساتھیوں کی جان خطرے میں نہیں ڈالوں گا۔ لیکن اگر تم میرا ساتھ دیتے ہو تو میں یہیں رہوں گا اور آخری دم تک جدوجہد کروں گا چاہے اس کا نتیجہ کچھ بھی نکلے۔“

آریگو کے آدمی خاموش کھڑے رہے وہ ایک دوسرے کی شکل دیکھ رہے تھے جیسے فیصلہ نہ کر پا رہے ہوں۔ مجھے مایوسی ہوئی ایسا لگ رہا تھا کہ آریگو کے آدمی بھی اس کی طرح کم فہم اور کم ہمت تھے۔ چند منٹ بعد میں نے گہری سانس لی اور اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھا۔ ”دوستوں اب ہمیں اپنے طور پر جدوجہد کرنا ہوگی۔ چلنے کی تیاری کرو۔“

آریگو تکلیف کے باوجود فاتحانہ انداز میں مسکرانے لگا۔ اس نے کہا۔ ”میں جانتا تھا کوئی تمہارا ساتھ نہیں دے گا۔ یہ سب میرے آدمی ہیں۔“

”میں نہیں ہوں۔“ خلاف توقع ایک آواز آئی اور ایک ادھیڑ عمر مگر مضبوط جسم والا شخص آگے آیا اور اس نے میری طرف دیکھا۔ ”میں تمہارے ساتھ ہوں۔“

”میں بھی تمہارے ساتھ ہوں۔“ اس کے فوراً بعد دوسرا آگے آیا۔

”میں بھی.....“

”میں بھی.....“

اس کے بعد تو لائن لگ گئی ایک ایک کر کے وہ سب میری طرف آنے لگے۔ چند ہی منٹوں میں سوائے چار افراد کے باقی سب میرے پاس آچکے تھے۔ آریگو دم بخود رہ گیا اور جب اس کے ساتھ صرف چار آدمی رہ گئے تو وہ چلایا۔ ”تم ایسا نہیں کر سکتے میں تمہارا آقا ہوں۔“

”تم صرف ہمارے سردار تھے۔“ سب سے پہلے آنے والے ادھیڑ عمر نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ ”مگر تم نے اپنی بزدلی اور کم ہمتی سے ثابت کر دیا کہ تم اس قابل نہیں ہو۔“

آریگو بہ مشکل ایک درخت کے تنے کا سہارا لے کھڑا ہوا۔ اس دوران میں دوسرے جا کر گرانی کرنے والوں کو بھی بلا لائے تھے اور سوائے ایک کے باقی بھی ہمارے ساتھ شامل ہو گئے۔ آریگو زور اس کے پانچ ساتھی نکالنے کے بعد میرے ساتھ ایک سو نو افراد تھے۔ میں نے ان سے کہا۔ ”دوستو میں اس اعتماد کے لیے تمہارا شکر گزار ہوں لیکن مجھے صرف تمہارا ساتھ نہیں چاہیے۔ یہ زندگی اور موت کی جنگ ہے۔ مجھے نہیں معلوم کہ ہم زندہ رہیں گے یا نہیں مگر ہم آخری دم تک لڑیں گے۔ کیا تم لوگ اس کے لیے تیار ہو؟“

”ہم تیار ہیں۔“ ادھیڑ عمر آدمی نے پُر عزم لہجے میں کہا۔ ”اگر سب ساتھ چھوڑ جائیں تب بھی میں تمہارے ساتھ رہوں گا۔“

”تمہارا نام کیا ہے؟“ ربیک نے اس سے پوچھا۔

”ایزارٹ۔“ اس نے جواب دیا۔ ”میں آریگو کا نائب تھا لیکن میں اس کی حکمت عملی سے متفق نہیں تھا۔ بہت سے مواقعوں پر میں نے اس سے اختلاف کیا۔ مگر یہ خود پسند آدمی ہے جو صرف اپنی بات کو درست سمجھتا ہے۔“ اس نے آریگو کی طرف دیکھا تو وہ زہریلے انداز میں بولا۔

”اب تم یہی کہو گے کل تک میری ہاں میں ہاں ملاتے تھے۔“

میں نے آریگو سے کہا۔ ”یہ وقت آپس میں اختلاف کا نہیں ہے۔ جلد ریٹائرمنٹ کی فوج حرکت میں آئے گا اور ہمیں اپنی جان بچانا مشکل ہو جائے گا اس سے پہلے ہمیں قید خانے سے اپنے ساتھیوں کو چھڑالینا چاہیے۔ کیا تم ساتھ دو گے؟“

آریگو نے نفرت سے کہا۔ ”مجھے مرنے کا شوق نہیں ہے۔“

”میرا بھی یہی خیال ہے۔“ میں نے سر ہلایا اور حکم دیا۔ ”ان پانچوں کو گرفتار کر لو۔“

میرے ساتھی تیزی سے حرکت میں آئے اور انہیں بے بس کر کے رتی سے جکڑ دیا۔ یہ سب اتنی تیزی سے ہوا کہ وہ مدافعت نہ کر سکے۔ آریگو حلق پھاڑ کر چلانے لگا تھا کہ میں نے اس کے منہ میں کپڑا ٹھونس دیا۔ ”فکر مت کرو تم مرو گے کیونکہ تمہیں مرنے کا شوق نہیں ہے لیکن میں تمہیں اس کی اجازت بھی نہیں دوں گا کہ تم ریٹائرمنٹ سے ساز باز کر کے ہمیں مراد دو۔ اب جب تک ہم کامیاب نہیں ہو جاتے تم سب اسی جگہ قید رہو گے۔“

ان سب کو الگ الگ درختوں سے باندھ دیا گیا۔ ہاتھ پیروں کے ساتھ ان کے منہ بھی بند کر دیئے تھے تاکہ وہ آواز نکال کر کسی کو متوجہ نہ کر سکیں۔ آریگو کے سابق آدمیوں میں سے کسی نے ان کے ساتھ کیے جانے والے سلوک پر احتجاج یا رد عمل نہیں دیا تھا بلکہ وہ ان کے ساتھ کیے جانے والے سلوک پر مطمئن نظر آ رہے تھے۔ ایزارٹ نے مجھ سے کہا۔ ”تم نے بالکل ٹھیک کیا، یہ شخص قطعی قابل بھروسہ نہیں ہے۔“

”پھر بھی تم لوگوں کا سر براہ ہے؟“

”یہ سر براہ نہیں ہے ہمارا سر براہ جو روٹ ہے۔ وہ بھی گرفتار ہو گیا ہے اس کے بعد یہ از خود سر براہ بن بیٹھا اور ہم نے جھگڑا نہ ہونے کی وجہ سے اسے سر براہ تسلیم کر لیا مگر اس نے اپنی حرکتوں سے ثابت کر دیا کہ یہ اس قابل نہیں ہے۔“

میں نے کہا۔ ”ہمیں قید خانے تک جانا ہے اور اپنے ساتھیوں کو آزاد کرانا ہے لیکن اس سے پہلے یہاں سے نکلنا ہو گا امکان ہے ریٹائرمنٹ کے جاسوس اس جگہ سے واقف ہو چکے ہیں اور جلد یہاں بھی چھاپہ پڑے گا۔“

”میرے علم میں ایک جگہ ہے، وہاں ہم سب آرام سے چھپ سکتے ہیں وہ سوائے میرے اور کسی کے علم میں نہیں ہے۔“

”یہاں سے کتنی دور ہے؟“

”زیادہ دور نہیں ہے، میرے ساتھ چلو۔“

ہم باغ سے نکلے اور ایزارٹ کی رہنمائی میں روانہ ہو گئے۔ ہمیں زیادہ دور نہیں جانا پڑا تھا۔ مشکل سے نصف کلومیٹر کے بعد ایک اور باغ میں داخل ہوئے۔ بلکہ اسے جنگل کہنا مناسب ہو گا۔ باغ یہ کسی زمانے میں رہا ہو گا اب یہاں اتنے گھنے اور اونچے درخت تھے کہ ان کے تلے اندھیرا سا تھا۔ اس کے گرد کسی زمانے میں پتھروں

سے بنی چار دیواری تھی جواب جگہ جگہ سے ٹوٹ پھوٹ کا شکار تھی۔ ایزارٹ نے بتایا۔ ”کسی زمانے میں یہ خوب صورت باغ تھا لیکن پھر یہاں ساؤں رہنے لگیں۔“

”ساؤں کیا؟“

میرے سوال پر ربیک نے جو مجھے سمجھایا اس کا مطلب آسیب، بدادواح یا بھوت وغیرہ نکلتا تھا۔ ساؤں سے مراد یہاں یہی لی جاتی تھی۔ باغ میں آنے والوں کو عجیب و غریب چیزیں دکھائی دیتی تھیں اور وہ چیزیں کبھی نظر آتیں اور کبھی غائب ہو جاتیں۔ لوگ بہت ڈر گئے اور اس کے بعد یہاں آنا چھوڑ دیا۔ ظاہر ہے اس کے بعد باغ کی دیکھ بھال بھی چھوڑ دی گئی اور جلد یہ جنگل میں بدل گیا۔ ایزارٹ کا کہنا تھا کہ یہ بلند قامت اور گھنے درخت یہاں از خود آگ آئے تھے اس وجہ سے لوگ اور بھی ڈر گئے اور اس کے پاس سے بھی گزرنا چھوڑ دیا تھا۔

میں نے مسکرا کر کہا۔ ”اور تم ہمیں یہاں لے آئے ہو۔“

”ہاں کیونکہ میں ایسی چیزوں پر یقین نہیں رکھتا ہوں۔“ ایزارٹ نے جواب دیا۔ وہ یقین نہیں رکھتا تھا مگر اس کے اکثر ساتھی تو یقین رکھتے تھے اور وہ ڈرے ہوئے نظر آ رہے تھے۔ اگر ریٹائٹ کی فوج کا خطرہ نہ ہوتا تو وہ شاید یہاں آنے سے انکار کر دیتے۔ اب بھی وہ باغ کے زیادہ اندر نہیں گئے تھے۔ سب ایک دوسرے کے ساتھ ساتھ تھے اور آس پاس بھی نظر رکھے ہوئے تھے۔ ایزارٹ سے کچھ دیر گفتگو کر کے مجھے اذازہ ہو گیا کہ وہ آریگو کی نسبت کہیں ذہین اور حوصلہ مند آدمی تھا۔ میں نے اس سے کہا۔

”یہ تمہارے ساتھی ہیں اور تم ان کو زیادہ بہتر سمجھتے ہو اس لیے میں تمہیں ان کا سربراہ بنا رہا ہوں۔ اب میں ان سے جو کام لینا چاہوں گا وہ تمہاری مدد سے لوں گا تم مجھے جواب دہ ہو گے۔“

”میں اس اعتماد پر شکر گزار ہوں۔“ وہ خوش ہو گیا۔ ”میں تمہاری توقعات پر پورا اترنے کی کوشش کروں گا۔“

اس فیصلے کا اعلان بھی کر دیا گیا۔ میرا خیال تھا کہ ان میں سے کچھ کے دلوں میں شاید خیال ہو کہ ایک باہر سے آنے والا ان کا آقا بن گیا تھا اور آریگو کو ہٹا دیا تھا۔ میں نے مناسب سمجھا کہ ان میں سے ہی سربراہ چن لوں۔ دوسرے میں نے محسوس کیا کہ ربیک اور ایرٹ کے ساتھ ایزارٹ بھی میرا معتمد بن سکتا تھا اور ہم چاروں ایک طرف آ کر اپنی حکمت عملی واضح کرنے لگے۔ میں نے کہا۔ ”یہ تو طے ہے کہ ہمیں آج رات ہی قید خانے پر حملہ کرنا ہے۔“

”بالکل۔“ ایزارٹ نے تائید کی۔ ”جتنی دیر ہوتی جائے گی کامیابی کا امکان اتنا ہی کم ہوتا جائے گا۔“

”اس کے بعد دوسرا مرحلہ شہر کی فصیلوں اور پھانک پر قبضہ کرنا ہے تاکہ کوئی ہماری مرضی کے بغیر اندر آ سکے اور نہ باہر جاسکے۔“

وہ تینوں اس پر بھی متفق تھے۔ میں نے آخری مرحلہ ان کے سامنے رکھا۔ ”ریٹائٹ اور اس کے ٹولے کا خاتمہ۔“

ایزارٹ جوش سے بولا۔ ”یہی میری زندگی کا مقصد ہے۔“

”اب ہمیں پہلے مرحلے کے لیے ایسا منصوبہ بنانا ہے جس میں ناکامی کا امکان بہت کم ہو۔“

ایزارٹ اور اس کے ساتھی رنگ برنگے حلیوں میں تھے۔ اکثر نے سفید عام لباس پہنا ہوا تھا کچھ کے لباس رنگین تھے مگر فوجی لباس بہت کم کے پاس تھا۔ ہمارے پاس بھی دو درجن سے زیادہ وردیاں نہیں تھیں اور ان لوگوں کے پاس ایک درجن وردیاں تھیں۔ اب مجھے افسوس ہو رہا تھا کہ کاش ہم رائٹر کے مکان میں مارے جانے والے چھ خاص سپاہیوں کی وردیاں بھی اتار لاتے۔ مگر اس وقت ہمیں فرار کی جلدی تھی۔ قید خانے کے نزدیک جانے کے لیے ہمیں ان وردیوں کی ضرورت تھی۔ ایزارٹ نے تصدیق کی کہ اس طرف کسی کو جانے کی اجازت نہیں ہے۔ عام سپاہ کا داخلہ بھی اس طرف بند تھا۔ وہ بہت کچھ جانتا تھا اس نے بتایا کہ فصیل اور گیٹ کی حفاظت کے لیے سو کے قریب عام سپاہی تھے جن میں سے نصف ڈیوٹی پر ہوتے تھے اور نصف آرام کرتے تھے۔ ربیک نے تجویز پیش کی۔

”کیوں نہ پہلے ان سے نمٹ لیا جائے۔ پھر ہم اندر کی طرف بڑھیں۔“

میں نے نفی میں سر ہلایا۔ ”قیدیوں اور شہریوں کو رہا کرنا اشد ضروری ہے اس کے بغیر آرگون پر قبضہ ممکن نہیں ہے۔“

آرگون کا نقشہ دیکھنے کے بعد میں نے عملی طور پر بھی سارا شہر دیکھ لیا تھا اور اس کا نقشہ اب میرے ذہن میں نقش تھا۔ شاہی علاقے تک جانے کے تین راستے تھے۔ اول مرکزی شاہراہ جو عام شہریوں کے لیے بند تھی۔ دوسری فوجی بیرکس سے جانے والا راستہ جو آگے جا کر اسی شاہراہ پر نکلتا تھا اور تیسری امر کے علاقہ سے گزرنے والی شاہراہ تھی۔ سب سے آسان راستہ مرکزی شاہراہ کا تھا مگر ایزارٹ کا کہنا تھا کہ اس پر آگے خاص سپاہیوں کا پہرہ تھا۔ قید خانے سے خاصا پہلے ان کی چیک پوسٹ آ جاتی تھی اور اس سے گزرے بغیر کوئی قید خانے کی طرف نہیں جاسکتا تھا۔ بلکہ شہریوں کے ساتھ عام سپاہ کو بھی اس طرف جانے کی اجازت نہیں تھی۔ ہم بھی اس طرف سے اس وجہ سے نکل آئے کہ ہم آرہے تھے۔ جہاں نہیں رہے تھے ورنہ ہمیں بھی روک لیا جاتا۔ اچانک مجھے خیال آیا میں نے ایزارٹ سے کہا۔ ”خاص سپاہیوں کی وردیاں کہیں تو بنتی ہوں گی اور یہ کام عام لوگ ہی کرتے ہوں گے۔“

”ایسا ہی ہے لیکن میں نہیں جانتا کہ کہاں بنتی ہیں اور کون بناتا ہے؟“

”اپنے آدمیوں سے پوچھو، خاص طور سے یہ کہ خاص فوجی وردیاں کہاں سے مل سکتی ہیں۔“

ایزارٹ اپنے آدمیوں سے پوچھنے لگا اور اس پوچھ گچھ کا مفید نتیجہ نکلا۔ وہ دو آدمیوں کو ساتھ لے کر آیا اور

مجھ سے کہا۔ ”یہ دونوں اسی کارخانے میں کام کرتے ہیں جہاں فوجی وردیاں سلی جاتی ہیں۔“

میں نے ان سے سوال کیے اور اس نتیجے پر پہنچا کہ وردیوں کے حصول کی کوشش کی جاسکتی ہے۔ ان کا کہنا

تھا کہ وردیاں سلنے کا کارخانہ خاص علاقے میں تھا اور وہاں تک فوجی بیرکس سے جانے والے راستے سے رسائی

حاصل کی جاسکتی تھی۔ البتہ اس علاقے کے حفاظتی انتظامات کے بارے میں وہ زیادہ نہیں جانتے تھے۔ ان سے

بات کر کے میں نے فوری فیصلہ کیا اور ان دونوں کو بھی آرگون کی عام سپاہ کا لباس مہیا کیا گیا۔ ہم ایک درجن افراد

آرگون کی فوج کے روپ میں روانہ ہوئے مگر ہم عام گلیوں سے گزر رہے تھے۔ فوجی بیرکس سے خاصے فاصلے پر

آکر ہم نے مرکزی شاہراہ عبور کی اور ایک بڑے اور سرسبز پارک سے ہوتے ہوئے آرگون کے مشرقی حصے کی

طرف بڑھے تیسری شاہراہ اسی علاقے میں تھی۔ یہاں سرمئی وردی والے نظر نہیں آئے مگر بیروں کے سامنے میدان میں کچھ سرخ وردی پوش دکھائی دے رہے تھے۔

انہوں نے ہماری طرف توجہ دی اور نہ ہی ہماری طرف آنے کی کوشش کی۔ ہم فوجی دستے کی طرح ہی حرکت کر رہے تھے اور چھ چھ کی قطار میں ایک مخصوص انداز اور رفتار سے چل رہے تھے۔ شاہراہ پر آکر ہم شمال کی طرف مڑ گئے بلکہ شمال مغرب کی طرف مڑ گئے۔ یوں سمجھیں کہ ہم نے تھکن جیسا ٹرن لیا تھا۔ ایزارٹ کے آدمی نے بتایا کہ اس شاہراہ پر ہی گوداموں اور کارخانوں والا علاقہ لگتا تھا۔ چند منٹ بعد ہم اس کے نزدیک تھے۔ ابھی تک اس شاہراہ پر کوئی فرد نظر نہیں آیا تھا اور نہ ہی کوئی چیک پوسٹ یا پہرہ تھا۔ غالباً اسے محفوظ سمجھتے ہوئے خالی چھوڑ دیا تھا۔ یہ بات ہمارے حق میں تھی۔ اس شاہراہ کے آخری حصے میں لازمی پہرہ ہوتا۔ مگر ہم اس سے پہلے ایک گلی میں گھوم گئے۔ اب ایزارٹ کے آدمی ہماری رہنمائی کر رہے تھے۔ یہاں گلیوں میں ویرانی تھی اور کارخانے و گودام بند پڑے تھے کیونکہ ان میں کام کرنے والے جبری بھرتی کر لیے گئے تھے یا اپنے ہی گھروں میں بند تھے۔

”یہ کارخانہ ہے۔“ ایزارٹ کے ایک آدمی نے ایک احاطے کی طرف اشارہ کیا۔ میں نے ربیک کی طرف دیکھا تو اس نے اپنے ہتھیار رکھے اور اچھل کر دیوار پر دونوں ہاتھ جما کر اندر دیکھا اور بولا۔

”اندر کوئی نہیں ہے۔“

”دو آدمی اور لے کر جاؤ اور تصدیق کرو۔“

ربیک کے ساتھ دونو جوان اور اندر گئے اور چند منٹ بعد انہوں نے تصدیق کر دی کہ اندر کوئی نہیں ہے۔ ایک ایک کر کے ہم سب اپنے اسلحے سمیت اندر پہنچ گئے۔ احاطے کے اندر دو بڑی عمارتیں تھیں۔ جن پر کڑی کی ترجمانی چھتیں تھیں۔ ایزارٹ کے آدمیوں نے اس عمارت کی نشاندہی کی جس میں تیار وردیاں رکھی جاتی تھیں۔ اس کا دروازہ بند تھا اور اس پر پتھر اور رتی کی مدد سے لاک لگایا گیا تھا۔ یہاں تالے نہیں پائے جاتے تھے کیونکہ یہ دھات سے نا آشنا تھے پھر یہاں چوری کا رواج نہیں تھا اس لیے بھی تالوں کی ضرورت نہیں تھی ورنہ شاید یہ کوئی طریقہ نکال ہی لیتے۔ رتی کھول کر پتھر ہٹانے میں ذرا وقت لگا مگر ہم با آسانی اندر داخل ہو گئے۔ یہاں کپڑوں کے بڑے بڑے بنڈل رکھے تھے۔ ہم سب ہی بیک وقت بنڈل کھول کر دیکھنے لگے اور سرمئی وردیاں تلاش کرنے میں زیادہ وقت نہیں لگا تھا۔

مگر یہ بالکل سادہ وردیاں تھیں۔ ایزارٹ کے آدمیوں نے بتایا کہ ان پر عہدے کے نشانات کہیں اور لگائے جاتے تھے یہاں صرف سادہ وردیاں بنتی تھیں۔ لیکن اتنا بھی بہت تھا کہ ہمیں وردیاں مل گئی تھیں۔ ان کی تعداد خاصی تھی اور ہماری ضرورت سے کہیں زیادہ تھی۔ میں نے حکم دیا کہ دس دس وردیوں کے بنڈل بنا لیے جائیں۔ انہوں نے ایسا ہی کیا اور اس کے بعد ہم نے اپنی وردیوں تلے سرمئی وردیاں پہنیں۔ سب نے ایک ایک بنڈل اپنی پشت پر رتی کی مدد سے یوں کس کر باندھا کہ دور سے نمایاں نہ ہو۔ یہ کام نمٹا کر ہم باہر آئے اور گودام کا دروازہ جیسے بند تھا ویسے ہی دوبارہ رتی اور پتھر کی مدد سے بند کر دیا۔ جس جگہ سے ہم نے دیوار پھلانگی تھی اسی جگہ سے باہر آئے اور شاہراہ کی طرف روانہ ہوئے۔ شاہراہ کے پاس آکر میں نے احتیاطاً جھانک کر دیکھ

اور یہی احتیاط کام آگئی۔ شاہی علاقے کی سمت سے ایک بڑا فوجی دستہ اسی طرف آرہا تھا۔

”پیچھے ہٹو۔“ میں نے غلٹ میں حکم دیا۔ ”ریناٹ کا خاص دستہ سڑک پر آرہا ہے۔“

یہ گلی سیدھی تھی اور سڑک سے گزرتے ہوئے بھی ہمیں دیکھا جاسکتا تھا مگر اس وقت میرے ذہن میں خیال آیا تھا کہ وہ ہمارے لیے آرہے تھے۔ میں نے ایک جھلک دیکھی تھی اور میرا اندازہ تھا کہ آنے والوں کی تعداد پچاس سے زیادہ ہی تھی یعنی وہ ہم سے چار گنا زیادہ تھے۔ سب تیزی سے واپس بھاگے تھے اور اس جگہ پہنچ کر رکے جہاں سڑک سے براہ راست دیکھنا ممکن نہیں تھا۔ میں سب سے آخر میں پہنچا اور دیوار سے ذرا ساسر نکال کر دیکھنے لگا۔ دستہ مارچ کے انداز میں آرہا تھا۔ وہ تقریباً پانچ منٹ بعد گلی کے کنارے پہنچا اور اس کے سامنے سے گزرتا ہوا چلا گیا۔ اس کا رخ عام فوج کی بیرکوں کی طرف تھا۔ جب سے میں آرگون میں آیا تھا میں نے صرف ایک موقع پر سرمئی وردی والوں کو شہر کے خاص علاقے سے باہر دیکھا تھا جب وہ راٹر کے مکان پر آئے تھے اور ہمارے ہاتھ سے مارے گئے تھے۔ اس کے علاوہ میں نے ان خاص سپاہیوں کو شہر میں نہیں دیکھا تھا۔

خاص سپاہی کسی خاص وجہ سے آرگون کے دوسرے حصوں میں جاتے تھے اور اب بھی وہ یقیناً کسی خاص وجہ سے آرہے تھے اور میری چھٹی جس نے اشارہ کیا کہ وہ ہمارے لیے ہی آئے تھے۔ اگرچہ وہ تاخیر سے حرکت میں آئے تھے کہ ہمیں محفوظ مقام پر پہنچنے کا موقع مل گیا تھا اور اگر یہ باغ تک جاتے تو انہیں صرف آریگو اور اس کے ساتھی بندھے ہوئے ملتے۔ ہم ان کے پیچھے نہیں جاسکتے تھے۔ اتنے سارے لوگوں کا چھپنا ممکن نہیں تھا اگرچہ ہم سرمئی وردی میں تھے مگر یہ وردیاں بنا کسی نشان کے تھیں اور ہم فوراً نظر میں آجاتے۔ ساتھ ہی ہمیں جلد از جلد اپنے ٹھکانے پہنچ جانا تھا۔ اس سے پہلے کہ وہاں کوئی گڑبڑ ہوتی۔ اگرچہ وہاں ایرٹ تھا اور وہ ذہین تھا اس کے باوجود میں چاہتا تھا کہ کسی مشکل موقع پر میں خود وہاں موجود ہوں۔ میں نے ایزارٹ کے ساتھیوں سے پوچھا۔

”یہاں سے جانے کا کوئی اور راستہ ہے؟“

”ہے لیکن وہ مرکزی شاہراہ پر نکلتا ہے اور پش علاقے کے سامنے ہے۔“

”اس کے علاوہ کوئی راستہ؟“

ان میں سے ایک نے سوچ کر کہا۔ ”ہمیں اسی علاقے میں اندر گلیوں سے جانا ہوگا اور ہم کسی گودام کی دیوار پھلانگ کر نکل سکتے ہیں۔“

”تب ایسا ہی کرو۔“ میں نے سر ہلایا اور ہم روانہ ہوئے۔ گودام اور کارخانوں پر مشتمل یہ علاقہ فی الحال بالکل ویران تھا اور یہاں ایک فرد بھی موجود نہیں تھا۔ اس وجہ سے ہمیں کسی سے نمٹنے کی زحمت نہیں کرنا پڑی تھی۔ ریناٹ نے ساری سکیورٹی اپنے لیے مخصوص کر لی تھی اور باقی شہر ایسے ہی چھوڑ دیا تھا دیکھا جائے تو یہ ہمارے لیے ہی فائدے مند ثابت ہوا تھا۔ اگر وہ ذرا بھی ہوشیاری سے کام لیتا اور کچھ خاص دستے اس علاقے میں اور پورے شہر میں نہ بھی آنے جانے کے راستوں پر لگا دیتا تو ہم آرگون میں اتنی آسانی سے نقل و حرکت نہیں کر سکتے تھے۔ دس منٹ بعد ہم ایک بڑے گودام کے سامنے تھے۔ ایزارٹ کے ساتھی نے کہا۔ ”ہم اس کے اوپر سے چڑھ کر دوسری طرف اتر سکتے ہیں۔“

”دوسری طرف کیا ہے؟“

”مرکزی شاہراہ۔“

گودام کی عمارت خاصی اونچی تھی اور اوپر سے اس کی چھت ترچھی تھی۔ ربیک نے اپنا سامان اتارا اور دو افراد کا سہارا لے کر تقریباً گیارہ فٹ اوپر چھت تک پہنچ گیا۔ ہاتھ جما کر اس نے خود کو اوپر کیا اور احتیاط سے ترچھی چھت پر چڑھ گیا جو لکڑی کی بنی ہوئی تھی۔ اوپر جا کر وہ کچھ دیر کے لیے غائب ہوا اور چند منٹ بعد واپس آ کر اس نے رتی طلب کی۔ رتی لے کر وہ پھر غائب ہو گیا۔ اس عمارت پر بغیر رتی کے چڑھنا اترنا ہر کسی کے بس کی بات نہیں تھی اسی لیے ربیک نے رتی مانگی تھی۔ وہ کہیں باندھنے گیا تھا۔ ایک منٹ بعد رتی نیچے گری اور ربیک نے جھانک کر کہا۔ ”اس رتی کی مدد سے اوپر آئیں اور پہلے میرا سامان دے دیں۔“

اس کا سامان دے کر ہم باری باری رتی کی مدد سے اوپر چڑھے اور ترچھی چھت کے کنارے چلتے ہوئے گھوم کر دوسری سمت آئے۔ ہم مرکزی شاہراہ کے عین اوپر تھے اور یہاں سے عام آبادی زیادہ دور نہیں تھی مگر میں نے فوری اترنے سے گریز کیا۔ میرا خیال تھا کہ خاص دستہ ابھی مرکزی شاہراہ تک نہیں پہنچا تھا۔ جب وہ گلی کے سامنے سے گزرا تو میں نے اپنے ابتدائی تخمینے پر نظر ثانی کی تھی۔ دستے میں سپاہیوں کی تعداد کم سے کم اسی تھی۔ مگر جب چند منٹ بعد وہ شاہراہ پر نمودار ہوا اور اسے عبور کر کے عام آبادی میں داخل ہونے لگا تو میں نے بلندی سے انہیں واضح دیکھا اور گنا۔ ان کی تعداد سو سے اوپر ہی تھی اور وہ زرہ بکتر سمیت تمام ہتھیاروں سے پوری طرح مسلح تھے۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ سڑک عبور کر کے آبادی میں داخل ہو گئے۔

لوگوں نے فوج کی آمد محسوس کر لی تھی اور یہاں بلندی سے میں گھروں اور گلیوں میں ہونے والی ہل چل دیکھ سکتا تھا۔ سب جلدی جلدی اپنے گھروں میں جا کر دروازے بند کر رہے تھے۔ دستے کے آخری سپاہی کے آبادی میں داخل ہوتے ہی ہم حرکت میں آئے اور چھت سے نیچے اترنے لگے۔ سب سے آخر میں ربیک رتی کھولتا ہوا آیا اور ہم فوجی دستے کے انداز میں سڑک پر چلنے لگے۔ یہاں آنے کے بعد اگرچہ مجھے اور میرے ساتھیوں کو بعض مشکل مراحل سے گزرنا پڑا تھا لیکن مجموعی طور پر ہمیں کسی بہت بڑی مشکل یا لڑائی کا سامنا نہیں کرنا پڑا تھا۔ اندرونی حریت پسند مل جانے سے ہماری تعداد بھی تسلی بخش ہو گئی تھی۔ پھر ہم جس طرح شہر میں آزادی سے حرکت کر رہے تھے اس سے لگ رہا تھا کہ ریناٹ کی شہر پر گرفت اتنی مضبوط نہیں تھی جتنی کہ ہم سمجھ رہے تھے۔

اس کی وجہ بھی تھی اس کی ساری توجہ اپنے خاص حصے کے دفاع پر تھی اور باقی شہر پر اس کی توجہ کم تھی۔ یہاں جاسوسی کا نظام بھی ناقص تھا۔ اطلاع دیر سے جا رہی تھیں۔ یہی وجہ تھی کہ ریناٹ کے فوجی بہت تاخیر سے یہاں آئے تھے اور ہمیں محفوظ مقام پر پہنچنے کا موقع مل گیا تھا۔ ہم ایک اور جگہ سے عام آبادی میں داخل ہوئے اور ہماری آمد پر بھی بالکل مچی تھی لوگ جو گھروں سے باہر تھے وہ اندر بھاگے اور جن کے دروازے کھلے ہوئے تھے اور انہوں نے دروازے بند کر لیے۔ کسی نے ہماری راہ میں آنے یا روکنے کی کوشش نہیں کی۔ اس کے باوجود ہم ہوشیار تھے کہ کہیں ہمیں ریناٹ کے سپاہی سمجھ کر حملہ نہ کر دیا جائے۔ آرگون میں آبادی بہت سادہ اور سیدھے طریقے سے بسائی گئی تھیں۔ تمام گلیاں اور سڑکیں سیدھی یا ایک دوسرے کے متوازی تھیں۔ کسی جگہ پہنچنے کے لیے بھٹکانا نہیں پڑتا تھا۔

میں نے خاص دستے کی لوکیشن ذہن میں رکھی تھی اور ہم اس طرح آگے جا رہے تھے کہ اس سے سامنا نہ ہونے پائے۔ ہم متوازی سفر کر رہے تھے اور ہر گلی کر اس کرنے سے پہلے اس کا جائزہ لیتے تھے۔ کچھ دیر بعد ہم اس پارک کے نزدیک نکلے جہاں آریگو اور اس کے ساتھیوں کو قید کیا تھا اور حسبِ توقع خاص دستہ وہاں موجود تھا۔ انہوں نے باغ کو چاروں طرف سے گھیر لیا تھا اور ان میں سے کچھ باغ میں داخل ہوئے کچھ ہی دیر بعد باقی بھی اندر داخل ہو گئے انہوں نے یقیناً آریگو اور اس کے ساتھیوں کو دریافت کر لیا تھا۔ مگر جب وہ واپس آئے تو ان کے ساتھ کوئی نہیں تھا۔ ہم دور سے ان کی گفتگو تو نہیں سن سکتے تھے مگر ان کے انداز سے لگ رہا تھا کہ انہیں باغ میں کوئی نہیں ملا تھا۔ آریگو اور اس کے ساتھی شاید کسی طرح آزاد ہو گئے تھے اور ایک لحاظ سے یہ اچھا ہی ہوا کہ وہ ریناٹ کے آدمیوں کے ہاتھ نہیں آئے تھے۔ اب فوجی آس پاس پھیل رہے تھے اور گھروں میں گھس رہے تھے۔ میں نے مناسب سمجھا کہ اپنے ساتھیوں سمیت آگے روانہ ہو جاؤں۔ ربیک نے مجھ سے کہا۔

”ایسا لگ رہا ہے آریگو اور اس کے آدمی فرار ہو گئے ہیں۔“

”یہی مناسب تھا ورنہ وہ راز کھول دیتے کہ ہم قید خانے پر حملے کا منصوبہ بنا رہے ہیں اور وہ ہوشیار ہو جاتے۔“

ربیک نے سر ہلایا۔ ”آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں اس لحاظ سے یہ اچھا ہی ہوا۔“

ہمیں متروک باغ تک جانے کے لیے خاصا گھومنا پڑا تھا اور ہم دوسرے راستے سے اس میں داخل ہوئے۔ اس کے وسط سے گزرتے ہوئے ایزارٹ کے دونوں آدمی کسی قدر خوفزدہ نظر آئے۔ وہ جان بوجھ کر ہمارے درمیان میں آگئے تھے میں نے ربیک سے پوچھا۔ ”تم ساؤں پر یقین رکھتے ہو؟“

”ہاں لیکن میں نے آج تک کوئی ساؤں دیکھی نہیں ہے۔“ اس نے صاف گوئی سے کہا۔ ”دوسرے میں یقین رکھتا ہوں مگر ان سے ڈرتا نہیں ہوں۔“

”ہم بھی یقین رکھتے ہیں۔“ میں نے کہا۔

ہم کیونکہ گفتگو کرتے ہوئے جا رہے تھے اور یہ آوازیں جب باغ کے اگلے حصے موجود ہمارے ساتھیوں تک پہنچیں تو ان میں کھلبلی مچ گئی تھی۔ انہوں نے ہتھیار سنبھال لیے اور جو ذرا ڈرے ہوئے تھے وہ پیچھے ہٹ گئے۔ میں نے نزدیک پہنچ کر ان کی تسلی کے لیے بلند آواز سے کہا۔ ”یہ ہم ہیں۔“

”سامنے آئیے۔“ ایرٹ نے کہا تو ہم سامنے آئے اور ان لوگوں نے سکون کا سانس لیا۔ ”آپ اس طرف سے آئے ہیں؟“

”ہاں کیونکہ پرانے باغ کے آس پاس ریناٹ کے خاص فوجی موجود ہیں اور وہ آریگو اور اس کے ساتھیوں کو پانے میں ناکام رہے۔“

ایرٹ مسکرانے لگا۔ ”کیونکہ انہیں ہم لے آئے ہیں۔“

میں حیران ہوا۔ ”تمہارے ذہن میں یہ خیال کیسے آیا؟“

”جب آپ گئے اور میں نے سوچا کہ اگر سچ مچ ریناٹ کی فوج وہاں آگئی اور ان لوگوں کو پکڑ لیا تو وہ فوراً ہمارے اور ہمارے ارادوں کے بارے میں بتا دیں گے۔“ ایرٹ نے کہا۔ ”میں نے کچھ آدمیوں کو روانہ کیا اور

ان کو یہاں بلوالیا۔ اب وہ یہاں قید ہیں۔“

آریگو اور اس کے ساتھی اب یہاں درختوں سے بندھے ہوئے تھے۔ میں نے اس کے پاس جا کر کہا۔ ”تمہاری خوش قسمتی اور خوش فہمی سامنے آگئی ہے۔ خوش قسمتی یوں اگر میرا ساتھی تمہیں نہ بلاتا تو اس وقت تم ریٹا کی فوج کے ہتھے چڑھ چکے ہوتے اور خوش فہمی یہ کہ ریٹا کو تمہارے بارے میں علم نہیں ہے۔ ابھی ہم دیکھتے ہوئے آئے ہیں کہ اس باغ کو فوج نے گھیر لیا ہے جہاں کچھ دیر پہلے ہم تھے۔“

ایرٹ اور دوسرے لوگ یہ جان کر بے تاب ہو گئے کہ ایک فوجی دستہ یہاں موجود ہے۔ ایرٹ نے جوش سے کہا۔ ”یہ ہمارے لیے موقع ہے۔“

”موقع تو ہے لیکن اس صورت میں یہاں ہماری موجودگی کارا زکھل جائے گا۔“

”وہ ہماری موجودگی سے پہلے ہی واقف ہیں۔“ ایرٹ نے کہا۔

”تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ مگر ریٹا سمجھ رہا ہے ہم چھپتے پھر رہے ہیں اگر ہم نے اس دستے پر حملہ کیا تو ہمارے جارحانہ عزائم قبل از وقت کھل جائیں گے اور اس کے بعد ممکن ہے ہم قید خانے پر اتنی آسانی سے حملہ نہ کر سکیں۔ ہمارا پہلا اہم ترین مقصد اپنے ساتھیوں کو آزاد کرانا ہے۔ اس کے بعد ہی ہم اس قابل ہوں گے کہ آرگون میں کھل کر کوئی کارروائی کر سکیں۔“

ایرٹ اور ایرٹ کسی قدر مایوس ہوئے تھے۔ مگر انہوں نے پھر اصرار نہیں کیا اور جب انہیں پتا چلا کہ ہم اپنے مشن میں کامیاب واپس آئے ہیں تو ان کی مایوسی کم ہوئی تھی اور وہ خوش ہو گئے تھے۔ رہی سہی مایوسی یہ سن کر دور ہو گئی کہ ممکنہ طور پر آج ہی رات ہم قید خانے پر دھاوا بولنے کی کوشش کریں گے۔ وردیوں کے بندل کھولے گئے اور سب اس میں سے اپنے اپنے ساز کی وردی تلاش کرنے لگے۔ دوپہر کا وقت ہو گیا تھا۔ میں گزشتہ ایک دن سے جاگ رہا تھا۔ تھکن کی وجہ سے میں ایک طرف لیٹ کر آرام کرنے لگا۔ تھکن کے باوجود نیند آنکھوں سے غائب تھی۔ ایرٹ، ربیک کے ساتھ میرے پاس آ کر بیٹھ گیا۔ اس نے کہا۔ ”آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں اس وقت کوئی ایسی حرکت ریٹا کو چوکنا کر دے گی اور ہمارے لیے سب سے اہم اپنے قیدی ساتھیوں اور شہریوں کو چھڑانا ہے۔“

”بالکل اس کے بعد ہی ہم اس قابل ہوں گے کہ کھل کر ریٹا کو لٹا کر سکیں۔“

ان خاص وردیوں کی وجہ سے ہم با آسانی قید خانے تک جا سکیں گے۔“

”یہ کام اتنا آسان نہیں ہوگا۔ ان وردیوں پر نشانات نہیں ہیں۔ دور سے تو دھوکا دیا جاسکتا ہے لیکن قریب آنے پر ہماری اصلیت کھل جائے گی۔ اس لیے ہمیں بہت ہوشیاری سے اور ایسے حملہ کرنا ہے کہ وہ مقابلہ نہ کر سکیں۔“

ایرٹ نے سر ہلایا۔ ”میں سمجھتا ہوں۔ کیا تمہارے ذہن میں کوئی منصوبہ ہے؟“

میں نے سر ہلایا۔ ”ایک منصوبہ ہے جس سے ہم ان کو دھوکا دے سکتے ہیں لیکن ابھی میں اس پر غور کر رہا ہوں اور اگر مجھے مناسب لگا تو میں پھر تم سب کے سامنے رکھوں گا۔ ہم آپس میں مشورہ کر کے اسے حتمی صورت دیں گے۔“

”جیسا تم مناسب سمجھو۔“ ایزارٹ نے تابعدارانہ لہجے میں کہا۔ اگرچہ میرا اس سے زیادہ واسطہ نہیں رہا تھا لیکن میں نے محسوس کیا تھا کہ وہ باصلاحیت اور باکردار ہونے کے ساتھ ساتھ دوسروں کی عزت کرنا بھی جانتا تھا۔ میں آرام کرنے کے ساتھ اوگھنے لگا۔ درمیان میں کسی وقت نیند نے غلبہ پایا اور جب میری آنکھ کھلی تو شام ہو چکی تھی اور آسمان پر تیزی سے سیاہی چھا رہی تھی۔ آج موسم کسی قدر سرد تھا۔ یہاں آنے کے بعد میں نے اب تک موسم خوشگوار ہی پایا تھا۔ رات میں ہلکی سی ٹھنڈ ہو جاتی تھی مگر یہ چھٹی نہیں تھی اور دن میں موسم ہلکا سا گرم ہوتا تھا۔ کبھی کبھی گرمی بڑھ جاتی مگر یہ بھی ناگوار نہیں ہوتی تھی۔ اس لحاظ سے میں نے پہلی بار موسم میں تبدیلی محسوس کی۔ مجھے یہاں آئے ہوئے مہینے سے زیادہ ہو گیا تھا اور ہم جون کے آخر میں یہاں پہنچے تھے اس لحاظ سے یہ اگست کا پہلا یا دوسرا ہفتہ ہو سکتا تھا۔

عام طور سے سطح سمندر سے سات یا آٹھ ہزار فٹ بلند جگہوں پر موسم اگست کے آخر تک سرد ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ دس ہزار فٹ سے زیادہ بلند علاقوں میں باقاعدہ سردی پڑنے لگتی ہے اور کے ٹو کے بیس کیپ کنکورڈیا میں برف باری کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ اگست کا آخر یہاں سیزن کا بھی آخر ہوتا ہے اور ستمبر آنے سے پہلے بیس کیپ اجڑ چکا ہوتا ہے اور کوہ پیٹیمس واپس جا چکی ہوتی ہیں۔ یہ وادی اگرچہ چھ سات ہزار فٹ سے زیادہ بلند نہیں تھی لیکن اس کے چاروں طرف چودہ پندرہ ہزار فٹ بلند ہمالیائی سلسلہ تھا۔ یہاں موسم نہایت سرد ہو چکا ہوگا۔ اس کا اثر شاید پہلی بار نیچے آیا تھا۔ میں کسی قدر فکر مند ہو گیا اگر یہاں میں مسائل حل کر لیتا اور مجھے واپس جانے کا موقع ملتا تو اوپر موسم واپسی کے لیے اتنا سازگار نہ ملتا۔ راستے میں شدید برف باری، طوفان اور کم درجہ حرارت بڑی رکاوٹ ثابت ہوتے اور میں آسانی سے واپس نہیں جاسکتا تھا۔

ایرٹ نے تیار دلیہ نما کھانا میرا سامنے رکھا تو میں ذہن میں آنے والے خدشات جھٹک کر کھانے کی طرف متوجہ ہوا۔ ان لوگوں کے پاس راشن کم تھا مگر ایک دو وقت کے گزارے لائق تھا۔ پہریداروں نے بتایا کہ آس پاس کوئی فوجی سرگرمی نہیں تھی۔ یہاں بھی ایرٹ اور ربیک نے نگرانوں کو بلند درختوں پر چڑھا دیا تھا جہاں سے وہ دور تک کی نگرانی کر سکتے تھے۔ جو شروع میں ڈرے ہوئے تھے اب ان کا خوف کسی حد تک کم ہو گیا تھا۔ وردیوں کا مسئلہ حل ہو گیا تھا اور تقریباً سب نے اپنے اپنے ساز کی وردیاں تلاش کر لی تھیں۔ ایرٹ نے مجھ سے کہا۔ ”ایزارٹ بتا رہا ہے کہ آپ کے ذہن میں قید خانے پر حملے کے حوالے سے کوئی منصوبہ ہے؟“

میں نے سر ہلایا۔ ”ہاں مگر ابھی میں کچھ اور سوچنا چاہتا ہوں۔“

ایرٹ سمجھ گیا اور میرے پاس سے اٹھ گیا۔ منصوبہ خاصی حد تک میرے ذہن میں تھا مگر میں اس کے بعض ایسے گوشوں پر سوچ رہا تھا جو مجھے کمزور لگ رہے تھے۔ کھانے کے دوران میں نے خاصا غور کیا اور کچھ حل ذہن میں آئے۔ اب مناسب تھا کہ میں اپنے ساتھیوں کے سامنے اسے رکھوں اور پھر ان کی رائے لوں۔ ممکن ہے ان کے ذہن میں ایسا حل آجائے جو میرے ذہن میں نہیں آیا تھا۔ میں نے ربیک اور ایرٹ کے ساتھ ایزارٹ کو طلب کر لیا اور ان کے سامنے اپنا منصوبہ رکھا۔ وہ غور سے سن رہے تھے۔ میں داستان گوئی کے دوران بعض اوقات ذکر کرنا بھول جاتا ہوں کہ ربیک اور ایرٹ کے علاوہ ہر فرد سے میں ان دونوں میں سے کسی ایک کی مدد سے ہی بات کرتا ہوں۔ اس لیے اگر کسی سے گفتگو براہ راست محسوس ہو تو قارئین ان دونوں میں سے کسی ایک کو

حاضر سمجھا کریں۔

عام طور سے ربیک ترجمان کے فرائض انجام دیتا تھا۔ ایزارٹ کسی قدر حیران تھا کہ میری بات تو اسے ترجمہ کر کے بتائی جاتی تھی مگر اس کی کہی بات میں از خود سمجھ لیتا تھا۔ مگر اس نے اس بارے میں کچھ پوچھا یا تعجب کا زبانی اظہار نہیں کیا۔ جب میں نے بات ختم کی تو انہوں نے سوالات اور اعتراضات شروع کیے۔ میں نے منصوبہ بیان کرنے سے پہلے ان سے کہہ دیا تھا کہ وہ سننے کے دوران اس کا تنقیدی جائزہ لیتے رہیں اور جو بات قابل اعتراض محسوس ہو اسے ضرور میرے سامنے رکھیں۔ صرف اس لیے خاموش نہ رہیں کہ منصوبہ میرا ہے۔ اسی لیے انہوں نے اعتراضات سوالوں کے ہمراہ میرے سامنے رکھے اور میں ممکن حد تک ان کا جواب دینے لگا۔ جہاں میں خود کو لا جواب محسوس کرتا وہاں بنا کسی جھجک کے اس کا اعتراف کر لیتا اور ان سے کہتا کہ وہ اس پر سوچیں۔ ایزارٹ نے کئی اچھے اعتراضات کیے اور پھر اس نے اپنی طرف سے تجاویز بھی رکھی تھیں۔ اس نے مجھ سے کہا۔

”اس کام کے لیے ہم آریگو اور اس کے ساتھیوں کو استعمال کر سکتے ہیں۔“
 ”کیا وہ راضی ہو جائیں گے؟“

”نہیں انہیں اسی طرح باندھ کر اور ان کے منہ بند کر کے استعمال کیا جائے گا۔“ ایزارٹ نے کہا تو میں سوچنے پر مجبور ہو گیا۔ مجھے اس کی تجویز اچھی لگی کیونکہ ہمارے پاس افرادی قوت کی کمی تھی۔ یہ پانچ افراد اگر ہم آریگو اور اس کے آدمیوں کی جگہ استعمال کرتے تو ہمیں کمی کا سامنا کرنا پڑتا۔ جب کہ ہمیں پانچ سے زیادہ آدمیوں کی ضرورت تھی۔ میں نے کہا۔ ”نہیک ہے انہیں بھی استعمال کریں گے مگر ہمیں ان سے زیادہ لوگوں کی ضرورت ہے۔“

”کتنے افراد کی؟“

”کم سے کم دو درجن لوگوں کی۔“

ربیک نے ہاتھ اوپر کیا اور بولا۔ ”میری تجویز ہے کہ ان لوگوں کو بھی چھوٹے ہتھیاروں سے مسلح رکھا جائے۔“

”یہ بھی مناسب ہے۔“ میں نے کہا۔ ”وقت پڑنے پر وہ فوری ہماری مدد کریں گے۔“

منصوبے کی نوک پلک سنوارتے ہوئے رات کا اندھیرا چھا گیا تھا۔ ربیک نے تمام افراد کو بریفنگ دی۔ اس دوران میں ایزارٹ اور ایرٹ نے مخصوص افراد چن لیے اور ان کو الگ سے بریف کرنے لگے کہ انہیں کیا کرنا ہے۔ ان تمام کاموں سے فارغ ہو کر میں نے ایرٹ، ربیک اور ایزارٹ سے کہا۔ ”ایک بار ہم جا کر دیکھتے ہیں کہ موقع پر کیا صورت حال ہے آگے ہم اسی کے مطابق عمل کریں گے۔“

”میں بھی یہی کہنے والا تھا۔“ ایزارٹ نے تائید کی۔ ”ہماری پاس قید خانے کے حفاظتی انتظامات کے بارے میں معلومات پرانی ہیں۔“

ہم چاروں روانہ ہوئے۔ پہلی بار مجھے سرمئی وردی کی افادیت کا احساس ہوا کہ رات کی تاریکی میں اس کا رنگ غیر نمایاں تھا۔ اگرچہ شاہراہوں پر مشعلیں جلا دی گئی تھیں مگر عام آبادی اور اس کے بعد گوداموں اور

کارخانوں والے علاقے میں تاریکی تھی۔ میں نے پہلے ہی سوچ لیا تھا کہ ہمیں اسی علاقے سے گزرنا ہے۔ وردیاں ملنے کے ساتھ ساتھ اس علاقے کا ہمیں یہ فائدہ تھا کہ یہ شاہی اور سرکاری علاقے سے ملا ہوا تھا اور یہاں کہیں کوئی پہریدار موجود نہیں تھا۔ ہم ایک نیچی چھت والی عمارت پر چڑھے اور اندر داخل ہوئے۔ گلیوں میں اتر کر آگے بڑھنے لگے۔ ایزارٹ اس علاقے سے اچھی طرح واقف تھا۔ وہ ہماری رہنمائی کر رہا تھا۔ کئی جگہوں پر ہمیں آگے جانے کے لیے دیواریں پھلانگنا پڑیں مگر یہ شارٹ کٹس تھے دوسری صورت میں گلیوں میں بہت گھوم پھر کر جانا پڑتا۔ بالآخر ہم ایک چھوٹی عمارت تک پہنچے جس کی چھت نیچی اور ہموار تھی۔ ایزارٹ نے اس کی طرف اشارہ کیا۔

”اس کے دوسری طرف سامنے ایک چھوٹے میدان کے بعد قید خانے کی عمارت ہے۔ یہاں سے اس کا پہلو والا حصہ نظر آتا ہے۔ شاہراہ پر اس کا سامنے والا حصہ ہے۔“

”میں جانتا ہوں کیونکہ میں یہاں قید رہ چکا ہوں۔“ میں نے ایزارٹ کو بتایا تو وہ حیران ہوا۔

”تم پہلے بھی یہاں آچکے ہو؟“

”ہاں سامیرا کے پاس جانے سے پہلے میں یہیں آیا تھا۔ برف والے نے مجھے ریٹائٹ کے سپاہیوں کے حوالے کیا تھا کیونکہ یہاں مجھے کیرٹ سے ملنا تھا اور پھر کیرٹ نے مجھے رہائی دلوائی اور میں سامیرا کے پاس پہنچا۔“

ایزارٹ نے سر ہلایا۔ ”اسی لیے مجھے لگتا تھا کہ آپ آرگون سے اچھی طرح واقف ہیں۔“

”اتنی اچھی طرح بھی واقف نہیں ہوں۔“ میں نے کہا۔ ”جیسے مجھے اس علاقے کی افادیت کا علم نہیں تھا۔ وردیوں کے چکر میں مجھے معلوم ہوا کہ یہاں سے ہم براہ راست خاص علاقوں تک رسائی حاصل کر سکتے ہیں۔“

ایزارٹ اور باقی چونکے۔ پھر ربیک نے جوش سے کہا۔ ”واقعی آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔“

”اور شاید ہم حملہ بھی اسی جگہ سے کریں۔ ہمارے تمام ساتھی باآسانی اس جگہ آسکتے ہیں۔“

”مگر ہمارا منصوبہ؟“ ایرٹ نے گویا مجھے یاد دلانا چاہا۔

”وہ اسی طرح ہوگا صرف ہمارے باقی ساتھی یہاں سے خاص علاقے میں داخل ہوں گے۔“ میں نے کہا۔ ”اب اوپر چلو مگر بہت احتیاط سے، دوسری طرف تیز روشنی ہے اور قید خانے پر یقیناً اوپر سے نگرانی کرنے کا بندوبست بھی ہوگا۔“

پہلی ربیک اوپر چڑھا اور فوراً لیٹ گیا۔ پھر اس نے پلٹ کر نیچے جھانکا اور بولا۔ ”آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں عمارت کے اوپر مینار میں ایک نگران ہے۔ مگر وہ اس وقت یہاں نہیں دیکھ رہا ہے۔“

میں اوپر چڑھا اور مجھے تقریباً دو منزل اوپر موجود چھوٹے سے مینار میں بیٹھے نگران کا سر نظر آیا۔ سرساکت تھا اور ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ کسی چیز پر بیٹھا ہوا سو رہا ہو۔ ریٹائٹ جیسے خود غرض اور عیاش حکمران کے آدمی ایسے ہی ہو سکتے ہیں۔ قید خانے اور اس آخری گودام کے درمیان ایک چھوٹا سا میدان تھا۔ پختہ پتھروں سے بنا ہوا یہ میدان ہموار اور صاف تھا۔ شاید اسے قید خانے کے لیے استعمال کیا جاتا تھا۔ قید خانے کی عمارت کی دیوار پر ہر دس فٹ بعد تیز روشنی والی مشعل روشن تھا۔ یہ لوگ مشعلوں کو مخصوص روغن سے تر کر کے جلاتے تھے جس سے ان

کی روشنی نہ صرف تیز ہو جاتی تھی بلکہ یہ بہت دیر تک جلتی تھیں اور ان کے جلنے سے ایک بوسی اٹھتی تھی جس سے کیڑے مکوڑے پاس نہیں آتے تھے۔ عمارت کے اس طرف چھ سپاہی تھے اور یہ ریٹائٹ کے خاص دستے والے سپاہی تھے۔ میں نے ایزارٹ سے کہا۔

”یہ صرف چھ ہیں انسا نے بتایا ہے کہ قید خانے کی حفاظت پر بہت زیادہ سپاہی لگائے گئے ہیں۔“
 ”یہ تو صرف اس طرف ہیں۔ عمارت کے چاروں طرف اگر اس سے پانچ گنا زیادہ لگالیں تو اندر موجود سپاہیوں کی تعداد باہر موجود سپاہیوں سے کم سے کم دو گنی ہوگی۔“
 میں نے اس کی بات پر غور کیا۔ ”یعنی کم سے کم سو افراد؟“

اس نے سر ہلایا۔ ”اندر قیدیوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ ان کو قابو میں رکھنے کے لیے کم سے کم اتنے سپاہی لازمی ہوں گے۔ ہو سکتا ہے اضافی کمک کے طور پر مزید سپاہی آس پاس کہیں موجود ہوں اور وہ ہنگامہ ہوتے ہی یہاں پہنچ جائیں۔“

ایزارٹ کی گفتگو میرے اندر مزید کھڑکیاں کھول رہی تھی۔ یہ بات یقینی تھی کہ ہمیں یہاں موجود نگرانوں پر قابو پانے اور قیدیوں کو آزاد کرانے میں کچھ وقت لگتا اور اس دوران میں ریٹائٹ کی طرف سے مزید فوج کا بھیجا جانا لازمی تھا۔ اگر وہ ہمارا راستہ روک لیتی تو عملاً ہم بھی قیدی بن کر رہ جاتے۔ اگر فوج دیر سے آتی تب بھی ہمیں اتنے سارے افراد کے ساتھ نکلنا ہوتا اور پھر ان کو مسلح کرنا ہوتا تب کہیں جا کر ہم اس قابل ہوتے کہ فصیل اور گیٹ پر قبضہ کرتے۔ مگر ظاہر ہے اس دوران میں ریٹائٹ اور اس کے آدمی ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر نہ بیٹھے ہوتے اور سب سے بڑا خطرہ مجھے ڈیوڈ شاہینڈ کمپنی سے تھا جس کے پاس لازمی آتشیں اسلحہ تھا۔ یہ لوگ اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے۔ ہمیں خود کو یکجا اور منظم کرنے کے لیے وقت درکار تھا۔ لیکن یہ وقت ہمیں کیسے ملتا اس کے بارے میں غور کرنا تھا۔ اب سب سے پہلے ہمیں قید خانے کے حفاظتی انتظامات کا مکمل جائزہ لینا تھا اور اس کے لیے ضروری تھا کہ ہم خود آگے جاتے۔

قید خانے کی عمارت زیادہ بڑی نہیں تھی۔ اس کا رقبہ مشکل سے ایک کنال تھا۔ اگر اس میں پانچ حریت پسندوں اور دوسرے شہریوں کو رکھا گیا تھا تو ان کی حالت کا سوچا جاسکتا تھا کیونکہ اس صورت میں ان کو بہت مشکل سے رکھا گیا ہوگا۔ یہ عقب سے ایک دوسری عمارت سے ملی ہوئی تھی اسی طرح شاہراہ پر اس کے آگے ایک عمارت اور تھی گویا۔ اس کا شاہراہ والا اور اس میدان کا حصہ خالی تھا۔ لیکن اس طرف سے اندر جانے کا کوئی راستہ نہیں تھا۔ غلی منزل پر سپاٹ دیوار تھی۔ البتہ اوپری منزل پر ایک قطار میں چار کھڑکیاں تھیں۔ کھڑکیوں کے دروازے مضبوط لکڑی سے بنے ہوئے تھے اور یہ بند تھیں۔ ربیک نے کہا۔ ”اگر ہم ان چھ سپاہیوں پر قابو پا لیں۔“

”وہ کیسے؟“ میں نے پوچھا۔

”ہم ان کو تیروں سے نشانہ بنا سکتے ہیں۔“

”درمیانی فاصلہ زیادہ ہے۔“ میں نے انکار کیا۔ ”اگر ایک بھی بچ گیا اور اس نے چیخ ماری تو سارا کھیل خراب ہو جائے گا۔“

اس دوران میں، میں دیکھ رہا تھا کہ یہی عمارت شاہراہ تک بھی جا رہی تھی۔ میں نے ان سب سے وہیں رکنے کو کہا اور خود چھت پر لیٹنا ہوا رنگ کر شاہراہ والے حصے کی طرف جانے لگا۔ مگر عمارت کی چھت شاہراہ سے پہلے ختم ہو گئی اس سے آگے ذرا سا احاطہ تھا۔ یہاں سے مجھے قید خانے کے سامنے والا حصہ کسی قدر نظر آ رہا تھا۔ قید خانے کے آگے سڑک کے ساتھ کم سے کم ایک درجن سرمئی وردی والے سپاہی کھڑے ہوئے تھے۔ یعنی یہاں زیادہ پہرہ تھا۔ میں چھت سے نیچے اترا اور احاطے کی دیوار سے سر نکال کر باہر دیکھا تو اس بار مجھے واضح دکھائی دیا۔ قید خانے کے سامنے دو درجن کے قریب سپاہی تھے۔ مگر اس کے علاوہ اور کوئی نظر نہیں آ رہا تھا کیونکہ آگے غیر اہم سرکاری عمارتیں تھیں۔ شاہی علاقہ یہاں سے خاصے فاصلے پر تھا۔ یہ بات حوصلہ افزا تھی۔ یعنی مدد آنے میں وقت لگتا۔ اس کے باوجود ہمارے پاس وقت کم ہوتا۔

میں سوچ رہا تھا کہ ہمیں اپنے ساتھیوں کو بھی یہیں بلانا ہوگا۔ ہمیں مزید اشیا کی ضرورت تھی۔ خاص طور سے اسلحہ اور خوراک کی۔ اتفاق سے ہمارے ساتھ ایزارٹ کا ایک آدمی تھا جس نے گودام تک ہماری رہنمائی کی تھی۔ میں نے واپس آ کر اس سے پوچھا۔ ”تم جانتے ہو کہ یہاں اسلحہ اور خوراک کے گودام کہاں ہیں؟“ اس نے سر ہلایا۔ ”جانتا ہوں لیکن وہاں شاید کچھ نہ ملے کیونکہ ایک مہینہ پہلے شاہی حکم سے سب کچھ شاہی محل کے گوداموں میں منتقل کر دیا گیا تھا۔“

”پھر بھی میں دیکھنا چاہوں گا۔“ میں نے ایزارٹ کی طرف دیکھا۔ ”تم اور ربیک واپس جا کر باقی ساتھیوں کو بھی یہیں لے آؤ۔“

دو فوری روانہ ہو گئے۔ میں اور دوسرے اس آدمی کی رہنمائی میں اسلحہ اور خوراک کے گوداموں کی طرف روانہ ہو گئے۔ میں سوچ رہا تھا کہ شاہی علاقہ اتنا بڑا نہیں تھا جو سارے شہر کی خوراک اور پوری فوج کے لیے بنایا جانے والا اسلحہ سمیٹ لیتا۔ یہ ممکن تھا بڑی مقدار میں خوراک اور اسلحہ لے جایا گیا مگر کچھ نہ کچھ مقدار ان گوداموں میں ہوگی۔ چند منٹ میں ہم ایک گودام کے سامنے تھے۔ ایزارٹ کے آدمی نے بتایا۔ ”یہ خوراک کا گودام ہے۔“

مترجم کے طور پر ایرٹ میرے ساتھ تھا۔ ہم دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئے تو کئی بڑے ہالوں پر مشتمل اس گودام کا بڑا حصہ خالی تھا مگر میرا اندازہ درست نکلا جب ہمیں ایک کونے میں بڑے سائز کے مشکوں میں اجناس کا کچھ حصہ ملا۔ یہ ہماری خوراک کی کئی دن کی ضرورت پوری کر سکتی تھی۔ اس بڑے گودام میں بس یہی تھا۔ ایزارٹ کے آدمی نے بتایا کہ اس کے علاوہ بھی کئی گودام تھے جہاں خوراک رکھی جاتی تھی مگر میں نے اب خوراک کے بجائے اسلحہ کے گودام تک چلنے کو کہا۔ اسلحہ کا گودام یہاں سے زیادہ فاصلے پر نہیں تھا۔ دو گلیوں بعد ایک مضبوط عمارت اسلحہ کا گودام ثابت ہوئی۔ مگر یہاں ہمیں کچھ نہیں ملا تھا سوائے چند بیکار نیزوں اور چھوڑی ہوئی کمائوں کے۔ البتہ درجن بھر بڑی ڈھالیں تھیں جو تیروں سے بچاتی تھیں ان کے سوا سارا ہی اسلحہ سمیٹ لیا گیا تھا۔ ایزارٹ کا آدمی مزید کسی ایسے گودام سے ناواقف تھا جہاں اسلحہ رکھا جاتا ہو۔

ہم اس جگہ پہنچے جہاں سے ہم گوداموں اور کارخانوں والے علاقے میں داخل ہوئے تھے باقی افراد کو بھی اسی جگہ سے آنا تھا۔ جب تک ہم اس جگہ پہنچے ایزارٹ اور ربیک باقی سب کو لے آئے تھے اور وہ موقع دیکھ کر

شاہراہ عبور کرنے لگے۔ چھ افراد کے گروپ کی صورت میں وہ س طرف آنے لگے۔ دس منٹ میں سب احاطے کے اندر آچکے تھے۔ ان میں آریگو اور اس کے ساتھی نہیں تھے۔ ان کو اسی باغ میں بندھا چھوڑ آئے تھے۔ البتہ ساشا کو ساتھ لائے تھے۔ مگر اسے یہاں ایک ایسی جگہ قید کر دیا جہاں سے وہ از خود آزاد نہ ہو سکے اور نہ ہی کسی کو مدد کے لیے پکار سکے۔ ہم خوراک والے گودام تک آئے۔ خوراک دیکھ کر سب خوش ہوئے تھے کیونکہ ہمارے پاس کھانے کو کچھ رہا نہیں تھا۔ طے ہوا کہ فی الحال اسی گودام کو ٹھکانہ بنایا جائے۔ اس دوران میں، میں اپنے ذہن میں منصوبے کو حتمی صورت دے چکا تھا۔ میں نے ان سے کہا۔

”سب سے پہلے ہمیں باہر موجود سپاہیوں سے نمٹنا ہے۔ ان کی تعداد تیس کے آس پاس ہے۔ کوشش کرنی ہے کہ دو بدو مقابلے کی نوبت کم آئے اور ان کو تیروں کا نشانہ بنایا جائے۔ اگلا مرحلہ اندر گھس کر ریناٹ کے آدمیوں کو ختم کرنا اور اپنے ساتھیوں کو آزاد کرانا ہے۔“

”ہم سامنے سے داخل ہوں گے؟“ ایزارٹ نے پوچھا۔
 ”صرف سامنے سے نہیں بلکہ اس طرف سے بھی۔“ میں نے قید خانے کے برابر والے میدان کی طرف اشارہ کیا۔

”اوپرنگراں ہے۔“
 ”سب سے پہلے اسے تیر کا نشانہ بنانا ہے۔ پھر کمند ڈال کر اوپر جانا ہوگا۔“
 ان کے پاس مڑی ہوئی لکڑی سے بنی مضبوط کمندیں تھیں۔ ان کی مدد سے وہ دو تین منزلہ بلند عمارت پر بھی چڑھ سکتے تھے۔ ایرٹ نے سر ہلایا۔ ”یعنی ہمیں دو طرف سے حملہ کرنا ہے۔“
 ”بالکل۔“ میں نے جواب دیا۔ ”اس کے بغیر کامیابی مشکل ہے۔ ممکن ہے قید خانے کا دروازہ حملہ ہوتے ہی اندر سے بند کر لیا جائے اور اسے توڑنا بہت مشکل کام ہے اس صورت میں اوپر سے کیا جانے والا حملہ کار گر ہو گا۔“

”اس طرف سے کتنے آدمی حملہ کریں گے؟“
 ”کم سے کم تیس آدمی ادھر سے حملہ کریں گے۔ ماہر تیر اندازوں کا ایک گروہ پیچھے رہے گا۔ وہ نہ صرف عمارت میں نظر آنے والے دشمنوں کو نشانہ بنائے گا بلکہ اگر آس پاس کہیں سے ریناٹ کے آدمی آتے دکھائی دیں تو انہیں بھی روکے گا۔ سامنے سے جانے والے بھی اتنے ہی ہوں گے۔ باقی افراد کمک کے طور پر ہوں گے۔ جہاں ان کی ضرورت ہو ان کو طلب کر لیا جائے۔ ایک بات اور ہے کہ ہمیں اسلحے کی اشد ضرورت ہے اس لیے دشمن کا اسلحہ ہر گز نہ چھوڑا جائے۔ ایک تیر اورنگی چاقو بھی نہ چھوڑا جائے۔“

”اگر ہم کامیاب ہوتے ہیں تو آزاد کرانے والوں کو کہاں لے کر جائیں گے۔“
 ”اسی جگہ لانا ہے۔“ میں نے کہا۔ ”اس کے لیے ہمیں سیڑھیوں کی ضرورت ہوگی کہ آزاد ہونے والے ان کی مدد سے با آسانی اس طرف آسکیں۔ رسیوں سے یہ کام دیر میں اور دشواری سے ہوگا۔“
 ”سیڑھیاں کہاں سے ملیں گی؟“ ربیک نے پوچھا۔
 ”اسی علاقے سے۔“ میں نے یقین سے کہا۔

سیڑھی بنانے والا کارخانہ یہیں تھا اور ایزارٹ کا آدمی اس سے واقف تھا۔ میں نے ایک درجن افراد کے ساتھ اسے روانہ کیا کہ وہ جا کر سیڑھیاں لے آئے۔ سیڑھیوں کے علاوہ ہمیں آگ لگانے والے روغن کی ضرورت تھی۔ مگر اس کے بارے میں سب لاعلم تھے کہ وہ کہاں سے ملے گا۔ اس کے لیے ایک ٹیم روانہ کی جو گوداموں میں آتشیں روغن یا اس کے علاوہ جو کام کی چیز ملے وہ لے آئے۔ اب اگلا مرحلہ تھا۔ ڈرامے کی تیاری کا جس کی مدد سے ہمیں قید خانے کے نزدیک پہنچنا تھا۔ اس کے لیے پندرہ افراد کا انتخاب کیا۔ وہ سب کمزور صحتوں والے اور دیکھنے میں عام شہری لگتے تھے۔ پہلے آرگوا اور اس کے ساتھیوں کو استعمال کرنے کا سوچا تھا مگر اس میں قباحت تھی کہ اگر وہ غیر متوقع طور پر آزاد ہو جاتے یا بول پڑتے تو ہمارا راز قبل از وقت کھل جاتا۔ اس لیے انہیں وہیں باغ میں چھوڑ دیا گیا تھا اور ساتھ لے جانے کے لیے تمام اپنے ساتھی منتخب کیے تھے۔ ایزارٹ کی مدد سے ماہر تیر انداز پہلے ہی الگ کر لیے تھے۔ انہیں قید خانے کے ساتھ گوداموں کے چھتوں پر لگا دیا تھا۔ یعنی ہر ایک کو اس کی جگہ بتادی تھی مگر فی الحال وہ چھت پر نہیں تھے۔ خطرہ تھا کہ کسی وقت بھی انہیں قید خانے کے نگران مینار سے دیکھا جاسکتا تھا اس لیے وہ اسی وقت اپنی جگہوں پر جاتے جب حملے کا وقت آ جاتا۔

سیڑھیاں لینے کے لیے جانے والے آگئے۔ اس دوران میں ہم اپنی ڈرامہ ٹیم تیار کر چکے تھے اور انہیں سمجھا چکے تھے کہ انہیں کیا کرنا ہے۔ کسی قدر ریہرسل بھی کر لی تھی۔ کچھ دیر بعد دوسری ٹیم بھی آگئی اور اس نے رپورٹ دی کہ آتشیں روغن کہیں نہیں تھا۔ البتہ ایک گودام سے انہیں کچھ اسلحہ ملا تھا وہ سمیٹ لائے تھے۔ اس میں پچاس کے قریب نیزے، اتنے ہی تیروں کے ترکش اور کمائیں تھیں۔ یہ بھی غنیمت تھا۔ اس حملے میں سب سے اہم کردار تیر اندازوں کا تھا وہ جتنے تاک کر نشانے لگاتے اتنی ہی جلدی ہم اندر گھسنے میں کامیاب رہتے۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو ہمیں اسلحے کی اشد ضرورت تھی اور جتنا بھی اضافی اسلحہ ملتا ہماری کامیابی کے امکانات اتنے ہی بڑھ جاتے۔

میرا اندازہ تھا کہ نصف رات کا وقت گزر چکا ہے اور یہ شاید صبح سے پہلے کا پہرہ تھا۔ مگر ابھی صبح کی روشنی ہونے میں کئی گھنٹے باقی تھے۔ میرے حساب سے حملے کا بہترین وقت رات کا آخری پہرہ تھا۔ اس میں ابھی وقت تھا۔ میں نے ایرٹ کی ڈیوٹی لگائی کہ وہ گوداموں اور کارخانوں میں کوئی ایسی عمارت تلاش کرے جہاں قید خانے سے چھڑائے جانے والے افراد کو رکھا جائے۔ ان میں سے اکثر کی حالت خراب ہی ہوتی اور وہ فوری طور پر کسی سرگرمی میں حصہ لینے کے قابل نہیں ہوتے۔ انہیں خوراک اور آرام کی ضرورت ہوتی۔ خوراک کے خالی گودام بھی خاصے بڑے تھے لیکن وہ اس جگہ سے بہت نزدیک تھے اور اگر ریناٹ کے آدمی یہاں آتے تو سب سے پہلے ان ہی گوداموں کو چیک کیا جاتا۔ اس لیے یہاں سے دور نکل جانا ضروری تھا۔ ایک عمارت کا انتخاب کر کے خوراک کا ذخیرہ بھی وہیں پہنچا دیا گیا۔ وقت تیزی سے گزر رہا تھا مگر ضروری کام بھی نمٹ گئے تھے اور بالآخر آرگون میں وہ وقت آ گیا جب میں پوری طرح حرکت میں آتا۔ شاید یہی اصل جنگ کا نقطہ آغاز تھا۔ تقریباً پچاس افراد پر مشتمل منتخب دستہ لے کر ہم گوداموں اور کارخانوں سے نکل کر مرکزی شاہراہ پر آئے۔

ہم میں سے پندرہ افراد عام لباس میں تھے۔ ان کے لباس پھٹ گئے تھے اور ان کے جسموں اور لباس پر جگہ جگہ سرنی نمایاں تھی۔ وہ ہمارے گھیرے میں لڑکھڑا کر چل رہے تھے اور ہم خاص سپاہ کی سرمئی وردیوں

موجود سپاہیوں کو نشانہ بنانے کی کوشش کر رہے تھے۔ کمندوں والا دستہ اپنا کام کرنے کو تیار تھا۔ شاہراہ کے اس طرف آنے کے بعد ہم پوش علاقے کے ساتھ لگے بڑے تنوں والے درختوں کی آڑ لے رہے تھے اور یہاں سے قید خانے کے سپاہیوں کو نشانہ بنا رہے تھے۔

سامنے موجود سپاہیوں میں سے ڈیڑھ درجن گر چکے تھے اور ہمارے بھی تین آدمی نشانہ بنے تھے۔ سپاہی اپنی ڈھالوں کی پناہ لے رہے تھے مگر ان کے لیے مصیبت یہ تھی کہ اگر وہ ہماری سمت ڈھال کرتے تو گودام کی عمارت پر موجود تیر انداز انہیں نشانہ بنا سکتے تھے اور اگر وہ ان کی طرف ڈھال کرتے تو ہمارا نشانہ بنتے۔ پھر ہم ان کے پیروں کو نشانہ بنانے لگے جو ڈھال سے باہر تھے۔ آنے والے چند منٹوں میں مزید کوئی دس سپاہی ہمارا نشانہ بنے اور اتنے ہی زخمی ہوئے تھے تو ان کا حوصلہ جواب دے گیا اور انہوں نے پلٹ کر عمارت میں گھسنے کی کوشش کی مگر اس سے پہلے وہ اندر جاتے دھماکے سے مرکزی دروازہ بند ہوا اور جو باہر تھے وہ باہر ہی رہ گئے۔ باہر آنے والوں کی تعداد ڈھائی درجن تک پہنچ گئی تھی۔ اتنے ہی باہر بھی تھے۔ یعنی ساٹھ کے قریب سپاہی تھے۔ ان میں سے پچیس مارے جا چکے تھے اور پندرہ زخمی تھے۔ گویا لڑنے کے قابل صرف بیس تھے اور انہوں نے اس حقیقت کو تسلیم کرنے میں زیادہ دیر نہیں لگائی کہ وہ ہم سے لڑ نہیں سکتے تھے۔ انہوں نے ہتھیار پھینکنا شروع کر دیے اور ہاتھ اٹھا کر جان بخشی کی درخواست کرنے لگے۔ مگر ہمارے ساتھ موجود حریت پسند غصے میں بھرے ہوئے تھے۔ انہوں نے ایزارٹ کے روکتے روکتے مزید چند سپاہیوں کو مار دیا تھا۔

مجھے ذرا بھی شبہ نہیں تھا کہ اندر گھسنے والے ہمارے آدمیوں نے دروازہ بند کیا تھا اور اب وہ اندر موجود سپاہیوں سے نمٹ رہے تھے۔ چیخ و پکار کی باہر تک آتی آوازیں بتا رہی تھیں کہ اندر جنگ ابھی جاری تھی۔ ایزارٹ کے آدمی گرفتار سپاہیوں کی مشکلیں کسنے لگے۔ میں اور ایزارٹ دروازے تک پہنچ گئے اور دستک دے کر اسے کھولنے کو کہنے لگے۔ اندر سے آتی آوازوں کے پس منظر میں ہمیں چلا نا پڑ رہا تھا۔ اندر گھسنے والے دستے کا سربراہ ربیک تھا۔ دروازہ اسی نے کھولا اور اس کا سرمئی لباس خون میں رنگا ہوا تھا۔ اس نے ہانپتے ہوئے کہا۔ ”ہم نے اندر قابو پا لیا ہے۔ کچھ بچے ہیں ان سے نمٹ رہے ہیں۔“

ہم اندر آئے اور نگران افسر کی بات کی تصدیق ہو گئی۔ اندر شدید بدبو تھی اور قیدیوں کو جانوروں کی طرح کوٹھریوں میں ٹھونسا ہوا تھا۔ ان کو رفع حاجت کے لیے بھی باہر آنے کی اجازت نہیں تھی۔ ہم سب ہی کوٹھریوں کے دروازے کھولنے لگے۔ کم خوراک، کم آرام اور غیر انسانی ماحول میں رہنے کی وجہ سب ہی کی حالت بری تھی۔ وہ یوں باہر نکلے جیسے جانور آزاد ہوتے ہیں۔ افسوس ناک بات یہ تھی کہ ان میں عورتیں اور بچے بھی تھے۔ مرد غضب ناک تھے اور انہوں نے باہر آتے ہی سب سے پہلے پکڑے جانے والے سپاہیوں پر حملہ کیا اور انہیں بے دریغ مارنے لگے۔ باہر موجود گرفتار سپاہی بھی اندر لائے گئے تھے۔ وہ ان پر بھی ٹوٹ پڑے اور وہ کسی کی سننے کو تیار نہیں تھے۔ ہمارے آدمیوں نے انہیں روکنے کی کوشش کی تو وہ ان سے لڑنے کو بھی تیار ہو گئے تھے۔ ان کی طرف سے مایوس ہو کر میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا۔

”یہاں اسلحہ اور خوراک تلاش کرو۔“

وہ سب پھیل کر یہ دونوں چیزیں تلاش کرنے لگے۔ اس دوران میں، میں نے اور ایزارٹ نے بہ مشکل

ان لوگوں کو سمجھایا کہ وہ انتقام کے چکر میں نہ پڑیں۔ اس سے پہلے کہ ریناٹ کی مزید فوج یہاں آئے اور ہم محصور ہو کر رہ جائیں ہمارا یہاں سے نکلنا لازمی ہے۔ بات ان کی سمجھ میں آگئی۔ ویسے بھی وہ سب ہی سپاہیوں کو ہلاک کر چکے تھے جو چند ایک بچے تھے ان کی حالت سے بھی لگ رہا تھا کہ وہ زیادہ دیر زندہ نہیں رہیں گے۔ ذرا سی دیر میں ریناٹ کی خاص فوج کا دسواں حصہ ختم ہو گیا تھا۔ ایزارٹ اپنے ساتھی الگ رہا تھا۔ میرا اندازہ تھا کہ یہاں کم سے کم ایک ہزار افراد قید تھے جن میں بڑی تعداد عورتوں اور بچوں کی تھی۔ مال غنیمت اور ان لوگوں کو لے کر ہم باہر نکلے اور ان لوگوں کو فوری طور پر سیڑھیوں کے سہارے گوداموں والے احاطے میں منتقل کیا جانے لگا۔ کمزور، زخمیوں، عورتوں اور بچوں کے لیے سیڑھیاں استعمال کرنا بھی آسان نہیں تھا۔ دوسرے انہیں سہارا دینے لگے اور منظم طریقے سے یہ مشکل مرحلہ نمٹالیا گیا۔



نصف گھنٹا گزر چکا تھا اور ابھی تک شاہی علاقے کی طرف سے کسی کی آمد کے آثار نمایاں نہیں ہوئے تھے۔ شاید ان تک خبر پہنچی ہی نہیں تھی اور اگر ایسا ہی تھا تو یہ ہمارے لیے زیادہ اطمینان بخش بات تھی۔ اس سے پہلے کہ ریناٹ اور اس کے آدمی ہوشیار ہوتے ہمیں منصوبے کے دوسرے حصے پر عمل کرتے ہوئے آرگون کی تفصیل اور گیٹ پر قبضہ کر لینا تھا۔ آخری آدمی کے اندر جاتے ہی سیڑھیاں کھینچ لی گئیں اور وہ سب دوسری طرف اتر چکے تھے۔ ہم ان کو اسی عمارت میں لائے جہاں انہیں ٹھہرانا تھا۔ یہ سفر خاموشی سے نہیں ہوا تھا۔ زخمی کراہ رہے تھے۔ بچے اور بعض عورتیں رو رہی تھیں۔ انہیں نرمی سے چپ کرانے کی کوشش کر رہے تھے کہ ان کا رونا حق بجانب تھا۔ انہوں نے چند دن میں بہت زیادہ مشکلات دیکھی تھیں۔ اتفاق کی بات ہے ان کی رہائش کے لیے جس جگہ کا انتخاب کیا اس کے احاطے میں پانی کا کنواں تھا۔ پانی دیکھ کر لوگ اس کی طرف لپکے اور ہم ایک بار پھر انہیں روکنے میں ناکام رہے۔ میں نے ایزارٹ سے کہا۔

”انہیں چھوڑو، یہ دیکھو کہ ان میں سے کتنے ہیں جو فوری طور پر ہمارا ساتھ دینے پر تیار ہیں۔“

”تقریباً سب تیار ہیں مگر جسمانی حالت سب کی خراب ہے۔“

بچوں اور عورتوں کو اندر لے جایا گیا۔ ان کی حالت دیکھتے ہوئے کچھ رضا کار فوری طور پر انہیں کھانا پانی دینے لگے تھے۔ میں ایزارٹ کے ساتھ دیکھ رہا تھا کہ کون جسمانی لحاظ سے ہمارا ساتھ دینے کا اہل ہے۔ ہم ان افراد کو الگ کر رہے تھے۔ تقریباً سو افراد ایسے تھے جو فوری کھاپی کر ہمارا ساتھ دے سکتے تھے۔ اتفاق کی بات ہے ہمارے پاس اتنے ہی افراد کے لیے اضافی ہتھیار تھے۔ میرے ساتھی آتے ہوئے مکمل حد تک سارے ہی ہتھیار حد یہ کہ زہر بکتر تک اتار لائے تھے۔ نئے لڑنے والوں میں ہتھیار تقسیم کیے جا رہے تھے اور انہیں عام سپاہ والے لباس جو پہلے سے ہمارے پاس تھے مہیا کیے گئے۔ کچھ سرمئی وردیاں قید خانے سے ہمارے ہاتھ لگی تھیں۔ اگرچہ گودام میں مزید سرمئی وردیاں تھیں۔ مگر فی الحال ہمیں ان کی ضرورت نہیں تھی۔ مجموعی طور پر ڈیڑھ سو افراد تیار ہو گئے اور انہیں نہ صرف اندر موجود عام سپاہ کو بے بس کرنا تھا بلکہ قلعے کی تفصیل اور گیٹ پر بھی قبضہ کرنا تھا۔

باقی مسلح افراد کو وہیں عورتوں اور بچوں کی حفاظت کے لیے چھوڑ دیا گیا تھا حالانکہ وہ بھی ساتھ جانے پر تھے مگر ان کے لیے ہمارے پاس پورا اسلحہ نہیں تھا۔ پھر یہاں حفاظت کے لیے کچھ لڑنے والوں کا ہونا لازمی

مجھے فکر ہوئی کہ کہیں انہیں گوداموں والے حصے کا خیال نہ آجائے۔ وہاں لڑنے والوں کی تعداد مشکل سے ساٹھ ستر افراد پر مشتمل تھی اور ان کے پاس بھی ناکافی اسلحہ تھا۔ باقی افراد کی حالت اس قابل نہیں تھی کہ وہ مسلح سپاہیوں سے لڑتے۔ اس صورت میں ان لوگوں کا خاتمہ یقینی ہوتا اور ہم ان کے لیے کچھ نہیں کر سکتے تھے۔ جب قید خانے سے قیدی آزاد کرائے جا رہے تھے تو میں خاص طور سے عورتوں میں روبیر کو دیکھ رہا تھا مگر وہ مجھے کہیں نظر نہیں آئی تھی۔ اسے یقیناً کہیں اور رکھا گیا تھا اگر وہ زندہ تھی تو۔ جب ہم گودام پہنچے تو میں نے چھڑائے جانے والے مردوں میں شامین نامی مرد کے بارے میں پوچھا۔ مگر ان میں شامین بھی نہیں تھا۔ اگر شامین قید تھا تو وہ بھی یہاں نہیں تھا۔ نہ جانے کیوں میرا دل کہہ رہا تھا کہ شامین روبیر سے مخلص نہیں تھا وہ صرف اسے استعمال کر رہا تھا۔ مگر ضروری نہیں تھا کہ میرا خیال درست نکلتا۔ اس کا بھی امکان تھا کہ وہ دونوں اب زندہ نہ ہوں۔ ریٹائٹ نے انہیں سزائے موت دے دی ہو۔ ایزارٹ آنے والوں کو دیکھ رہا تھا اس نے آہستہ سے کہا۔

”ان کا کیا کرنا ہے؟“

”خاتمہ لیکن اس طرح کہ ان میں سے ایک بھی فرار نہ ہو سکے۔“

”میں سمجھ گیا۔“ اس نے سر ہلایا اور غیر محسوس انداز میں اپنے آدمیوں کو یوں پھیلانے لگا کہ جب ریٹائٹ کے آدمی نزدیک آتے تو عملاً وہ ان کے زرخے میں آجاتے۔ اس طرح حملے کی صورت میں ان میں سے کسی کے بچ کر نکلنے کا امکان کم ہوتا۔ ایزارٹ اور وہ سپاہی آگے تھے جن کی وردیوں پر نشانات تھے اور باقی پس منظر میں یا اتنی دور تھے کہ نشانات کی غیر موجودگی واضح نہ ہو۔ دستہ مارچ کرتا ہوا ہمارے نزدیک پہنچا اور تقریباً بیس گز کے فاصلے پر رک گیا۔ اس کا افسر آگے آیا اور اس نے ایزارٹ سے کہا۔ ”قید خانے پر حملہ ہوا ہے اور وہاں موجود سپاہیوں کو قتل کر کے تمام قیدیوں کو آزاد کرالیا گیا ہے۔ ہمارا ایک سپاہی بھی یہ بتانے کے لیے زندہ نہیں رہا کہ وہاں کیا ہوا تھا؟“

”یہ تو بری خبر ہے۔“

”ہمارے آدمی شہر بھر میں ان کو تلاش کر رہے ہیں۔ یہاں فصیل کے سپاہی اور کمانڈرز کہاں ہیں۔“ ایزارٹ نے انہیں بھی وہی بات کہی۔ ”انہیں شاہ معظم کے حکم سے کمک کے طور پر میدان جنگ میں بھیج دیا گیا ہے اور اب یہاں کی حفاظت میری ذمہ داری ہے۔“

”آپ کے لیے حکم ہے اب کسی کو آگوں سے باہر جانے کی اجازت نہیں ہوگی۔“

”حکم کی تعمیل ہوگی۔“ ایزارٹ نے کہا اور پھر سرسری سے انداز میں بولا۔ ”تمہارے سپاہی تھکے ہوئے ہیں کیا خیال ہے تم لوگوں کے لیے کچھ پینے کا بندوبست نہ کیا جائے۔“

یہ لوگ شراب پیتے تھے اور ایزارٹ کے معنی خیز انداز سے وہ یہی سمجھتے تھے۔ افسر نے ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے کہا۔ ”ایسا ہی ہے جناب ہم دن کے چار حصوں میں سے تین حصے پہرہ دیتے ہیں اور صرف ایک حصہ آرام کے لیے ملتا ہے۔“

”ایسا کرو اپنے خاص آدمیوں کو بلا لو میں تمہیں اپنے کمرے میں لے جاتا ہوں باقیوں کو یہیں مشروب دے دیا جائے گا۔“

افسر مڑا اور اس نے اپنے منظور نظر افراد کو آگے بلایا۔ ان کی تعداد دس کے قریب تھی اور باقی وہیں رہے۔ ایرٹ نے آگے بڑھ کر رہ جانے والے سپاہیوں سے کہا۔ ”تم لوگ بیٹھو، اپنا اسلحہ اتار دو۔“

وہ اپنے افسر کا رویہ دیکھ چکے تھے اس لیے انہوں نے بلا جیل و حجت ڈھالیں اور اسلحہ نیچے رکھ دیا اور خود بھی نیچے ہی بیٹھ گئے۔ الگ ہونے والے دس افراد کو ہم نے اپنے زرعے میں لے لیا تھا۔ وہ بے خبر تھے کہ انہیں شراب کا نہیں موت کا جام پینا ہے۔ میں نے ہاتھ اوپر کیا اور پانچوں انگلیاں پھیلا کر بندکیں تو اس کے ساتھ ہی میرے ساتھی حرکت میں آ گئے۔ فسیل سے اچانک تیر انداز نمودار ہوا اور انہوں نے زمین پر بیٹھے سپاہیوں کو نشانہ بنایا۔ وہ سب ہی پاس پاس بیٹھے تھے اس لیے تیر اندازوں کا کوئی تیر خالی نہیں گیا اور فضا ان کی چیخوں سے گونج اُٹی جن کے جسموں میں تیرا ترے تھے۔ نصف تو اسی وقت نشانہ بن گئے تھے۔ فوراً ہی تیر اندازوں کی دوسری لہر نمودار ہوئی اور انہوں نے ان سپاہیوں کو نشانہ بنایا جو ہتھیار سنبھال کر اٹھ رہے تھے۔ ان میں سے بیشتر گر گئے۔ اس سے زیادہ دیکھنے کی مہلت نہیں ملی کیونکہ ہمیں ان دس افراد پر قابو پانا تھا جو ہمارے زرعے میں تھے۔ صورت حال بھانپتے ہی انہوں نے ہتھیار سنبھالے تھے مگر ہماری طرف سے تیز کارروائی کے نتیجے میں چار اسی وقت لقمہ اجل بن گئے۔ ایرٹ نے اپنا نیزہ افسر کی گردن پر رکھ دیا۔

”اگر زندہ رہنا چاہتے ہو تو ہتھیار پھینک دو۔“

”غدار۔“ اس نے دانت پیس کر کہا۔

”میں سرے سے ریٹا کا آدمی ہی نہیں ہوں۔“ ایرٹ نے کہا۔ ”ہم اس وادی کو اس سے نجات دلانے کی جدوجہد کر رہے ہیں۔“

افسر نو جوان اور غصہ ور شخص تھا مگر بالآخر اس نے اور اس کے بچ جانے والے ساتھیوں نے اسی میں عافیت سمجھی کہ ہتھیار پھینک دیں۔ دوسری طرف پچاس سپاہیوں میں سے بچ جانے والے بیس افراد نے ہاتھ اوپر کر لیے تھے اور ان کی جان بخشی کر دی گئی تھی۔ ان چھبیس افراد کی مشکلیں کس کر ان کو فسیل کے قید خانے میں ڈال دیا گیا اور مارے جانے والے چوبیس افراد کی لاشیں وہاں سے اٹھالی گئیں۔ کچھ افراد بالٹیوں میں پانی بھر کر لائے اور پتھر پیلے فرش پر پھیلا ہوا خون صاف کرنے لگے۔ مارے جانے والوں کی وردیاں اور ہتھیار بھی لے لیے گئے تھے اور اب ہمارے پاس مزید ساٹھ افراد کے لیے وردیاں اور ہتھیار تھے۔ ان وردیوں کو دھونے کی ضرورت تھی تاکہ ان سے خون صاف ہو جائے۔ یہ سب کچھ مشکل سے ایک گھنٹے میں ہو گیا تھا۔ اب وہاں آنے والا کوئی فرد نہیں کہہ سکتا تھا کہ یہاں کچھ دیر پہلے دو درجن افراد مارے گئے تھے۔

رفتہ رفتہ حالات اس طرف جا رہے تھے جب ہم فیصلہ کن حملہ کریں۔ شہر میں ریٹا کے مزید دستے پھیلے ہوئے تھے لیکن فی الحال ان سے الجھنا درست نہیں تھا۔ اگرچہ میرا مشن کامیابی سے جا رہی تھا مگر ابھی اصل منزل بہت دور تھی۔ ہمیں ریٹا تک پہنچنا اور اس کا خاتمہ کرنا تھا اور فی الحال اس کے بارے میں ہمارے پاس کوئی معلومات نہیں تھیں کہ وہ کہاں تھا اور اس تک رسائی کا ذریعہ کیا ہو سکتا تھا۔ قید خانے پر حملے کے وقت میں نے سوچا تھا کہ کچھ سپاہی یا افسران زندہ ہاتھ لگیں تو ہم ان سے معلومات حاصل کر سکتے تھے مگر آزاد ہونے والوں نے کسی کو زندہ ہی نہیں چھوڑا۔ اب کچھ زندہ دشمن ہاتھ آئے تھے اور ان سے بہت کچھ معلوم کیا جاسکتا تھا۔

میں ایرٹ کے ساتھ قیدیوں کے پاس آیا۔ ایرٹ نے ان سے کہا۔ ”تم لوگوں نے ریٹاٹ جیسے سفاک شخص کا ساتھ دیا جس نے اپنے ہی لوگوں کا خون بہایا تا کہ اس کا اقتدار قائم رہ سکے۔ اس نے لوگوں کے حق پر سب کیے اور عام لوگوں کو بے دست و پا کر دیا۔ تم سب کو ان جرائم پر روشنی ہوتے ہی سزائے موت دے دی جائے گی۔“

اس نے میری کبھی تقریر دہرائی تھی۔ بات معمولی لفظوں پر مشتمل تھی مگر اس کا اثر ہوا اور وہ رونے لگے کہ ان کا قصور نہیں تھا اور وہ وہی کرتے تھے جس کا حکم دیا جاتا تھا۔ ایرٹ انہیں دھمکیاں دیتا رہا پھر اس نے کہا۔ ”صرف ان لوگوں کو رعایت مل سکتی ہے جو ہمارے ساتھ تعاون کریں۔“

اس پر سب ہی تعاون کرنے کو تیار ہو گئے تھے۔ میرے اشارے پر ایک زرد چہرے والے نوجوان کو باہر نکالا گیا اور ہم اسے باہر لائے۔ سب کے سامنے پوچھ گچھ مناسب نہیں تھی۔ ایرٹ جانتا تھا کہ اسے کیا پوچھنا ہے اور وہ نوجوان سے سوال کرتا رہا۔ خوش قسمتی سے نوجوان نہ صرف شاہی علاقے میں ڈیوٹی دیتا رہا تھا بلکہ اس کی معلومات بھی خاصی تھیں۔ اس نے بتایا کہ شاہی علاقے اور سرکاری علاقے کی حفاظت سرمئی وردی والوں کے سپرد تھی اور ان کی تعداد ہزار کے لگ بھگ تھی۔ ان میں سے نصف صرف شاہی کمپلیکس کی حفاظت پر مامور تھے۔ میں نے حساب لگایا تو اب تک صرف ڈیڑھ سو سے اوپر خاص سپاہی مارے گئے تھے یا ہمارے ہاتھ آئے تھے گویا ان کی بڑی تعداد ابھی باقی تھی۔ نوجوان نے یہ بھی بتایا کہ پوش علاقے، عام علاقے اور گوداموں والے علاقے میں ایسے ہی چار دسے حملہ آوروں اور قید خانے سے فرار ہونے والوں کو تلاش کر رہے تھے۔ گودام والے علاقے کا سن کر میں تشویش زدہ ہو گیا اور میں نے فوری اس طرف جانے کا فیصلہ کیا۔

ایزارٹ سے بات کی تو اس نے مجھ سے اتفاق کیا اور میں ستر کے قریب ساتھی لے کر روانہ ہوا۔ میں نے بیرکس سے جانے والا راستہ اختیار کیا۔ ہماری رفتار تیز تھی اس لیے ہم بیس منٹ میں اس گودام کے پاس پہنچ گئے جہاں ہمارے ساتھی تھے اور اس کے نزدیک جاتے ہی گڑبڑ کا احساس ہوا تھا۔ وہاں سے آوازیں آرہی تھیں اور انداز فوجی کمانڈرز کا تھا۔ مزید نزدیک آنے پر صورت حال واضح ہو گئی کہ ریٹاٹ کی فوج کے دستے نے اس گودام کو گھیر لیا تھا اور اب اندر گھسنے کی تیاری کر رہے تھے۔ میں نے اطمینان کا سانس لیا۔ انہوں نے ابھی تک حملہ نہیں کیا تھا۔ میرے ساتھ ربیک اور اس کا تیر انداز دستہ تھا۔ میں نے ان کو آس پاس نزدیکی عمارتوں پر چڑھنے کا حکم دیا مگر ساتھ واضح کر دیا کہ میرے حکم کے بغیر حملہ نہ کیا جائے۔ ریٹاٹ کے سپاہیوں کا دستہ وہی ساٹھ افراد پر مشتمل تھا اور وہ پوری طرح مسلح تھے۔ میں نے ایرٹ سے کہا۔

”انہیں الجھانا ہوگا۔“

ایرٹ کے پاس افسر کے نشانات تھے جو اس نے وردی پر لگا لیے تھے۔ میرے نشانات سپاہی والے تھے۔ ہم پندرہ نشانات والے سپاہی ان کے سامنے آئے تو وہ چونکے تھے مگر پھر ہماری وردیوں سے مطمئن ہو گئے۔ ربیک نے افسرانہ انداز میں پوچھا۔ ”کیا ہوا کوئی سراغ ملا ہے؟“

”ہمیں شبہ ہے کہ اس گودام میں کچھ لوگ موجود ہیں۔ یہ دیکھیں نالی میں کتنا پانی بہا ہے اور اندر سے کچھ آوازیں بھی آرہی تھیں مگر اب خاموشی ہے۔“

میرا خدشہ درست ثابت ہوا۔ ریٹاٹ کے آدمی عقل سے عاری نہیں تھے انہوں نے بجا طور پر درست

اندازہ لگایا کہ اگر پانی بہہ رہا ہے تو یقیناً کوئی بہانے والا بھی ہوگا۔ بارش تو ہوئی نہیں تھی۔ ربیک نے کہا۔ ”ممکن ہے یہاں نگران ہوں۔“

”نہیں جناب اس وقت اس سارے علاقے میں کوئی سرکاری نگران نہیں ہے۔“ اس نے جواب دیا اور پھر ربیک سے پوچھا۔ ”آپ کس دستے سے ہیں؟“

”میں کسی دستے سے نہیں ہوں مجھے تم لوگوں کی کارکردگی دیکھنے کے لیے بھیجا گیا ہے۔“ ربیک نے اپنا انداز یوں رکھا تھا جیسے وہ ان سب سے برتر ہو۔ اس دوران میں ریناٹ کے اکثر آدمی گودام کے ان تین اطراف میں پھیل گئے تھے جہاں گلیاں تھیں اور چوتھی سمت گودام کی پشت کسی دوسرے گودام یا کارخانے کی پشت سے ملی ہوئی تھی۔ تین درجن سپاہی دوسری اطراف میں چلے گئے تھے اور یہاں دودر جن سپاہی رہ گئے تھے۔ میرے بیس ساتھی چھتوں پر تھے اور پینتیس کمک کے طور پر پیچھے اشارے کے منتظر تھے۔ ریناٹ کے آدمی اب گودام کا دروازہ توڑنے پر آمادہ تھے اور انہوں نے اس کے ساتھ زور آزمائی شروع کر دی تھی۔ ایرٹ نے مداخلت کی اور بولا۔ ”بیکار میں قوت ضائع کر رہے ہو۔ چھ آدمی بیک وقت اندر کود جائیں اور دروازہ کھول دیں۔“

”اگر اندر موجود افراد مسلح ہوئے تو میرے آدمیوں کو نقصان ہوگا۔“ دستے کا سربراہ دبے لفظوں میں بولا۔ اس پر ایرٹ غرایا۔

”تو کیا تمہارے پاس ہتھیار نہیں ہیں یا لڑنا نہیں آتا ہے۔ اپنے آدمیوں کو اندر بھیجو۔“ میں اس کی حکمت عملی کو سراہا تھا۔ وہ مزید افراد کم کر رہا تھا تاکہ ہمیں کم سے کم افراد سے نمٹنا پڑے۔ مجبوراً افسر نے حکم دیا اور اس کے چھ آدمی بیک وقت دیواروں پر چڑھے اور اندر کود گئے۔ فوراً ہی اندر سے ایسی آوازیں آئیں جسے دو بدولٹائی ہو رہی ہو۔ میں نے ہاتھ پہلے ہی بلند کر لیا تھا مٹھی بند کر کے کھولی تو سننا تیر آکر ریناٹ کے آدمیوں کے جسموں میں اترنا شروع ہو گئے۔ میں اور میرے ساتھی پہلے ہی مناسب حد تک پیچھے ہٹ گئے تھے۔ اس لیے تیر اندازوں کو انہیں نشانہ بنانے میں دشواری پیش نہیں آئی تھی۔ یہاں تاریکی تھی اس لیے وہ مشعلیں ساتھ لائے تھے مگر اب آسمان پر ہلکی سی روشنی نمودار ہونے لگی تھی۔ کم سے کم چھ افراد پہلی باڑ میں نشانہ بنے اور دوسری باڑ نے چار کونشانہ بنایا۔ اس کے بعد وہ ہوشیار ہو گئے تو ہم اپنے ہتھیار سنبھال کر ان کی طرف بڑھے۔

لڑائی کا آغاز ہوتا ہی ہمارے بقیہ پینتیس ساتھی دوڑتے ہوئے آئے اور مساوی طور پر گودام کے دائیں بائیں کی گلیوں میں چلے گئے۔ تیر اندازوں نے وہاں بھی ریناٹ کی سپاہ کو نشانہ بنایا تھا اس کے بعد زمین والوں کے لیے ان سے نمٹنا زیادہ مشکل نہیں رہا تھا۔ اس دوران میں اندر والے چھ سپاہیوں سے نمٹ کر باہر نکل آئے اور عقب سے بچ جانے والے سپاہیوں پر ٹوٹ پڑے تھے۔ ان کا حملہ اتنا تیز اور وحشیانہ تھا کہ انہوں نے دیکھتے ہی دیکھتے سب کو ختم کر دیا۔ انسانی جان میرے نزدیک ہمیشہ محترم رہی ہے مگر کچھ عرصے سے میں ایسی جنگوں میں شامل ہوتا رہا جن میں بے دریغ انسانی لہو بہایا جاتا رہا ہے۔ خود میرے ہاتھ سے بے شمار انسان مارے گئے تھے مگر میں اب بھی انسانوں کو یوں مرتے دیکھ کر اپنے اندر ایک عجیب سی کیفیت محسوس کرتا ہوں۔ میرے چاروں طرف لاشیں تھیں۔ گلیوں میں مرنے والوں کی چیخیں یہاں تک سنائی دے رہی تھیں۔

ایزارٹ کے آدمی ان پر رحم کرنے کو تیار نہیں تھے کیونکہ جب وہ بے بس تھے تو ان پر ذرا رحم نہیں کیا گیا تھا۔ نہ صرف ان کو بلکہ ان کے اہل خانہ کو ناقابلِ بیان اذیتوں اور تکلیفوں سے گزرنا پڑتا تھا۔ ان کا جرم صرف آزادی کا مطالبہ تھا۔ اس لیے اب وہ جوشِ انتقام سے بھرے ہوئے تھے۔ مشکل سے نصف گھنٹے میں اس دستے کے تمام افراد کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا تھا۔ ایرٹ ان کی لاشیں گن رہا تھا اور اس نے مجھے آگاہ کیا کہ کوئی جان بچا کر فرار ہونے میں کامیاب نہیں ہوا تھا۔ میں نے بے دھیانی سے کہا۔ ”یہ تو اچھی بات ہے۔ اب سب کو جمع کرو یہاں سے جاتا ہے۔“

ایرٹ فکر مند ہو گیا۔ ”اتنے لوگوں کو لے کر کہاں جائیں گے؟“

”انہیں عام سپاہیوں کے لیے مخصوص بیرکس میں ٹھہرایا جائے گا اس طرف کسی کا دھیان نہیں جائے گا۔“

ایرٹ خوش ہو گیا۔ ”آپ ہر مسئلے کا بہترین حل سوچتے ہیں۔“

”انہیں کہنا کہ خوراک کا سارا ذخیرہ ساتھ لیں کچھ چھوڑ کر نہ جائیں آگے خوراک کا کچھ پتا نہیں ہے۔“

”میں دیکھتا ہوں جناب۔“ ایرٹ اندر چلا گیا۔ ریک اور اس کے ساتھ مارے جانے والوں کا لباس

اتار رہے تھے اور ان کا اسلحہ سمیٹ رہے تھے۔ اس کام میں یہاں موجود حریت پسند بھی شامل ہو گئے۔ رفتہ رفتہ اسلحے اور وردیوں کے لحاظ سے ہماری ضرورت پوری ہوتی جا رہی تھی۔ روانگی سے پہلے وردیوں والے گودام میں موجود باقی وردیاں بھی اٹھالی گئی تھیں۔ آسمان پر سفیدی نمایاں ہونے سے پہلے ہزار کے قریب افراد پر مشتمل قافلہ روانہ ہوا۔ رفتار تیز رکھنے کے لیے بچوں کو گود میں اٹھالیا گیا تھا اور زخمیوں و عورتوں کو سہارا دے رہے تھے۔ اب ان لوگوں کی حالت خاصی بہتر ہوئی تھی۔ انہوں نے خود کو صاف کر لیا تھا اور کھاپی کران کی توانائی بحال ہو گئی تھی۔ اس لیے وہ چل پھر رہے تھے ورنہ جب ہم نے انہیں قید خانے سے رہا کر لیا تھا تو ان کے لیے چلنا پھرنا بھی مشکل ہو رہا تھا۔ خوراک اور دوسرا سامان خاصا تھا اس لیے سب نے کچھ نہ کچھ اٹھا رکھا تھا۔

میں اور کچھ مسلح افراد پیچھے تھے اور میں چاہتا تھا کہ کسی کی مداخلت سے پہلے ہم فوجی بیرکوں تک پہنچ

جائیں۔ مگر انسان جو سوچتا ہے اکثر دیر ہوتا نہیں ہے۔ ادھر ہم بیرکس والے میدان میں نمودار ہوئے اور ادھر مرکزی شاہراہ سے ریٹائرمنٹ کی خاص فوج کا ایک دستہ برآمد ہوا۔ تعداد سے لگ رہا تھا کہ یہ وہی دستہ ہے جو مفوروں کی تلاش کے لیے تشکیل دیا گیا تھا۔ اتفاق کی بات ہے کہ مسلح افراد پیچھے تھے اور سامنے عورتیں، بچے اور عام سے نظر آنے والے افراد تھے۔ انہیں دیکھ کر ریٹائرمنٹ کے آدمی غلط فہمی کا شکار ہو گئے کہ بس یہ نہتے اور بے بس لوگ ہیں اور وہ ہماری طرف آنے لگے۔ میں نے اپنے ساتھیوں کو قافلے والوں کی آڑ میں کر لیا۔ قافلہ رک گیا تھا اور درمیان میں موجود میرے ساتھی اپنے ہتھیار سنبھال کر تیار ہو گئے۔ خاص طور سے تیر انداز دستہ تیر کمان سنبھال چکا تھا۔ میں نے ان سے کہا۔ ”تم لوگوں نے ہوا میں تیر چھوڑنے ہیں۔ جب میں اشارہ کروں تو تیر چھوڑنا۔“

وہ سب تیار ہو گئے۔ میں فوجی دستے کے نزدیک آنے کا انتظار کر رہا تھا۔ نزدیک آنے پر انہیں کوئی بھی مسلح فرد نظر نہیں آیا تو وہ مزید بے فکر ہو گئے تھے۔ جب وہ سوگزدور رہ گئے تو میں نے اشارہ کیا اور تقریباً ساٹھ تیر اندازوں نے تیر ہوا میں چھوڑے وہ بلند ہوئے اور دستے پر برسے تھے۔ مگر انہیں صرف چند افراد کا نقصان ہوا۔

اصل میں یہ لوگ اس طرح سے تیر اندازی میں مہارت نہیں رکھتے تھے۔ اب میں نے انہیں براہ راست نشانہ لینے کو کہا مگر اس دوران میں ریناٹ کے آدمی ہوشیار ہو گئے تھے اور انہوں نے ڈھالوں کی پناہ لے لی۔ کچھ پیروں پر تیر لگنے سے گرے مگر اب وہ اتنے نزدیک آ گئے تھے کہ ان سے دو بدو مقابلہ ناگزیر ہو گیا تھا ورنہ وہ عورتوں اور بچوں پر چڑھ دوڑتے۔ میں اپنے دستے کو لے کر آگے آیا۔ میرے ساتھ تیس کے قریب افراد تھے۔ ہماری ان سے مذہبیڑ ہوئی اور پہلی بار میں نے مکمل جنگ کا ماحول دیکھا۔ میرے آس پاس ریناٹ کے آدمی تھے اور وہ مہارت سے حملہ کر رہے تھے۔ دیکھتے ہی دیکھتے انہوں نے میرے کئی آدمی گرا دیئے۔

ایسے میں تیر انداز کچھ نہیں کر سکتے کیونکہ تیر ہمیں بھی لگ سکتے تھے البتہ وہ نزدیک آ گئے اور بالکل پاس سے یقینی نشانہ بنانے لگے۔ ایسے میں حریت پسند جواب تک جنگ میں شامل نہیں ہوئے تھے انہوں نے اپنے طور پر ہتھیار منتخب کیے اور گھوم کر ریناٹ کے دستے کے عقب میں آ گئے۔ اس طرح سے انہوں نے کسی کے فرار کا راستہ بھی مسدود کر دیا تھا۔ پھر وہ پیچھے سے حملہ آور ہوئے اور انہوں نے ہمیں ایک نئی زندگی بخشی کیونکہ ہم دب رہے تھے۔ دوطرف سے گھرنے کے بعد ریناٹ کے آدمی گھبرا گئے اور ہم ان کا آسان شکار کرنے لگے۔ ایک بڑے دائرے میں انہیں گھیر کر چاروں طرف سے تیروں کی بوچھاڑ کر دی۔ ہم جان بوجھ کر ان کے جسموں کو نیچے سے یادرمیان سے نشانہ بنا رہے تھے کہ تیر خطا ہونے کی صورت میں دوسری طرف موجود ہمارے کسی ساتھی کو نہ جا لگے۔

حریت پسندوں کی ہمت نے بازی پلٹ دی اور جلد اس دستے نے بھی ہتھیار ڈال دیئے۔ ان کا نقصان زیادہ نہیں ہوا تھا۔ پندرہ مارے گئے تھے اور دس زخمی تھے۔ باقیوں نے ہتھیار ڈال دیئے۔ اس دوران میں ایزارٹ کے آدمیوں کی طرف سے بھی مدد آ گئی تھی۔ مارے جانے والوں کو اٹھالیا گیا اور زخموں و قیدیوں کو وہ ساتھ لے گئے۔ اس دوران میں قافلے میں موجود عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کو پیرکوں کے عقبی حصے میں واقع ایک عمارت میں منتقل کیا گیا۔ سامان بھی وہیں پہنچا دیا گیا تھا۔ ریناٹ کا نقصان بڑھ رہا تھا اور ہمیں ہتھیار اور وردیاں مل رہی تھیں۔ مگر اس بار ہمیں بیس افراد کا نقصان اٹھانا پڑا تھا اور یہ بہت بڑا نقصان تھا۔ کل ملا کر ہمارے اب تک چالیس کے قریب ساتھی مارے جا چکے تھے یا شدید زخمی ہوئے تھے۔ ان میں تمام ہی صحت مند اور اچھے لڑنے والے افراد تھے۔ ریناٹ کی فوج بھی تقریباً پونے تین سو خاص سپاہیوں سے محروم ہو چکی تھی مگر اب بھی وہ تعداد میں ہم سے کئی گنا زیادہ تھے۔

عورتوں اور بچوں کو محفوظ جگہ پہنچانے کے بعد میں نے حریت پسندوں کو ان سے الگ کر کے ان کی گنتی کی۔ ان کی کل تعداد پانچ سو ساٹھ تھی۔ ان میں سے ڈیڑھ سو کے قریب لڑنے کی پوزیشن میں تھے اور باقی ابھی بحالی سے گزر رہے تھے۔ میں نے اندازہ لگایا کہ کل تک اتنے ہی لوگ اور لڑنے کے قابل ہو جائیں گے اور ہمارے پاس فی الحال تین سو افراد کا ہی اسلحہ تھا۔ کچھ اسلحہ ہمیں فسیل سے بھی ملا تھا مگر یہ سب بھاری جنگی اسلحہ تھا جو گوریلا جنگ میں زیادہ کارآمد نہیں تھا۔ میں نے ان ڈیڑھ سو افراد کو الگ کیا اور انہیں حکم دیا کہ وہ کھائیں اور آرام کریں تاکہ کل تک لڑنے کے قابل ہوں۔ وہ خوش ہو گئے کہ انہیں منتخب کر لیا گیا ہے۔ میں نے خوراک کا جائزہ لیا اور محسوس کیا کہ یہ زیادہ دیر چلنے والا نہیں تھا اتنے افراد زیادہ سے زیادہ دو دن میں سب ختم کر دیتے۔

ہمیں مزید خوراک کی ضرورت تھی۔ ایرٹ کی مدد سے میں نے باقی رہ جانے والے حریت پسندوں کو مختلف ذمے داریاں سونپیں اور انہیں ہدایت کی کہ مزید خوراک حاصل کرنے کی کوشش کریں۔ ان میں سے کچھ جانتے تھے کہ مزید خوراک کہاں سے مل سکتی تھی۔ مگردن میں اس طرف جانا مناسب نہیں تھا۔ وہ رات میں کوشش کرتے۔

روشنی ہو گئی تھی اور اب ہمارے لیے چھپ کر کارروائی کرنا آسان نہیں رہا تھا۔ ویسے بھی مسلسل حرکت میں رہنے اور کئی معرکے سر کرنے کے بعد میں اور میرے ساتھی تھک گئے تھے اور ہمیں آرام کی ضرورت تھی۔ ہم واپس فیصل کی طرف آئے یہاں نیچے بے شمار کمرے تھے جہاں سونے کا انتظام بھی تھا۔ ایزارٹ نے خوشخبری سنائی کہ فیصل کے نیچے تہہ خانے سے کچھ خوراک ملی ہے جو ہم لوگوں کے لیے کافی تھی۔ ریک اور ایرٹ اسے معرکوں کی روداد سننے لگے جس میں ہمیں نقصان ہوا تھا مگر سب سے اہم بات یہ تھی کہ ہم نے اب تک کسی دشمن فوجی کو فوج کر جانے کا موقع نہیں دیا تھا سب مارے گئے یا پکڑے گئے۔ ہمارا نقصان کم تھا مگر اس لحاظ سے زیادہ تھا کہ ہماری افرادی قوت کل چھ سو سے بھی کم لوگوں پر مشتمل تھی۔ ان میں سے بھی اکثر لڑنے کے قابل نہیں تھے اور یہ باقاعدہ تربیت یافتہ فوجی بھی نہیں تھے۔ بہر حال جنگ اپنا خراج لیتی ہے۔ میں ناشتہ کر کے لیٹا تو لمحوں میں بے خبر ہو گیا اور میری آنکھ کھلی تو دو پہر ڈھل رہی تھی۔ ایرٹ جاگ رہا تھا۔ وہ میرے لیے مقامی چائے لے آیا جس کی یہاں خاصی مقدار موجود تھی۔ اس نے بتایا۔

”باہر امن و سکون ہے ریٹ کی طرف سے مزید کوئی سرگرمی دیکھنے میں نہیں آئی ہے۔ اس نے جود سے بھیجے تھے وہ بھی واپس چلے گئے۔“

میں چونکا۔ ”تمہیں کیسے پتا چلا؟“

”یہاں فیصل کے اوپر مینار ہے وہاں سے پورا شہر صاف دکھائی دیتا ہے خاص طور سے شاہراہیں تو تینوں ہی نظر آتی ہیں۔ اس وقت سرکاری علاقے سے آگے ریٹ کا کوئی آدمی نہیں ہے۔ میں نے تو سوچا بھی نہیں تھا کہ ہم اتنی آسانی سے یہاں غلبہ پالیں گے۔“

”مگر اس سے یہ مت سمجھنا کہ ہمیں فتح ہو گئی ہے ابھی ہمیں ایک ایسی آفت سے نمٹنا ہے جو اکیلا ہی ہم سب پر بھاری ہو سکتا ہے۔“

ایرٹ نے حیرت سے میری طرف دیکھا۔ ”ایسا کون ہو سکتا ہے جناب؟“

”تم اسے نہیں جانتے لیکن وہ میرے دشمنوں کے ساتھ اوپر سے آیا ہے۔“ میں نے باسو کے بارے میں سوچتے ہوئے کہا۔ ”اگر سب ریٹ کا ساتھ چھوڑ دیں اور صرف یہی لوگ اس کے ساتھ رہ جائیں تب بھی ان پر قابو پانا ریٹ کی تمام فوج پر قابو کے مترادف ہوگا۔“

ایرٹ کو حیرت ہوئی تھی۔ ”تب آپ نے ان کے بارے میں سب کو کیوں نہیں بتایا ہے؟“

”وہ بد دل اور خوف زدہ ہو سکتے ہیں۔ تم اور ریک میرے اعتماد کے آدمی ہو اور میں تمہارے بارے میں اچھی طرح جانتا ہوں۔ اس لیے تم لوگوں کو خبردار کر رہا ہوں۔ ہو سکتا ہے میں اس جنگ میں کسی مرحلے پر مارا جاؤں تب بھی میری یہ بات یاد رکھنا۔“

”آپ کو کچھ نہیں ہوگا۔“ اس نے یقین سے کہا۔

”تم ایسا کیسے کہہ سکتے ہو؟“ میں ہنسا۔

”پتا نہیں۔“ اس نے سر جھٹکا۔ ”آپ کے بارے میں مجھے یقین ہے کہ زندہ رہیں گے اور فتح حاصل کریں گے۔“

”اللہ کرے کہ ایسا ہی ہو، اسی میں اس وادی کے لوگوں کی بھلائی ہے۔ مگر میری خواہش ہے کہ یہ جنگ جلد از جلد اور مزید کسی نقصان کے ختم ہو جائے۔“

”اس کے لیے آپ ہی ہماری رہنمائی کریں۔“

”یہ شخص ایزارٹ کیسا آدمی لگا ہے؟“

”بہت زبردست۔“ ایرٹ نے بے ساختہ کہا۔ ”اس نے سب کو متاثر کیا ہے۔ یہ کسی حد تک آپ سے ملتا ہے۔ ہر کام سوچ سمجھ کر کرتا ہے اور مسئلے کا جلد حل نکال لیتا ہے۔ سب کے ساتھ نرمی اور مہربانی سے پیش آتا ہے۔ اس نے حکم دیا ہے کہ قید خانے سے چھڑائے گئے عورتوں اور بچوں کا خاص خیال رکھا جائے کیونکہ یہی ہمارا مستقبل ہیں۔“

”اس نے ٹھیک کہا۔“ میں نے خالی ہو جانے والا پیالہ رکھا اور کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔ ”مجھے بھی مینار دکھاؤ جہاں سے شہر کا نظارہ کیا جاسکتا ہے۔“

ایرٹ مجھے فصیل کے اس خاص حصے سے ذرا پیچھے بنے تقریباً ستریا اسی فٹ اونچے مینار تک لایا جہاں کیرٹ کو سزائے موت دی گئی تھی۔ یہ حصہ خاصا بڑا تھا اور یہاں پورا دربار سجایا جاسکتا تھا جیسا کہ ریٹائٹ نے سجایا تھا۔ مینار فصیل سے بھی کوئی پچیس فٹ اوپر تھا اور ہم سیڑھیاں چڑھ کر اس کے آخری حصے میں آئے یہاں مشکل سے چار فٹ کی جگہ تھی جس میں ایک وقت میں تین سے زیادہ آدمی کھڑے نہیں ہو سکتے تھے۔ یہاں ایک پہریدار پہلے سے موجود تھا مجھے دیکھ کر وہ مودب ہو گیا۔ ایرٹ نے اسے سیڑھیوں پر جانے کو کہا تا کہ میں آرام سے شہر کا نظارہ کر سکوں۔ وہ سر جھکا کر چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد ایرٹ نے شہر کی طرف اشارہ کیا۔ ”وہ دیکھیں جناب یہاں سے سب صاف نظر آ رہا ہے۔“

مگر میری توجہ شہر کے بجائے مخالف سمت میں سامیرا کے قلعوں کی طرف تھی جو یہاں سے دکھائی دے رہے تھے مگر دوری کی وجہ سے منظر صاف نہیں تھا۔ بہر حال ایسا لگ رہا تھا کہ وہاں امن تھا اور اگر جنگ ہوئی بھی تھی تو وہ محدود پیمانے پر تھی۔ درمیان میں فصلوں کی جگہ اب سیاہ جلے ہوئے وسیع میدان تھے۔ بعض جگہوں سے باغات کو بھی نقصان ہوا تھا مگر یہ معمولی نوعیت کا تھا۔ وہ محفوظ رہے تھے۔ فصلوں کے درمیان ایک لکیر تھی جو شاہراہ کی نشاندہی کر رہی تھی۔ میں نے ریٹائٹ کی فوج کی طرف اشارہ کیا۔ ”ان کی طرف سے یہاں کوئی نہیں آیا؟“

”صبح سے دوبار ان کی طرف سے دستے آئے ہیں وہ مزید رسد چاہتے ہیں مگر ایزارٹ نے شاہ معظم کے نام پر انہیں واپس کر دیا اور ان سے کہا کہ ان کے پاس جو ہے اسی میں گزارا کریں۔“

”بہترین جواب دیا ہے۔“ میں نے خوش ہو کر کہا۔ ”ان میں مایوسی پھیلے گی۔ کسی فوج کے لیے اس سے زیادہ خوفناک صورت حال اور کوئی نہیں ہوتی ہے کہ عقب سے اسے رسد ملنا بند ہو جائے۔“

”دو تین بار انہیں یہی جواب ملے گا تو وہ سوچیں گے کہ کس کے لیے اپنی جان خطرے میں ڈال رہے

ہیں۔“

میں قلعے کے سامنے اور اس کے آس پاس کا جائزہ لے رہا تھا۔ دائیں طرف قلعے کے ساتھ ساتھ فصل والا حصہ تھا جواب جل کر خالی ہو چکا تھا اور کوئی ایک میل کے بعد باغات کا سلسلہ شروع ہو جاتا تھا۔ اسی جگہ کہیں وہ خفیہ راستہ نکلتا تھا جو براہ راست شاہی محل تک جاتا تھا اور کیرٹ نے مجھے اس کے بارے میں بتایا تھا۔ مگر اس نے راستے کی بالکل بھی نشاندہی نہیں کی تھی صرف اتنا کہا تھا کہ اسے اندر سے ہی کھولا جاسکتا تھا۔ اب اندر سے کھولنے کے لیے لازم تھا کہ پہلے شاہی محل جایا جاتا اور پھر وہاں سے اس راستے کے آخر میں آکر خفیہ دروازہ کھولا جاتا تب ہم شاہی محل میں داخل ہو سکتے تھے۔ میں سوچ رہا تھا کہ کیا ایسا ہی کرنا پڑے گا؟ مگر اس سے پہلے ضروری تھا کہ فسیل کا باہر سے معائنہ کیا جائے۔ میں نے ایرٹ کی طرف دیکھا۔ ”ابھی اندھیرا ہونے کے بعد ہم باہر جائیں گے۔ تم ربیک اور اپنے خاص ساتھیوں کو تیار کر لو۔ ہم سرمئی وردی میں ہوں گے۔“

ایرٹ فوری نیچے اتر گیا۔ مجھے اس کی یہ بات پسند تھی کہ وہ سوالات میں وقت ضائع نہیں کرتا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ جلد یا بدیر صورت حال سامنے آجائے گی۔ پہلے میں سوچ رہا تھا کہ ہم دروازے سے نکل کر جائیں گے مگر جب میں نے فسیل کا معائنہ کیا تو مجھے بہتر یہی لگا کہ ہم فسیل سے ہوتے ہوئے باغات تک پہنچیں اور وہاں رستی کی سیڑھی سے نیچے اتریں اس طرح ہمارا کسی کی نظروں میں آنے کا امکان کم رہے گا۔ ایرٹ واپس آیا تو میں نے اسے رستی کی سیڑھیوں کا بندوبست کرنے کو بھی کہا۔ وہ دوبارہ چلا گیا۔ اوپر سورج رفتہ رفتہ ڈھل رہا تھا۔ اسی لحاظ سے یہاں روشنی کم ہو رہی تھی۔ آج کا دن گرم رہا تھا اور شاید اسی کا نتیجہ تھا کہ اچانک ہی بارش شروع ہو گئی۔ پہلے ہلکی بوندیں گریں اور پھر تیزی کے ساتھ بڑی بوندیں گرنا شروع ہو گئیں۔ میں مینار سے اتر آیا ہمارے ساتھی بارش سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ بارش تاریکی چھانے تک جاری رہی۔ اس دوران میں، میں ایزارٹ کے پاس بیٹھا اس سے آنے والے ممکنہ حالات اور ان سے نمٹنے کی تدابیر پر غور کرتے رہے۔ میں نے ایزارٹ کو بھی ڈیوڈ شا اور اس کے ساتھیوں کے بارے میں بتایا۔ وہ فکرمند ہو گیا خاص طور سے باسو کے بارے میں سن کر۔ ”یہ عفریت ہے اس سے کیسے نمٹیں گے؟“

”یہ تو آنے والا وقت ہی بتائے گا۔“ میں نے گہری سانس لی۔ ”دیکھا جائے تو وہ خود مظلوم ہے کیونکہ اسے زبردستی ایسا بنایا گیا ہے اور وہ زیادہ دن زندہ نہیں رہے گا۔“

”مگر ہمارے لیے تو وہ موت بن جائے گا۔“ ایزارٹ سوچ میں پڑ گیا پھر اس نے کہا۔ ”تم آرگون سے باہر جا رہے ہو؟“

میں نے سر ہلایا۔ ”کیرٹ نے مجھے بتایا تھا کہ فسیل کے مشرقی حصے میں ایک خفیہ راستہ ہے جو براہ راست شاہی محل تک جاتا ہے مگر اسے اندر سے ہی کھولا جاسکتا ہے۔“

”اگر اسے اندر سے ہی کھولا جاسکتا ہے تو پھر باہر سے دیکھنے کا فائدہ؟“

”ہمیں معلوم ہونا چاہیے کہ راستہ کہاں کھلے گا۔“

”ہاں یہ معلوم ہونا ضروری ہے۔“ ایزارٹ قائل ہوا۔

”میں اسی لیے جا رہا ہوں۔“

”کیا میں ساتھ چلوں؟“

”نہیں تمہارا یہاں ہونا ضروری ہے جس طرح تم سب سنبھال رہے ہو اور اپنے آدمیوں کی رہنمائی کر رہے ہو اس طرح کوئی دوسرا نہیں کر سکتا ہے۔ کاش کہ تم ہی آریگو کی جگہ پہلے سربراہ ہو جاتے۔“

میں باہر آیا تو بارش رک گئی تھی اور فضا میں نباتات کی مخصوص مہک پھیلی ہوئی تھی۔ جو بارش کے بعد آتی ہے لیکن یہ خوشبو یہاں بہت واضح تھی۔ میں نے محسوس کیا تھا کہ شہروں میں اب بارش کے بعد یہ خوشبو نہیں آتی ہے۔ اسلام آباد جیسے ہرے بھرے شہر میں بھی اب خوشبو نہیں آتی۔ یہ گاؤں دیہات میں رہ گئی۔ جب میں حویلی جاتا اور بارش ہوتی تب یہ خوشبو آتی تھی۔ آلودگی نے فطری چیزوں کو ختم کرنا شروع کر دیا ہے۔ یہاں آنے والی خوشبو اس سے کہیں تیز تھی۔ شاید اس لیے کہ یہ خطہ دنیا کی آلودگیوں سے محفوظ تھا۔ ایرٹ، ربیک اور قلعوں سے آنے والے دوسرے نوجوان تیار تھے۔ ان میں شاٹ، ایمار اور مارٹ بھی تھے۔ رائٹون اب ایزارٹ کے ساتھ تھا۔ انہوں نے ہتھیار باندھ لیے تھے اور ایرٹ نے تین عدد رستی اور لکڑی سے بنی سیڑھیاں بھی لے لی تھیں۔ رات کی مناسبت سے مشعلیں بھی تھیں مگر فی الحال انہیں جلایا نہیں تھا۔

جیسے ہی تاریکی مکمل ہوئی ہم روانہ ہو گئے۔ عام طور سے فصیل پر تیز روشنی والی مشعلیں جلتی تھیں۔ جب تک ریٹائٹ کے سپاہی یہاں تھے مگر آج وہ نہیں تھے اور اب یہاں مشعلیں روشن نہیں تھیں۔ البتہ ایزارٹ کے آدمیوں نے اندر مشعلیں جلای تھیں۔ مرکزی شاہراہ کے ساتھ دوسری شاہراہوں کی مشعلیں بھی نہیں جلی تھیں کیونکہ آج کوئی جلائے نہیں آیا تھا۔ میں نے فصیل سے آگے شہر دیکھا جہاں اب تاریکی چھا چکی تھی اور یہ کسمپرسی میں لپٹا ہوا بے بس سا شہر نظر آیا۔ حادثات اور جنگیں کیسے آبادیوں کو بے رونق بنا دیتی ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ جہاں ریٹائٹ جیسے خود غرض حکمران ہوں وہاں ایسی ہی بے رونق ہوتی ہے۔ چاہے جنگ یا حادثہ بھی پیش نہ آئے۔ اچھے حکمران ویرانوں کو بھی گلزار بنا دیتے ہیں اور برے حکمران ہنستی بستی آبادیوں کو اجاڑ دیتے ہیں۔ شروع میں ہم محتاط رہے۔ ذرا جھک کر دیوار کی آڑ میں چلتے رہے۔ مگر تاریکی میں آتے ہی ہم تیز رفتاری سے سفر کرنے لگے تھے۔

ہلکی رفتار سے دوڑتے ہوئے ہم تقریباً پندرہ منٹ میں باغات تک پہنچ گئے۔ یہاں فصیل تک تھی اور اب اس پر ایک وقت میں ایک ہی آدمی چل سکتا تھا۔ ابھی ہم نیچے اترنے کا سوچ رہے تھے کہ بارش شروع ہو گئی۔ ہم نے مشعلیں نہیں جلائی تھیں کہ ان کی روشنی دور سے نظر آتی۔ ہم نے سیڑھیاں لٹکائیں اور نیچے اترنے لگے۔ باغات کے نزدیک تاریکی زیادہ اور مکمل تھی۔ یہاں روشنی کی ضرورت تھی مگر جب تک بارش برستی ہم مشعلیں نہیں جلا سکتے تھے اور روشنی کے بغیر ہم کچھ نہیں کر سکتے تھے اس لیے درختوں کے نیچے آ گئے۔ قطرے یہاں بھی گر رہے تھے مگر بارش کے مقابلے میں کم تھے۔ میں نے سب کو خبردار کر دیا تھا کہ غیر ضروری آواز نہیں نکالنی ہے اور نہ ہی کوئی حرکت کرنی ہے۔ بعض اوقات یہی معمولی سی بے احتیاطی آدمی کو مرادیتی ہیں۔ میرے ساتھی اس ہدایت پر مکمل عمل کر رہے تھے اور اس وقت ہم فصیل سے کوئی تیس گز دور تھے یہاں سے فصیل کسی قدر ختم کھا کر شمال کی طرف مڑ رہے تھے یعنی ہم آگے گون کے ایک کونے پر تھے۔

بارش ہلکی ہوئی تھی مگر ایک مسلسل رفتار سے جاری تھی۔ میں نے سوچا کہ وقت ضائع کرنے کے بجائے

اگر میں فصیل کے نزدیک جا کر دیکھوں تو شاید کوئی سراہا تھ آئے۔ اب تار کی مکمل بھی نہیں تھی نزدیک سے تھوڑا بہت نظر آ رہا تھا۔ میں نے ربیک سے کہا کہ وہ میرے ساتھ آئے اور ہم فصیل کی طرف بڑھے تھے۔ ہم اس جگہ تک آئے جہاں سے فصیل مڑ رہی تھی۔ یہاں فصیل کی اونچائی کوئی تیس فٹ تھی۔ نیچے کسی قدر خم تھا لیکن چھ سات فٹ کے بعد یہ بالکل سیدھی ہو گئی تھی۔ اوپر کہیں ایسے نگرے یا کوئی چیز نہیں تھی جس میں کمند پھنسا کی جا سکتی۔ اس کے باوجود وہاں سپاہی لازمی موجود ہوتے اگر آرگون کو حملے کا سامنا کرنا ہوتا۔ مگر آرگون کی سپاہ خود حملہ آور تھی۔ اوپر سیدھی دیوار تھی جو پہرے پر مامور سپاہیوں کی حفاظت کے لیے تھی۔ ہم نے بڑی مشکل سے سیڑھیاں لٹکائی تھیں۔

”کیا خیال ہے جناب آگے چل کر دیکھیں؟“ ربیک نے کہا۔

میں خود بھی یہی سوچ رہا تھا۔ میں اور ربیک دیوار کے ساتھ ساتھ چلنے لگے۔ جیسے ہی ہم دیوار سے گھوٹے مجھے لگا جیسے نزدیک کہیں ہلکی سی گڑگڑاہٹ ہوئی ہو اور زمین میں اس کا ارتعاش محسوس ہوا تھا۔ ایک لمحے کو مجھے لگا جیسے زلزلہ آ رہا ہو مگر فوراً ہی ذرا آگے روشنی کی جھلک آئی اور میں تیزی سے واپس آیا تھا۔ روشنی فصیل میں ایک دراڑ سے جھلک رہی تھی۔ ربیک نے بھی دیکھ لیا تھا اور اس کے ذہن میں بھی وہی خیال آیا جو میرے ذہن میں آیا تھا اس نے میرے کان میں کہا۔ ”خفیہ راستہ۔“

”پیچھے ہٹو۔“ میں نے سرگوشی میں کہا اور ہم دیوار سے لگے لگے پیچھے ہٹنے لگے۔ فصیل کے خم سے اس طرف آتے ہی ہم تیزی سے درختوں کی طرف آئے اور اپنے ساتھیوں کو ہوشیار کر کے میں ربیک کے ساتھ درختوں میں ہوتا ہوا فصیل کے اس حصے کی طرف جانے لگا جہاں سوراخ موجود تھا۔ درخت یہاں فصیل سے فاصلے پر تھے۔ ہم اس جگہ کے سامنے پہنچے تو وہاں اب نصف درجن مسلح سپاہی نظر آرہے تھے اور انہوں نے سرمئی وردی پہن رکھی تھی۔ فصیل میں تقریباً ڈھائی فٹ چوڑا اور پانچ فٹ اونچا خلا تھا۔ اندر سے مسلح سپاہی مسلسل برآمد ہو رہے تھے اور جب تقریباً ایک درجن افراد باہر آئے تو آخری فرد نے خلا میں جھک کر کچھ کہا اور فوراً ہی خلا بند ہونے لگا۔ دروازہ بند ہونے سے گڑگڑاہٹ کی ہلکی آواز پیدا ہو رہی تھی۔ شاید پتھر کا یہ بھاری دروازہ کسی میکینزم پر تھا۔ چند لمحے کے اندر وہاں سوائے دیوار کے اور کچھ نہیں تھا۔ ابھی تو کچھ نظر نہیں آ رہا تھا مگر مجھے یقین تھا کہ دن میں نزدیک سے دیکھنے پر بھی کسی کو شبہ نہیں ہوگا کہ یہاں کوئی دروازہ ہے۔ یہ تھا وہ خفیہ دروازہ جس کے بارے میں کیرٹ نے مجھے بتایا تھا مگر اس کا جائے وقوع نہیں بتایا تھا۔ میں نے سرگوشی میں ربیک سے کہا۔

”ایسا لگ رہا ہے کہ ریٹائٹ کو فصیل اور دروازے پر ہمارے قبضے کا پتا چل گیا ہے اور اس نے شاید فوج کو پیغام دینے کے لیے ان لوگوں کو اس خفیہ راستے سے بھیجا ہے۔“

ربیک مضطرب ہو گیا۔ ”اس صورت میں ہمیں ان لوگوں کو جانے نہیں دینا چاہیے۔“

یہی خیال میرا بھی تھا۔ ”میں متفق ہوں لیکن ان سب کو مارنا مناسب نہیں ہوگا۔ کچھ افراد کا زندہ پکڑنا

لازمی ہے۔“

آنے والے اب چلنا شروع ہو گئے تھے اور وقت بالکل نہیں تھا۔ میں اور ربیک ہر ممکن تیزی سے واپس آئے۔ بارش کا ہلکا سا شور ایسا تھا کہ اس میں چھوٹی موٹی آہٹیں پاس سے بھی نہ سنائی دیتیں۔ ربیک نے آتے

ہی سب کو ہوشیار کر دیا۔ میں نے تین تین افراد پر مشتمل دستے بنائے۔ ان کے لیے سمتوں کا تعین کیا اور ان سے کہا۔ ”تم ان کو چاروں طرف سے گھیرو گے۔ جیسے ہی اشارہ ملے تم حملہ کرو گے مگر جسم کے نچلے حصوں کو نشانہ بنانا۔ ہمیں کچھ افراد کو زندہ پکڑنا ہے۔ مگر یاد رکھنا کوئی فرار نہ ہونے پائے اس صورت میں تم مارنے کے لیے وار کرو گے۔“

سب نے سر ہلایا اور طے شدہ سمتوں میں غائب ہونے لگے۔ فسیل سے باہر آنے والوں کو اس طرف سے ہو کر جانا تھا۔ وہ کچھ ہی دیر بعد نمودار ہوئے۔ رازداری کے لیے انہوں نے بھی مشعلیں نہیں جلائی تھیں اور تاریکی میں سفر کر رہے تھے اس لیے ان کی رفتار کم تھی۔ میرے ساتھ رائٹون اور ایرٹ تھے۔ ہم ریٹائٹ کے آدمیوں کے دائیں طرف تھے۔ حملے کا آغاز ایرٹ کی طرف سے پرندے کی آواز نکالنے پر کیا جاتا۔ یہاں باغ ذرا گھٹا تھا اور درختوں کے درمیان جگہیں کم تھیں۔ میں کسی ایسی جگہ ان پر حملہ چاہتا تھا جہاں جگہ زیادہ ہو اور وہاں ان کے فرار کا امکان کم رہے۔ میرے ساتھی پوزیشن لے چکے تھے اور ہم نے ان کو چاروں طرف سے گھیر لیا تھا۔ مگر وہ بے خبر تھے۔ وہ اپنی بھاری ڈھالیں سامنے کیے چل رہے تھے مگر ان کی پشت اور پہلو غیر محفوظ تھے۔ انہوں نے لکڑی کی جو ذرہ پہنی ہوئی تھی وہ تیر روکنے میں ناکام رہی تھی اس کا میں نے مشاہدہ کر لیا تھا۔

بالآخر وہ ایسی جگہ پہنچے جہاں تقریباً بیس گز کے دائرے میں کوئی درخت نہیں تھا اور میرے اشارے پر ایرٹ نے پرندے کی آواز نکالی۔ تیر کمائوں پر ہم پہلے ہی چڑھا چکے تھے۔ بیک وقت درجن تیز سنسناتے ہوئے چار سمتوں سے آئے اور کم سے کم نصف دستہ نشانہ بنا۔ نچلے جسم کا نشانہ لینے میں یہ احتیاط بھی تھی کہ کوئی تیر خطا ہو کر دوسری طرف موجود اپنے ہی کسی ساتھی کو نہ جا لگے اور نیچے تیر لگنے کی صورت میں زندہ بچنے کا امکان زیادہ ہو جاتا۔ زخمیوں کی چیخیں بہت بلند تھیں مگر وہ ریٹائٹ کی فوج کے پڑاؤ تک بہر حال نہیں جاسکتی تھیں۔ وہ یہاں سے بہت فاصلے پر تھا۔ تربیت یافتہ سپاہیوں نے پہلے حملے کے بعد ڈھالیں آگے کر کے دائرہ بنالیا اور اس میں ان کے زخمی ساتھی بھی آگئے تھے۔ انہوں نے بھاگنے کی کوشش نہیں کی اور یہ اچھی بات تھی۔ ایرٹ نے میرے اشارے پر بلند آواز سے کہا۔

”تم چاروں طرف سے گھر چکے ہو۔ بھاگنے کا کوئی راستہ نہیں ہے۔ ہتھیار پھینک دو۔ ہم تمہیں مارنا نہیں چاہتے ورنہ پیروں کا نشانہ نہ لیتے۔“

”ہم ہتھیار نہیں ڈالیں گے۔“ ان میں سے کوئی چلایا۔ اس دوران میں ہم دوبارہ کمائوں پر تیر چڑھا چکے تھے۔ انکار سنتے ہی سب نے پھر تیر چلائے اور اس بار بھی نیچے کا نشانہ لیا۔ دو چیخیں اور گونجیں۔ مسلسل مشق سے میرا نشانہ بھی خاصا بہتر ہو گیا تھا اور مجھے لگا کہ تیر نشانے پر لگا ہے۔ ایرٹ نے پھر کہا۔

”آخری بار کہا جا رہا ہے ہتھیار ڈال دو ورنہ سب مارے جاؤ گے۔ کیوں ریٹائٹ جیسے خود غرض آدمی کے لیے جان دیتے ہو۔“

دوسرے حملے اور مزید دو افراد کے زخمی ہونے سے ان کے حوصلے پست ہو گئے تھے اور انہوں نے ہتھیار ڈال دینا ہی مناسب سمجھا۔ پہلے انہوں نے اپنے ہتھیار پھینکے۔ ایرٹ نے لٹکار کر کہا کہ وہ ڈھالیں بھی پھینک دیں۔ وہ ڈھالیں پھینکتے ہوئے ڈر رہے تھے کہ ہم تیروں سے نشانہ بنائیں گے۔ مگر اس کے سوا کوئی چارہ بھی نہیں

تھا اس لیے انہوں نے بادل نا خواستہ ڈھالیں بھی پھینک دیں۔ سات زخمی پہلے ہی لیٹے ہوئے تھے باقی پانچ جو ٹھیک تھے وہ بھی اوندھے منہ زمین پر لیٹ گئے۔ زخمیوں کو ٹانگوں میں تیر لگے تھے۔ البتہ ایک کو کولہے میں لگا تھا۔ میرے ساتھی ان کی تلاشی لینے لگے اور ان کے تمام ہتھیار قبضے میں کر لیے۔ ربیک نے پوچھا۔ ”تمہارا سر براہ کون ہے؟“

”میں ہوں۔“ ایک صحیح سلامت نوجوان بولا۔

”کھڑے ہو جاؤ۔“ ربیک نے حکم دیا تو وہ کھڑا ہو گیا۔ تلاشی کے بعد اس کے پاس سے ایک چھڑی نکلی تھی۔ یہ یقیناً ریٹائٹ کے حکم کے ساتھ تھی اسے دیکھ کر فوج یقین کر لیتی کہ حکم ریٹائٹ کی طرف سے آیا ہے۔ چھڑی میں نے اپنے قبضے میں کر لی اور ربیک کے توسط سے پوچھا۔ ”تم کیا حکم لے کر جا رہے تھے؟“ وہ کچھ دیر خاموش رہا پھر اس نے کہا۔ ”شاہ معظم نے فوج کے لیے واپسی کا حکم روانہ کیا ہے۔ لیکن تم نے ہمیں روک لیا اور روک کر اچھا نہیں کیا۔“

میں چونکا۔ ”کیوں؟“

”کیونکہ فوج کسی وقت بھی سامیرا کے قلعوں پر حملہ کرنے والی ہے۔“ اس نے جواب دیا تو میرے جسم میں سنسنی سی پھیل گئی۔

حملہ کا سن کر میرے جسم میں لمحاتی سنسنی پھیلی تھی مگر یہ ایسی خبر نہیں تھی جو غیر متوقع ہو۔ ریٹائٹ کی فوج اگرچہ محاصرے کے لیے گئی تھی مگر بالآخر وہ وہاں حملہ ہی کرتی۔ اصل بات یہ تھی کہ ریٹائٹ نے فوج کو واپسی کا حکم دیا تھا اور ظاہر ہے یہ حکم ہماری وجہ سے دیا گیا تھا۔ ریٹائٹ اور اس کے ساتھی جان گئے تھے کہ باغی نہ صرف آزاد ہو گئے تھے بلکہ انہوں نے قلعے کی تفصیل اور دروازے پر بھی قبضہ کر لیا تھا۔ باغی کم تعداد میں تھے اور اب بھی ریٹائٹ کے خصوصی سپاہیوں کی تعداد ان سے زیادہ تھی مگر مسلسل ناکامیوں اور خاص سپاہ کے مارے جانے والے سپاہیوں کی بڑھتی تعداد نے اس کے حوصلے پست کر دیئے تھے اور اس نے اسی میں عافیت سمجھی تھی کہ اپنی فوج کو واپس بلا کر پہلے شہر میں موجود باغیوں کا خاتمہ کرے اور آگے اپنی گرفت مضبوط کرے اس کے بعد سامیرا کے خلاف کارروائی کرے۔ کسی وقت بھی شروع ہونے والے حملے کی تشویش ناک خبر کے باوجود مجھے خوشی ہوئی تھی کہ ریٹائٹ دفاع پر اتر آیا تھا۔ جب حملہ آور دفاع پر آجائے تو سمجھ لیں کہ اس کا حوصلہ جواب دے گیا ہے۔ میں نے کمانڈر سے پوچھا۔

”تمہیں کیسے علم ہوا کہ سپاہ منقریب سامیرا کے قلعوں پر حملہ کرنے والی ہے؟“

اس نے نفی میں سر ہلایا۔ ”میں نہیں جانتا، لیکن مجھے بتایا یہی گیا ہے کہ فوج جلد حملہ کرنے والی ہے اور اس سے پہلے اسے روک کر واپسی کا حکم دینا ہے۔“

”فرض کرو کہ تم فوج تک پہنچ جاتے اور پیغام پہنچا دیتے اس کے بعد تم کیا کرتے؟“

”میں واپس آتا۔“

”اسی جگہ؟“

”ہاں۔“

”اور اسی خفیہ راستے سے قلعے میں جاتے؟“

اس نے سر ہلایا۔ ”ظاہر ہے۔“

”لیکن خفیہ راستہ تو اندر سے بند ہے تم اسے کیسے کھولتے؟“

میرے ابتدائی سوالات کا مقصد یہی تھا اگر میں براہ راست پوچھ لیتا تو شاید وہ اس طرف آنے کا اقرار ہی نہ کرتا۔ مگر اب وہ اقرار کر چکا تھا اور ظاہر ہے جب اسے اسی راستے سے واپس جانا تھا تو کوئی نہ کوئی طریقہ تو ہوتا خفیہ دروازہ کھولنے کا۔ وہ چپ رہا تھا تو ریک نے سنگی خنجر کی نوک اس کی گردن سے لگا۔ ”جواب دو۔“

وہ کانپ اٹھا تھا۔ ”یہ شاہی راز ہے اگر میں نے فاش کیا تو.....“

”فی الحال ریٹائٹ کو بھول جاؤ۔“ ریک نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔ ”تمہاری زندگی و موت کا انحصار ہم

پر ہے۔ اس لیے زندہ رہنا چاہتے ہو تو جواب دو۔“

وہ زندہ رہنا چاہتا تھا اس لیے بادل نا خواستہ اس نے کہا۔ ”خفیہ دروازہ صرف اندر سے کھل سکتا ہے۔ باہر سے اسے کھلوانے کے لیے قلعے کی دیوار کے رکھے ایک پتھر کو ہٹا کر آواز دی جاتی ہے جسے سن کر اندر موجود محافظ دروازہ کھول دیتے ہیں۔“

کیونکہ مجھے ایسا کوئی پتھر دکھائی نہیں دیا تھا اس لیے میں اور ریک اسے قلعے کی فصیل تک لائے اور اس نے وہاں جڑ میں لگے ایک پتھر کی نشاندہی کی۔ ”یہ نکل جاتا ہے۔“

میں نے نٹول کر پتھر کا جائزہ لیا اور پھر اس کے تین طرف موجود خلا میں انگلیاں پھنسا کر اسے کھینچا تو وہ فصیل سے نکل آیا۔ بظاہر وہ فصیل کا ہی حصہ تھا۔ پتھر کے عقب میں خلا تھا اور میں نے اس میں تیر ڈال کر دیکھا۔ یہ تقریباً ایک فٹ قطر کی سرنگ تھی جو آگے جا کر مڑ رہی تھی۔ احتیاطاً میں نے کوئی آواز نہیں نکالی اور پتھر کو بھی ہٹا آواز کے واپس اسی جگہ لگا دیا۔ کمانڈر کی یہ بات درست ثابت ہوئی تھی اس لیے اس کے جواب پر بھروسہ کیا جا سکتا تھا۔ مجھے شاہی علاقے تک جانے والا قلعے کا خفیہ راستہ مل گیا تھا اور اسے کھلوانے کی سبیل بھی نظر آ گئی تھی۔ مگر یہ بعد کا مرحلہ تھا ابھی تو ہمیں قلعوں پر ہونے والا حملہ رکوانا تھا۔ میرے ذہن میں ایک آئیڈیا آیا تھا مگر میں پہلے ایزارٹ سے مشورہ کرنا چاہتا تھا۔ اس آدمی نے اپنی ذہانت سے مختصر وقت میں مجھے متاثر کیا تھا اور مجھے حیرت تھی کہ اس کے ہوتے ہوئے آریگو جیسا گدھا سربراہ کیسے بن گیا تھا۔ واپس آ کر میں نے سپاہیوں کو قلعے کی طرف روانگی کا حکم دیا۔ ایرٹ نے زخمی سپاہیوں کے بارے میں پوچھا۔

”ان کا کیا ہوگا جناب؟“

”ان کے جو ساتھی ٹھیک ہیں وہ دوسروں کو سہارا دیں۔“

زخمی ہونے والے سپاہیوں نے اپنی زخموں سے تیر خود ہی نکال لیے تھے اور اپنے کرتوں سے کپڑا پھاڑ کر پٹی بھی کر لی تھی۔ البتہ جس کے کوہے میں تیر لگا تھا اس کی مدد دوسروں نے کی تھی۔ آٹھ زخموں میں سے دو اس قابل تھے کہ از خود چل سکتے تھے باقیوں کو ان کے ساتھی سہارا دیئے ہوئے تھے۔ ہم نے انہیں چاروں طرف سے گھیر لیا اور میرے ساتھیوں کے تیر کمانوں پر تھے۔ انہیں خبردار کر دیا کہ ان کی طرف سے ذرا سی غلط حرکت ان کی فوری موت کا سبب بن جائے گی۔ کیونکہ اس لاؤ لشکر کے ساتھ فصیل سے واپسی ممکن نہیں تھی اس لیے ہم دیوار

کے ساتھ ساتھ دروازے کی طرف بڑھنے لگے۔ البتہ روانگی سے پہلے میں نے ایک ساتھی کو اوپر بھیج دیا کہ وہ سیڑھیاں سمیٹ لے اور تیزی سے واپس پہنچ کر ہمارے لیے پہلے سے چھوٹا دروازہ کھلوادے۔ اس دوران میں بارش رک گئی تھی۔ زخمی قیدیوں کی وجہ سے ہماری رفتار خاصی سست تھی اور بعض اوقات ان لوگوں کو ہمیز دینا پڑتی تھی کہ وہ تیز چلیں۔ آگے جانے والا سپاہی نہ صرف ہم سے پہلے پہنچ گیا بلکہ اس نے ایزارٹ کو سب بتا بھی دیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ نہ صرف چھوٹا دروازہ کھلا ہوا تھا بلکہ ایزارٹ باہر ہی موجود تھا۔ ہمیں دیکھتے ہی وہ تیزی سے آگے آیا۔

”کیا واقعی قلعوں پر حملہ ہونے والا ہے؟“

”اطلاع تو یہی ہے۔“ میں نے کہا اور اسے ریٹائٹ کی خاص چھڑی دکھائی۔ ”کسی عام سے کام کے لیے

اس شاہی نشانی کو استعمال نہیں کیا جاسکتا ہے؟“

”تم نے درست کہا۔“ وہ مضطرب لہجے میں بولا۔ ”ہمیں اس حملے کو روکنا ہوگا۔“

”میرا بھی یہی خیال ہے۔“ میں نے کہا۔ ”پہلے ان لوگوں کو بھی قید خانے میں ڈلوادو۔“

ایزارٹ نے آواز دے کر اپنے ایک نائب کو طلب کیا اور اسے آنے والے قیدیوں کے بارے میں ہدایت دینے لگا۔ ہم اندر آئے زخمی اور ٹھیک سپاہیوں کو قید خانے میں ڈلوادیا۔ ہمارے پاس قیدیوں کی تعداد بڑھ رہی تھی۔ اگرچہ ان کی وجہ سے ہماری کچھ افرادی قوت پہرے پر لگ گئی تھی اور ہمیں ایک ایک آدمی کی ضرورت تھی۔ مگر مجبوری تھی ان کو بلا وجہ قتل بھی نہیں کیا جاسکتا تھا۔ میں، ایزارٹ، ایرٹ اور ربریک میٹنگ روم میں آئے۔ یہ کمراب اسی کام کے لیے مخصوص تھا۔ میں نے ایزارٹ کے سامنے اپنا منصوبہ پیش کیا تو وہ کچھ مضطرب ہو گیا۔ ”آپ..... نہیں یہ بہت بڑا خطرہ ہوگا۔“

”تب کون جائے گا۔ یہ کام بہت ہوشیاری سے کرنا ہے۔“

ایزارٹ نے سوچا اور پھر بولا۔ ”میں خود جاؤں گا۔“

”خطرہ تو تمہارے لیے بھی ہے۔“

”نہیں تمہارے لیے بہت زیادہ ہے۔“ ایزارٹ نے کہا۔ ”تم ہماری زبان نہیں بول سکتے اور تمہارے

ساتھی اس طرح نہیں بول سکتے جیسا کی آرگون والے بولتے ہیں اس لیے تم لوگ فوراً پہچان لیے جاؤ گے۔ میں یہیں کا آدمی ہوں اور یہاں کی زبان یہیں کے لہجے میں بول سکتا ہوں۔ دوسرے مجھے یہاں سے جانے والے عام سپاہی دیکھ چکے ہیں کہ میں ریٹائٹ کا کمانڈر ہوں اس لیے میں جاؤں گا اور اگر کسی کو شک ہو تو وہ میرے حق میں گواہی دیں گے۔“

ایزارٹ نے بہت مدلل انداز میں وضاحت کی۔ میں نے سوچ کر کہا۔ ”مگر سامیرا کے قلعوں میں موجود

غداروں نے یہاں موجود حریت پسندوں کے بارے میں بتایا ہوگا اور ان میں تمہارا نام بھی شامل ہوگا۔“

اس نے نفی میں سر ہلایا۔ ”اب سے پہلے میں ایک عام سافر تھا یہ تو تم ہو جس نے مجھے اتنی حیثیت دی

اور مجھے حریت پسندوں کا سربراہ بنا دیا ورنہ میرے بارے میں تو بڑوں میں سے کوئی نہیں جانتا۔“

میں اجازت دیتے ہوئے ہچکچا رہا تھا کیونکہ میرے نزدیک ایزارٹ اب ایک قیمتی فرد بن گیا تھا اور ایسے

آدمی کو خطرات میں جھونکنا مناسب نہیں تھا۔ دوسری طرف یہ بھی حقیقت تھی کہ لیڈر ہمیشہ فرنٹ پر ہوتے ہیں اور تب ہی وہ لیڈر بنتے ہیں۔ اللہ جس سے کام لینا چاہتا ہے اس کی حفاظت بھی کرتا ہے۔ میں نے سر ہلایا۔ ”ٹھیک ہے تم جاؤ مگر کوشش کرنا کہ یہ کام کر کے جلد از جلد واپس آ جاؤ۔ ہمارے پاس وقت کم رہ گیا ہے اور ہمیں اس سنہری موقع سے فائدہ اٹھانا چاہیے۔“

میرا اشارہ خفیہ راستے کی طرف تھا۔ ایزارٹ نے سر ہلایا۔ ”میں سمجھ رہا ہوں۔“
 ”میں بھی ایزارٹ کے ساتھ جاؤں گا۔“ ایرٹ نے کہا۔
 ”نہیں تم یہیں روکو گے۔“ میں نے انکار کیا۔ ”اس کے ساتھ میں جاؤں گا۔“
 ”آپ۔“ ریک مضطرب ہو گیا۔ ”آپ کو دشمن پہچان سکتا ہے۔“
 ”وہ کیسے؟“

”آپ بھول رہے ہیں آپ یہاں ریٹائرمنٹ کی قید میں رہ چکے ہیں اور فوج میں کوئی ایسا سپاہی نکل آیا جو آپ کا صورت آشنا ہوتا تو آپ بہت بڑے خطرے میں پڑ جائیں گے۔“
 ایرٹ ٹھیک کہہ رہا تھا میں نے اس پر غور کیا نہیں تھا۔ اس کے باوجود میں چاہتا تھا کہ پڑاؤ تک جاؤں اور وہاں کا احوال دیکھوں۔ ضروری نہیں تھا کہ میں فوج میں جاتا میں دور سے بھی دیکھ سکتا تھا۔ میں نے یہ بات کہی تو ایزارٹ راضی نظر آنے لگا۔ ”ہاں یہ ہو سکتا ہے تم پاس رہو گے تو مجھے بھی حوصلہ رہے گا۔“
 بس تو روانگی کی تیاری کرو۔“ میں نے خوش ہو کر کہا۔ ایزارٹ نے دو درجن سپاہیوں کا ایک دستہ تیار کیا۔ اس نے تمام افراد کی وردیوں پر ضروری نشانات لگوائے۔ میں اور ایرٹ پیچھے ہوتے۔ طے پایا کہ ہم راستے میں الگ ہو کر باغات میں چلے جائیں گے اور وہاں سے فوج کا جائزہ لیں گے۔ جب سب تیار ہوئے تو قلعے کا چھوٹا دروازہ کھول دیا گیا اور ہم باہر آئے۔ دو قطاروں میں آگے بڑھنے لگے۔



بارش کی وجہ سے راستہ کچھ زردہ اور خراب ہو رہا تھا اس لیے ترتیب رکھنا ممکن نہیں تھا تمام سب پانی اور کچھ سے بچ کر چل رہے تھے۔ کھیت جل کر راکھ ہو چکے تھے اور ظاہر ہے ان میں لگی فصل جو تقریباً پک چکی تھی وہ بھی جل گئی اور آنے والے سرما میں اس بحران سے بچنے والے افراد کو خوراک کے بحران کا سامنا کرنا پڑتا۔ مگر یہ بعد کی بات تھی ابھی تو اس بحران سے نمٹنا تھا جو جاری تھا۔ جب ہم باغات کے نزدیک پہنچے تو میں اور ایرٹ باقیوں سے الگ ہو گئے اور درختوں میں داخل ہو کر آگے بڑھنے لگے۔ ایرٹ نے کہا۔

”کیا خیال ہے اس چٹان تک نہ چلیں جہاں سے سارا منظر صاف نظر آتا ہے؟“

میں نے انکار کیا۔ ”نہیں وہ بہت دور ہے اور ہمیں جلد از جلد واپس جانا ہے۔“

ایک گھنٹے میں ایزارٹ اور اس کا دستہ فوج کے پڑاؤ میں داخل ہو گیا تھا اور اس وقت ہم اس سے کوئی پون میل کے فاصلے پر تھے۔ یہاں سے فوج اور اس سے ذرا دور قلعوں کا منظر دکھائی دے رہا تھا۔ ساری دنیا میں رواج ہے کہ پھلدار درختوں کا قد کم رکھا جاتا ہے تاکہ پھل اتارنے میں دشواری نہ ہو۔ اس کے لیے درختوں کی اوپر سے چھٹائی کی جاتی ہے اور نیچے سے ان کو پھیلنے دیا جاتا ہے۔ یہی طریقہ یہاں بھی رائج تھا۔ اس لیے درختوں کی شاخیں زمین تک پھیلی تھیں مگر ان کی بلندی نو دس فٹ سے زیادہ نہیں تھی۔ اگر یہ ذرا بلند درخت ہوتے تو ان پر چڑھ کر فوج اور قلعوں کو بہتر طور پر دیکھا جاسکتا تھا۔ ایزارٹ کو گئے ہوئے نصف گھنٹا ہونے کو آیا تھا اور ابھی تک اس کی واپسی کے آثار نظر نہیں آئے تھے۔ روانہ ہونے سے پہلے میں نے اور ایرٹ نے عام سپاہ والی سرخ وردی پہن لی تھی تاکہ ہم تاریکی میں نمایاں نہ ہوں۔ سفید مائل سرمئی وردی میں دور سے نظر آتے۔ کچھ دیر اور گزری تو میں فکر مند ہو گیا۔

”ایزارٹ کو اب تک آ جانا چاہیے۔“

ایرٹ بھی پریشان تھا اس نے کہا۔ ”اس کے پاس شاہی مہر ہے اور فوج کے سالار کی جرات بھی نہیں ہو گی کہ اسے اس کی مرضی کے خلاف روک سکے۔“

”تب کوئی گڑبڑ ہے۔“ میں نے کہا۔ ”کچھ اور انتظار کرتے ہیں اس کے بعد ہم پڑاؤ کی طرف چلیں

گئے۔“

”ہم وہاں جا کر کیا کر لیں گے؟“

”یہ تو وہاں پہنچ کر ہی علم ہوگا۔“ میں نے کہا۔ ”ہم حالات دیکھیں گے۔ اگر ایزارٹ اور اس کے ساتھی کسی مشکل میں ہوئے تو ہم دیکھ بھال کر ان کی مدد کریں گے۔“

ایرٹ نے سر ہلایا۔ ”اگر وہ پکڑا جا چکا ہے تو ہم شاید ہی اس کی کوئی مدد کر سکیں۔“

میں اندازہ کر رہا تھا اور جب میرے حساب سے ایزارٹ اور اس کے ساتھیوں کو گئے ہوئے پون گھنٹہ ہونے کو آیا تو میں نے ایرٹ سے کہا۔ ”چلو مگر ہم پڑاؤ میں ایسے جائیں گے جیسے اسی کا ایک حصہ ہوں۔ کوشش کرنا کہ نمایاں نہ ہو۔“

”میں سمجھ گیا جناب۔“

”کسی ایک کے پھنسنے کی صورت میں دوسرا الگ رہے اور پڑاؤ سے نکلنے کی کوشش کرے گا۔“ میں نے آگے کی حکمت عملی واضح کی اور پڑاؤ کی طرف بڑھا۔ ”بہتر ہوگا کہ پڑاؤ میں داخل ہونے کے بعد ہم ایک دوسرے سے الگ ہو جائیں مگر نظروں میں رہیں۔ آگے بھی ہمیں ایک دوسرے کو نظروں میں رکھنا ہوگا۔“

ہم باری باری ایک دوسرے سے ذرا فاصلہ رکھ کر پڑاؤ میں داخل ہوئے۔ یہاں تیز روشنی تھی اور خیموں کے درمیان جگہ جگہ لکڑی کے کھمبے نصب کر کے ان پر مشعلیں لگائی گئی تھیں۔ پڑاؤ میں ضرورت سے زیادہ روشنی تھی۔ ایسا لگ رہا تھا کہ آرگون کی فوج خوفزدہ تھی اور چھاپہ مار کارروائی کے خوف سے اس نے اتنی زیادہ روشنی کا اہتمام کیا ہوا تھا۔ زیادہ تر سپاہی خیموں میں آرام کر رہے تھے اور اس وقت وہی باہر تھے جن کی ڈیوٹی تھی اور ان کی بھی ڈیوٹی پڑاؤ کے بیرونی حصوں پر تھی۔ اندر بہت کم سپاہی نظر آرہے تھے۔ میں اور ایرٹ ایک دوسرے پر نظر رکھتے ہوئے پڑاؤ میں گھوم رہے تھے اور ہمیں ایزارٹ اور اس کے ساتھیوں کی تلاش تھی۔ ان کی تعداد دو درجن سے زیادہ تھی اور وردیاں سر می تھیں اس لیے ہمیں تلاش میں زیادہ مشکل پیش نہیں آئی۔

ایک چھوٹے سے میدان میں ایزارٹ کے آدمی دائرے میں زمین پر بیٹھے تھے اور ان کے چاروں طرف مسلح تیر انداز یوں کھڑے تھے کہ ان کے کمانوں پر چڑھے تیروں کا رخ ہمارے ساتھیوں کی طرف تھا۔ یہ زیادہ ہی تشویش ناک منظر تھا۔ صاف ظاہر تھا کہ ایزارٹ کا راز فاش ہو گیا تھا اور وہ سب پکڑے گئے تھے۔ میں نے نزدیک جاتے ہوئے جائزہ لیا مگر مجھے ان میں ایزارٹ نظر نہیں آیا۔ ایرٹ نے بھی یہ منظر دیکھ لیا تھا اور اس نے غیر محسوس انداز میں مجھے اشارہ کیا۔ میں نے جوابی اشارے سے بتایا کہ میں بھی دیکھ چکا ہوں اور اسے ذرا پیچھے آنے کو کہا۔ ایرٹ واپس ہوا اور ہم ایک ایسے خیمے کی آڑ میں آگئے جس میں اندر کوئی نہیں تھا۔ ایرٹ نے آتے ہی کہا۔ ”وہ پکڑے گئے ہیں اب ہم کیا کریں؟“

”سرخ سپاہیوں نے جس طرح انہیں گھیر رکھا ہے ان کو چھڑانا ممکن نہیں ہے۔ ہمیں ایزارٹ کو تلاش کرنا ہوگا اگر اسے کسی الگ جگہ رکھا گیا ہے تو ہم شاید اسے چھڑا سکیں۔“

جہاں ہمارے ساتھی قیدی بن کر بیٹھے تھے اس سے ذرا آگے فوج کے افسران اور کمانڈرز کے خیمے تھے۔ اس کا اندازہ خیموں کی وسعت اور آرائش سے ہو رہا تھا۔ میرا اندازہ تھا کہ اگر ایزارٹ کو الگ رکھا گیا تھا تو امکان یہی تھا کہ وہ ان خیموں کے آس پاس کہیں ہوگا۔ میں اور ایرٹ چکر لگا کر میدان سے بچتے ہوئے ان خیموں تک پہنچے یہاں خیموں کے باہر پہرہ بھی تھا۔ ایرٹ سامنے کی طرف سے خیموں کی قطار میں داخل ہوا اور میں عقبی سمت

آیا۔ جیسے ہی میں ایک بڑے خیمے کے پاس پہنچا مجھے اندر سے ایزارٹ کی بلند آواز سنائی دے۔ ”تم لوگ شاہ معظم کے غضب کو آواز دے رہے ہو۔ شاہی نشانی کے باوجود میرے ساتھ یہ سلوک شاہ معظم کے توہین کے مترادف ہے۔“

”ہم ایسا سوچ بھی نہیں سکتے ہیں۔“ دوسری آواز آئی۔ میں اس وقت خیمے کے عقبی حصے میں تھا اور یہ کوئی پہریدار نہیں تھا مگر عقب میں جلتی مشعلوں کی وجہ سے میرا سایہ خیمے پر آ رہا تھا اس لیے میں رکنے کے بجائے آگے بڑھا اور آس پاس دیکھا۔ اتفاق سے یہ جگہ تمام ہی خیموں کا عقبی حصہ تھی اس لیے یہاں پہریدار نہیں تھے۔ مگر میں مطمئن نہیں تھا۔ میں نے ایرٹ کو بھی اسی جگہ بلایا اور اسے پہریداری پر لگا کر خود زمین پر لیٹ کر اس خیمے تک آیا اور بس اتنا نزدیک ہوا کہ اس کی چادر پر میرا سایہ نہ آئے۔ میرا کام اس سے بھی چل رہا تھا کیونکہ اندر کی آوازیں مجھے صاف سنائی دے رہی تھیں۔ ایزارٹ کی باتوں سے ایسا لگ رہا تھا کہ اس پر شک ہوا ہے اور اسے روک لیا گیا ہے۔ مگر شک کی وجہ سامنے نہیں آئی تھی۔ جب میں دوبارہ آیا تو کوئی تیسرا فرد کہہ رہا تھا۔

”میں یقین سے کہتا ہوں کہ یہ باغیوں میں شامل تھا۔“

”یہ غلط ہے اور اگر تمہیں شک ہے تو بے شک میرے ساتھ چلو۔ شاہ معظم کے سامنے اپنا شک رکھنا۔ وہ خود تمہیں بتائیں گے کہ میں ان کا کتنا بڑا وفادار ہوں۔ قلعے کی فصیل اور دروازے کا انتظام مجھے ایسے نہیں سونپا گیا ہے۔“ ایزارٹ نے جواب دیا مگر میرا ذہن اس تیسرے فرد کی آواز میں الجھا ہوا تھا۔ جب وہ بولا تو ایسا لگا کہ وہ آواز بدل کر بول رہا ہے۔ اس کی باوجود مجھے اس کی آواز جانی پہچانی لگی تھی۔ ایزارٹ نے اب پہلے شخص سے کہا۔ ”تم اس شخص کے کہنے پر مجھے روک رہے ہو جس میں اتنی جرأت نہیں ہے کہ اپنا چہرہ دکھا سکے۔“

”مجبوری ہے باغیوں کے خلاف یہ ہمارا سب سے اہم مہرہ ہے اور درحقیقت ہم بھی اسے صورت سے نہیں پہچانتے۔“ دوسرا فرد بولا وہ شاید آرگون کی فوج کا سالار یا اس کا کوئی نائب تھا۔ اس سے نیچے لیول کا آدمی ایزارٹ کو گرفتار کر کے تفتیش کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا تھا۔ ”شاہ معظم کی طرف سے اس کے بارے میں خصوصی ہدایات ہیں۔“

”تمہارے اپنے آدمی میرے بارے میں بتا چکے ہیں جن سے میں نے فصیل اور دروازے کی ذمہ داری لی تھی۔“ ایزارٹ نے کہا اور تیسرے شخص سے بولا۔ ”سنو اگر میں باغیوں میں ہوتا تو لازمی کسی بڑی حیثیت کا مالک ہوتا مگر تم میرا نام تک نہیں جانتے ہو۔ شاید تمہیں دھوکا ہوا ہے۔ میری صورت کسی باغی سے ملتی ہو گی۔“

”شاید یہ ٹھیک کہہ رہا ہے۔“ سالار یا نائب سالار نے ایزارٹ کی تائید کی۔ اب بات سمجھ میں آنے لگی تھی ایزارٹ کو کسی ایسے شخص نے شناخت کیا تھا جو سامیرا کے قلعوں میں آرگون کا جاسوس تھا اور وہ حریت پسندوں سے بھی واقف تھا۔ وہ یقیناً قلعے سے یہاں آیا تھا تبھی صورت چھپا رہا تھا۔ ایزارٹ نے زور دے کر کہا۔

”میں سو فیصد ٹھیک کہہ رہا ہوں۔ اب بھی وقت ہے مجھے واپس جانے دو میں اس بات کو بھول جاؤں گا۔ وہ بھی صرف آرگون اور شاہ معظم کی خاطر۔ اس وقت ہم بہت مشکل میں ہیں اور آپس کا اختلاف سامیرا اور اس کے ساتھیوں کے لیے ہی سودمند ہوگا اور ہم جنگ ہار بھی سکتے ہیں۔ اگر عام حالات میں کسی نے میری ایسی توہین

کی ہوتی تو میں عزت کی خاطر لڑنے مرنے کو تیار ہو جاتا۔“

”مجھے یقین ہے کہ تم باغیوں میں شامل تھے۔“ تیسرے شخص نے کہا اور میں نے بہت غور سے اس کی آواز سنی تھی مگر اس بار بھی میں صرف جانی پہچانی محسوس کر سکا۔ وہ کامیابی سے اپنی اصل آواز چھپا رہا تھا۔ ایزارٹ نے کہا۔

”تب ایک ہی صورت ہے ہم سب شاہ معظم کے سامنے پیش ہوں اور وہ فیصلہ کریں۔ تمہیں بھی ساتھ چلنا ہوگا۔“

”میں ساتھ نہیں جاسکتا۔“ تیسرے شخص نے فوراً انکار کر دیا۔ ”مجھے فوری واپس جانا ہے۔ میں صرف اسی لیے آیا تھا کہ جلدی حملے کا کہہ سکوں۔ جتنی تاخیر ہوگی آرگون کی فوج کی ناکامی کا امکان اتنا ہی زیادہ ہوگا۔ جو شخص یہاں سے آرگون کی طرف گیا ہے تم لوگ اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتے ہو۔ وہ بہت ہی خطرناک آدمی ہے۔ مجھے یقین ہے آرگون میں کوئی بڑی تبدیلی آگئی ہے۔“

”پچھلے چند دنوں میں ہم نے آرگون میں ہزار سے زیادہ آدمیوں کو گرفتار کیا ہے ان میں باہر سے آنے والے کچھ لوگ بھی شامل ہیں۔ کئی سوا افراد مزاحمت کرنے پر مارے جا چکے ہیں۔“

”ان میں شہباز بھی ہے۔“ تیسرے شخص نے پوچھا۔

”میں قیدیوں کے معاملات سے زیادہ واقف نہیں ہوں۔ مگر سنا ہے کہ عنقریب گرفتار کیے جانے والے تمام افراد کو سزائے موت دے دی جائے گی۔ ان کی عورتوں اور بچوں کو غلام بنالیا جائے گا۔ اس کے بعد شاہ معظم سامیرا اور اس کے ساتھیوں کے خلاف فیصلہ کن کارروائی کریں گے۔ حملہ روکنے کی وجہ بھی یہی ہے کہ ابھی آرگون میں کچھ باغی چھپے ہوئے ہیں اور ان کی تلاش جاری ہے۔ ایک بار باغیوں کا خاتمہ ہو جائے تو پھر پوری یکسوئی سے یہاں قلعوں پر حملہ کیا جاسکتا ہے۔“

”مگر یہاں رسد کم رہ گئی ہے۔“ سالار یانائب سالار نے کہا۔ ”ہمیں فوری رسد کی ضرورت ہے۔“

”میں واپس جا کر شاہ معظم سے سفارش کروں گا کہ فوج کو فوری رسد مہیا کی جائے ورنہ ان میں بدلی پھیلے گی۔“

”بدلی پھیل رہی ہے۔“ سالار یانائب سالار نے زور دے کر کہا۔ اس کے انداز سے ایسا لگ رہا تھا کہ وہ ایزارٹ سے متفق ہو چکا ہے اور اس پر اب شک نہیں رہا ہے۔ مگر مسئلہ تیسرے فرد کا تھا۔

”میں سمجھتا ہوں۔“ ایزارٹ نے تشویش سے کہا۔ ”مگر میں واپس جاؤں گا تو کچھ کروں گا اور اگر میں نے دیر کی تو مجھ سے جواب طلبی ہوگی کیونکہ میرے پاس شاہی نشانی ہے اور یہ میرے پاس امانت ہے۔ تم میری بات سمجھ رہے ہونا۔“

”میں سمجھ رہا ہوں۔“ سالار یانائب سالار نے جواب دیا۔

”تب کیا فیصلہ کیا ہے؟“

ایزارٹ کے ساتھ ساتھ میری سانس بھی رک گئی تھی اور میں جواب کا انتظار کر رہا تھا۔ سالار یانائب سالار نے کچھ دیر بعد کہا۔ ”ٹھیک ہے تم جاسکتے ہو۔ امید ہے تم بات آگے نہیں بڑھاؤ گے۔“

”لیکن.....“ تیسرے فرد نے کہنا چاہا۔

”تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے۔“ سالار یانا ب سالار نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔ ”جہاں تک حملے کی بات ہے شاہ معظم کا حکم ہمارے لیے سب سے اہم ہے۔“

”جلد ہم آرگون کے باغیوں سے مکمل طور پر نمٹ لیں گے اور تب ہم بھی یہاں حملے میں شامل ہونے آئیں گے۔“ ایزارٹ نے کہا۔ ”وادی کی یہ تقسیم ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائے گی۔“

”ایسا ہی ہوگا۔“ سالار یانا ب سالار نے کہا۔

”اب میں چلوں گا۔ مجھے بہت پہلے واپس پہنچ جانا چاہیے تھا۔“ ایزارٹ نے کہا تو میں پیچھے سرکا اور پھر زمین سے اٹھ گیا۔ ایرٹ کچھ فاصلے پر پہرہ دے رہا تھا میں نے اس کے پاس جا کر آہستہ سے کہا۔

”مسئلہ حل ہو گیا ہے۔ ایزارٹ کو قلعے کی طرف سے آنے والے ایک شخص کی شناخت کے بعد روک لیا گیا تھا مگر اس نے اتنے اعتماد سے بات کی کہ اس فوج کا سالار یانا ب سالار متاثر ہو گیا اور اس نے ایزارٹ کو جانے کی اجازت دے دی ہے۔“

ایرٹ فکر مند ہو گیا۔ ”قلعے سے آنے والا فرد، مگر وہ آیا کیسے؟“

”یہ سوال اہم ہے وہ نقاب پوش ہے اور یہاں کے فوجی افسران بھی اس کی شناخت سے بے خبر ہیں۔ میرا خیال ہے وہ بھی واپس جائے گا اور ہم اسے شناخت کرنے کی کوشش کریں گے۔“

میں اور ایرٹ پڑاؤ کے اس طرف آئے جو قلعوں سے زیادہ نزدیک تھا اور ایک مناسب جگہ چھپ گئے۔ چند منٹ بعد تین افراد اس طرف آئے۔ ان میں سے ایک نے منہ چھپایا ہوا تھا اور باقی دو لباس سے عام سپاہی لگ رہے تھے۔ کیونکہ اس کا منہ چھپا ہوا تھا اس لیے میں اس کے جسم پر غور کر رہا تھا۔ وہ چھریرے جسم کا مگر مضبوط آدمی تھا اور اس کا تعلق شاید فوج سے تھا کیونکہ اس کی چال مخصوص انداز لیے ہوئے تھی۔ ایرٹ بھی اسے غور سے دیکھ رہا تھا اور وہ ہم سے کوئی دس گز کی دوری سے گزرا تھا۔ اس کے جانے کے بعد ایرٹ نے کہا۔ ”یہ مجھے بھی جانا پہچانا لگ رہا ہے مگر یاد نہیں آ رہا کہ ایسا کون سا فرد میں نے دیکھا ہے۔“

میں نے تائید کی۔ ”یہ قلعوں میں یقیناً کسی اہم پوزیشن پر ہوگا اور یقیناً اس کے ساتھی بھی ہوں گے ورنہ یہ چھپ کر کسی طرح قلعے سے باہر نہیں آ سکتا تھا۔“

”آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔“ ایرٹ نے سر ہلایا۔ ”ہمیں واپس جانا چاہیے۔“

جب ہم اس میدان تک پہنچے جہاں ایزارٹ کے دستے کو قیدی بنایا ہوا تھا تو وہ جگہ اب خالی تھی۔ ایزارٹ اپنے آدمیوں کو لے کر جا چکا تھا۔ میں اور ایرٹ بھی ایک دوسرے سے ذرا فاصلے پر پڑاؤ سے باہر آئے اور عین اس وقت جب میں پڑاؤ کے آخری حصے میں تھا کسی نے آواز دے کر مجھے روک لیا۔ ”اے کون ہو تم اور کہاں جا رہے ہو؟“

میں زبان سے جواب نہیں دے سکتا اس لیے مڑا اور کچھ دور موجود پہریدار کی طرف دیکھ کر دانت نکالتے ہوئے پیٹ پر ہاتھ مارا۔ ساتھ ہی میں یوں جھکا ہوا تھا جیسے پیٹ میں سخت مروڑا ٹھہر رہے ہیں۔ پہریدار نے سر ہلایا۔ ”اچھا اچھا پیٹ خراب ہے۔ یہاں کھانے کو راشن کم ہو رہا ہے اور لوگ زیادہ کھانے لگے ہیں۔“

اس نے درست کہا جب انسان کو قلت خوراک کا خطرہ ہوتا ہے اور یہ خطرہ اجتماعی ہو تو انسان ہوس میں زیادہ کھانے لگتا ہے۔ ہاں خوراک اس کے اپنے قبضے میں ہو تو وہ اسے سوچ سمجھ کر احتیاط سے استعمال کرتا ہے۔ اس کی طرف سے اعتراض ختم ہوتے ہی میں یوں تیزی سے بھاگا جیسے میرا ضبط جواب دے رہا ہو اور درختوں میں گھستے ہی میں رک گیا۔ مجھے ایرٹ کا انتظار تھا۔ وہ کچھ دیر بعد نمودار ہوا کیونکہ وہ چکر کاٹ کر آیا تھا اور ہم تیزی سے آرگون کی طرف روانہ ہو گئے۔ نصف رات کا وقت تھا۔ شاید بارہ بج رہے تھے یا بجنے والے تھے۔ میرے ذہن میں تھا کہ شاید ہمارے پاس آج کا وقت تھا اور ہمیں صبح سے پہلے شاہی محل میں گھسنے کی کوشش کرنی چاہیے تھی۔ اگر یہ موقع نکل جاتا تو پھر شاید دوبارہ موقع نہیں ملتا۔ ایک گھنٹے بعد ہم آرگون میں تھے۔ ایزارٹ اور اس کا دستہ آگیا اور وہ ہمارا انتظار کر رہے تھے۔ ایزارٹ نے مجھے دیکھتے ہی کہا: ”تم کہاں رہ گئے تھے میں پریشان ہو گیا تھا اور خود ہم بھی پھنس گئے تھے۔“

”میں جانتا ہوں۔“ میں نے اس کے سامنے بیٹھتے ہوئے کہا۔ ”میں اس وقت وہیں تھا جب تم بہت ذہانت سے اس معاملے کو نمٹا رہے تھے۔ جب تم دیر تک واپس نہیں آئے تو ہم پڑاؤ میں داخل ہوئے اور تمہارے دستے کو گرفتار دیکھ کر میں پریشان ہوا تھا۔“

”پریشان تو میں بھی تھا۔ مگر مایوس نہیں تھا۔ میرے پاس اہم ترین چیز ریٹائٹ کی دی ہوئی چھڑی تھی۔ اس نے اصل میں کام دکھایا۔“

”وہ شخص کون تھا؟“ میں نے پوچھا۔

”میں بالکل اندازہ نہیں لگا سکا۔“ ایزارٹ نے تشویش سے کہا۔ ”یہ تو ہمارے آدمیوں کی گرفتاری سے ظاہر ہے کہ سامیرا کے قلعوں میں آرگون کے جاسوس ہیں مگر وہ اتنے بڑے پیمانے پر کام کر رہے ہیں یہ میرا خیال نہیں تھا۔“

”مجھے بھی شبہ ہے کہ وہ شخص قلعوں میں اہم پوزیشن کا مالک ہے ورنہ اس طرح وہاں سے نکل کر باہر نہیں آ سکتا تھا اور وہ صرف باہر نہیں آیا بلکہ واپس بھی گیا۔ اس کا مطلب ہے اس کا گروہ وہاں مضبوط اور بڑا ہے جو اس کے یوں آنے جانے کا انتظام کر سکتا ہے۔“

”میرا بھی یہی خیال ہے۔“ ایزارٹ نے سر ہلایا۔ ”بہر حال ایک بحران تو نکل گیا اور اب فوری جنگ کا خطرہ نہیں ہے۔“

”ہمیں آج رات ہی شاہی محل پر حملہ کرنا چاہیے۔“

”میں اس کا مشورہ نہیں دوں گا۔“ ایزارٹ نے سنجیدگی سے کہا۔ ”ابھی ہماری پاس تیار افرادی قوت نہیں ہے۔ ہمارے دوسو کے قریب ساتھیوں کو سنبھلنے میں دو دن کا وقت درکار ہے اور تب ہی ہم کسی بڑی کارروائی کے قابل ہوں گے۔“

اس وقت ہمارے پاس لڑنے کے قابل صحت مند افراد کی تعداد ساڑھے تین سو کے لگ بھگ تھی اور اتنے ہی افراد کا اسلحہ بھی تھا۔ باقی تین سو افراد کی صحت درست نہیں تھی اور نہ ہی ہمارے پاس ان کے لیے اسلحہ تھا۔ وہ خالی ہاتھ سے نہیں لڑ سکتے تھے۔ میں نے ایزارٹ سے کہا: ”اگر وہ صحت مند ہو جاتے ہیں تب بھی ان کے پاس

”تھیاری نہیں ہوں گے۔“

”ہم اس دوران میں تھیاری حاصل کرنے کی کوشش کر سکتے ہیں۔“

”خفیہ راستہ اتفاق سے ملا ہے اور اگر جلد کارروائی نہ کی گئی تو اندر والے مشکوک ہو جائیں گے کیونکہ

جانے والا دستہ ابھی تک واپس نہیں گیا ہے اور ہو سکتا ہے کہ دوسرا دستہ روانہ کر دیا جائے۔“

”یہ بات میرے ذہن میں تھی اس لیے میں نے آتے ہی دو درجن سپاہیوں پر مشتمل دستہ اس طرف

روانہ کر دیا ہے۔ وہ اس کی نگرانی کریں گے اور اگر وہاں سے مزید کوئی دستہ نکلا تو اسے فوج کی طرف جانے سے

روکیں گے۔“

”یہ تم نے اچھا کام کیا ہے۔ لیکن اس کے باوجود اندر والے مشکوک تو ہوں گے اور پھر ممکن ہے کہ راستہ نہ

کھلے۔ راستہ صرف اندر سے کھل سکتا۔“

”اور باہر سے؟“

”میرا خیال ہے کہ کوشش کی جائے تو اسے توڑا جا سکتا ہے مگر یہ کام بھی آسان نہیں ہوگا۔ اول تو پتھر کا

دردازہ کوئی ایک ہاتھ موٹا ہے اور یہاں ایسا کوئی اوزار نہیں ہے جو اسے توڑ سکے اور کوشش کی جائے تو اس میں اتنا

وقت لگے گا شاہی محل کا بچہ بچہ ہوشیار ہو جائے گا۔ اس کے حملے سے حیرانگی کا عنصر ختم ہو جائے گا۔“

ایزارٹ میری بات غور سے سن رہا تھا اور یقیناً اپنے ذہن میں اس کا تجزیہ کر رہا تھا۔ پھر اس نے کہا۔

”ریناٹ کی خاص فوج میں اب بھی آٹھ سو کے قریب افراد موجود ہیں۔ ہمارے پاس کل ساڑھے تین سو افراد

ہیں ان میں سے کم سے کم سو افراد کو یہاں چھوڑنا ہوگا۔ صرف ڈھائی سو افراد کے ساتھ یہ حملہ بہت زیادہ خطرہ

مول لینے والا نہیں ہوگا؟“

”ہاں مگر ہم اچانک ہی ان کے سر پر پہنچیں گے۔ ہمارا ہدف شاہی محل اور وہاں موجود ریناٹ اور اس کا

ٹولہ ہوگا۔ ساری فوج یقیناً شاہی محل میں نہیں لگی ہوگی۔ اس کا احاطہ بہت بڑا ہے اور زیادہ تر فوج شاہی محل سے

باہر ہوگی۔ ہم خاص سپاہ کی وردیوں میں جائیں گے اس لیے وہاں موجود پہریدار بدحواس ہوں گے۔ ان کے

لیے دوست دشمن میں تمیز کرنا مشکل ہو جائے گا۔ دوسرے ہم صبح کے قریب حملہ کریں گے جب ابھی تاریکی ہوگی

اور اس کا فائدہ اٹھا کر ہم ان پر قابو پالیں گے تب تک روشنی ہو جائے گی۔“

”شناخت کا مسئلہ تو ہمارے آدمیوں کے لیے بھی ہوتا ہے۔“

”نہیں ہم اس کے لیے مخصوص نشانی رکھ سکتے ہیں۔ ہمارے آدمی ایک دوسرے کو شکلوں سے بھی

پہچانتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ کہیں تھوڑی بہت غلطی ہو جائے مگر وہ ریناٹ کے آدمیوں کی طرح بدحواس

نہیں ہوں گے۔ ان کے لیے سب سے خوفناک بات اندر سے حملہ ہوگا۔“

”شہباز ٹھیک کہہ رہے ہیں۔“ ربیک نے کہا۔ ”اگر ہم نے دیر کی تو ریناٹ ہوشیار ہو جائے گا اور ہو سکتا

ہے کہ وہ سرے سے یہ راستہ ہی بند کر دے۔“

ایزارٹ کی صورت بتا رہی تھی کہ وہ متفق نہیں ہے۔ وہ فوری حملے کے حق میں نہیں تھا اور یہ تقریباً وہی

صورت حال تھی جو آریگو نے پیدا کی تھی۔ اب ایزارٹ بھی وہی کام کر رہا تھا۔ اس کے ہاتھ میں اختیار آیا تو وہ

اپنی سوچ کے مطابق فیصلے کرنے لگا تھا۔ مگر بہر حال وہ آریگو سے مختلف آدمی تھا اور میں پُر امید تھا کہ اس سے اپنی بات منوالوں گا۔ اس لیے میں نے کچھ دیر بعد اس سے کہا۔ ایزارٹ میرے ساتھ آؤ، ہم باہر چل کر تنہائی میں بات کرتے ہیں۔“

اس بار اس نے کوئی اعتراض نہیں کیا اور میرے ساتھ فسیل کے ساتھ والے میدان میں آیا۔ یہاں چند ایک سپاہی کھلی جگہوں پر پہرہ دے رہے تھے مگر زیادہ تر سپاہ چھپی ہوئی تھی اور ایسی جگہوں پر تھی جہاں سے وہ آس پاس نظر رکھ سکتی تھی مگر کوئی اسے نہیں دیکھ سکتا تھا۔ ہم ایک ایسی جگہ آئے جہاں کوئی نہیں تھا۔ البتہ ترجمان کے طور پر بیک ساتھ تھا۔ اتنا تو وہ سمجھ رہا تھا کہ میں اسے قائل کرنے کے لیے باہر لایا ہوں۔ میں نے کہنا شروع کیا۔ ”تم جانتے ہو میرا اس وادی سے تعلق نہیں ہے اور نہ ہی مجھے ہمیشہ یہاں رہنا ہے۔ جب میرا کام مکمل ہو جائے گا تو میں یہاں سے چلا جاؤں گا۔ میرے کہنے کا مقصد ہے کہ یہاں سے میرا کوئی مفاد نہیں ہے اور نہ ہی مجھے یہاں کا حکمران بننا ہے۔ اس لیے میں جو کر رہا ہوں پورے خلوص سے اور ہٹا کسی غرض کے کر رہا ہوں۔“

”اب آتے ہیں اس طرف کہ سامیرا اور برف والے نے مجھے اس ساری جدوجہد کا سربراہ مقرر کیا۔ کیا تمہیں اس پر شک ہے؟“

”بالکل نہیں۔“

”تیسری بات یہ ہے کہ میں جو حکمت عملی بناتا ہوں وہ ٹھیک یا غلط ہو سکتی ہے لیکن اب تک کی ساری حکمت عملی میری ترتیب دی ہوئی ہے۔ اس پر شروع سے عمل ہو رہا ہے۔ گویا تحریک مزاحمت کے تمام گوشوں سے اگر کوئی شخص سب سے زیادہ آگاہ ہو سکتا ہے تو وہ میں ہوں کیونکہ میری ہر چیز پر نظر ہے۔ کیا تم اس سے اختلاف کرو گے؟“

”نہیں۔“

”اگر میں چاہوں تو تحریک مزاحمت کے سربراہ کی حیثیت سے تمہیں حکم دے سکتا ہوں۔ لیکن میں چاہتا ہوں تم دل و جان سے میری بات مانو اور اس پر عمل کرو۔ اب میں تمہارے سامنے ایک مجموعی صورت حال رکھ رہا ہوں۔ اسے ذہن میں رکھو اور پھر فیصلہ کرو۔ ایک طرف سامیرا کے قلعوں کو آرگون کی فوج نے محاصرے میں لے رکھا ہے۔ سامیرا کے آدمیوں کی تربیت میں نے کی ہے اور میں جانتا ہوں کہ وہ کھلی جنگ میں آرگون کی سپاہ کا مقابلہ نہیں کر سکتے ہیں۔ ہاں وہ دفاع کر سکتے ہیں۔ اس جنگ میں سامیرا کا دوسرا بازو تم آرگون کے حریت پسند ہو۔ مگر تم میں سے بھی اکثر افراد تربیت یافتہ سپاہی نہیں ہیں۔ دوسرے لفظوں میں یہ بھی کھلی جنگ میں آرگون کی سپاہ یا ریٹائٹ کی خاص فوج کا مقابلہ نہیں کر سکتے ہیں۔“

”لیکن ان ہی لوگوں نے خاص فوج کے کئی دستوں کو شکست دی ہے اور انہی کو ختم کیا ہے یا ہتھیار ڈالنے پر مجبور کیا ہے۔“

”بالکل مگر وہ کھلی جنگ نہیں تھی انہیں خاص انداز میں شکست دی گئی جب وہ جنگ کے لیے تیار نہیں تھے۔ اب میں جو کہوں گا وہ شاید تمہیں برا لگے۔ اگر یہی لوگ ریٹائٹ کی سپاہ کو شکست دے سکتے تھے تو یہ کام

انہوں نے پہلے کیوں نہیں کیا۔ جب ریٹاک کی سپاہ پوری تیاری سے اچانک آئی تو سارے حریت پسند گرفتار ہو گئے کچھ مقابلے میں مارے۔ دوسرے لفظوں میں تم لوگوں نے شکست کھائی۔ پہلے اور اب میں کیا فرق ہے جو پہلے شکست اور اب تمہیں فتح ہو رہی ہے؟“

ایزارٹ کے ماتھے پر شکنیں نمودار ہوئی تھیں اور یہ شکنیں ناگواری کی نہیں تھیں۔ اس کی آنکھیں بتا رہی تھیں کہ وہ میری بات کا تجزیہ کر رہا ہے۔ میں نے کچھ وقفے کے ساتھ بات جاری رکھی۔ ”اب صورت حال کو یوں دیکھو کہ ایک طرف ریٹاک شاہی محل میں محصور ہو گیا ہے اور عملاً شہر ہمارے قبضے میں ہے۔ مگر وہ کمزور نہیں ہے اس کے پاس لڑنے کے قابل آٹھ سو سے اوپر افرادی قوت اب بھی موجود ہے۔ پھر میں تمہیں ڈیوڈ شا اور اس کے ساتھیوں کے بارے میں بتا چکا ہوں۔ جو اکیلے ہی ساری فوج پر بھاری ہیں۔ ان لوگوں سے کھلی جنگ ممکن ہی نہیں ہے۔ دوسری طرف آرگون کی فوج کو ہم نے واپس آنے سے روک دیا ہے۔ یعنی ریٹاک کی ایک چال ناکام بنا دی ہے۔ مگر اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہم ریٹاک اور فوج کا رابطہ کاٹنے میں کامیاب رہے ہیں۔ صرف خفیہ راستہ ہی نہیں ہے وہ اپنے آدمیوں کو تفصیل کے عقبی حصے سے اتار کر فوج کے پاس بھیج سکتا ہے اور ایک بار آرگون کی فوج واپس آگئی۔ تو کیا ہم اس قابل ہیں کہ اس سے لڑ سکیں یا اسے شہر میں داخلے سے روک سکیں۔ تم اچھی طرح جانتے ہو اس کا جواب نفی میں ہے۔“

”اب میں کسی حد تک سمجھ رہا ہوں۔“ ایزارٹ نے پہلی بار مثبت اشارہ کیا۔

”ریٹاک اس خیال میں ہے کہ اس کا روانہ کیا ہوا دستہ فوج تک پہنچ گیا ہے۔ لیکن جب صبح تک وہ دستہ واپس نہیں جائے گا اور نہ ہی فوج کی واپسی کے آثار نظر آئیں گے تو کیا ریٹاک اس کے بعد خاموش بیٹھے گا۔ اگر تم اس کی جگہ ہوتے تو اس صورت میں کیا کرتے۔“

”فوری دوسرا دستہ روانہ کرتا اور اس بات کو یقینی بناتا کہ فوج تک میرا پیغام پہنچ جائے۔“

”تب یقین رکھو اگر ہم نے آج ہی رات شاہی محل پر حملہ نہیں کیا تو کل صبح کا دن ہمارے لیے ناکامی لے کر طلوع ہو گا۔ زیادہ سے زیادہ شام تک آرگون کی فوج واپس آنا شروع ہو جائے گی اور اندر سے ریٹاک کی خاص سپاہ حملہ آور ہوگی۔ ہم دو طرف سے پس کر رہ جائیں گے۔ اس وقت اگر ہمارے سارے ساتھی بھی لڑنے کے قابل ہو گئے تب بھی وہ اتنی بڑی فوج کا کسی صورت مقابلہ نہیں کر سکیں گے۔“

ایزارٹ نے فوری جواب نہیں دیا اس نے کچھ دیر بعد کہا۔ ”تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ میں شاید غلط فہمی کا شکار ہو گیا تھا کہ میں ساری صورت حال کو سمجھ رہا ہوں، تم نے میری آنکھیں کھول دی ہیں۔ واقعی ہمارے پاس وقت نہیں رہا ہے۔“

”تم ایک بہترین کمانڈر ہو۔“ میں نے خوش ہو کر کہا۔ ”اچھا کمانڈر وہی ہوتا ہے جو تیزی سے اپنی غلطی پکڑ لے اور پھر اس کا مداوا کرے۔“

”ہمیں دیر نہیں کرنی چاہیے۔“ ایزارٹ اب بے تاب تھا۔ ”ہمیں جلد از جلد روانہ ہو جانا چاہیے۔“

”ابھی ہمارے پاس صبح تک کا وقت ہے۔“ میں نے کہا۔ ”میں چاہتا ہوں کہ جب ہم شاہی محل میں گھسیں تو صبح کا پہلا پہر ہو اور ہم پہریداروں کی غفلت کا فائدہ اٹھا کر ان پر قابو پالیں اور جب حالات ہمارے

قابو میں ہوں تو دن کی روشنی نمودار ہو چکی ہوتا کہ ریناٹ اور اس کے ساتھی تاریکی کا فائدہ اٹھا کر فرار کے قابل نہ ہوں۔“

”اس کے باوجود ہمیں اپنے آدمیوں کو ذہنی طور پر اس بڑی جنگ کے لیے تیار کرنا ہوگا۔“ ایزارٹ نے کہا۔

”سب سے پہلے تم دیکھو کہ کتنے آدمی ساتھ چلنے کے قابل ہیں۔“

ایزارٹ نے اسی وقت اپنے آدمیوں کو بلایا اور انہیں مامور کر دیا کہ وہ جنگ کے قابل تمام افراد کو لے کر میدان میں آجائیں۔



ایزارٹ کو اس کام پر چھوڑ کر میں ربیک اور ایرٹ کے اس فوجی بیرک میں آیا جس میں عورتیں اور بچے تھے۔ ہمارے جانے کے بعد ریناٹ کی طرف سے فوجی کارروائی کی صورت میں وہ قطعی غیر محفوظ تھے۔ میں نے ایرٹ سے کہا۔ ”ان عورتوں اور بچوں کو عام آبادی میں منتقل کرنا ہوگا اور یہ کام ابھی کرنا ہے۔“

ایرٹ اور ربیک نے ان حریت پسندوں سے بات کی جو فی الحال جنگ کے قابل نہیں تھے۔ ان کی تعداد دو سو کے لگ بھگ تھی۔ ان میں سے بعض تو ایسے زخمی تھے کہ خود دوسروں کے محتاج تھے۔ کیونکہ عورتوں اور بچوں میں سے تقریباً سارے ہی حریت پسندوں سے تعلق رکھتے تھے اور صرف وہی مرد نہیں تھے جو مارے جا چکے تھے۔ سب سے کہا گیا کہ وہ اپنے رشتے داروں کو الگ کر لیں۔ ایسا کرنے کے بعد بھی بچ جانے والی عورتوں اور بچوں کی تعداد دو سو کے لگ بھگ تھی۔ ایرٹ نے انہیں بھی دوسرے خاندانوں میں بانٹ دیا اور ان سے کہا کہ وہ خاموشی سے اپنے گھروں کو یا جہاں وہ پناہ لے سکتے ہیں وہاں چلے جائیں۔ یہاں جنگ ہونے والی تھی جس کی وجہ سے یہ جگہ محفوظ نہیں تھی۔ وہ بے سروسامانی میں تھے اس لیے روانگی کے لیے چند منٹ میں تیار ہو گئے۔ چھ سے دس افراد کی ٹولیوں میں یہ افراد بیرک سے نکل کر میدان کے تاریک حصوں سے گزرتے ہوئے عام آبادی کی طرف جانے لگے۔ وہ آبادی میں پھیل جاتے اور اگر ریناٹ کی سپاہ اس بات سے واقف بھی ہو جاتی۔ تب بھی وہ اتنا بڑا آپریشن کرنے کے قابل نہیں تھی۔ بیرک کے مقابلے میں وہ عام آبادی میں زیادہ محفوظ ہوتے۔

حریت پسندوں میں سو افراد ایسے تھے جن کی حالت بہتر ہوئی تھی مگر ان کی صحت بہتر نہیں تھی۔ وہ باقاعدہ جنگ نہیں لڑ سکتے تھے۔ ان کے لیے میرے ذہن میں ایک پلان تھا۔ میں نے انہیں روک کر ان سے تیر اندازی کے بارے میں سوال کیا تو تقریباً سب ہی تیر چلانا جانتے تھے۔ ہم نے انہیں باقاعدہ معائنہ اور کسی قدر جسمانی فٹنس کے ٹیسٹ کے ساتھ منتخب کیا تھا کیونکہ لڑنے کے نام پر وہ بھی تیار ہو گئے تھے جو اپنے پیروں پر کھڑے بھی نہیں ہو سکتے تھے۔ اس لیے ان میں سے قابل افراد کو چننا پڑا تھا اور باقیوں کو عورتوں اور بچوں کے ساتھ جانے کا حکم دیا تھا۔ جب وہ سب عام آبادی کی طرف چلے گئے تو میں واپس آیا اور ایزارٹ کو اپنے فیصلے سے آگاہ کیا۔ وہ خوش ہو گیا۔ ”یہ تم نے بالکل ٹھیک کیا، میرے ذہن میں بھی ان کا خیال تھا کہ ہمارے جانے کے بعد یہ بالکل غیر محفوظ ہو جائیں گے۔“

”میں نے سب کو نہیں بھیجا ہے۔“ میں روک لیے جانے والوں کے بارے میں اپنا پلان بتایا۔ ”انہیں تیر

کمان دے کر فسیل پر تعینات کر دیا جائے تاکہ یہ اندر اور باہر سے کسی کو گیٹ کے پاس نہ آنے دیں۔ یہ وہ کام ہے جو یہ کر سکتے ہیں، ہمارے لیے سب سے اہم فسیل اور گیٹ پر قبضہ ہے۔ یہ ہر صورت برقرار رہنا چاہیے۔“

”میں سمجھتا ہوں۔“ ایزارٹ نے کہا اور اس کے حکم پر ان افراد کو فسیل پر منتقل کیا جانے لگا۔ وہ وہاں لگی بھاری تیر پھینکنے والی مشینیں بھی استعمال کر سکتے تھے۔ قلعے میں آگ لگانے والے روغن کا ذخیرہ تھا۔ ایرٹ اور ربیک انہیں آتشیں تیروں کا استعمال سکھانے لگے۔ اس دوران میں میدان میں لڑنے کے قابل تمام سپاہی جمع ہو چکے تھے۔ وہ باقاعدہ قطار بنا کر کھڑے تھے اور ان کے کمانڈروں نے انہیں پچیس پچیس افراد کے دستوں میں بانٹ دیا تھا۔ ہر دستے میں دس تیر انداز، دس نیزہ بردار اور پانچ لائٹی بردار تھے جو بھاری ڈھالوں سے اپنا اور اپنے ساتھیوں کا دفاع کرتے کیونکہ تیر انداز اور نیزہ بردار یہ بھاری ڈھالیں استعمال نہیں کر سکتے تھے۔ ان کے پاس ہلکی ڈھالیں تھیں۔ میں نے گنا تو دستوں کی کل تعداد تیرہ نکلی تھی۔ یعنی تین سو پچیس افراد تھے۔

میں اور میرے ساتھی الگ تھے جب کہ ایزارٹ اور اس کے قریبی ساتھی الگ تھے اور ہماری کل تعداد بھی پچیس کے لگ بھگ تھی یعنی ساڑھے تین سو افراد تھے جو اس حملے میں شامل ہوتے۔ اس کے علاوہ دو درجن افراد وہ تھے جو ایزارٹ نے خفیہ راستے کی نگرانی کے لیے بھیجے تھے۔ مگر ان کا اس حملے میں حصہ لینا شاید ممکن نہیں ہوتا۔ میں نے سب کا معائنہ کیا اور مجھے دستوں کی یہ تقسیم پسند آئی۔ ایزارٹ ایک کسی قدر بلند جگہ کھڑا ہوا ان کا جائزہ لے رہا تھا۔ اتفاق سے ہمارے پاس ایک بھی فرد ایسا نہیں تھا جو شاہی محل کی اندرونی ساخت سے واقف ہو۔ اس لیے طے ہوا تھا کہ اندر گھسنے کے بعد غیر مسلح خدام اور خاص طور سے عورتوں کو قابو کیا جائے گا کیونکہ وہ محل کے تمام حصوں سے اچھی طرح واقف ہوں گی اور ان کی مدد سے ہم ریٹائٹ کے خاص حصے تک پہنچیں گے۔ میں نے ایزارٹ سے کہا۔ ”تم تقریر کا فن جانتے ہو؟“

”نہیں۔“ اس نے سادگی سے جواب دیا۔

”لیکن آج تمہیں تقریر کرنی ہے، اپنے آدمیوں کو اس حملے کے مقاصد اور کامیابی اور ناکامی کی صورت میں اس کے نتائج سے آگاہ کرنا ہے اور ان کو اکسانا ہے کہ وہ ہر صورت آج کی مہم کو کامیاب بنائیں، چاہے اس کے لیے سب کو اپنی جان دینی پڑے۔“

ایزارٹ ہچکچایا۔ ”کیا میں ایسا کر سکوں گا؟“

میں مسکرایا۔ ”تم نے جب دشمنوں کو اتنے اچھے انداز میں قائل کیا ہے۔ یہ تو پھر بھی تمہارے ساتھی اور جاں نثار ہیں۔ یہ کیوں نہیں قائل ہوں گے؟“

ایزارٹ نے سر ہلایا اور دوبارہ بلند جگہ چڑھا۔ اس نے ہاتھ بلند کیا تو سب اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔ اس نے کچھ دیر بعد کہا۔ ”میرے ساتھیو اور میرے دوستو میں جانے سے پہلے تم لوگوں سے آخری بات کہنا چاہتا ہوں۔ ہو سکتا ہے آج کے بعد مجھے یہ موقع نہ ملے۔ میرے ساتھیو آج ہم اس وادی کی قسمت کا فیصلہ کرنے جا رہے ہیں۔ کل کا دن یا تو ہمیں آزاد دیکھے گا یا ہماری قوم ہمیشہ کے لیے غلامی کی بندشوں میں جکڑ دی جائے گی اور ہم یہ دیکھنے کے لیے زندہ نہیں ہوں گے۔ ہماری عورتیں اور ہمارے بچے ریٹائٹ اور اس کے ٹولے کے غلام بن جائیں گے۔ وہ ان کی زندگی اور موت کے فیصلے کیا کریں گے۔ وہ ان سے ایسے کھلیں گے جیسے بچے مٹی کے

کھلونوں سے کھیلتے ہیں اور جب کھیلتے کھیلتے دل بھر جاتا ہے تو انہیں توڑ دیتے ہیں۔ یا پھر کل کا دن ریٹا اور اس کے ٹولے کا آخری دن ہوگا۔ وہ صفحہ ہستی سے مٹ جائیں گے اور وادی کے لوگ ہمیشہ کے لیے غلامی سے آزاد ہو جائیں گے۔“

مشعلوں کی تیز روشنی میں حریت پسندوں کے چہرے چمک رہے تھے۔ مجھے کسی آنکھ میں خوف نظر نہیں آیا۔ وہ بہت سوچ سمجھ کر اس تحریک میں شامل ہوئے تھے اور اپنی آنے والی نسلوں کی آزادی کے لیے اپنا حال قربان کرنے کو تیار تھے۔ ایزارٹ خاموش ہو کر ان کا جائزہ لے رہا تھا اس نے اچانک گرج کر کہا۔ ”یاد رکھو ہمیں ناکام واپس نہیں آنا ہے۔ ریٹا کو کامیابی اسی وقت ملے۔ جب ہم میں سے ہر فرد اپنے لہو میں سرخ ہو چکا ہو۔“

”ایسا ہی ہوگا۔“ سب نے ہاتھ بلند کر کے ایک آواز ہو کر کہا تو ان کے لہجوں کی گرج سے میدان دہل گیا تھا اور میرے دل نے کہا کہ وہ ناکام واپس نہیں آئیں گے۔ جب کوئی قوم اپنے مقصد کے لیے جان دینا سیکھ لیتی ہے تو کامیابی خود اس کے آگے ڈھیر ہو جاتی ہے۔ ایزارٹ نے میری طرف دیکھا۔

”میں شہباز کا شکر گزار ہوں جس نے مجھے تم جیسے جیالوں کی سربراہی کے قابل سمجھا اور میں وعدہ کرتا ہوں کہیں بھی تم لوگوں سے پیچھے نہیں رہوں گا تم ہر جگہ مجھے اپنے ساتھ پاؤ گے۔“

سپاہی اپنے ہتھیار ہلا کر جوش و جذبے کا اظہار کرنے لگے۔ ایزارٹ نیچے آیا تو میں نے کہا۔ ”ہمیں اب روانہ ہونا ہے۔“

”فصیل سے؟“ اس نے سوال کیا۔

”نہیں ہم باہر نکل کر فصیل کے ساتھ ہوتے ہوئے جائیں گے کیونکہ شاہی محل کی طرف نگرانی کے میناروں سے ہماری حرکت دیکھی جاسکتی ہے اس لیے فصیل سے جانا ٹھیک نہیں ہے۔“

”اگر باہر آرگون کی فوج کا کوئی دستہ مل گیا تو؟“

”اس سے نمٹا جاسکتا ہے۔“ میں نے کہا۔ ”ویسے اس طرف تاریکی ہے اور امید ہے کہ کوئی ہمیں دیکھ نہیں پائے گا۔“

بڑا گیٹ کھولنے کے بجائے چھوٹا گیٹ کھولا گیا اور باہر کی سمت لگی ہوئی تیز روشنی والی مشعلیں وہاں سے ہٹائی گئیں اور ہلکی روشنی والی مشعلوں کو رہنے دیا۔ اب ماحول نیم تاریک تھا اور اسی نیم تاریکی میں سپاہی ایک ایک کر کے باہر نکلنے لگے اور فصیل کے ساتھ چلنے لگے۔ پہلے دستے کے ساتھ ایڑٹ تھا جو اس جگہ سے واقف تھا اگرچہ وہاں پہلے ہی ایک دستہ نگرانی کر رہا تھا۔ اس کے باوجود میں نے ایڑٹ کو آگے رکھا۔ سپاہیوں کو بھی وقت کی کمی اور موقع کی نزاکت کا احساس تھا اس لیے وہ جلدی کر رہے تھے۔ مشکل سے بیس منٹ میں تمام سپاہی باہر نکل گئے۔ آخری دستے کے ساتھ میں اور ایزارٹ بھی تھے۔ میں نے ایزارٹ کے سامنے تجویز رکھی تھی کہ وہ پیچھے رہ جائے تاکہ فصیل اور گیٹ کا بہترین دفاع کیا جاسکے مگر اس نے یہ تجویز مسترد کر دی۔ اس کا کہنا تھا کہ سردار ہی پیچھے رہ جائے تو فوج کا حوصلہ پست ہو جائے گا۔ اس لیے وہ بہر صورت ساتھ جائے گا۔

ہم پھیلنے کے بجائے فصیل سے لگ کر چل رہے تھے تاکہ دور سے نمایاں نہ ہوں۔ ہمارے باہر آتے ہی

دروازہ اندر سے بند ہو گیا تھا۔ مجھے اپنی رگوں میں سنسنی کا احساس ہوا۔ بالآخر وہ وقت آ گیا جس کے لیے میں نیچے وادی میں بھیجا گیا تھا یعنی ریٹائرمنٹ اور اس کے ٹولے کا خاتمہ کرنا۔ ہم ہلکے دوڑنے کے انداز میں چل رہے تھے اور کیونکہ قطار میں تھے اس لیے خود بخود رفتار بن گئی تھی۔ کوئی تیز ہوتا تو آگے والے کے قریب ہو جاتا اور وہ رفتار سُست کر لیتا اور کوئی سُست ہوتا تو پیچھے والا اس کے نزدیک آ جاتا اس لیے اسے رفتار تیز کرنا پڑتی تھی۔ جب ہم پہلے گئے تھے تو یہ فاصلہ ایک گھنٹے میں طے ہوا تھا مگر اس بار ہم پون گھنٹے میں وہاں پہنچ گئے تھے۔ جو دستہ پہنچ رہا تھا وہ باغات میں جمع ہوتا جا رہا تھا۔ ان کو یہی حکم دیا گیا تھا اور دوسرا حکم یہ تھا کہ بالکل خاموش رہیں چلنے پھرنے میں بھی آہٹ کا خیال رکھیں۔ ممکن ہے خفیہ راستے کے اندر آس پاس کی جاسوسی کا کوئی نظام ہو۔

جب ہم روانہ ہوئے تو ہمارے ساتھ ایک فرد ایسا بھی تھا جو ہمارا ساتھی نہیں بلکہ قیدی تھا اور یہ تفصیل سے باہر آنے والے دستے کا سربراہ تھا۔ اس کا نام ریٹرو تھا اور میں اسے اس مقصد سے ساتھ لے کر آیا تھا کہ وہی تفصیل میں موجود خفیہ دروازہ کھلواتا۔ میں نے اسے سمجھا دیا تھا کہ اس کی زندگی کا انحصار ہم سے تعاون کرنے پر ہے۔ اگرچہ ریٹرو نے یقین دلایا تھا کہ اب وہ ہمارے ساتھ ہے مگر میں نے اس پر اعتبار نہیں کیا تھا اس کے دونوں ہاتھ آگے کی طرف رستی سے بندھے تھے اور یہ رستی ایک سپاہی کے ہاتھ میں تھی۔ یہ بندوبست اسے فرار سے روکنے کے لیے کیا گیا تھا۔ ہم وہاں پہنچے تو میں، ایزارٹ، ایرٹ اور ریک ایک جگہ جمع ہوئے۔ ہمیں اندر گھسنے کے لیے حکمت عملی تیار کرنی تھی۔ اگرچہ منصوبہ پہلے سے تیار تھا مگر اس کی نوک پلک درست کرنی تھی۔

ریٹرو کے ساتھ میں اور دس دوسرے افراد اندر جاتے۔ آگے ریٹرو ہوتا اس لیے اندر موجود پہریدار فوری شک نہیں کرتے اور جب تک وہ شک کرتے ہم ان پر قابو پا چکے ہوتے۔ میں نے ریٹرو سے جو معلومات حاصل کی تھیں ان کے مطابق اندر موجود پہریداروں کی تعداد ایک وقت میں چھ سے زیادہ نہیں ہوتی تھی۔ سرنگ تین میل طویل تھی اور اس میں ہر دس قدم کے بعد ایک مشعل جلتی تھی جو سرنگ کو مکمل روشن رکھتی تھی۔ یہاں ہوا کی آمد و رفت کا ایسا نظام تھا کہ سرنگ میں دم گھسنے کا ذرا بھی احساس نہیں ہوتا تھا۔ سرنگ میں تین جگہوں پر چیک پوائنٹ تھے جہاں دو دو سپاہی تعینات ہوتے تھے اور جہاں سرنگ نکلتی تھی وہاں ایک درجن مسلح سپاہی ہمہ وقت پہرے پر رہتے تھے۔ میں حیران ہوا تھا کہ اگر یہ سرنگ خفیہ تھی تو اس پر اتنے آدمی لگانے کی کیا تک تھی؟ اس صورت میں راز افشا ہونے کا احتمال بہت زیادہ تھا۔ مگر ریٹرو وجہ سے بے خبر تھا۔ میں نے کہا۔

”سب سے پہلے ہمیں ان چھ پہریداروں پر قابو پانا ہے اور کوشش کرنی ہے کہ وہ زیادہ شور نہ کر سکیں ورنہ آگے پہرے پر موجود سپاہی ہوشیار ہو سکتے ہیں۔“

”اس صورت میں حملہ قتل کرنے کے لیے ہوگا۔“ ریک بولا۔

”بالکل، یہ رازداری کی قیمت ہے جو دشمن کے سپاہی ادا کریں گے۔“ میں نے کہا۔ ”ہمیں بہر صورت

آخر تک رازداری سے جانا ہے اور ہماری آمد کا اس وقت پتا چلے جب ہم شاہی محل میں داخل ہوں۔“

”ایسا ہی ہوگا۔“ ریک نے عزم سے کہا۔

میرا اندازہ تھا کہ صبح کے پانچ بج رہے تھے اور یہاں دو گھنٹے بعد روشنی ہو جاتی۔ ہم سب خاص سپاہ کی سرمنی وردی میں تھے۔ ریٹرو کو طلب کیا گیا اور میں نے اس سے کہا۔ ”تمہیں خفیہ راستہ کھلوانا ہے اور آگے بھی تم

ہو گئے۔ مگر یاد رکھنا کسی قسم کی بے وقوفی کی صورت میں سب سے پہلے مارے جانے والے بھی تم ہی ہو گئے۔“
”میں پورا تعاون کروں گا۔“ اس نے ہونٹوں پر زبان پھیر کر کہا۔

”اسی میں تمہاری عافیت ہے۔“ میں اسے اس پتھر تک لایا جسے ہٹا کر اندر موجود پہریداروں تک خفیہ راستہ کھولنے کا پیغام بھیجا جاسکتا تھا۔ ریٹرو کے ہاتھ کھول دیئے تھے مگر ریک نے تیرکمان پر چڑھا کر اس کا رخ ریٹرو کی طرف کر دیا تھا۔ اگر وہ ایک غلط جملہ ادا کرتا تو اسے دوسرا جملہ ادا کرنے کا موقع نہیں ملتا۔ ریٹرو نے جھک کر خلا میں منہ کر کے کہا۔ ”دروازہ کھولو میں کمانڈر ریٹرو ہوں۔“

وہ پیچھے ہٹا تو ہم نے پتھر واپس اپنی جگہ رکھ دیا اور سب مستعد ہو گئے۔ چند لمحوں بعد گڑ گڑاہٹ کی آواز آئی اور فسیل میں نصب پتھر کا دروازہ کھلنے لگا۔ ابھی تک سب سے آگے ریٹرو تھا اور ہم نے اسے نیزہ دے دیا تھا۔ باقی سب اس کے پیچھے تھے۔ مگر پتھر بس اتنا سرکا کہ اس میں سے ایک سپاہی اندر جاسکتا تھا اور میں نے مناسب سمجھا کہ پہلے میں جاؤں۔ میں نے ریٹرو کو پیچھے کیا اور سر جھکا کر اندر داخل ہوا۔ ریٹرو اور اس کے دستے کو یہاں سے نکلے چھ سات گھنٹے ہوئے تھے اور امکان یہی تھا کہ دروازے پر یہی سپاہی تعینات ہوں گے جو ان کے نکلنے وقت تھے۔ اس صورت میں امکان تھا کہ وہ اجنبی چہرہ دیکھ کر چونک جائیں۔ میرے پیچھے ریک تھا اور اس کے پیچھے ایرٹ، ریٹرو یوں کھڑا ہوا تھا جیسے وہ اپنے سب آدمیوں کے بعد سب سے آخر میں اندر آئے گا۔

میں نے چہرہ نیچے رکھا۔ اندر مختصر سی جگہ تھی جس میں دو سپاہی کھڑے تھے اور انہوں نے ہی دروازہ کھولا تھا۔ باقی چار سپاہی اندر کسی قدر کشادہ جگہ تھے۔ میں نے ایک ہاتھ میں نیزہ رکھا تھا اور دوسرا ہاتھ کمر کے پٹکے میں اڑ سے سگی چاقو کے پاس تھا۔ میں سُست روی سے کشادہ جگہ کی طرف بڑھا اور جب تک میں ان چار سپاہیوں تک پہنچا۔ ہمارے چھ ساتھی اندر آچکے تھے۔ اب تک کسی نے شک نہیں کیا تھا مگر جیسے ہی میں کشادہ جگہ داخل ہوا۔ وہاں موجود ایک سپاہی چونکا اور مجھے غور سے دیکھتے ہوئے بولا۔ ”کون ہو تم..... تم جانے والوں میں شامل نہیں تھے۔“

”ٹھیک کہا تم۔“ میں نے مسکرا کر جواب دیا جو اس کے سر سے گزر گیا مگر اس کے بعد میں نے لفظ ”حملہ“ کہا جو ریک اور ایرٹ سمجھ گئے تھے۔ حملے کا آغاز بھی میں نے کیا اور سوال کرنے والے سپاہی کے حلق میں نیزہ اتار دیا۔ اس کے ساتھ ہی میرا بایاں ہاتھ سگی چاقو نکالتے ہوئے حرکت میں آیا اور برابر میں موجود سپاہی کے پیٹ میں اتر گیا۔ یہ وارنزم جگہ تھا مگر بایاں ہاتھ ہونے کی وجہ سے پُر قوت نہیں تھا۔ چاقو دوانچ اس کے پیٹ میں اتر ا اور وہ لڑکھڑا کر پیچھے گیا تھا۔ باقی دو کی مجھے فکر نہیں تھی کہ انہیں ریک اور ایرٹ نے سنبھال لیا تھا۔ دوسرے سپاہی کے لیے بھی میں نے نیزہ استعمال کیا اور اس بار دل کو نشانہ بنایا۔ وہ فوری موت سے ہمکنار ہوا تھا۔ البتہ پہلا والا فرش پر ایڑیاں رگڑتے ہوئے دم توڑ رہا تھا۔

میں واپس سرنگ کے دہانے کی طرف لپکا جہاں باقی دو سپاہی آنے والوں سے نبرد آزما تھے۔ یہاں جگہ تنگ تھی اور دونوں فریقوں کے لیے مشکل ہو رہی تھی ان کی یہ مشکل میں نے آسان کی اور ایک کی کمر میں نیزہ گھونپا۔ وہ کراہ کر گر ا تھا کہ آخری بچ جانے والے سپاہی نے لڑنا چھوڑ کر اپنے لباس سے ایک چھوٹی سی چیز نکالی اور اسے منہ کی طرف لے گیا۔ میری چھٹی حس نے بروقت خبردار کیا اور میں نے زمین پر بیٹھتے ہوئے لات گھمائی

میرا نشانہ عقب سے اس کے گھسنے تھے۔ ضرب سے اس کے دونوں پاؤں مڑے اور توازن بگڑا تو وہ دھڑام سے نیچے گرا۔ جو چیز وہ منہ میں لے رہا تھا وہ اس کے منہ سے نکل گئی۔ اس سے پہلے وہ اٹھتا میں نے چیز اٹھالی اور دو عدد نیزے آکر اس کے سینے پر نکلے تو وہ ساکت ہو گیا۔ میں نے اس چیز کا معائنہ کیا جس کے صورت سیٹی جیسی تھی اور یہ سیٹی ہی تھی جو خطرے کے موقع پر بجائی جاتی ہے۔ ایک منٹ کی مختصر جنگ میں تین سپاہی جان کی بازی ہار گئے تھے۔ دوشدید زخمی اور کچھ دیر کے مہمان تھے اور ایک زندہ ہاتھ آیا تھا۔ ربیک کو اس سے پوچھ گچھ پر لگا کر میں باہر آیا اور درختوں میں موجود ایزارٹ کو کامیابی کا اشارہ کیا۔ اس کے ساتھ ہی وہ حرکت میں آ گیا اور لپک کر میرے پاس آیا۔ ”کیا رہا؟“

”کامیابی۔“ میں نے مختصراً کہا اور ایزارٹ کے ساتھ اندر آیا تو ربیک زندہ سپاہی سے پوچھ گچھ کر رہا تھا اور وہ فر فر تمام سوالوں کا جواب دے رہا تھا۔ میں نے ربیک سے کہا۔ ”اس سے پوچھو آگے کوئی خفیہ پھندا تو نہیں ہے جو ناواقف لوگوں کے لیے لگایا گیا ہو۔“

ربیک نے اس سے سوال کیا تو اس نے کسی قدر ہچکچاہٹ کے ساتھ بتایا کہ آگے دو پھندے تھے اور فرش کے ایک مخصوص حصے پر پاؤں رکھتے ہی آگے پیچھے کا خاصا بڑا فرش نیچے موجود خلا میں گر جائے گا۔ اس حصے میں جو بھی ہوتا وہ بھی نیچے گر جاتا۔ یہ ہماری خوش قسمتی تھی کہ ایک زندہ فرد ہاتھ آیا اور اس نے خطرے سے پیشگی باخبر کر دیا۔ عام طور سے اس قسم کے خفیہ راستوں میں ٹریپ لگائے جاتے ہیں تاکہ ناپسندیدہ لوگ جو کسی طرح اندر گھس آئیں وہ ان کا شکار ہو جائیں۔ ربیک نے اس سے خفیہ راستہ کھولنے اور بند کرنے کا طریقہ بھی جان لیا تھا دیے یہ زیادہ مشکل نہیں تھا۔ فرش پر آنا پینے والے چکی کی طرح پاٹ لگا ہوا تھا اور اس کی مٹھ پکڑ کر اسے چکی کی طرح گھمایا جاتا تو خفیہ دروازہ کھل جاتا تھا۔ اینٹی کلاک وائر گھمانے پر دروازہ کھلتا تھا اور کلاک وائر گھمانے پر بند ہو جاتا تھا۔ اندر زیادہ جگہ نہیں تھی اس لیے فی الحال دودستے ہی اندر آئے تھے۔ ان کے آنے سے یہ جگہ بھر گئی تھی۔ باہر پہلے سے موجود دستے کے بارے میں فیصلہ کیا تھا کہ اسے خفیہ راستے کے پاس ہی رکھا جائے گا۔ ایک درجن سپاہی باہر ہوں اور ایک درجن اندر ہوں گے۔

اندر موجود سپاہیوں کی وردی کسی قدر مختلف تھی اس لیے ہم اسے اپنے دستے کا سپاہی ظاہر نہیں کر سکتے تھے اور پھر یہاں پہرہ دینے والے سپاہی ایک دوسرے کے صورت آشنا ہوتے تھے۔ اس لیے اسے کسی ترکیب سے ہی اپنے ساتھ لے جاسکتے تھے۔ جب ایزارٹ کو پھندوں کے بارے میں پتا چلا تو اس نے کہا۔ ”اتنے لوگوں کو بتانا مشکل ہے اور اگر ایک آدمی کا پاؤں بھی غلط جگہ پڑ گیا تو ہم مشکل میں پڑ جائیں گے۔“

”اس مسئلے سے نمٹنے کے لیے تمہارے ذہن میں کوئی ترکیب ہے؟“ میں نے پوچھا تو ایزارٹ نے سر

ہلایا۔

”تمام سپاہی اسی طرح قطار میں چلیں گے جیسے ہم فیصل کے ساتھ آئے تھے۔ ہر سپاہی اپنے پیچھے آنے

والے کو خبردار کرے گا۔“

”مگر ہمیں راستے میں دو جگہ اور سپاہیوں سے واسطہ پڑے گا اور ان کے پاس یہ چیز ہے۔“ میں نے اسے

سیٹی دکھائی۔ ”میرا خیال ہے یہ بہت تیز آواز والی سیٹی ہے۔ اسے خطرے کا سگنل دینے کے لیے استعمال کیا جاتا

ہے۔“

”قیدی نے یہی بتایا ہے۔“ ربیک بولا۔ ”اگر یہ سیٹی یہاں بجائی جائے تو سرنگ کے آخری سرے تک اس کی آواز جائے گی۔“

”اس لیے ہمیں راستے میں آنے والے تمام ٹکڑوں پر اسی طرح قابو پانا ہوگا۔ ہمارا خاموشی سے سرنگ کے آخری حصے تک پہنچنا لازمی ہے۔“

ایزارٹ غور کر رہا تھا۔ اس نے سر ہلایا۔ ”تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ تب پھندوں سے کیسے بچا جائے۔“
”یہ کوئی مشکل کام نہیں ہے۔ ہم آگے ہوں گے اور پھندوں والے جگہ یا تو نشان لگا دیں گے یا پھر ایک آدمی چھوڑ دیں گے وہ آنے والوں کو خبردار کرتا رہے گا۔“

”یہ مناسب ہے۔“ ایزارٹ بولا۔ ”اب یہ بتاؤ کہ دستے کس حساب سے آگے بڑھیں؟“
”اسی طرح جیسے تم نے کہا ہے مگر سب سے آگے میں اور میرے ساتھی ہوں گے جب ہم راستہ صاف کر لیں تب تم لوگ آگے آؤ گے۔“

ایزارٹ نے سر ہلایا۔ ”میں سمجھ گیا۔ میں اپنے آدمیوں کو سمجھا کر آتا ہوں۔“
ایزارٹ باہر چلا گیا۔ اس دوران میں ہم آگے روانگی کی تیاری کر رہے تھے۔ ایزارٹ اور اس کے ساتھی آتے رہتے۔ وقت کم تھا اور ہمیں فوری روانہ ہونا تھا۔ ہم سب کے اندر آنے کا انتظار نہیں کر سکتے تھے۔ ریٹرو ہمارے ساتھ تھا کیونکہ وہ شاہی محل کے بیرونی حصوں سے واقف تھا۔ ربیک اس سے بات کرتا رہتا تھا اور جو معلومات ملتیں فوراً مجھے آگاہ کرتا تھا۔ اب ہمارے ساتھ بچ جانے والا سپاہی بھی ہوتا۔ میں نے اس سے کہا۔ ”تم ہمارے ساتھ ہو گے اور اگر کوئی راستے میں پوچھے تو تم کہو گے کہ تمہاری طبیعت خراب ہے اس لیے تم واپس جا رہے ہو اور واپس جا کر اپنی جگہ کسی دوسرے سپاہی کو بھیج دو گے۔“
”میں ایسا ہی کہوں گا۔“

”صرف کہو گے نہیں بیمار بھی بنو گے اگر تم نے ہٹا کٹنا نظر آنے کی کوشش کی تو ہمیشہ کے لیے لٹا دیا جائے گا۔“ ربیک نے اس بار خود سے اسے دھمکایا۔ ”تم دیکھ چکے ہو کہ ہم کتنے سفاک ہیں آدمی مارنے میں زیادہ دیر نہیں لگاتے ہیں۔“

کچھ دیر میں ایزارٹ واپس آیا اور اس نے مجھ سے پوچھا۔ ”تم نے پھندوں کے لیے کوئی نشانی سوچی۔“

”کوئی ایسی چیز ہے جس سے پتھر پر نشان لگایا جاسکے۔“
”بالکل ہے یہاں ایسا سفید پتھر ملتا ہے جسے دوسرے پتھر پر رگڑو تو اس پر سفیدی چھوڑ دیتا ہے۔“
”اگر نزدیک دستیاب ہے تو فوراً منگواؤ۔“
”میں اپنے آدمیوں سے کہتا ہوں۔“

ہمیں سرنگ میں داخل ہوئے آدھا گھنٹا ہونے کو رہا تھا۔ جیسے ہی ایزارٹ کے آدمی سفید پتھر لائے۔ ہم ان کے ساتھ آگے روانہ ہو گئے۔ سب سے آگے قیدی تھا اس کے پیچھے ریٹرو تھا اور اس کے پیچھے باقی ہم سب

تھے۔ ابتدائی کشادہ حصے کے بعد سرنگ پھر تنگ ہو گئی تھی۔ یہ تین فٹ چوڑی اور کوئی سات فٹ اونچی تھی۔ اسے مکمل طور پر پتھروں سے بنایا گیا تھا اور اس میں کہیں مٹی یا خلا نہیں تھا۔ حد یہ کہ اوپر سے گول ہوتی چھت بھی پتھروں کی تھی۔ فرش یوں صاف تھا جیسے اس کی باقاعدگی سے صفائی ہوتی ہو۔ صفائی تو شاید ہی ہوتی ہوگی اصل بات یہ تھی کہ یہاں دھول مٹی نہیں آتی تھی اور سپاہی بھی شاہی محل سے آتے جاتے تھے جہاں ویسے ہی صفائی کا بہت خیال رکھا جاتا ہوگا۔ ریڑو اور قیدی نے جو بتایا تھا اس کے مطابق پہلی چیک پوسٹ کوئی ایک میل کے بعد تھی۔ دوسری چیک پوسٹ دوسرے میل پر تھی اور اس کے بعد اتنا اور فاصلہ طے کرنے پر سرنگ کا دوسرا دہانہ آ جاتا جو شاہی محل میں کھلتا تھا۔

ریڑو کے مطابق جہاں دہانہ کھلتا تھا وہ جگہ ایک درمیانے درجے کے ہال پر مشتمل تھی اور وہاں درجن بھر سپاہیوں کا پہرہ ہوتا تھا۔ اس ہال سے آگے ایک بڑا دلاں تھا اور اس کے پار خاص شاہی علاقہ تھا جہاں ریٹائرڈ اپنے اہل خانہ سمیت رہتا تھا۔ یہیں اس کا دفتر یعنی دربار خاص تھا اور اس کے نزدیکی ساتھی اسی دفتر میں موجود ہوتے تھے۔ میں نے ریڑو سے ڈیوڈ شا اور اس کے ساتھیوں کے بارے میں پوچھا مگر اس نے انکار کیا کہ اس نے وہاں ایسے حلیے والے غیر ملکیوں کو دیکھا ہے۔ ڈیوڈ شا اور اس کے ساتھی یقیناً بہت رازداری کے ساتھ رکھے گئے تھے۔ ریٹائرڈ اور اس کے خاص آدمی ہی ان سے واقف ہوں گے۔ اب تک ریٹائرڈ نے ان کو استعمال نہیں کیا تھا تو اس کی ایک ہی وجہ میری سمجھ میں آتی تھی کہ ڈیوڈ شا نے خود سامنے آنا مناسب نہیں سمجھا ہوگا۔ اسے ریٹائرڈ کی کامیابی سے دلچسپی تھی لیکن اسے اصل خطرہ مجھ سے تھا اور وہ میرے سامنے آنے کا انتظار کر رہا تھا تب ہی وہ حرکت میں آتا۔

دوسرے لفظوں میں یہ کہنا درست ہوگا کہ اب ریٹائرڈ مکمل طور پر ڈیوڈ شا کے قبضے یا اثر میں تھا۔ اب تک وہ اس سے جو چاہے منوار ہا تھا۔ ریٹائرڈ مسلسل نقصان اٹھا رہا تھا اور ڈیوڈ شا کو اس کی پروا نہیں تھی۔ وہ یہاں استعماری سوچ کے تحت آیا تھا اس لیے وادی میں بسنے والے ہر فرد کا نقصان اس کا فائدہ تھا کہ آخر میں اسے کم سے کم لوگوں سے نمٹنا پڑے گا۔ ریٹائرڈ کو جنگ پر اکسانے والا بھی وہی تھا اور مگر عین موقع پر جب آرگون کی فوج قلعوں پر حملے کے لیے تیار تھی ریٹائرڈ نے فوج کو واپس آرگون آنے کا حکم بھیجا اور اس کی بد قسمتی کہ وہ لوگ ہمارے ہاتھ آ گئے اس لیے فوج تک صرف جنگ سے باز رہنے کا پیغام پہنچا اور واپسی کا حکم گول کر دیا گیا۔ اس سے مجھے خیال آیا کہ ریٹائرڈ کی سوچ میں کوئی تبدیلی آئی ہوگی۔ کیونکہ ڈیوڈ شا کا مقصد تو کھلی اور بھرپور جنگ سے ہی حاصل ہو سکتا تھا۔ اگر واقعی دونوں میں اختلاف پیدا ہوا تھا تو یہ میرے لیے اچھی خبر ہو سکتی تھی۔ قیدی آگے تھا۔ ابھی ہم نصف میل گئے ہوں کہ اچانک وہ ایک جگہ رکا اور اس نے زمین کی طرف اشارہ کیا۔

”یہ رہا پھندا۔“

یہاں فرش تقریباً ایک فٹ قطر کے گول پتھروں کا بنا ہوا تھا اور کسی قسم کے مسالے کی مدد سے پتھروں کو آپس میں جوڑا گیا تھا اور پھر ان کی گھسائی کی گئی تھی جس سے فرش ہموار ہو گیا تھا۔ قیدی نے جس پتھر کی نشاندہی کی تھی وہ دوسرے پتھروں سے قطعی مختلف نہیں تھا۔ میں نے پوچھا۔ ”تمہیں کیسے پتا کہ یہی وہ پتھر ہے۔“

”اس نشانی سے۔“ اس نے دیوار کے طرف اشارہ کیا جس پر ایک غیر محسوس سی سیدھی لکیر تھی۔ میں پتھر

سے بچ کر آگے آیا اور لکیر کو چیک کیا یہ رگڑ کر پتھر پر بنائی گئی تھی اور اس کے مٹنے کا کوئی امکان نہیں تھا جب تک یہ پتھر ہی دیوار سے نہ نکال دیا جاتا۔ ربیک نے تیر کمان پر چڑھایا اور قیدی سے کہا۔

”دس قدم آگے جاؤ اور واپس آؤ بھاگنے کی کوشش مت کرنا تم تیر سے تیز نہیں بھاگ سکو گے۔“

ربیک کی دیکھا دیکھی دوسروں نے بھی تیر کمان پر چڑھالیے تھے اور اتنے تیروں سے بچنا ممکن نہیں تھا۔ مجبوراً قیدی آگے گیا اور پورے دس قدم گن کر وہ واپس آ گیا۔ دونوں بار اس نے صرف اس پتھر کے معاملے میں احتیاط کی تھی۔ واپسی پر میں نے اسے سفید پتھر تھا کر حکم دیا۔ ”اس پتھر کے گرد نمایاں نشان لگاؤ۔ مگر احتیاط سے اس پتھر کو چھونا بھی مت۔“

وہ خود بہت ڈرا ہوا تھا۔ اس لیے اس نے بہت احتیاط سے حکم کی تعمیل کی اور اس پتھر کو چھوڑتے ہوئے اس کے گرد باقی پتھروں پر دائرہ بنا دیا۔ درمیان میں وہی پتھر تھا۔ اب آنے والوں کو اس سے بچ کر گزرنا تھا۔ ہم آگے روانہ ہوئے تو اب ریٹرو آگے تھا اس نے چیک پوسٹ آنے سے پہلے ہمیں خبردار کر دیا۔ یہ چیک پوسٹ ایک کسی قدر کشادہ کمرے میں تھی یہاں خوراک اور پانی کے ساتھ اضافی ہتھیار بھی تھے۔ یہاں دو سپاہی موجود تھے اور انہیں قابو کرنا زیادہ مشکل کام ثابت نہیں ہوا۔ انہیں مارنے کی ضرورت ہی نہیں پیش آئی ان کے سروں پر ضرب لگا کر بے ہوش کیا گیا اور پھر انہیں باندھ دیا گیا۔ ایزارٹ اور اس کے آدمی اس طرف چل پڑے تھے کیونکہ جب تک ہم ان سے نمٹ کر فارغ ہوئے ایزارٹ اپنے دستے کے ساتھ آگیا اور اس نے اطلاع دی کہ اس کے تمام ساتھی سرنگ میں آچکے تھے۔ ساتھ ہی اس نے اطلاع دی۔

”خفیہ راستہ بند کر دیا گیا ہے۔ اس کے اندر اور باہر دونوں طرف ہمارے آدمی ہیں۔“

”باہر سے کسی خطرے کی صورت میں وہ کیا کریں گے؟“ میں نے پوچھا۔

”اس صورت میں وہ بھی اندر آجائیں گے اور راستہ بند کر دیا جائے گا۔“ ایزارٹ نے بتایا۔ میرا بھی یہی خیال تھا اگر آرگون کی فوج کسی طرح یہاں آ بھی جائے تو اسے سرنگ میں داخل ہونے سے روکنا تھا۔ ہم آگے روانہ ہوئے اور اس بار بھی قیدی آگے تھا اسے دوسرے پھندے کی نشاندہی کرنی تھی۔ اب تک سب کچھ پلان کے مطابق ہو رہا تھا۔ ریٹارٹ اور اس کے آدمی بے خبر تھے کہ ہم ان کی طرف آرہے ہیں۔ ان کا آخر تک بے خبر رہنا ضروری تھا۔ قیدی نے دوسرے پھندے کی نشاندہی کی اور اس کے گرد بھی سفید پتھر سے دائرہ بنا دیا گیا۔ اب آنے والوں کو اس پتھر سے بچ کر گزرنا تھا۔ ویسے یہ حیرت انگیز پھندہ تھا کہ ایک پتھر پر دباؤ آنے سے نہ صرف وہ پتھر بلکہ اس کے آگے پیچھے سرنگ کے دوسرے پتھر بھی گر جاتے اور ان کے نیچے خلا تھا مگر جب تک اس پتھر پر دباؤ آتا باقی پتھر مضبوطی سے اپنی جگہ جمع رہتے۔

میں نے اہرام مصر کے معماروں کے بارے میں سنا ہے کہ وہ ایسے کمالات دکھاتے تھے۔ اہرام کیونکہ کسی بادشاہ کا مدفن یا معبد ہوتے تھے اس لیے ان میں خفیہ چمبر اور راستے ہوتے تھے اور دراندازوں کو روکنے کے لیے ان میں ایسے ٹریپ لگائے جاتے تھے کہ ناواقف افراد ان میں پھنس کر جان سے ہاتھ دھو لیتے تھے۔ مگر اہرام مصر کے برعکس اس وادی میں شاہوں کو کسی دشمن سے اتنا خطرہ نہیں تھا اس کے باوجود انہوں نے یہ خفیہ سرنگ اور اس میں ٹریپ بھی لگائے تھے۔ دوسرے ٹریپ سے گزر کر ہم کچھ دیر بعد دوسری چیک پوسٹ پہنچے اور وہاں موجود دو

سپاہیوں پر آسانی سے قابو پالیا۔ آسانی ہمیں یوں ہوئی کہ ہم مکمل تیاری سے آئے تھے اور انہیں آخر وقت تک دھوکے میں رکھا۔

اگر ہم طاقت کے بل پر آگے بڑھنے کی کوشش کرتے تو اس کا امکان تھا کہ ہمارا راز فاش ہو جاتا۔ کوئی ایک سپاہی بھی سیٹی بجا دیتا تو سرنگ کے آخری حصے پر موجود پہریدار سرنگ کا دروازہ نہ کھولتے یا کھولتے تو دوسری طرف بہت زیادہ تعداد میں سپاہ ہماری آمد کی منتظر ہوتی۔ ہماری جنگ شروع ہونے سے پہلے ختم ہو جاتی۔ ہماری کامیابی آخر تک دشمن کو دھوکے میں رکھنے سے ہی ممکن ہو سکتی تھی۔ اس دوسری پوسٹ کے سپاہیوں کو قابو کر کے ہم نے قیدی کو بھی بے ہوش کر کے ان کے ساتھ ہی لٹا دیا تھا۔ ان کے ہاتھ پاؤں مضبوطی سے باندھ دیئے تھے اور اس کا کوئی امکان نہیں تھا کہ وہ خود کو آزاد کر سکتے۔ جب میں نے قیدی کے سر پر ضرب لگائی تو ریٹروڈ کا چہرہ زرد ہو گیا تھا۔ اسے خیال آیا کہ شاید اس کے ساتھ بھی اب یہی سلوک ہو۔ میں نے اسے تسلی دی۔ ”فکر مت کرو ہمیں تمہاری ضرورت ہے اس لیے تم ساتھ رہو گے۔“

”مگر کوئی حماقت کی تو ہمیشہ کے لیے بے ہوش ہو جاؤ گے۔“ ایرٹ نے اسے خبردار کیا۔ جب ہم روانہ ہونے والے تھے تو ایزارٹ اپنے ساتھیوں کے ہمراہ وہاں بھی پہنچ گیا۔ اب آخری میل کا سفر رہ گیا تھا۔ سرنگ ایک سیدھ میں نہیں تھی بلکہ یہ کئی جگہوں سے گھوم رہی تھی اور بل کھا رہی تھی۔ کچھ مقامات پر میں نے محسوس کیا کہ یہ اوپر اور نیچے بھی آ جا رہی تھی۔ یہ ناگزیر تھا کیونکہ سرنگ بنانے والوں کو زیر زمین ہر جگہ ایک جیسی نہیں ملی ہوگی کہیں بڑی چٹانیں ہوں گی جن کو توڑنا ناممکن ہوگا اور کہیں پانی کی رگیں ہوں گی۔ ان سے بچنے کے لیے سرنگ کو موڑا اور اوپر نیچے کیا گیا تھا۔ پھر سرنگ کو ایسی جگہوں سے گزرا گیا ہوگا جہاں اس کا راز افشا نہ ہو۔ بہر حال یہ شہرے کے نیچے سے گزر رہی تھی۔ ریٹروڈ آگے تھا۔ ایک موڑ پر رک کر وہ مڑا اور آہستہ سے کہا۔ ”اس کے بعد سرنگ کا دہانہ ہے۔ مگر اسے دوسری طرف سے ہی کھولا جاسکتا ہے۔“

”اور کھلوا یا کیسے جاتا ہے؟“

”بالکل اسی طرح ایک پتھر ہٹا کر آواز دینے پر دوسری طرف سے دروازہ کھول دیا جاتا ہے۔“

”لازمی بات ہے تمہاری آواز پر دروازہ کھولا جائے گا؟“

اس نے سر ہلایا اور ہونٹوں پر زبان پھیر کر بولا۔ ”آپ بہت بڑا خطرہ مول رہے ہیں اس طرف ریٹارٹ کی پوری قوت موجود ہے۔ اس کی سپاہ کی تعداد آپ کے کل آدمیوں سے تین گنا زیادہ ہے۔“

میں نے اس کی وارننگ نظر انداز کر کے سوال کیا۔ ”خاص شاہی محل میں کتنے محافظ ہوں گے؟“

اس نے دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کی مدد سے بتایا کہ خاص محل میں محافظوں کی تعداد دو سو ہوتی تھی۔ ان میں خاص شاہی محافظوں کی تعداد پچاس تھی جو ریٹارٹ کے رہائشی حصے اور دربار خاص کی حفاظت کرتے تھے۔ کیونکہ موڑ کی صورت میں ہمیں قدرتی آڑ مل گئی تھی اس لیے میں یہاں رک کر ایزارٹ اور اس کے آدمیوں کا انتظار کرنے لگا۔ انہوں نے آنے میں زیادہ دیر نہیں لگائی تھی۔ سب سے آگے ایزارٹ اپنے دستے کے ساتھ نمودار ہوا۔ شروع میں وہ پیچھے تھا مگر اب آگے آ گیا تھا۔ اس کے پیچھے باقی افراد بھی تھے۔ ایزارٹ آیا تو میں نے ریٹروڈ کو سفید پتھر تھمایا اور اس سے کہا۔ ”تم شاہی محل کی ساخت جس حد تک جانتے ہو اس کا نقشہ یہاں زمین پر

بناؤ۔ ہاں اگر اوپر نیچے کئی منزلیں ہوں تو وہ بھی واضح کرو اور یہاں تہہ خانے بھی ہوں گے ان کی وضاحت بھی کرو۔“

”میں تہہ خانوں سے واقف نہیں ہوں۔“ اس نے کہا اور فرش پر لکیریں کھینچنے لگا۔ ”میں جتنا جانتا ہوں وہ بتا سکتا ہوں۔“

اس نے سرنگ والے ہال سے شروع کیا۔ ”سرنگ یہاں نکلتی ہے۔“ اس سے آگے اس نے دالان اور پھر شاہی علاقے کا نقشہ بنایا۔ ”میں اندر نہیں گیا ہوں لیکن اس کے چاروں اطراف گھوما ہوں۔ یہ اتنا بڑا علاقہ ہے۔“ وہ مزید لکیریں کھینچنے لگا۔ ”اس کے تین طرف باغات ہیں اور پانی کے تالاب ہیں۔ چوتھی طرف ایک بڑا ہال ہے جو شاہی تقریبات کے لیے مخصوص ہے۔“

میں نے دالان کی طرف اشارہ کیا۔ ”اس کے دوسری طرف کیا ہے؟“

”اس طرف دالان کے پاس ستونوں پر رکھی چھت ہے جو چاروں طرف سے کھلی ہے اور اس میں پردوں کی مدد سے خانے بنے ہیں۔ یہ جگہ بھی شاہی خاندان کے لیے مخصوص ہے۔“

میں تصور کر سکتا تھا کہ یہاں عیش و عشرت کی کیسی محفلیں جیتی ہوں گی۔ اگر یہاں حمام ہوتا تو ایک ہی حمام والی بات درست ثابت ہوتی۔ اس جگہ کو چاروں طرف سے شاہی دستہ اپنی حفاظت میں رکھتا ہے اور عملاً یہاں چڑیا بھی پر نہیں مار سکتی ہے۔ اس کے پاس ایک چھوٹا سا باغ تھا اور اس کے بعد شاہی محل کا عام حصہ شروع ہو جاتا تھا۔ میں نے نقشہ کو ذہن میں رکھا اور ایزارٹ سے کہا۔ ”ہمیں دالان کے بعد والی عمارت پر قبضہ کرنا ہے اور اس دوران میں ہمارے آدمی اندر موجود سپاہیوں سے نمٹ کر اس ستونوں والی جگہ پر قبضہ کریں گے۔ تاکہ باہر سے مدد اندر آنے سے روکی جاسکی۔“ میں کہتے ہوئے ریڑھ کی طرف متوجہ ہوا۔ ”کیا دالان تک آنے کا کوئی اور راستہ بھی ہے؟“

”نہیں اسی ستونوں والی جگہ کے وسط میں ایک کھلی جگہ ہے اور یہی آمدورفت کے لیے استعمال ہوتی ہے۔“ ریڑھ نے جواب دیا اور دالان کے عمارت والے حصے کی طرف انگلی رکھی۔ ”یہاں.....“ پھر اس نے ستونوں والی عمارت پر انگلی رکھی۔ ”اور یہاں دونوں طرف اوپر تیر انداز ہوتے ہیں جو دالان میں گھسنے والوں کو نشانہ بنانے کے لیے تعینات کیے جاتے ہیں۔ ان کی تعداد دونوں جگہوں پر بیس بیس ہوتی ہے۔“

میں نے ایزارٹ کی طرف دیکھا۔ ”ہماری آدمیوں کو کم سے کم کھلی جگہ پر ہونا چاہیے تاکہ ان کو اوپر سے تیروں سے نشانہ نہ بنایا جاسکے۔ وہ دیواروں کے ساتھ رہیں اور کھلی جگہوں پر ڈھالوں سے اپنی حفاظت کریں۔ چھوٹے ہال سے نکلتے ہوئے بڑی ڈھالوں والے آگے ہوں گے۔“

ایزارٹ نے سر ہلایا اور اپنے نائبین کو ہدایت دینے لگا۔ اس نے سپاہ کی یہ ترتیب رکھی تھی کہ اپنے پانچ نائب چن لیے تھے اور ہر نائب دو یا تین دستوں کا سربراہ تھا۔ دستے اس کے احکامات پر عمل کرتے تھے اور وہ پانچوں ایزارٹ سے حکم لیتے۔ اس طرح ایزارٹ تمام فوج کو اپنے قابو میں رکھتا اور مختصر وقت میں اس کا حکم سب تک پہنچ جاتا تھا۔ میرا دستہ سب سے الگ تھا۔ اس میں میرے قلعوں کے ساتھی اور کچھ نئے افراد تھے۔ اس کی تعداد مجھ سمیت چھ بیس بنتی تھی۔ حکمت عملی یہ طے ہوئی کہ جیسے ہی راستہ کھلے ہم ہال میں موجود سپاہیوں کو تہہ تیغ کر

دیں اور اس کے بعد ہماری فوج اس محدود جگہ سے جلد از جلد باہر نکلنا شروع ہو جائے۔

سب سے آگے میں اپنے دستے سمیت ہوں گا اور اس وقت ہال سے باہر نکلوں گا جب میرے بیک آپ میں کم سے کم دو دستے آجائیں۔ میرے نکلنے کے بعد وہ باہر آکر دلائن میں موجود سپاہیوں کو الجھائیں گے اور مجھے شاہی حصے کی طرف جانے کا موقع دیں گے۔ شروع میں وہ مدافعتی جنگ لڑیں گے مگر جیسے جیسے عقب سے مزید دستے آئیں گے وہ جارحانہ جنگ شروع کریں گے۔ جیسے ہی دلائن پر قبضہ ہوگا۔ ہماری ڈھالوں والے آجائیں گے اور وہ تیر اندازوں کو تحفظ دیں گے جو ستونوں والی عمارت سے انہیں نشانہ بنانے کی کوشش کریں گے۔ یہ موٹی موٹی تفصیلات تھیں اور جیسے جیسے جنگ آگے بڑھتی اس کا نقشہ از خود ترتیب پاتا۔ دیکھا جائے تو یہ چھاپہ مار جنگ بھی تھی اور کھلی جنگ بھی۔ یہ سرنگ سے نکلنے تک چھاپہ مار تھی اور اس کے بعد یہ کھلی جنگ بن جاتی۔ ہمیں سرنگ میں داخل ہوئے دوسرا گھنٹا شروع ہو گیا تھا۔ میں نے ریٹر کی طرف دیکھا۔

”دروازہ کھلو او۔“

ہم تیرہ افراد پر مشتمل دستہ موڑ سے گھوم کر کوئی سو گز کے فاصلے پر موجود دیوار کی طرف بڑھا، یہاں بھی دروازہ پتھر کا تھا اور یہ بہت بڑا پتھر تھا جسے توڑنا ممکن نہیں تھا۔ پتا نہیں انہوں نے بغیر دھات کے اسے کیسے تراشا تھا اور پھر لا کر یہاں نصب کیا تھا۔ کیونکہ یہاں چھپانے کا تکلف نہیں تھا اس لیے سوراخ کھلا ہوا تھا۔ ریٹر نے اس پر منہ رکھ کر اپنا تعارف کراتے ہوئے دروازہ کھولنے کو کہا اور اس کے ساتھ ہی ہم سب نے اپنے ہتھیار سنبھال لیے تھے۔ چند لمحوں بعد دھیمی سی گڑ گڑاہٹ گونجی اور دیوار کا ایک حصہ الگ ہونے لگا تھا۔ کچھ ہی دیر میں اس میں اتنا خلا بن گیا کہ ایک آدمی گزر سکے۔ میں آگے بڑھا اور خلا سے گزر کر ہال میں آیا۔ یہاں ایک درجن سپاہی موجود تھے اور ان میں سے دو اس چکی کو گھما رہے تھے جس سے سرنگ کا دروازہ کھلتا تھا۔ میرے عین سامنے ایک سپاہی کمانڈر کے نشانات والی وردی میں تھا۔ فوری حملہ مناسب نہیں تھا اور میں اپنے ساتھیوں کا انتظار کر رہا تھا۔ کمانڈر نے مجھ سے پوچھا۔

”ریٹر کہاں ہے؟“

میں نے خلا کی طرف اشارہ کیا مگر منہ سے کچھ کہنے سے گریز کیا۔ کمانڈر غور سے مجھے دیکھ رہا تھا۔ اب اس نے کہا۔ ”میں تمہیں پہلی بار دیکھ رہا ہوں اپنا تعارف کراؤ۔“

میں کیا جواب دیتا مگر بالکل چپ رہنا بھی مناسب نہ سمجھا۔ میں کھانا اور ذہن میں آنے والا پہلا مقامی طرف کا نام ادا کر دیا۔ ”آرٹز۔“

یہ لفظ میں نے کھانسی کے دوران ادا کیا تھا تا کہ لہجہ پہنچانا نہ جائے مگر یہاں میری شناخت سامنے آگئی کمانڈر اچانک پیچھے ہٹا۔ ”جھوٹ بولتے ہو تم وہی مجرم ہو جو معبد سے فرار ہوا تھا۔ میں تمہیں پہچان گیا ہوں، پکڑ لو اسے۔“

یہ کمانڈر کے آخری الفاظ تھے کیونکہ نہایت سرعت سے میں نے نیزہ اس کے گلے میں اتار دیا تھا۔ وہ اس وقت اپنے آدمیوں کی طرف متوجہ ہو کر حکم دے رہا تھا۔ میرے تین ساتھی باہر آچکے تھے اور باقی آرہے تھے۔ کمانڈر کے الفاظ سے زیادہ اس کی وفات نے اس کے ساتھیوں کو حرکت میں آنے پر مجبور کیا اور وہ اپنے ہتھیار

سنجھانے لگے۔ ریک اور ایرٹ نے آتے ہی تیر کمان سنبھال لیے تھے انہوں نے سب سے پہلے ان دو افراد کو نشانہ بنایا جو اپنے نیزوں سمیت میری طرف جھپٹ رہے تھے۔ میں نے کمانڈر کے گلے میں اتر جانے والا اپنا نیزہ کھینچا اور اسے تیر کھا کر ڈمگاتے سپاہی کے پیٹ میں اتار دیا۔ پھر اسے لات رسید کی تو وہ پیچھے آنے والے ساتھی پر جا گر اور اس کا نیزہ عقب سے مضروب کے جسم میں اتر گیا۔ اس دوران میں میرے تمام ساتھی باہر آچکے تھے۔ وہ سب تیر کمان استعمال کر رہے تھے۔ اس لیے دشمن کو نزدیک آنے کا موقع ہی نہیں مل رہا تھا۔

کمانڈر کے مارے جانے کے ایک منٹ کے اندر ان میں سے چھ زمین بوس ہو چکے تھے اور باقی بچنے کی کوشش کر رہے تھے۔ وہ ہال کے واحد دروازے کی طرف پسپا ہو رہے تھے۔ لڑائی کا آغاز ہی چیخ و پکار سے ہوا تھا۔ وہ چیخ چیخ کر مدد کے لیے پکار رہے تھے اور حملے کی اطلاع باہر والوں کو دے رہے تھے۔ باہر سے بھی آوازیں آنے لگیں۔ مگر وہ ابھی دور تھیں۔ اس دوران میں ایزارٹ کا دستہ بھی ہال میں آنے لگا تو بچے ہوئے سپاہی بھڑک کر دروازے کی طرف جانے لگے۔ میرے ساتھی انہیں تیروں سے نشانہ بنا رہے تھے اور روکنے کی بھرپور کوشش کر رہے تھے۔ مگر وہ ڈھالوں کی آڑ میں بچ رہے تھے۔ میں زمین پر بکھری لاشوں و خون اور اپنے ساتھیوں کی تیر اندازی کی لائن سے بچتا ہوا دروازے کی طرف بڑھا اور نیزے کو لاشی کی طرح گھما کر ایک سپاہی کی ٹانگوں پر مارا۔ وہ ڈھال سے اپنا سر اور اوپری دھڑ بچا رہا تھا۔ ضرب کھا کر وہ نیچے گرا تو ایک تیر اس کی پسلی میں اتر گیا۔ اس کی بد قسمتی کی تیر عین دل کے مقام پر اتر اٹھا۔ اسے تڑپنے کی مہلت بھی نہیں ملی تھی۔

اب دو باقی بچے تھے اور انہوں نے محسوس کر لیا کہ وہ یہاں سے زندہ نہیں نکل سکیں گے تو انہوں نے ہتھیار پھینک دیئے اور جان کی امان چاہنے لگے۔ میرا خیال تھا کہ ایزارٹ انہیں مروادے گا مگر خلاف توقع اس نے تیر اندازی روکنے کا حکم دیا۔ ذرا سی دیر میں انہیں نہتا کر کے ان کے دونوں ہاتھ پشت پر جکڑ دیئے گئے تھے۔ ہال کے دروازے پر باہر سے دستک ہو رہی تھی اور چیخ چیخ کر پوچھا جا رہا تھا کہ اندر کیا ہو رہا ہے۔ گرفتار شدگان کو آگے کیا گیا اور ہم نے ان کے پیچھے رہتے ہوئے دروازہ کھول دیا فوراً ہی باہر سے تیر آئے اور ان دونوں کے جسم چھلنی ہو گئے۔ میں نے ایک کو گرنے سے پہلے پکڑ لیا اور اپنی ڈھال بنائے باہر آیا۔ یہی سلوک ایزارٹ نے دوسرے کے ساتھ کیا تھا۔ دلان میں آتے ہی میں ایک لمبے کوٹھک کا کیونکہ وہاں سو کے قریب مسلح سپاہی موجود تھے اور وہ ہال کو ہر طرف سے گھیر چکے تھے۔ ان میں تیر اندازوں کی تعداد تیس سے زیادہ تھی اور انہوں نے تیر کمانوں پر چڑھا رکھے تھے۔

لیکن اس سے پہلے کہ ان کے تیر ہم تک آتے۔ ہمارے ڈھال بردار سپاہی باہر آنے لگے اور وہ منظم انداز میں نیم دائرے میں پھیل کر بتدریج آگے بڑھنے لگے اور عقب میں نئے آنے والوں کے لیے جگہ بن رہی تھی اور وہ ان ڈھال برداروں کے پیچھے محفوظ تھے۔ دشمنوں کی طرف سے آنے والے تیر ڈھالوں میں گھپ رہے تھے۔ دلان کے وسط میں ایک طویل قامت شخص کھڑا ہوا تھا جس نے سنہری زرہ پہنی ہوئی تھی اور اس کے ہاتھ میں خاصا موٹا اور وزنی نیزہ تھا۔ وہ یہاں موجود ریٹائڈ کے دستوں کا کمانڈر لگ رہا تھا۔ اس نے گونجتی آواز میں کہا۔

”کون ہو تم اور اندر آنے کی ہمت کیسے کی؟“

”تم صرف زبان سے لڑو گے یا اپنے ہتھیار بھی استعمال کرو گے۔“ ایزارٹ نے سکون سے جواب دیا۔

”اب تک تمہارے ساتھیوں میں سے کسی نے ایسی جرات نہیں کی ہے یہی وجہ ہے میرے کسی ساتھی کو خراش بھی نہیں آئی ہے۔“

یہ جواب طیش دلانے والا تھا اور سنہری زرہ والے نے گرج کر کہا۔ ”انہیں فنا کر دو۔“

اس وقت ہمارے تین دستے باہر آچکے تھے اور مزید آرہے تھے۔ ریناٹ کے سپاہی شور مچاتے ہماری طرف لپکے۔ اس دوران میں، ہمیں اپنے ساتھیوں کو لے کر دائیں طرف سرک چکا تھا۔ شاہی حصہ اسی طرف تھا۔ عمارت میں کئی دروازے اور کھڑکیاں تھیں اور یہ سب بند ہو چکی تھیں۔ اچانک ہی بستونوں والی چھت پر تیر انداز نمودار ہوئے اور انہوں نے تیروں کی بوچھاڑ کی۔ مگر ہم پہلے ہی ہوشیار تھے۔ ڈھالوں کے پیچھے پناہ لے رکھی اور دشمنوں کے نزدیک آنے کا انتظار کرتے رہے۔ جیسے وہ نزدیک آئے۔ ڈھال برداروں نے ڈھالوں میں ذرا خلا کیا اور پیچھے موجود ہمارے تیر اندازوں نے پہلی باڑ ماری۔ درجن سے زیادہ سپاہی نشانہ بنے۔ وہ گرے تو آنے والوں کی رفتار اور جوش میں فرق آیا تھا اس سے تیر اندازوں کو دوسری باڑ مارنے کا موقع ملا۔ ایک تیر سنہری زرہ پوش کی زرہ میں لگا مگر وہ محفوظ رہا تھا۔

وہ سراسیمہ ہو کر پیچھے ہٹا اور اس نے ایک سپاہی سے بڑی ڈھال چھین کر اپنے آگے کر لی۔ وہ خود آگے نہیں آ رہا تھا مگر اپنے آدمیوں کو چیخ چیخ کر آگے آنے کا حکم دے رہا تھا۔ دوسری باڑ مارتے ہی ڈھال برداروں نے خلا ختم کر دیا کہ چھت پر موجود تیر انداز اس کا فائدہ نہ اٹھا سکیں۔ دشمن کے بیس کے قریب سپاہی دLAN میں گر چکے تھے۔ کچھ مر گئے تھے اور باقی شدید زخمی تھے۔ پچاس کے قریب سپاہی دوڑتے ہوئے اب اتنے نزدیک آگئے تھے کہ چھت پر موجود تیر انداز ہمیں نشانہ نہیں بنا سکتے تھے ورنہ خود ان کے ساتھی نشانہ بنتے۔ وہ آکر ڈھالوں سے ٹکرائے اور ہمیں پیچھے کی طرف دھکیلنے لگے۔ اس دوران میں پانچواں دستہ بھی باہر آ گیا تھا اور ہم بہت چھوٹی سے جگہ میں پک ہو گئے تھے۔ اس لیے دھکیلنے والے زیادہ نہیں دھکیل سکے اور جب ہم نے جوابی زور لگایا تو انہیں پیچھے دھکیل دیا۔ خلا بنتے ہی ڈھال بردار پیچھے ہٹنے لگے اور پیچھے موجود سپاہی آگے نکل کر دشمن پر ٹوٹ پڑے تھے۔ کیونکہ ہم چھوٹی سی جگہ میں تھے اس لیے دشمن کا خیال تھا کہ ہماری تعداد زیادہ نہیں ہے۔ ہم پر چڑھ آئے والوں کے خیال میں بھی نہیں تھا کہ انہیں اپنے سے زیادہ آدمیوں سے واسطہ پڑے گا اور وہ افراتفری میں پیچھے ہٹنے لگے۔ ڈھال بردار دوبارہ سامنے آگئے اور انہوں نے تیر اندازوں کو اپنی حفاظت میں لے لیا جواب چھت پر موجود دشمن تیر اندازوں کو نشانہ بنانے کی کوشش کر رہے تھے۔ جب اوپر موجود دشمن کو جواب ملا اور ان میں سے دو نے تیر کھائے تو ان کے حوصلے پست ہو گئے اور اب وہ کھل کر تیر اندازی سے گریز کر رہے تھے۔ میں نے دیکھا کہ اب پورے دLAN میں دست بدست جنگ جاری تھی۔ سنہری زرہ والا غائب تھا مگر بستونوں والی عمارت کی طرف سے تقریباً پچاس مزید سپاہی دوڑے آرہے تھے۔ ہمارے تیر انداز انہیں نشانہ بنانے لگے۔ درحقیقت اس جنگ میں فیصلہ کن کردار تیر اندازوں کا ہی تھا۔ میرے دستے کے پاس تین بڑی ڈھالیں تھیں اور ہم ان کی آڑ میں شاہی حصے کی طرف بڑھنے لگے۔

سپاہی جو ہمارے راستے میں آرہے تھے ہم ان سے نمٹ رہے تھے۔ اب تک کی جنگ میں، ہمیں نے محسوس کیا کہ ریناٹ کے آدمیوں میں جذبہ بالکل نہیں تھا اور وہ جان دینے کے لیے تیار نہیں تھے۔ ان کے کمانڈر

پیچھے رہ کر جنگ کر رہے تھے اور سپاہی بادل ناخواستہ لڑ رہے تھے۔ جیسے ہی ان پر دباؤ آتا وہ پسپا ہوتے تھے یا ہتھیار ڈال دیتے تھے۔ ان کے دو درجن سپاہی لڑائی کے آغاز سے پہلے مارے گئے۔ اسی طرح آرگون میں ہمیں جتنے بھی سپاہیوں سے واسطہ پڑا ان میں لڑنے کا جذبہ نہ ہونے کے برابر تھا۔ وہ آسانی سے مارے گئے یا گرفتار ہو گئے۔ حالانکہ وہ تربیت یافتہ اور کہیں بہتر ہتھیاروں سے مسلح تھے۔ دلاں میں سپاہی آگئے تھے ہماری تعداد میں بہت تیزی سے اضافہ ہوا تھا۔ میں نے عمارت میں اندر جانے کے لیے دروازوں کے بجائے کھڑکی کا راستہ اختیار کرنے کا سوچا اور ایک کھڑکی کے بند پٹ پر زور لگا کر میں نے اس کی مضبوطی کا اندازہ کیا اور پھر پیچھے ہٹ کر پوری قوت سے پاؤں اس پر مارا۔

پٹ لرزاتا تھا مگر کھلا نہیں۔ ایرٹ بھی میرے ساتھ آگیا اور جب ہم دونوں نے ایک ساتھ پاؤں مارے تو پٹ ایک دھماکے سے کھلا تھا اور فوراً اندر سے دو تیر آئے۔ میں اور ایرٹ اس دوران میں جھک گئے تھے مگر پیچھے موجود ہمارا ایک ساتھی نشانہ بنا۔ وہ کراہ کر گراتھا تو باقی بھی نیچے ہو گئے۔ پھر دو تیر اندازوں نے بیک وقت اٹھ کر جوابی کارروائی کی۔ مگر اندر والے بھی ہوشیار تھے وہ کسی آڑ میں تھے۔ میں نے ایک بڑی ڈھال لی اور اسے سامنے کرتے ہوئے اندر جھانکا۔ یہ بڑا سا ہال نما کمراتھا اور وہاں فرنیچر بتا رہا تھا کہ یہ نشست گاہ تھی۔ تیر انداز فرنیچر کے پیچھے ہی چھپے ہوئے تھے۔ ہمارے ساتھی سرنگ سے آتے ہوئے مشعلیں بھی لائے تھے کیونکہ آگ لگانے کی ضرورت پڑ سکتی تھی اور یہ اچھا حربہ بھی تھا۔ میں جائزہ لے رہا تھا کہ دو تیر آکر ڈھال میں پوسٹ ہو گئے۔ میں نے مشعل کے لیے آس پاس دیکھ لیا وہ ذرا دور ایک سپاہی کے پاس تھی۔ ریک نے اس سے مشعل مانگی جو اس نے دور سے ہماری طرف اچھال دی ریک نے مہارت سے اسے کچ کر کے مجھ دی۔

”آپ کیا کرنے جا رہے ہیں؟“

”آگ لگانے۔“ میں نے کہا اور مشعل ہال کے وسط میں پھینک دی جہاں کپڑے والے فرنیچر کی بہتات تھی۔ نتیجہ حسبِ مرضی نکلا اور مشعل نے گرتے ہی آگ لگا دی۔ آگ تیزی سے پھیل رہی تھی۔ اندر موجود سپاہیوں میں بدحواسی ان کی آوازوں سے ظاہر تھی میں موقع سے فائدہ اٹھا کر اندر کودا اور اس بار آنے والے تیروں کی تعداد زیادہ تھی۔ دو اس زاویے سے آئے تھے کہ ڈھال مجھے بچا نہیں سکتی تھی مگر بچانے والا اصل میں خدا ہے۔ ایک تیر میرے سر کے پاس سے گزر کر کھڑکی کی چوکھٹ میں پوسٹ ہوا اور دوسرا میری ٹانگوں کے درمیان سے نکل گیا۔ جس کا تیر سر کے پاس سے گزرا تھا اسے ایرٹ نے نشانہ بنایا اور وہ تیر کھا کر گرنا پڑا ایک طرف بھاگا۔ میرے ساتھی اب مجھے بچانے کے لیے دھڑا دھڑ تیر برسا رہے تھے۔ میں نیزہ سنبھالتے ہوئے نزدیکی سپاہی کی طرف لپکا تو اس نے مجھے آتے دیکھا کر تیر کمان پھینک دیا اور اپنا نیزہ سنبھالا۔

میں نے نزدیک جاتے ہوئے اس پر ڈھال ماری مگر وہ مہارت سے خود کو بچا گیا۔ اس نے تیز سے جوابی وار کیا جو میں نے زاویہ بدل کر خالی جانے دیا۔ مگر اس نے نہایت پھرتی سے دوسرا وار کیا اور اس بار نیزے کی آنی میری ران کو چھوتی گزری۔ اگر میں پھرتی نہ دکھاتا تو نیزہ میری ران میں اتر جاتا اس کے باوجود مجھے زخم لگا تھا اور میں لڑکھڑا کر پیچھے گیا۔ مجھے زخمی ہوتے دیکھ کر وہ سفاک سے انداز میں مسکرایا۔ اتنا تو مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ ماہر لڑاکا تھا اور اس پر قابو پانا آسان نہیں ہوگا۔ مجھے ڈھال لے کر لڑنے کی عادت نہیں تھی اور مجھے اس

کے ساتھ دشواری پیش آرہی تھی اس لیے میں نے ڈھال ایک طرف پھینک دی۔ اب ہم دونوں ہی پاس پاس تھے اس لیے میرے ساتھی تیر سے نشانہ نہیں لے سکتے تھے۔ البتہ وہ اندر آگئے تھے۔ اسی طرح دشمن بھی اپنے ساتھی کی وجہ سے مجھے نشانہ نہیں بنا سکتے تھے۔ کمرے کے وسط میں آگ بھڑک رہی تھی اور باقی دشمن سپاہی فرار ہو چکے تھے۔ میں نے حریف پر نظریں جماتے ہوئے ربیک کو حکم دیا۔

”اپنا دستہ لے کر اندر جاؤ اور راستہ صاف کرو۔“

”مگر.....“ ربیک ہچکچایا۔ ”یہ.....“

”اسے میرے لیے چھوڑ دو اور جو کہا ہے وہ کرو۔“ میں نے اس بار سخت لہجے میں حکم دیا۔ ”اس راستے مزید ملک منگواؤ۔“

مجھے ربیک کے ساتھ مجھ گفتگو پا کر اسے غلط فہمی ہوئی اور اس نے اچانک نیزے سے وار کیا۔ میں نے اپنا نیزہ اس کے نیزے پر مارا اور اسے گھماتے ہوئے دور کر دیا۔ اب ہم دونوں ہی محتاط انداز میں نیم دائرے میں گھومتے ہوئے وار کرنے کا موقع تلاش کر رہے تھے۔ اس نے پہل کی اور اس بار میرے نیزے والے بازو کو نشانہ بنانا چاہا۔ یہ وار خطرناک نہیں تھا مگر مجھے ناکارہ کر سکتا تھا۔ اس بار مجھے پورا گھومنا پڑا اور اس کا نیزہ میرے بازو کو تقریباً چھوتا ہوا گزرا تھا۔ ربیک مجھے میرے حال پر چھوڑ کر میرے حکم کی تعمیل میں لگ گیا تھا اور میں یہی چاہتا تھا۔ ہم ہم کے مشکل ترین مرحلے میں تھے اور اس میں ذرا سی کوتاہی یا تاخیر ہماری ساری مہم کو ناکام بنا سکتی تھی۔ ریٹائر اور اس کے خاص ساتھی بچ کر نکل جاتے تو ہم ناکام ہی ہوتے۔

اس لیے میں نے ربیک اور دوسروں کو اپنا کام کرنے کا حکم دیا اور اس سپاہی سے خود نمٹ رہا تھا۔ ایک ناکام وار کے بعد وہ سنبھل گیا تھا اور شاید اب یقینی وار کرنے کا سوچ رہا تھا۔ غالباً اسے بھی اندازہ ہو گیا تھا کہ میں ترنوالہ نہیں ہوں اور اگر مجھے موقع ملا تو میں اسے مار دوں گا۔ اس کی آنکھوں میں سرخی نمودار ہوئی تھی اور چہرے کے تاثرات وحشیانہ ہو گئے تھے۔ اچانک اس نے میرے سینے کو نشانہ بنانا چاہا اور میں اسی کی توقع کر رہا تھا۔ اوپری دھڑکونیم دائرے میں گھماتے ہوئے میں نے وار ناکام کیا اور اس کے ساتھ ہی میرا نیزے والا ہاتھ نیچے سے حرکت میں آیا۔ نیزہ نیچے سے معدے کے مقام سے اس کے سینے میں گھسا اور شاید جگر کو بھی چاک کر گیا۔ اس کا منہ کھلا رہ گیا اور آنکھیں پتھر اگئی تھیں۔ میں نے نیزہ جھٹکے سے واپس کھینچا تو وہ نیچے گر گیا۔

میں گہری سانس لے کر رہ گیا۔ وہ بہت نوجوان آدمی تھا اور اقتدار کی جنگ نے اس کی جان لے لی تھی۔ میرا نیزہ اب خون سے اتنا بھیگ چکا تھا کہ خون اس کے پکڑنے والے حصے تک آرہا تھا۔ یہ میرے ہاتھ سے پھسل رہا تھا۔ میں نے اپنے کرتے کے دامن سے اسے صاف کیا اور ہال کے اندر کی طرف کھلنے والے دروازے کی طرف بڑھا جہاں سے آتی آوازیں بتا رہی تھیں کہ میرے ساتھی دست بدست جنگ میں مصروف تھے۔ میں ان سے پیچھے کیسے رہ سکتا تھا؟ میں نے جلتی مشعل اٹھائی اور اس ہال میں داخل ہوا۔ یہاں دیواروں پر پردے لہرا رہے تھے میں نے ان کو آگ دکھائی اور پھر ایک طرف روشن لیمپ اٹھا کر سامنے میز نما فرنیچر پر دے مارا۔ یہاں میرے ساتھی ایک درجن افراد سے نبرد آزما تھے۔ آگ لگی تو دشمنوں میں سراپیمگی پھیلی تھی۔ اس سے فائدہ اٹھا کر میرے ساتھی ان پر چڑھ دوڑے۔ اس دوران میں دوسرا دستہ بھی وہاں آگیا۔ مگر دشمن سپاہیوں کی آمد بھی مسلسل

جاری تھی۔ میں نے سامنے آنے والے ایک سپاہی کونگی چاقو سے ٹھکانے لگایا اور ایرٹ سے کہا۔
 ”اپنے تیر انداز لے کر میرے ساتھ آؤ۔“ میں نے کہتے ہوئے چاقو پکے میں اڑس کر ڈھال سنبھالی اور
 دوسرے ہاتھ سے مشعل اٹھالی تھی۔ یہاں آگ لگانے کے قابل سامان بہت تھا اور میں جہاں سے گزر رہا تھا
 اسے آگ دکھا رہا تھا۔ اب تک ہم جہاں گئے تھے ہمیں سپاہی ہی ملے تھے۔ کوئی عام فرد یا ریٹا سے متعلق
 آدمی یا عورت نظر نہیں آئے تھے۔ وہ شاید مزید اندر تھے اور اگر ان تک ہنگامے کی اطلاع پہنچ گئی تھی جس کا بہت
 زیادہ امکان تھا تو وہ اپنی جان بچانے کے لیے فرار یا کسی خفیہ جگہ چھپنے کی سعی کر سکتے تھے۔ شاید وہ ریٹا اور
 اس کے خاص ساتھیوں کے ہمراہ تھے اور وہ انہیں انسانی ڈھال کے طور پر استعمال کرتے۔ انہیں زیادہ مہلت نہیں
 دی جاسکتی تھی اس لیے اب میں تیزی سے حرکت کر رہا تھا۔ میں نے ایرٹ سے کہا۔ ”ہر فرد کو جو راستے میں نظر
 آئے تیر سے نشانہ بناؤ ہمارے پاس دو بدولٹائی کا وقت نہیں ہے۔“

ایرٹ سمجھ گیا تھا وہ اور اس کے دس کے قریب تیر انداز ساتھی اب تیر کمان پر چڑھائے میرے پیچھے
 آرہے تھے۔ میں نے نیزہ چھوڑ دیا تھا۔ اب دفاع کے لیے میرے پاس ڈھال تھی۔ حملے کا منصوبہ بناتے وقت
 ہم نے آگ کے حربے کو نظر انداز کیا تھا مگر اب یہ نہایت مؤثر ثابت ہو رہا تھا۔ آگ لگانے سے نہ صرف دشمن کا
 حوصلہ پست ہو رہا تھا بلکہ اس کی وجہ سے یہاں تباہی کا ماحول بن رہا تھا۔ شاید یہی وجہ تھی کہ ماضی میں جب
 فوجیں کسی شہر یا آبادی پر حملہ کرتی تھیں تو آگ لگانے کا حربہ استعمال کرتی تھیں۔ مجھے امید تھی کہ ایرٹ بھی
 اس حربے کو استعمال کر رہا ہوگا۔ دلان کے حصے میں شدت کی جنگ جاری تھی اور ایرٹ وہاں براہ راست کمان
 کر رہا تھا۔ اس خاص حصے میں میرے ساتھ پچاس کے قریب افراد آئے تھے اور ہم یہاں دشمن سپاہ کا صفایا کر
 رہے تھے۔ یہ حصہ ہال در ہال پر مشتمل تھا یہ بڑے ہال آر پار ایک طرف دلان کی طرف کھل رہے تھے اور دوسری
 طرف عقبی باغ میں کھل رہے تھے۔ میں نے باہر باغ میں جھانک کر دیکھا تو وہاں سپاہی جمع ہو رہے تھے۔
 میں نے ریک کو اشارہ کیا اور اس نے اپنے آدمیوں کے ہمراہ ان پر تیروں کی بوچھاڑ کر دی۔ ان میں سے کچھ تیر
 کھا کر گرے اور باقی منتشر ہو کر بھاگ نکلے تھے۔

ہمارے اچانک حملے نے ریٹا کی فوج میں بدحواسی اور بددلی پیدا کی تھی اور یہی میرا مقصد تھا کہ انہیں
 منظم اور جمع نہ ہونے دیا جائے۔ دوسرے ہال کے بعد تیسرے ہال میں جانے والا دروازہ اندر سے بند ہو گیا تھا
 اور میرے ساتھی اسے توڑنے کی کوشش کر رہے تھے۔ انہوں نے دونوں ہالوں میں موجود دشمنوں کا خاتمہ کر دیا
 اور میں کسی ایسے دشمن کی تلاش میں تھا جو زندہ ہو اور معلومات دے سکے۔ ایک سپاہی پر مجھے شک ہوا کہ وہ مرا
 نہیں تھا کیونکہ تیر اس کی کمر میں ایسی جگہ لگا تھا جہاں اسے زیادہ نقصان نہیں ہوا تھا اس کے باوجود وہ ساکت پڑا
 تھا۔ میں نے اس کا تیر پکڑ کر ہلایا تو اس نے بے ساختہ چیخ ماری تھی۔ میرا اندازہ درست نکلا تھا۔ میں نے ریک
 کو اشارہ کیا اور وہ بھاگا آیا۔ میں نے سپاہی کی کمر میں پیوست تیر ہلاتے ہوئے کہا۔ ”اس سے پوچھو کہ محل کے
 لوگ کہاں ہیں۔ ریٹا اور اس کے ساتھی کہاں ہیں؟“

ریک نے میرا سوال دہرایا تو سپاہی خاموش رہا مگر جب میں نے دوبارہ تیر ہلایا تو وہ بول پڑا۔ ”وہ لوگ
 حملہ ہوتے ہی اندر چلے گئے۔“

”اندر کہاں؟“

وہ جلدی جلدی کہنے لگا۔ ”تیسرے ہال کے بعد شاہی خواب گاہیں ہیں اور ان کے عقب میں ایک خاص حصہ ہے وہاں سوائے چند خاص لوگوں کے اور کوئی نہیں جاسکتا ہے۔“

”تم نے اندر جانے کو کہا ہے۔“ ربیک نے غرا کر پوچھا۔

”وہاں زمین کے نیچے ایک جگہ ہے۔“ سپاہی کا چہرہ سفید پڑ گیا۔ ”میں اتفاق سے واقف ہو گیا ہوں ورنہ

جو اس جگہ کے بارے میں جان جائے اسے مار دیا جاتا ہے۔“

مجھے یاد آیا ریڈو نے ایک خاص ہال کا ذکر کیا تھا جہاں شاہی تقریبات ہوتی تھیں۔ میں نے ربیک سے کہا۔ ”ہمیں وہیں جانا ہے۔“

ربیک نے اس سے چند سوال اور کیے اور جب محسوس کیا کہ وہ اب مزید کچھ نہیں بتا سکتا تو اس نے اچانک اس کے سر پر وار کیا اور وہ بے ہوش ہو گیا۔ دونوں ہالوں کے دLAN کی طرف کھلنے والے دروازے کھلوا دیئے گئے تھے اور اب ہم باہر ہونے والی جنگ کا مشاہدہ بھی کر سکتے تھے۔ جنگ آخری مرحلے میں تھی کیونکہ ریٹائٹ کی فوج نے یہاں شکست تسلیم کر لی تھی اور ایزارٹ کی فوج ستونوں والی جگہ داخل ہو چکی تھی۔ پورے دLAN میں جا بجا دشمن سپاہیوں کی اور کچھ حریت پسندوں کی لاشیں بھی بکھری ہوئی تھیں۔ مگر تناسب ایک اور دس کا تھا۔ میں نے اندازہ لگایا کہ کھلی جنگ میں ریٹائٹ اپنے ڈیڑھ سو سے زائد آدمیوں سے محروم ہو چکا تھا۔ ہمارا نقصان بیس سے زیادہ نہیں تھا مگر جذباتی لحاظ سے یہ بہت بڑا نقصان تھا۔ ہمارے لیے ہر فرد قیمتی تھا۔ میں نے دLAN میں دیکھا مگر مجھے ایزارٹ نظر نہیں آیا۔ وہ آگے جا چکا تھا۔

اس دوران میں میرے ساتھیوں نے تیسرے ہال کا دروازہ توڑ دیا اور اندر سے آنے والی تیروں کی بوچھاڑ سے بچنے کے لیے پیچھے ہٹ گئے۔ ڈھال بردار یہاں بھی موجود تھے۔ اب ہم ڈھالیں اور تیر استعمال کر رہے تھے۔ تیر انداز ڈھالوں کے پیچھے رہ کر دشمن سپاہیوں کو نشانہ بنا رہے تھے اور ہم دباؤ بڑھاتے ہوئے بتدریج تیسرے ہال میں داخل ہو گئے۔ یہاں بھی ڈھال برداروں نے نیم دائرے میں آکر تیر اندازوں کو تحفظ دیا۔ یہ ہال بڑا تھا اور یہاں ستون بھی تھے۔ دشمن سپاہی ان ستونوں کے پیچھے سے حملے کر رہے تھے۔ ان کی تعداد بھی زیادہ تھی۔ یہ شاید ان کا آخری مورچہ تھا اور اس لیے مزاحمت شدید تھی۔ دیکھتے ہی دیکھتے میرے تین ساتھی ان کا نشانہ بن گئے۔ میں نے ڈھال برداروں کو آگے آنے کا حکم دیا اور ربیک سے کہا۔ ”یہاں بھی آگ لگواؤ۔ آدمیوں سے کہو کہ وہ جلتی چیزیں لا کر یہاں پھینکیں۔“

ربیک نے فوری حکم جاری کیا۔ وہ پچھلے ہالوں میں بھڑکنے والی آگ سے جلتی چیزیں لا کر اس ہال میں فرنیچر اور پردوں پر پھینکنے لگے۔ تیر انداز اپنے تیروں کو آگ دکھا کر پردوں پر مار رہے تھے۔ چھت کے ساتھ ساتھ پرچم لٹکے ہوئے تھے ان کو بھی نشانہ بنایا تھا۔ چند ہی منٹ میں اس ہال میں بھی آگ بھڑک اٹھی تھی اور حسب توقع دشمن یہاں بھی حوصلہ ہارنے لگا۔ وہ ایک راہداری کی طرف پسپا ہو رہے تھے۔ ایک بار وہ ستونوں کی آڑ سے نکلے تو میں نے تیر اندازوں کو پوری قوت سے حملہ کرنے کا حکم دیا۔ وہ حرکت میں آئے اور اچانک ڈھالوں کے پیچھے سے نکل کر تیر برساتے اور دوسرا تیر کمان پر کھینچنے کے لیے واپس ڈھال کے عقب میں چلے

جاتے۔ دشمن کے نصف درجن سپاہی اور گرے تو ان کا حوصلہ جواب دے گیا اور وہ سب راہداری کی طرف غلٹ میں پسپا ہوئے اسی غلٹ میں کئی اور مارے گئے۔

میرے دستے کے سات افراد مارے جا چکے تھے ان میں رائنوں بھی شامل تھا۔ وہ ایک بار تیر چلانے کے لیے سامنے آیا تو دشمن کا تیر اس کے سینے میں اتر گیا۔ میں نے ربیک اور ایرٹ کو اس کی لاش کے پاس انفرادہ دیکھا۔ میرا بھی دل دکھا تھا مگر یہ سوگ منانے کا وقت نہیں تھا۔ یہی بات میں نے ربیک اور ایرٹ سے کہی تو وہ حرکت میں آ گئے تھے۔ تیسرا ہال بھی ہمارے قبضے میں آ گیا تھا۔ اس کے بعد شاہی خواب گاہیں شروع ہو جاتی تھیں۔ راہداری اسی طرف جارہی تھی اور دشمن کا اس طرف پسپا ہونا بتاتا تھا کہ اگلا مورچہ وہ اسی راہداری میں لگائیں گے۔ یہ جگہ خاصی چوڑی تھی اور اس میں جا بجا لکڑی سے بنے ہوئے بڑے سائز کے گلدان اور دوسری آرائشی اشیا رکھی ہوئی تھیں اور زیادہ تر چیزیں لکڑی سے ہی بنی تھیں۔ فرش پر دیز قالین تھا۔ آگ لگانے کے لیے یہاں بھی بہت کچھ تھا۔

میں نے ربیک کو اس بارے میں ہدایات دیں اور اس نے آگ سے بچ جانے والے پردے کھینچ کر ان کے گولے سے بنائے اور ان کو آگ دکھا کر راہداری میں پھینکنا شروع کر دیا۔ بیک وقت درجن افراد یہ کام کر رہے تھے۔ دیکھتے ہی دیکھتے راہداری کا ابتدائی حصہ آگ کی لپیٹ میں آ گیا۔ یہاں موجود سپاہی بھی افراتفری میں پسپا ہوئے۔ میں نے محسوس کیا کہ وہ لوگ آگ سے بہت ڈرتے تھے اور جب ہم نے آگ کا حربہ استعمال کیا وہ گھبراہٹ میں پسپا ہوئے تھے۔ اس راہداری کے دونوں طرف کمرے تھے اور یہی شاہی خواب گاہیں تھیں۔ آخر میں جا کر راہداری دائیں بائیں طرف مڑ رہی تھی۔

میرا اندازہ تھا کہ خاص ہال اسی راہداری میں دائیں طرف تھا اور وہیں ریناٹ کے ساتھ ڈیوڈ شائینڈ کو کی موجودگی کا پورا امکان تھا۔ اسی طرف وہ تہہ خانہ تھا جس میں ریناٹ اور اس کے خاص ساتھیوں کے جانے کی اطلاع تھی۔ پسپا ہونے والے اب وہاں دائیں طرف جمع ہو رہے تھے۔ ان میں سے کوئی بھی بائیں طرف نہیں جا رہا تھا۔ میں نے ربیک کو مزید آتش زنی سے روک دیا۔ کیونکہ آگ اگر بڑھ جاتی تو ہمارے ہی راستے کی رکاوٹ بن جاتی۔ ذرا مہلت ملی تو میں اپنے نقصان کا جائزہ لے رہا تھا۔ میرے پچاس ساتھی مارے گئے تھے اور میرے پاس ابھی پینتالیس کے قریب آدمی تھے ان میں سے پانچ خاصے زخمی تھے مگر وہ لڑنے پر مصر تھے۔ مگر میں نے انہیں مرہم پٹی کرنے کا حکم دیا۔ چالیس میں سے تیس اچھے تیر انداز تھے۔

ہمارے پاس اب اسلحے کی کمی نہیں تھی مارے جانے والے دشمن کا زیادہ بہتر اسلحہ بھی ہمارے ہاتھ آ گیا تھا۔ اب تک ہمارا سامنا یہاں خدام اور کنیزوں سے نہیں ہوا تھا ایسا لگ رہا تھا کہ وہ یا تو بھاگ گئے تھے یا پھر ریناٹ کے ساتھ ہی اس خاص حصے میں تھے۔ ہمارا سامنا اب تک سپاہیوں سے ہی ہوا تھا۔ میری خواہش تھی کہ کوئی ایسا آدمی ہاتھ آئے جو مجھے اس حصے کے بارے میں بتائے۔ میں جاننا چاہتا تھا کہ یہاں سے فرار کا اور کوئی راستہ تو نہیں تھا جہاں سے ریناٹ اور اس کے ساتھی نکل جاتے اور ہم لکیر پیٹتے رہ جاتے۔ میں نے ایرٹ اور چند سپاہیوں کو ساتھ لیا اور ہال کے دوسری سمت باغ میں نکلا۔ یہ بہت بڑا اور حسین باغ تھا۔ دائیں بائیں دونوں طرف سے یہ اس عمارت کے گرد گھوم رہا تھا۔

میں بائیں طرف آیا جہاں خاص حصہ تھا۔ میں یہاں عمارت میں کوئی داخلی حصہ تلاش کر رہا تھا مگر وہاں عمارت کی دیواریں بالکل سپاٹ تھیں اور ان میں روشن دانوں کے سوا کچھ نہیں تھا۔ عقب سے بھی راستہ نہیں تھا اور اس سے آگے پانی کے تالاب تھے۔ شاہی حصے سے تالابوں کی طرف جانے کا راستہ اندر سے ہی جاتا تھا اور باہر سے تالابوں تک رسائی کا کوئی راستہ نہیں تھا سوائے چھت کے، کیونکہ اوپر سے یہ تالاب کھلے ہوئے تھے۔ اصل میں یہ شاہی خاندان کے لیے مخصوص تیراکی کے تالاب تھے۔ اس معائنے کے دوران بظاہر مجھے اس خاص حصے سے باہر نکلنے کا کوئی راستہ نظر نہیں آیا تھا۔ اگر کوئی خفیہ راستہ تھا تو میں کہہ نہیں سکتا تھا۔ میں واپس آیا تو ریک اور اس کے آدمی شاہی خواب گاہوں تک رسائی حاصل کر کے وہاں مورچے بنا چکے تھے۔ انہوں نے بھی تصدیق کی کہ آگے جانے کا واحد راستہ صرف راہداری ہے۔ میں نے ریک سے کہا۔

”اب تم لوگوں کو بہت ہوشیار رہنا ہوگا۔ یہاں بہت خطرناک لوگ ہیں۔ وہ میری طرح باہر سے آئے ہیں اور ان کے پاس ایسے ہتھیار ہیں جن کا تم مقابلہ نہیں کر سکو گے۔ میں ابھی آتا ہوں تب تک تم لوگ یہاں صرف پہرہ دو گے اور اپنے طور پر کوئی حرکت نہیں کرو گے۔ دوسرے اگر تم پر انوکھے ہتھیاروں سے حملہ کیا جائے تو تم اپنا بچاؤ کرو گے۔ چاہے اس کے لیے تمہیں اس جگہ سے پیچھے ہٹنا پڑے۔ یہ میرا حکم ہے اور اس کی اسی طرح تعمیل ہونی چاہیے۔“

”ریک مستعد ہو گیا۔“ آپ بے فکر رہیں میں سمجھ گیا ہوں کہ مجھے کیا کرنا ہے۔“

میں واپس دلان کی طرف آیا۔ ابھی شاہی عمارت کی اوپری منزل کیئر کرنا تھی مگر مجھے امید تھی کہ وہاں سوائے عام سپاہیوں کے اور کوئی نہیں ہوگا۔ دلان میں لڑائی ختم ہو گئی تھی البتہ ستونوں والی عمارت سے شاہی حصے کی اوپری منزل پر تیر اندازی کی جارہی تھی اور ظاہر ہے دوسری طرف سے بھی اس کا جواب دیا جا رہا تھا۔ میں نے ایک بھاری ڈھال اٹھائی اور اس کی آڑ لیتا ہوا ستونوں والی عمارت تک آیا۔ ایزارٹ کے سپاہی یہاں قابض ہو چکے تھے۔ اس لیے مجھے یہاں کوئی خطرہ نہیں تھا۔ مگر اندر اتنے سپاہی نہیں تھے۔ ان میں سے بیشتر شاید آگے جا چکے تھے۔ میں نے ایک سپاہی کو روک کر پوچھا۔ ”ایزارٹ۔“

اس نے جواب دیا۔ ”وہ آگے ہے۔“

میں ستونوں والی عمارت کے دوسرے حصے کی طرف بڑھا اور یہاں مجھے شور سنائی دیا۔ آس پاس کہیں بھرپور جنگ جاری تھی۔ ہتھیار کے شور، تیروں کی سنسناہٹ اور نیزوں و لاثیوں کے آپس میں ٹکرانے کی آوازیں کے ساتھ مرنے اور زخموں ہونے والوں کی چیخ و پکار ایک بھرپور تاثر دے رہی تھی۔ میں سامنے والے حصے میں سیڑھیوں پر آیا تو جنگ کا منظر اپنی پوری ہولناکی کے ساتھ سامنے آ گیا تھا۔ ایزارٹ اور اس کے ساتھی سیڑھیوں پر تھے اور ریناٹ کی سپاہ نیچے میدان میں جمع تھی۔ وہ سیڑھیوں پر چڑھنے کی کوشش کر رہی تھی اور ایزارٹ اپنے ساتھیوں کے ساتھ انہیں روک رہا تھا۔ یہاں ایزارٹ کے ساتھ ڈھائی سو کے قریب افراد تھے۔ جب کہ ریناٹ کی سپاہ کی تعداد چار سو کے قریب تھی۔ تعداد کے لحاظ سے ان کا پلہ بھاری تھا مگر جذبے اور جگہ کے لحاظ سے ایزارٹ اور اس کے آدمی حادی تھے۔ وہ بلندی سے زیادہ بہتر نشانہ بنارہے تھے۔

میں دیکھ رہا تھا کہ ایزارٹ کے تیر اندازوں کا کوئی تیر خالی نہیں جا رہا تھا۔ ریناٹ کے آدمی اس وقت

بھاری ڈھالوں سے محروم تھے اور اپنی چھوٹی ڈھالوں سے دفاع کرنے کی ناکام کوشش کر رہے تھے کیونکہ انہیں آگے بڑھ کر حملہ بھی کرنا تھا اور ڈھال سامنے رکھ کر یہ مشکل کام تھا۔ لڑنے کے لیے انہیں سامنے آنا پڑتا تو ایزارٹ کے تیر انداز انہیں نشانہ بناتے تھے۔ ایک منٹ میں درجن سے زیادہ دشمن مارے جا چکے تھے۔ دست بہ دست جنگ میں ایزارٹ کا انداز مدافعت تھا اور وہ صرف دشمن کو آگے بڑھنے سے روک رہا تھا۔ اصل کام اس کے تیر انداز کر رہے تھے۔ اچانک ہی ہماری طرف سے تیر اندازی میں کمی آئی اور میں نے پلٹ کر دیکھا تو خاصے تیر انداز اپنی جگہوں پر نہیں تھے۔ میں حیران تھا کہ وہ کہاں چلے گئے۔ حملے میں کمی آئی تو دشمن کا حوصلہ بڑھا تھا اور وہ دباؤ بڑھانے لگا۔ میں بھیڑ میں ہوتا ہوا ایزارٹ تک پہنچا جو سر سے پاؤں تک خون میں نہایا ہوا تھا۔ میں نے اشارے سے پوچھا۔

”تیر انداز کہاں جا رہے ہیں؟“

”چھت پر۔“ اس نے جواب دیا اور آگے بڑھنے والے ایک دشمن سپاہی کو پہلے نیزہ مارا اور پھر ڈھال مار کر اسے پیچھے دھکیل دیا۔ ایزارٹ کی توجہ پوری طرح دشمنوں پر تھی اور میں نے اسے مزید چھیڑنا مناسب نہیں سمجھا۔ میں آنے والے تیروں سے بچتا ہوا ستونوں والی عمارت میں آیا اور تیر اندازوں کے پیچھے روانہ ہوا۔ انہوں نے کسی طرح اس کے ایک ستون سے رستی اور لکڑی سے بنی سیڑھی باندھ لی تھی اور اس سے اوپر جا رہے تھے۔ ستون ایسی جگہ تھا کہ عمارت کے آگے یا پیچھے سے نظر نہیں آتا تھا۔ تیر انداز تھوڑے وقفے سے آرہے تھے اور ایک بار مجھے موقع ملا تو میں بھی اوپر چڑھ گیا۔ چھت پر آکر میں نے دیکھا کہ پینتیس چالیس تیر انداز اوپر آچکے تھے۔ ان میں سے کچھ شاہی حصے کی دوسری منزل پر موجود تیر اندازوں کے خلاف کارروائی کر رہے تھے اور باقی سامنے والے حصے میں ایک قطار میں جمع ہو رہے تھے۔ انہوں نے اپنے تیر کمانوں پر چڑھالیے تھے۔ مگر ابھی حملے کا آغاز نہیں کیا تھا۔

میں عقبی حصے میں آیا اور شاہی حصے کا جائزہ لیا۔ مجھے تالاب والے حصے کی خالی جگہ یہاں سے نظر آرہی تھی اور اس کے چاروں طرف موجود عمارت کی چھت اس جگہ سے کوئی پندرہ فٹ کے فاصلے پر تھی۔ میں اس جگہ کا جائزہ لے رہا تھا کہ ایک تیر سنسناتا ہوا میرے پاس سے گزرا۔ تیر شاہی حصے سے آیا تھا۔ جس نے مارا تھا وہ ہمارے تیر اندازوں کی جوابی کارروائی کا نشانہ بن گیا۔ اس کے بعد دشمن کی طرف سے خاموشی چھا گئی۔ تیر اندازوں کے کمانڈر نے اس طرف موجود تیر اندازوں کو بھی اپنی طرف بلا لیا اور پھر پچاس کے قریب تیر اندازوں نے اچانک ہی چھت کے کنارے سے نیچے موجود دشمن کو تیروں کی باڑ پر رکھ لیا۔ حملہ اتنا اچانک اور شدید تھا کہ دشمن بدحواس ہو کر پیچھے ہٹا۔ اس کے درجنوں سپاہی فرش پر پڑے اپنے ہی خون میں تڑپ رہے تھے۔ دوسری باڑ نے مزید درجنوں کو زخمی کر دیا۔ دوسری طرف ایزارٹ کے آدمی جواب تک مدافعت جنگ لڑ رہے تھے۔ انہوں نے اچانک ہی جارحانہ انداز اختیار کیا اور دشمن پر چڑھ ڈورے تھے۔

جب ہم سرنگ سے نکل کر شاہی محل میں داخل ہو رہے تھے تو صبح کی روشنی نمودار ہونے لگی تھی اور اب پوری طرح اجالا ہو چکا تھا۔ اس لیے آس پاس کا ہر منظر صاف دکھائی دے رہا تھا۔ تیر اندازوں نے تیسری باڑ بھی اندھا دھند ماری اور اس کے بعد وہ سنبھل کر انفرادی نشانے لینے لگے۔ ایک منٹ سے بھی کم وقت میں ریناٹ کی

فوج کے سپاہی مارے گئے تھے یا شدید زخمی تھے۔ یعنی جنگ کے قابل نہیں رہے تھے۔ دوسری طرف ایزارٹ اور اس کے ساتھی بھی اب حملہ آور تھے۔ اس دو طرفہ مارنے اچانک ہی جنگ کا نقشہ بدل دیا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے پیچھے والے فرار ہونے لگے تھے اور جو ہمارے آدمیوں کے سامنے تھے وہ ہتھیار پھینک کر زندگی کی بھیک مانگ رہے تھے۔ کہیں انہیں معاف کیا جا رہا تھا اور کہیں ہتھیار ڈالنے پر بھی موت مل رہی تھی۔ اب معاملہ مقابلہ کرنے والی سپاہ کے ہاتھ میں تھا۔ شاید ایزارٹ نے اس بارے میں کوئی واضح ہدایت نہیں دی تھی کہ ہتھیار ڈالنے والوں کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے۔ ایک سپاہی دشمن کو ہتھیار پھینکنے پر بھی قتل کرنے جا رہا تھا کہ میں نے اوپر سے چلا کر کہا۔ ”نہیں۔“

سپاہی نے چونک کر مجھے دیکھا اور میں نے ہاتھ کے اشارے سے بھی منع کیا تو وہ رک گیا اور اس کے ہاتھ پشت پر باندھنے لگا۔ ایزارٹ نے دیکھ لیا تھا اس نے چلا کر حکم دیا۔ ”ہتھیار ڈالنے والوں کو قتل نہ کیا جائے۔“

یہ سننا تھا کہ باقی لڑنے والوں نے بھی اپنے ہتھیار پھینک دیئے اور ان کی تعداد بھی دو سو کے قریب تھی۔ ایزارٹ کے آدمی انہیں گھیر رہے تھے اور جو پیچھے تھے ان کو فرار سے روک رہے تھے۔ ایزارٹ نے دوسرا حکم دیا۔ ”جو فرار کی کوشش کرے اسے پیچھا کر کے قتل کر دو۔“

یہ سن کر جو فرار ہونا چاہتے تھے وہ رک گئے۔ اس جنگ میں ریناٹ کے سو سے زیادہ آدمی مارے گئے تھے اور اتنے ہی زخمی تھے جب کہ باقی ہتھیار ڈال کر قیدی بن گئے تھے۔ میں نیچے آیا اور اب مجھے ایزارٹ سے گفتگو کے لیے ترجمان کی ضرورت تھی۔ میں واپس شاہی حصے میں آیا اور وہاں حالات جوں کے توں تھے۔ میں نے پہلے وہاں موجود افراد کو خوشخبری سنائی کہ ہم تقریباً یہاں قابض ہو چکے ہیں اور ریناٹ کی سپاہ نے ہتھیار ڈال دیئے تھے۔ پھر میں ریک کونے واپس آیا۔ ایزارٹ ستونوں والی عمارت میں موجود تھا۔ اس کے آدمی قیدی بننے والوں کو باندھ رہے تھے اور انہی سیڑھیوں کے آگے کھلی جگہ قطار میں بٹھا رہے تھے۔ اس کے کچھ آدمی اپنے زخمیوں کی دیکھ رہے تھے اور ان کی مرہم پٹی کی جا رہی تھی۔ کچھ لاشیں ایک طرف کر رہے تھے۔ میں نے ایزارٹ سے کہا۔

”اگرچہ ہم یہاں قابو پا چکے ہیں لیکن یہ مت سمجھنا کہ ہم نے جنگ جیت لی ہے۔“

”میں سمجھتا ہوں ابھی تمہارے دشمن باقی ہیں جو بہت خطرناک ہیں۔“ ایزارٹ نے کہا۔ ”لیکن میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ اگر وہ اتنے ہی خطرناک ہیں تو انہوں نے اس جنگ میں حصہ کیوں نہیں لیا۔ ریناٹ نے انہیں استعمال کیوں نہیں کیا؟“

”یہ تو میں بھی سمجھنے سے قاصر ہوں۔ مگر میرا اندازہ ہے کہ ڈیوڈ شانے فی الحال جنگ میں مداخلت نہ کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ وہ یہاں ریناٹ کی مدد کرنے نہیں بلکہ اپنے مقاصد لے کر آیا ہے اور اس کی پوری کوشش ہوگی کہ وادی کے باشندوں کا زیادہ سے زیادہ خون بہے اور وہ آپس میں لڑ کر اتنے کمزور ہو جائیں کہ اس کے اصل عزائم کے سامنے مدافعت نہ کر سکیں۔ قلعوں پر حملہ بھی اسی کی سازش ہوگی مگر جب کسی وجہ سے ریناٹ نے حملہ ملتوی کر لیا تو ڈیوڈ شانے کی مدد سے پیچھے ہٹ گیا۔“

ایزارٹ نے سر ہلایا۔ ”ہاں یہ بات سمجھ میں آتی ہے۔ لیکن وہ ہیں کہاں؟“
 ”میرا خیال ہے وہ بھی ریناٹ کے ساتھ اسی جھے میں محدود ہیں۔ ہم نے انہیں چاروں طرف سے گھیر لیا ہے۔“

”تب اچانک حملہ کر کے ان کا خاتمہ کیوں نہ کر دیا جائے؟“
 میں نے نفی میں سر ہلایا۔ ”ہتھیاروں کے فرق کی وجہ سے انہیں حملہ کر کے ختم کرنا بہت مشکل ہے۔“
 ”اس صورت میں ان پر کیسے قابو پایا جائے؟“

میرے ذہن میں ڈیوڈ شا اور اس کے ساتھیوں سے نمٹنے کے لیے ایک خیال آ رہا تھا۔ میں نے ایزارٹ سے کہا۔ ”جب تمہارے آدمی اس کام سے نمٹ جائیں تو انہیں یہاں آتش گیر روغن کی تلاش پر لگا دو۔ یہاں بھی گودام ہیں اور ان میں لازمی یہ روغن ہوگا۔“

”میں ابھی کچھ آدمیوں کو لگاتا ہوں۔“ ایزارٹ نے جوش سے کہا شاید وہ میرا خیال بھانپ گیا تھا۔ ”اس جنگ میں ہمیں نے دیکھا کہ آگ بہت مؤثر حربہ رہی ہے۔“

”تم لوگ تو جنگوں سے ہی ناواقف ہو۔ آج پہلی باریوں جنگ لڑی ہے لیکن باہر کی دنیا میں جنگیں عام اور ان میں بھی آتش اور آتشیں ہتھیار ہی اصل کردار ادا کرتے ہیں۔“

ایزارٹ کے آدمی مرنے والوں کی لاشیں الگ الگ کر کے ان کو قطاروں میں رکھ رہے تھے۔ اپنے ساتھیوں کی قطار انہوں نے الگ رکھی تھی اور ریناٹ کے مرنے والے سپاہیوں کی لاشیں الگ قطار میں رکھی تھیں اور یہ قطار خاصی طویل تھی۔ میں گنتی کرنے لگا۔ ہمارے مارے جانے والے ساتھیوں کی تعداد ستر کے لگ بھگ تھی۔ شدید زخمی پچاس تھے اور باقی معمولی زخمی تھے جن کے زخم لڑنے یا حرکت کرنے میں رکاوٹ نہیں تھے۔ اب ریناٹ کے آدمیوں کی لاشیں لائی جا رہی تھیں۔ میرا خیال تھا کہ مرنے والے دو سو سے اوپر ہوں گے۔ مگر جلد تعداد دو سو سے تجاوز کر گئی اور لاشیں مسلسل آرہی تھیں۔ یہاں بھاری سامان لانے لے جانے کے لیے ہاتھ گاڑیاں تھیں ایزارٹ کے آدمی ان پر ہی لاشیں لاد کر لا رہے تھے۔ تعداد ڈھائی سو تک پہنچی اور جب آخری لاش لا کر ڈالی گئی تو یہ تعداد دو سو ستر ہو گئی تھی۔

ڈیڑھ سو کے قریب شدید زخمی تھے اور ان میں سے کچھ کا پچنا مشکل نظر آ رہا تھا۔ معمولی زخمی اور جنہوں نے ہتھیار ڈالے تھے۔ ان کی تعداد تین سو کے قریب تھی۔ اگر یہاں آٹھ سو سپاہی تھے تو اس کا مطلب تھا کہ ریناٹ کے پاس پچاس سے بھی کم سپاہی رہ گئے تھے۔ کچھ سپاہیوں کو میں نے فرار ہوتے ہوئے بھی دیکھا تھا۔ مگر مسئلہ ان سپاہیوں کا نہیں تھا بلکہ ڈیوڈ شا اینڈ پارٹی کا تھا۔ مارے جانے اور زخمیوں کو نکال کر ہمارے پاس اب بھی دو سو سے اوپر لڑاکا تھے مگر یہ سب بھی ان چار افراد کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے جو جدید ترین آتشیں ہتھیاروں سے مسلح تھے۔ ان کے پاس بم بھی ہوتے اور شاید واکس بم بھی تھے۔ ایزارٹ نے اپنے جن آدمیوں کو آتشیں روغن کی تلاش پر لگایا تھا انہوں نے زیادہ دیر نہیں لگائی اور نزدیک ہی واقع ایک بڑے گودام میں نہ صرف آتشیں روغن بلکہ بہت بڑی مقدار میں غلہ اور کھانے پینے کا دوسرا سامان بھی دریافت کیا تھا۔

آتشیں روغن لکڑی کے بڑے پیپوں میں تھا اور یہ دس گیلن کے لگ بھگ روغن سے بھرے ہوئے تھے۔

ایسے پیپوں کی تعداد سینکڑوں میں تھی مگر ہمارے لیے چند درجن ہی کافی تھے۔ میں نے تین درجن پیپے منگوائے۔ جب پیپے آگئے تو میں نے سب سے پہلے انہیں تالاب کے گرد موجود عمارت کی چھت پر چڑھانے کا حکم دیا۔ سپاہی چھت پر چڑھے اور پھر انہوں نے پیپے اوپر پہنچائے۔ ایک درجن پیپے اوپر پہنچانے کے بعد انہیں اس حصے پر لایا گیا جہاں میرے خیال میں نیچے وہ خاص جگہ تھی جہاں ریٹ کی سپاہ موجود تھی۔ وہ اپنے خاص ساتھیوں سمیت تہہ خانے میں جا چکا تھا۔ میں نے یہاں روغن یوں چھت پر پھیلانے کا حکم دیا کہ یہ کہیں سے نیچے نہ جائے۔ سپاہیوں نے چھت کے پرنا لے بند کر دیئے اور اس کے بعد پیپے الٹانے لگے۔ ذرا سی دیر میں پوری چھت روغن سے تر ہو گئی تھی۔

نیچے آکر میں نے باقی پیپے شاہی حصے میں پہنچانے کا حکم دیا۔ انہیں خاموشی اور رازداری کے ساتھ راہداری کے آخری حصے میں پہنچایا گیا جہاں اب ریٹ کے سپاہی موجود نہیں تھے۔ وہ بالکل ہی اندرونی حصے میں جا پہنچے تھے۔ میں نے ایک پیپا فرش پر ڈلوا کر اس کی ڈھلان کا اندازہ کیا اور خوش قسمتی سے یہ اندرونی حصے کی طرف تھی۔ مگر زیادہ روغن انڈیلنے کی صورت میں واپس ہماری طرف بھی آسکتا تھا اس لیے پہلے پیپے کا روغن آگے جانے کا انتظار کیا اور جب یہ راہداری کے سرے پر واقع دروازے تک پہنچ گیا۔ تو میں نے بیک وقت دو پیپے کھلو کر انہیں راہداری میں ذرا آگے دھکیل دیا تھا۔ جب یہ سوراخ کی حد تک خالی ہو گئے تو انہیں اونڈھا کر دیا تاکہ باقی ماندہ روغن بھی نکل جائے۔ یکے بعد دیگرے اسی طرح درجن پیپے خالی کیے تو روغن راہداری کے آخری حصے میں موجود دروازے کے نیچے سے گزر کر اندر جانے لگا اور اندر ہل چل مچ گئی تھی۔ سپاہی شور مچا رہے تھے اور آگ نہ لگانے کی اپیل کر رہے تھے۔ ربیک نے چلا کر کہا۔

”اگر تم لوگ جل کر مرنا نہیں چاہتے ہو تو ہتھیار ڈال کر باہر آ جاؤ۔“

اس پر اندر کچھ دیر کے خاموشی چھائی تھی پھر دروازہ کھلا اور ایک سپاہی سامنے آیا اسے دھکا دے کر بھیجا گیا تھا۔ اس نے کانپتی آواز میں کہا۔ ”اگر ہم ہتھیار ڈال دیں تو کیا ضمانت ہے کہ تم ہمیں مارو گے نہیں؟“

”احتمالاً سوال مت کر دو، اگر مارنا ہوتا تو تمہیں مہلت کیوں دیتے اب تک آگ نہ لگا چکے ہوتے۔“ ربیک نے درشت لہجے میں کہا۔ ”اب تمہارے پاس وقت نہیں ہے اگر فوراً ہی سب نہتے ہو کر باہر نہ آئے تو روغن کو آگ لگا دی جائے۔ بھاگنے کا اور کوئی راستہ نہیں ہے اور تم سب اذیت ناک موت مرو گے۔“

ربیک کی اس دھمکی نے اثر کیا اور اندر شور اٹھا تھا۔ یقیناً کچھ سپاہی ہتھیار نہ ڈالنے کے حق میں ہوں گے مگر بیشتر اپنی جان بچانا چاہتے تھے۔ شور ان کی آپس کی لڑائی اور بحث مباحثے کا تھا۔ یہ شور زیادہ دیر جاری نہیں رہا، اچانک ہی درجن سے زیادہ سپاہی دونوں ہاتھ بلند کر کے باہر آئے۔ وہ چیخ چیخ کر ہتھیار ڈالنے کا کہہ رہے تھے۔ ربیک نے اشارہ کیا۔ ”اس طرف آ جاؤ۔“

وہ سب دوڑتے ہوئے اس طرف آنے لگے۔ معاندانہ سے تیر چلے اور دو سپاہی نشانہ بن کر گرے۔ مگر باقی بھاگتے ہوئے راہداری کے سرے پر آگئے اور انہیں سپاہی باہر لے جانے لگے۔ وہ سب نہتے تھے اور ان کی تلاشی لی جا رہی تھی۔ جنہیں تیر لگے تھے وہ بھی اٹھ کر گرتے پڑتے آگئے تھے۔ دروازے کے پار ہنگامہ جاری تھا اور پھر ایسا لگا کہ وہ آپس میں لڑ پڑے ہوں۔ کم سے کم چیخ و پکار سے تو ایسا ہی لگ رہا تھا۔ شور شرابے کے بعد ایک

بار پھر دروازہ کھلا۔ پہلی بار تیر اندازی کے بعد دروازہ بند ہو گیا تھا۔ اس بار آنے والوں کی تعداد پندرہ تھی۔ ان میں سے کچھ زخمی تھے جنہیں دوسرے سہارا دیئے ہوئے تھے۔ ربیک نے ایک نوجوان کو روک لیا۔ ”اندر اور کتنے سپاہی ہیں؟“

”صرف چھ اور وہ مر گئے ہیں یا مرنے والے ہیں۔“ سپاہی نے جواب دیا۔ ”وہ ہتھیار ڈالنا نہیں چاہتے تھے۔ ہمیں بھی نہیں آنے دے رہے تھے مجبوراً ہمیں ان سے لڑنا پڑا۔“

”ریناٹ اور اس کے آدمی کہاں ہیں؟“

”وہ نیچے تہ خانے میں جا چکے ہیں۔“

اس بار میں نے سوال کیا۔ ”تم اسی حصے کے سپاہی ہو اور تم نے یقیناً ان لوگوں کو دیکھا ہو گا جو باہر سے یہاں آئے ہیں۔“ میں نے سوال کے ساتھ ڈیوڈ شا، زینی، کرٹل اور باسوکا حلیہ بھی بتایا۔ سپاہی نے سر ہلایا۔

”تم آسمان والوں کی بات کر رہے ہو؟ وہ بھی شاہ معظم کے ساتھ ہیں۔“

میں چونکا۔ ”آسمان والے؟“

سپاہی نے سر ہلایا۔ ”شاہ معظم نے اب مہا پجاری کا منصب بھی سنبھال لیا ہے اور ان کا کہنا ہے کہ ان چاروں کو سینٹور نے ان کی مدد کے لیے بھیجا ہے۔“

میں ریناٹ کی مکاری پر دنگ رہ گیا۔ اس نے انہیں آسمانی مددگار قرار دے کر اپنے آدمیوں کو مطمئن کر دیا تھا۔ مہا پجاری فیرون کے بعد اس نے خود یہ منصب سنبھال لیا تھا۔ مگر میں سپاہی کے جواب سے مطمئن نہیں تھا۔ میں نے پوچھا۔ ”کیا تم نے ان چاروں کو ریناٹ کے ساتھ تہ خانے میں جاتے دیکھا ہے۔“

سپاہی نے نفی میں سر ہلایا۔ ”میں نے صرف شاہ معظم کو اپنے اہل خانہ کے ساتھ جاتے دیکھا تھا۔ اس وقت ہم اس حصے سے دور تھے اور وہ چاروں اسی جگہ رہتے تھے۔ حملے سے بچنے کے لیے جب ہم اندر گئے تو وہاں کوئی نہیں تھا۔“

میرے اندر گھنٹی بجنے لگی۔ ڈیوڈ شانہ تو احمق تھا اور نہ ہی بزدل کہ چوہوں کی طرح تہ خانے میں جا گستا۔ اسے معلوم تھا کہ اس طرح وہ محصور ہو جائے گا۔ میں نے ربیک سے کہا۔ ”یہاں سے نکلنے والے ہر سپاہی سے معلوم کرو کہ ان چاروں کو کس نے آخری بار کہاں دیکھا تھا؟“

ربیک میرے لہجے سے سمجھ گیا کہ معاملہ سنگین ہے۔ میں نے ربیک کے ساتھ جانے سے پہلے ایرٹ کو بلایا اور اسے ذمے داری سونپی۔ ”تم یہاں رہو گے اور اگر کوئی خطرہ محسوس کرو تو فوراً روغن کو آگ دکھا دو گے اور یہی کام چھت پر موجود روغن کے ساتھ کیا جائے۔ اس کے بعد تم سب کو لے کر یہاں سے نکل آؤ گے۔ لیکن بہت محتاط رہنا ایسا نہ ہو کہ کوئی دوسرا روغن کو آگ دکھا دے۔ یہ کام بہر صورت ہماری مرضی سے ہونا ہے۔“

”میں ایسا ہی کروں گا جناب۔“ ایرٹ نے یقین دلایا۔ میں اور ربیک باہر آئے۔ شاہی حصے سے پکڑے جانے والوں کو بھی ستونوں والی عمارت کے سامنے میدان میں بٹھایا ہوا تھا۔ ربیک نے وہاں جا کر انہیں الگ کرنا شروع کیا۔ ان تعداد چالیس کے لگ بھگ تھی۔ ان کے بارے میں عام سپاہیوں سے بھی تصدیق کی گئی اور انہوں نے بتایا کہ یہ خاص حصے کے محافظ تھے، ربیک نے ان سے ڈیوڈ شا اور اس کے ساتھیوں کے بارے میں

پوچھا۔ ان میں سے بیشتر لاعلم تھے۔ چند ایک نے انہیں دیکھا تھا مگر وہ یہ بتانے سے قاصر تھے کہ ڈیوڈ شا اس وقت کہاں ہو سکتا تھا؟ ان میں ایک نو عمر سالک کا تھا میں نے کئی بار محسوس کیا کہ وہ کچھ کہنا چاہتا ہے مگر بول نہیں پا رہا۔ میں نے اس کی طرف اشارہ کیا اور نرم لہجے میں بولا۔

”تم کچھ کہنا ہو؟“

وہ کھڑا ہو گیا اور اپنے کرتے سے ہاتھ صاف کرتے ہوئے بولا۔ ”جناب میں بتانا چاہتا ہوں لیکن آپ

مجھے جھوٹا مت سمجھئے گا۔“

میں نے اسے نزدیک بلوایا اور ربیک کے توسط سے کہا۔ ”تم بولو کوئی تمہیں جھوٹا نہیں سمجھے گا۔“

کسی قدر ہچکچاہٹ کے بعد اس نے کہنا شروع کیا۔ ”رات میں تالاب والے حصے میں پہرے پر تھابت میں نے ان چاروں کو چھت پر جاتے دیکھا۔ ان کے پاس بڑے سے تھیلے تھے۔“

میں چونکا۔ ”صرف تم نے دیکھا؟“

”جی وہاں صرف میں تھا۔“ اس نے سر ہلایا۔ ”چھت پر جا کر انہوں نے اپنے تھیلے کھولے اور ان سے

سامان نکال کر پرندے جیسی بنانے لگے۔“

”پرندے جیسی چیز؟“ میں پھر چونکا۔ ”تم کیا بتا رہے ہو؟“

”میں سچ کہہ رہا ہوں وہ پرندے جیسی چیز تھی۔“ نو جوان بولا اور پھر اس نے فرش پر انگلی سے خاکہ سا بنایا اور میں اچھل پڑا تھا۔ میرے ذہن میں برف والے کی آواز گونجی۔

”آج میں نے وادی کی فضاؤں میں اجنبی پرندے محسوس کیے ہیں۔“

میں حیران تھا حالانکہ یہ بالکل بھی حیرت کی بات نہیں تھی۔ دنیا میں گلائڈر کا استعمال عام ہے اور اب تو چھوٹے انجن والے گلائڈر بھی آگئے ہیں جو اسے بالکل جہاز کی طرح استعمال کے قابل بنا دیتے ہیں۔ سب سے اہم بات کہ المونیم کی بنی راڈز جو ہلکی اور ٹکڑوں کی صورت میں ہوتی ہیں انہیں جوڑ کر اور مضبوط ترین پیراشوٹ چڑھا کر اسے آسانی سے گلائڈر کی صورت دی جاسکتی ہے۔ ڈیوڈ شا اور اس کے ساتھی اسی طرح نیچے آئے تھے اور اسی طرح یہاں سے کہیں چلے گئے تھے۔ میرے ذہن میں خیال آیا کہ شاید وہ واپس چلے گئے تھے مگر یہ ممکن نہیں تھا گلائڈر اتنی بلندی پر نہیں اڑتے ہیں۔ چھ سات ہزار فٹ کی بلندی پر تو اڑ سکتے ہیں مگر سولہ سترہ ہزار فٹ کی بلندی پر جانا ان کے لیے ممکن نہیں تھا۔ یہ بھی ہو سکتا تھا کہ ڈیوڈ شا اینڈ پارٹی پیراشوٹ سے نیچے آئی ہو۔ مگر ان کے پاس گلائڈر موجود تھے۔ میں نے نو جوان سے پوچھا۔

”جب انہوں نے پرندے نما چیز بنالی تو اس کے بعد کیا کیا؟“

”وہ اس سے لٹک کر دوڑتے ہوئے چھت سے اڑ گئے اور پھر معبد کی طرف چلے گئے۔“ نو جوان نے

بتایا۔

”تم نے خود جاتے دیکھا تھا۔“

”میں نے خود جاتے دیکھا تھا۔“ نو جوان نے یقین سے کہا۔

ایزارٹ بھی آگیا تھا اور وہ نو جوان کے جوابات سن رہا تھا۔ اس نے میری طرف دیکھا۔ ”وہ معبد کی

طرف کیوں گئے ہیں؟“

”میں نہیں جانتا۔“ میں نے کہا۔ ”لیکن وہ کسی اچھے ارادے سے نہیں گئے ہیں۔“

”ریناٹ اور اس کے آدمی کہاں ہیں؟“

”وہ تہہ خانے میں محصور ہیں۔“ میں نے کہا۔ ”انہیں زندہ گرفتار کرنے کی کوشش کرنی ہے لیکن اگر وہ

گرفتاری نہ دیں تو ان کا انجام تم پر ہے۔“

ایزارٹ چونکا۔ ”کیا مطلب..... تم کہیں جا رہے ہو؟“

میں نے سر ہلایا۔ ”معد..... میرے ساتھ صرف ریک، ایرٹ اور چند ساتھی ہوں گے۔“

”نہیں تم اس خطرے کا مقابلہ اکیلے نہیں کرو گے؟“ ایزارٹ نے مضطرب لہجے میں کہا۔

”اس کے برعکس میں اس خطرے کا مقابلہ اکیلے بہتر کر سکتا ہوں۔ دوسروں کی موجودگی میرے لیے

مسائل پیدا کرے گی۔“ میں نے اندر جاتے ہوئے کہا۔ ایزارٹ میرے پیچھے آیا۔ وہ مجھے قائل کرنے کی کوشش

کر رہا تھا کہ مجھے زیادہ افراد لے کر جانا چاہیے۔ مگر میں نے انکار جاری رکھا۔ ”تم یہاں اپنا قبضہ مستحکم کرو۔

ریناٹ کے کچھ آدمی ہیں جو چھپ گئے ہوں گے انہیں تلاش کرو اور شہر میں موجود اپنے ہمدردوں کو ریناٹ کے

اقتدار کے خاتمے کی اطلاع دو۔ یہاں خوراک کا اتنا بڑا ذخیرہ ہے جو پورے شہر کو خاصے عرصے کے لیے کافی ہو

گا۔ اس سے پہلے کہ یہاں لوٹ مار اور بد امنی شروع ہو چیزوں پر اپنی گرفت مضبوط کرو۔ یہ مت بھولو کہ آرگون

کی فوج موجود ہے اور وہ ریناٹ کی وفادار رہے گی جب تک وہ ہمارے ہاتھ نہیں آجاتا یا مارا نہیں جاتا۔“

ایزارٹ غور سے سن رہا تھا اور مجھ سے اتفاق کر رہا تھا۔ اس نے سر ہلایا۔ ”مگر تمہارا یہاں ہونا بھی

ضروری ہے۔“

”نہیں میرا اس فتنے کو ختم کرنا ضروری ہے جو تم لوگوں کی آزادی کے لیے ریناٹ سے کہیں بڑا خطرہ

ہے۔ ریناٹ سمجھ لو اس کے مقابلے میں بچہ ہے۔“

ایزارٹ کو تعجب ہوا تھا۔ ”وہ اتنا خطرناک آدمی ہے۔“

”تمہاری سوچ سے بھی زیادہ۔“ میں نے کہا اور ریک سے کہا۔ ”ایمار، مارٹ، ایرٹ اور تم میرے

ساتھ چلو گے۔“

”میں ابھی ان کو بلاتا ہوں۔“ ریک چلا گیا۔ کچھ ہی دیر میں وہ ان تینوں کو لے آیا تو میں نے ایزارٹ

سے کہا۔

”یہاں ایک لڑکی رو بیڑ ہو سکتی ہے۔ وہ میرے ساتھ تھی پھر اسے آرگون کے سپاہی اغوا کر کے لے گئے۔

اسے تلاش کرو اور اس کا ایک محبوب بھی ہے جو آرگون کی فوج میں سپاہی تھا۔ اس کا نام شامین ہے۔ مگر یہ سب

فرصت سے کرنے والے کام ہیں اصل کام وہی ہیں جو میں نے تم سے کرنے کو کہا ہے۔ سمجھ لو کہ آرگون اور اس

کے باسیوں کا مستقبل اب تمہارے شانوں پر ہے۔“

”میں دیکھوں گا۔“ ایزارٹ نے کہا۔ ”یہاں افرادی قوت کم ہے میں سوچ رہا ہوں کہ شہر میں جانے

والے اپنے آدمیوں کو بلواؤں۔“

”بالکل اور جو زخمی ہیں ان کو علاج کے لیے یہاں سے منتقل کرو۔ علاج کی سہولتیں بھی شہر میں ہوں گی۔“

”قیدیوں کا کیا کرنا ہے؟“

”انہیں قید خانے میں ڈال دو اور جو زخمی ہیں ان کا علاج کراؤ۔ یہ بہر حال تمہارے ہی بھائی بندے ہیں۔“ میں نے کہتے ہوئے ربیک، ایرٹ، ایمار اور مارٹ کا معائنہ کیا۔ وہ ٹھیک ٹھاک تھے اگر زخم بھی آئے تھے تو معمولی درجے کے تھے اور ان کا لباس بھی صاف ہی تھا کیونکہ وہ دست بہ دست لڑنے کے بجائے تیر اندازی کر رہے تھے۔ البتہ میرا لباس خراب ہو رہا تھا۔ ربیک نے میرے لیے ایک نئی اور صاف وردی کا بندو بست کیا۔ میں نے شاہی تالاب میں چند ڈبکیاں لگا کر خود کو صاف کیا اور نیا لباس پہن کر خاصا بہتر محسوس کرنے لگا تھا۔ ہم نے رات سے کچھ نہیں کھایا تھا اور اب بھوک لگ رہی تھی۔ شاہی باورچی خانے میں کھانے کو اتنا تھا کہ پوری فوج کا پیٹ بھرا جاسکتا تھا مگر یہ اعلیٰ درجے کی خوراک صرف چند لوگوں کے لیے تھی اور یقیناً اس کا بڑا حصہ ضائع ہو جاتا ہوگا۔

ایزارٹ میری ہدایت کی روشنی میں احکامات دے رہا تھا اور خود نگرانی کر رہا تھا۔ اس نے اب تک خون میں بھیگا ہوا لباس بھی تبدیل نہیں کیا تھا اور ایسے چلتے پھرتے کھالیا تھا۔ وہ صحیح معنوں میں لیڈر ثابت ہو رہا تھا۔ اسے یوں دیوانوں کی طرح مصروف اور پُر عزم دیکھ کر اس کے آدمیوں کا جوش و جذبہ کم نہیں ہوا تھا بلکہ بڑھتا جا رہا تھا۔ دن اب پوری طرح نکل آیا تھا اور دوپہر کا آغاز ہو گیا تھا۔ آرام کے وقفے اور خوراک نے ہمیں تازہ دم کر دیا تھا۔ شاہی محل کی ملازموں والی عمارت سے تقریباً دو سو ملازمین تھے۔ ان میں کنیریں اور غلام دونوں شامل تھے۔ انہیں فی الحال اسی جگہ نظر بند کر دیا تھا اور انہوں نے بتایا تھا کہ رات کے وقت شاہی محل میں دو درجن کے قریب خادم اور کنیریں ہوتی ہیں۔ وہ یقیناً ریٹائرڈ، اس کے خاندان اور ساتھیوں کے ہمراہ تہہ خانے میں چلے گئے تھے۔ اسی وجہ سے ہمیں اوپر کوئی خادم مرد یا عورت نہیں نظر آیا تھا۔

ربیک، ایرٹ، ایمار اور مارٹ تیار ہو کر آگئے تھے۔ میں نے ان سے کہا۔ ”ہم ایک بہت خطرناک مہم پر جا رہے ہیں جو اس ساری قتل و غارت گری سے کئی گنا زیادہ خطرناک ہوگی۔ میں چاہتا ہوں کہ تم چاروں اپنی مرضی سے میرے ساتھ چلو۔ اگر تم انکار کرتے ہو تو میں بخوشی تمہیں چھوڑ جاؤں گا۔“

”ایسا مت کہیں۔“ ربیک نے رنجیدہ ہو کر کہا۔ ”ہمارا جینا مرنا اب آپ کے ساتھ ہے۔“

”جہاں آپ وہاں ہم۔“ ایرٹ بولا۔

”میں آپ کے ساتھ میدان جنگ میں رہنا پسند کروں گا بہ نسبت آپ کے بغیر اپنے گھر میں رہوں۔“

ایمار بولا اور مارٹ نے بھی ایسے ہی جذبات کا اظہار کیا۔ ربیک نے کہا۔

”اگر راستوں زندہ ہوتا تو وہ بھی آپ کو چھوڑ کر نہ جاتا۔“

میں ان کے جذبات سمجھ رہا تھا۔ وہ چاروں اتنی شدت سے میری ذات سے وابستہ ہو گئے تھے کہ اب چھوڑنا بھی چاہتے تو چھوڑ نہیں سکتے تھے اور خاص طور سے اس موقع پر تو قطعی نہیں جب میں موت کے منہ میں جا رہا تھا۔ میں نے کہا۔ ”میں تمہارے جذبات اور خلوص کو سمجھ رہا ہوں لیکن میری درخواست ہے کہ ایک بار پھر سوچ لو۔ اب تک ہم وادی کے لوگوں کے لیے لڑ رہے تھے مگر یہ میرے ذاتی دشمن ہیں۔“

”جو آپ کا دشمن ہے وہ میرے لیے ذاتی دشمن سے بڑھ کر دشمن ہے۔“ ربیک نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔ ”یہ طے ہے کہ ہم آپ کے ساتھ جارہے ہیں۔“



وہ چاروں تیار تھے۔ تیروں سے بھرے ترکش، نئی اور بہتر کمان جو ریناٹ کے سپاہی استعمال کرتے تھے۔ نیزے اور لائٹھیاں لے کر ہم روانگی کے لیے تیار تھے۔ ایزارٹ ہمارے ساتھ سرنگ کے دہانے تک آیا۔ میں نے کچھ سامان اور بھی لیا تھا اس میں خوراک بھی شامل تھی۔ ایزارٹ اب بھی چاہ رہا تھا کہ ہمارے ساتھ چلے مگر میں نے اسے واپس جانے پر مجبور کیا اس کی ضرورت شہر میں کہیں زیادہ تھی۔ ہم سرنگ میں داخل ہوئے تو وہاں تاریکی تھی کیونکہ اندر جلنے والی مشعلیں کب کی بجھ چکی تھیں اور کوئی نئی مشعلیں لگانے والا نہیں تھا۔ ہم نے اپنے ساتھ لائی مشعلیں روشن کر لیں اور آگے بڑھنے لگے۔ کچھ آگے گئے ہوں کہ ٹیل گاڑیاں اور ان سے بندھے جانور ملے۔ مگر گاڑیاں سامان یا انسانوں سے خالی تھیں۔ ایسا لگ رہا تھا کہ کسی وجہ سے یہ جانور آزاد ہو گئے تھے اور گاڑیوں سمیت سرنگ میں چلے آئے تھے۔ میری چھٹی حس کہنے لگی کہ معبد کے لوگ کسی حادثے سے دوچار ہو چکے تھے۔ ورنہ یہ جانوریوں لاوارث نہ پھر رہے ہوتے۔ کچھ آگے جانے کے بعد میں نے مشعلیں بجھانے کو کہا۔

”ہم ہوادانوں سے آنے والی معمولی روشنی کے سہارے آگے جائیں گے۔ اگر دشمن دہانے کے آس پاس ہوا تو مشعلوں کی روشنی سے ہوشیار ہو سکتا ہے۔“

روشنی بجھی تو چند لمحوں تک کچھ نظر نہیں آیا کیونکہ ہم اتنا دور نکل آئے تھے کہ عقب میں سرنگ کا داخلی دہانہ بھی نظر نہیں آ رہا تھا اور نہ ہی دوسری طرف کا دہانہ دکھائی دے رہا تھا۔ مگر رفتہ رفتہ ہوادانوں سے آنے والی معمولی روشنی میں ہماری آنکھیں دیکھنے کے قابل ہوئیں اور ہم آگے روانہ ہوئے۔ ہم ہر ممکن خاموشی اور احتیاط سے سفر کر رہے تھے اور یہی وجہ تھی کہ وہ عجیب سی آواز میں نے پہلے سن لی۔ آواز مدہم تھی مگر رہ رہ کر ابھر رہی تھی۔ میں رک گیا اور اشارے سے اپنے ساتھیوں کو بھی رکنے کو کہا۔ ساتھ ہی میں ساعت پر پورا زور دے رہا تھا۔ اس بار مجھے آواز نزدیک سے آئی اور پھر مجھے اپنے روٹنے کھڑے ہوتے محسوس ہوئے کیونکہ یہ ہارن کے بھاری قدموں کی چاپ تھی۔

پھر کوئی تین سو گز دور ایک ہیولہ سامنودار ہوا۔ وہ ہماری طرف ہی آ رہا تھا میرے ساتھیوں نے بھی چاپ کی آواز سن لی تھی اور وہ ہارن سے واقف تھے اس لیے ہم افراتفری میں پیچھے ہٹنے لگے۔ ہم کوشش کر رہے تھے کہ ہمارے قدموں کی آہٹ نہ ابھرے۔ ہارن کے کان تیز ہوتے ہیں اور یہ معمولی سی آواز بھی سن لیتا تھا۔ چاپ سے لگ رہا تھا کہ ہارن بھی سست روی سے آ رہا ہے شاید اسے بھی صاف نظر نہیں آ رہا تھا۔ پھر عجلت میں پیچھے ہٹتے ہوئے کسی کا پاؤں زمین پر پڑی کسی چیز سے ٹکرایا اور وہ چیز دیوار سے ٹکرائی تو خاصی آواز بلند ہوئی تھی۔ یہ آواز ہارن کے کانوں تک گئی اور وہ خوفناک انداز میں غرایا۔ فوراً ہی چاپوں کی آواز تیز ہوئی اور میں نے سرگوشی میں کہا۔ ”بھاگو۔“

ہم پلٹ کر بھاگے اور عقب سے ہارن کے بھی دوڑنے کی آواز آئی۔ اس نے ہماری موجودگی بھانپ لی

تھی اور اب تیز رفتاری سے آرہا تھا۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اس سرنگ میں ہارن جیسی بلا سے سامنا ہوگا جہاں بھاگنے کا راستہ بھی ایک ہی تھا۔ ہم گاڑیوں کے پاس پہنچے تو ہماری آمد سے پہلے بیل نما جانور ہارن کی آمد سے باخبر ہو گئے تھے اور وہ غلت میں یہاں سے نکلنے کی کوشش کر رہے تھے مگر اسی غلت میں انہوں نے گاڑیاں آپس میں بھڑا کر وہی کام کیا تھا جو مصروف سڑکوں پر غلت پسند ڈرائیور کے ٹریفک جام کر دیتے ہیں۔ ہم نے گاڑیاں پھلانگیں اور دوسری طرف اترتے ہوئے مجھے خیال آیا۔ ”گاڑیوں کو آگ لگا دو۔“

ایک مشعل جلائی اور اس سے دوسری مشعلیں جلا کر ہم گاڑیوں پر پھینکنے لگے۔ اس وقت ہارن کوئی دوسو گز دور تھا۔ روشنی میں اسے بہتر نظر آیا تو اس کی رفتار بھی بڑھ گئی۔ جانور اب نکلنے کے لیے زور لگا رہے تھے اور مجھے خطرہ ہوا کہ کہیں وہ گاڑیوں کو نہ نکال لے جائیں اس لیے ہم ان جانوروں کو کھولنے لگے اس دوران میں گاڑیوں کی خشک لکڑی نے آگ پکڑ لی تھی اور ان سے شعلے بلند ہو رہے تھے۔ جانوروں کو آزاد کراتے ہی ہم ان کے ساتھ بھاگے۔ عقب میں ہارن کے غرانے کی آواز بڑھ گئی تھی۔ میں نے مڑ کر دیکھا۔ وہ رک گیا تھا مگر گاڑیوں کے اس پار آنے کی کوشش کر رہا تھا۔ میں نے رفتار تیز کی۔ معاملہ صرف ہماری زندگی کا نہیں تھا اگر یہ عفریت سرنگ سے نکل آتا تو وہاں نہ جانے کیا تباہی پھیلاتا۔ دوسری طرف موجود افراد کو اس سے خبردار کرنا لازمی تھا۔ ہم سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ رہے تھے اس لیے تین منٹ میں سرنگ کے دہانے تک پہنچ گئے۔

ریک اور ایرٹ نے باہر نکلتے ہی لوگوں کو چلا چلا کر ہارن کے خطرے سے خبردار کرنا شروع کر دیا ساتھ ہی وہ تیر اندازوں کو بھی پکار رہے تھے۔ شاہی محل کے احاطے کی دیوار میں موجود ایک چھوٹا دروازہ تھا ہم اسی سے باہر آئے تھے۔ وہ دروازہ کھلا اور ہم اندر داخل ہو گئے۔ تیر انداز دیوار پر چڑھ رہے تھے جہاں سے وہ ہارن کو نشانہ بنا سکتے تھے۔ میں فکر مند تھا کہ وہ سرنگ سے نکل کر کہیں آبادی والے حصے کی طرف نہ چلا جائے۔ وہاں سارے عام لوگ تھے اور وہ اس بلا کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے۔ یہ فیصلہ سرنگ کے دہانے سے دور تھی اور اتنی دوری سے تیر اس پر زیادہ کارآمد ثابت نہ ہوتے۔ میں نے ریک سے کہا۔ ”کم سے کم ایک درجن تیر انداز بلاؤ۔ ہمیں باہر جا کر اسے روکنا ہوگا۔ ورنہ وہ آبادی کی طرف چلا جائے گا۔ جلدی کرو۔“

ریک اندر کی طرف لپکا تھا وہ چیخ چیخ کر تیر اندازوں کو بلا رہا تھا اور میں سوچ رہا تھا کہ یہ ہارن معبد میں قید ہارن تو نہیں ہو سکتا تھا کیونکہ وہ ایک سرنگ کی مدد سے تہہ خانے میں موجود کنویں تک لایا گیا تھا اور کنویں سے اسے نکالنا بھی ممکن نہیں تھا۔ یہ جنگل سے سرنگ میں آیا تھا مگر یہ جنگل سے سرنگ میں کیسے آ سکتا تھا۔ اس کی صرف ایک صورت تھی کہ معبد کے گرد موجود فصیل کسی وجہ سے ٹوٹ گئی تھی اور اس سے ہارن اندر آیا اور پھر سرنگ میں آ گیا۔ شاید اسی ہارن نے معبد میں تباہی مچائی تھی اور اس کے نتیجے میں بیل نما جانور گاڑیوں سمیت بھاگ کر سرنگ میں آ گئے تھے۔ کچھ دیر میں ریک ایک درجن تیر اندازوں کے ساتھ آیا مگر جب انہیں پتا چلا کہ انہیں ایک ہارن کے سامنے جا کر اس کا شکار کرنا ہے تو ان کے چہرے سفید پڑ گئے تھے حالانکہ وہ ریناٹ کی خاص سپاہ سے لڑتے وقت خوفزدہ نہیں ہوئے تھے۔ میں نے ریک کے توسط سے انہیں حوصلہ دیا۔

”یہ صرف ایک جانور ہے اور اگر سب مل کر اس پر تیر برسائیں تو یہ ہمارا مقابلہ نہیں کر سکے گا۔“
فصیل پر موجود سپاہیوں میں ہل چل مچی تو مجھے اندازہ ہوا کہ ہارن سرنگ کے دہانے سے نکل آیا۔

میں نے انہیں تیر اندازی سے منع کیا ورنہ ہارن بدک کر بھاگ جاتا۔ میں چاہتا تھا کہ وہ احاطے کی طرف آئے۔ اس کے لیے ضروری تھا کہ ہارن کو اپنی جھلک دکھائی جاتی۔ میں نے دروازہ کھلوا دیا اور باہر آیا تو ہارن کوئی تین سو گز کی دوری پر موجود تھا۔ ریک اور دوسرے تیر انداز بھی باہر آ گئے تھے۔ میں نے انہیں حکم دیا۔ ”جب یہ نزدیک آئے اور میں تیر چلاؤں تو سب اس پر تیر چلائیں۔ اس کے چہرے اور سینے کا نشانہ لیں۔“

ہارن پہلے ہی ہمیں دیکھ چکا تھا۔ میری آواز پر وہ بھیانک سی غراہٹ کے ساتھ ہماری طرف لپکا۔ سب نے تیر کمانوں پر کھینچ لیے۔ انسانوں پر ہمارے تیر سو گز کی دوری تک کارآمد ہوتے تھے مگر ہارن کہیں زیادہ مضبوط اور جاندار تھا۔ اس لیے میں اس کے نزدیک آنے کا انتظار کر رہا تھا۔ گھوڑے کے مقابلے میں ہارن پاؤں سمیٹ کر نہیں بلکہ باہر کی طرف اچھالتے ہوئے دوڑتا تھا۔ اس کے دوڑنے کا یہ انداز اتنا بھیانک تھا کہ میرے ساتھی غیر ارادی طور پر پیچھے ہٹنے لگے اور جو فیصلوں پر تھے وہ بھی ڈر گئے تھے۔ ہارن سو گز کی دوری پر تھا کہ میں نے اللہ کا نام لیا۔ تیر چھوڑا۔ میرا نشانہ اتنا اچھا نہیں تھا اس لیے میں نے اس کے چوڑے سینے کو نشانہ بنایا اور تیر ٹھیک سینے میں لگا۔ اسے جھٹکا لگا تو اس کی رفتار میں کمی آئی۔ فوراً ہی اس پر تیروں کی بوچھاڑ ہو گئی تھی۔ وہ ہاتھوں کی مدد سے اپنا چہرہ تیروں سے بچا رہا تھا۔ مگر تیر دو الگ الگ سمتوں سے آرہے تھے۔ ابھی وہ ستر چھتر گز کے فاصلے پر تھا اور درجنوں تیر اس کے جسم میں اتر چکے تھے۔ ایک اس کی گردن میں اتر کر پار ہو گیا تھا۔

ہارن کی رفتار کم ہوئی تھی اور ہر تیر کے بعد یہ مزید کم ہو رہی تھی مگر وہ رکا نہیں تھا۔ میں خود اس دوران میں اس پر مزید دو عدد تیر چلا چکا تھا اور باقیوں کی رفتار مجھ سے زیادہ ہی تھی۔ ہر سیکنڈ میں تین چار تیر اس کے جسم میں اتر رہے تھے اور اب وہ پچاس گز کی دوری پر تھا۔ میرے ساتھی اس پر تیر مارتے ہوئے دروازے کی سمت سمت رہے تھے۔ میں نے کمان پر چوتھا تیر چڑھایا اور اسے کھینچتے ہوئے دروازے کی طرف جانے کی بجائے مخالف سمت میں سرکنے لگا۔ ہارن زیادہ آدمیوں کی طرف جا رہا تھا اور اس نے میری طرف توجہ نہیں دی۔ میرا نشانہ اس کا چہرہ تھا اور میں نے کمان کی تانت پوری قوت سے کھینچ رکھی تھی اور اس کے مزید نزدیک آنے کا انتظار کر رہا تھا۔ وہ شدید زخمی ہو چکا تھا اور اس کے جسم سے دھاروں کی صورت میں خون بہہ کر پتھر سے بنے فرش پر پھیل رہا تھا۔ آگے بڑھتے ہوئے اس کے قدموں میں لڑکھڑاہٹ واضح تھی مگر انسان دشمنی میں وہ بالکل اندھا ہو کر خودکشی والے انداز میں آگے بڑھ رہا تھا۔ اب اس کا چہرہ میرے سامنے تھا۔ میں نے بیس گز کے فاصلے سے اس پر تیر چھوڑا جو اس کی آنکھ کے نیچے رخسار میں ٹھس گیا اور سر کے عقبی حصے سے اس کا سرا نکلا تھا۔ وہ جھٹکے سے رکا آگے کی طرف جھکا اور پھر پُر شور انداز میں منہ کے بل گرا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا کہ وہ جان کی بازی لگا کر آخری حملہ کر رہا ہو۔ میرے ساتھی بھڑک کر دروازے میں گھسے تھے۔ مگر ہارن جان سے گزر چکا تھا۔ میرا تیر اونٹ کی کمر پر آخری تنکا ثابت ہوا تھا۔ دراصل یہ براہ راست اس کے دماغ میں لگا تھا اور فوری موت کا سبب بن گیا تھا۔ میں نے ذرا فاصلے سے اس کا معائنہ کیا اور بلند آواز میں اس کی موت کا اعلان کیا تو سب نے شور مچا کر ہارن کی موت کا جشن منایا تھا۔ ریک اور ایرٹ آ کر مجھ سے لپٹ گئے۔

”آپ نے پھر کمال کر دیا۔“ ریک پُر جوش لہجے میں بولا۔

”کمال تو سب نے مل کر کیا میں نے بس آخری تیر مارا تھا۔“ میں مسکرایا اور پھر مجھے خیال آیا۔ میں نے

جلدی سے کہا۔ ”یہ شاید پہلا ہارن ہے اور اس کے پیچھے مزید ہارن یا دوسرے خطرناک درندے اس طرف آسکتے ہیں۔“

یہ خدشہ ایسا نہیں تھا جسے نظر انداز کر دیا جاتا۔ اس وقت آبادی سے دوسرے لوگ آنا شروع ہو گئے تھے جنہیں ایزارٹ ذمے داریاں دے رہا تھا۔ ہارن کے مارے جانے کے وقت وہ بھی آگیا تھا اور جب میں نے اسے اپنے خدشے سے آگاہ کیا تو وہ بھی متفکر ہو گیا۔ ”اس کا مطلب ہے ہمیں سرنگ بند کرنا پڑے گی۔“

”بالکل اور یہ کام بہت جلد کرنا ہوگا۔“ میں نے زور دے کر کہا۔

”اس کا مطلب ہے تم لوگ بھی اب معبد نہیں جاسکو گے؟“

”یہ تم سے کس نے کہا۔“ میں نے جواب دیا۔ ”ہم لازمی جائیں گے مگر اب ان جانوروں سے نمٹنے کی تیاری کر کے جائیں گے۔“

ایزارٹ چونکا۔ ”وہ کیسے؟“

”ہمارے پاس ایسا محلول ہے جس پینے سے پسینے میں ایسی بو آتی ہے جس سے ہارن سمیت تمام خونخوار جانور بدکتے ہیں اور نزدیک نہیں آتے۔ ہمارے پاس وہ محلول ہے۔“

”تب تم لوگوں نے سرنگ میں کیوں نہیں پیا؟“

”کیونکہ وقت نہیں تھا۔ اس محلول کو پینے کے کچھ دیر بعد جسم سے بو آتی ہے۔ اب ہم پہلے پی کر روانہ ہوں گے۔ تم فوری طور پر سرنگ بند کرنے کا بندوبست شروع کرو۔“

ایزارٹ پریشان ہو گیا۔ ”میرے پاس اتنے آدمی نہیں ہیں۔“

”ریناٹ کے جو آدمی قیدی بنے ہیں ان سے کام لو۔ مٹی پتھر لکڑی جو بھی چیز ملے اسے دہانے میں بھرنا شروع کر دو۔“

”ٹھیک ہے ہم دہانہ بند کر دیں تو تم لوگ کیسے واپس آؤ گے۔“

”ہم معبد سے نکل کر جنگل سے ہوتے ہوئے آئیں گے۔ یعنی اب آؤن کے پھانک سے اندر داخل ہوں گے۔“

ایزارٹ نے فوری طور پر سرنگ کا دہانہ بند کرنے کا حکم دیا اور اس مقصد کے لیے قیدیوں کو بلا لیا۔ میر نے اور میرے ساتھیوں نے اپنے پاس موجود بوتلوں سے محلول پیا۔ میں نے ریک سے بڑی مشعلوں کا انتظام کرنے کو کہا تاکہ جانوروں کو بھگانے کے لیے ہمارے پاس آگ کا حربہ بھی ہو۔ دوشاخ والی لکڑیاں اور ان پر کپڑا لپیٹ کر اسے روغن سے تر کر لیا تھا۔ کچھ روغن ہم لوگوں نے ساتھ لیا۔ اس دوران میں قیدی آگئے تھے اور ان کے ساتھ دوسرے بھی تھے۔ سرنگ بند کرنے کے لیے گاڑیوں میں مٹی پتھر بھر کر لانا شروع کر دیا تھا اور اسے ڈھلان سے اندر پھینکا جا رہا تھا۔ کچھ افراد اسے مزید آگے پہنچانے میں لگ گئے تاکہ سرنگ اچھی طرح بند ہوا تو ہی بند نہ ہو کہ جانور اسے کھود کر باہر آجائیں۔ وہ لوگ پوری منصوبہ بندی سے کام کر رہے تھے۔ ایزارٹ ایک با پھر ہمیں چھوڑنے آیا اور اس بار وہ سرنگ کے اندر بھی آیا۔ اس نے کہا۔

”میں نے شہر سے اپنے آدمی بلوا لیے ہیں اور شدید زخموں کو علاج کے لیے شہر منتقل کرنا شروع کر د

ہے۔“

”ریناٹ اور اس کے ساتھیوں کو باہر نکالنے کے لیے کیا کیا ہے؟“
”کچھ بھی نہیں۔“ اس نے جواب دیا۔ ”میں چاہتا ہوں کہ شہر پر اپنی گرفت مضبوط کر لوں اس کے بعد اس کی طرف توجہ دوں۔“

”اگر وہ کسی طرح سے نکل گیا تو؟“

”اگر کوئی اور راستہ ہے تو وہ اب تک نکل چکا ہوگا اور کوئی راستہ نہیں ہے تو وہ وہیں ملے گا۔“
میں سر ہلایا اور مشورہ دیا۔ ”اپنے آدمیوں کو تفصیل کی طرف بھیج دو اور وہاں تعینات آدمیوں کو بلوالو۔ اس وقت تفصیل اور دروازے پر تربیت یافتہ اور تجربے کار لوگ ہونے چاہیں۔ ممکن ہے ریناٹ کسی ذریعے سے فوج تک پیغام بھیجنے میں کامیاب ہو جائے۔“

”میں بھی یہی سوچ رہا ہوں۔ سرنگ کے کام سے فارغ ہوتے ہی سب سے پہلے یہی کرتا ہوں۔“
ایزارٹ نے کہا اور چلا گیا۔ ہم سرنگ میں آگے بڑھنے لگے۔ محلول پیئے ہوئے پندرہ بیس منٹ ہو چکے تھے اور ہمارے جسموں سے بو آنے لگی تھی۔ مگر یہ زیادہ تیز نہیں تھی۔ اسے تیز کرنے کے لیے ہم نے تیز قدموں سے چلنا شروع کر دیا۔ اس سے پسینہ آتا اور بو تیز ہو جاتی۔ دوسرے فاصلہ بھی جلد کٹتا۔ ہم نے چھوٹی مشعلیں جلائی تھیں۔ ان کی روشنی میں تیز رفتاری سے آگے بڑھ رہے تھے۔ درمیان میں جلائی جانے والی گاڑیاں راکھ ہو چکی تھیں اور اس راکھ سے اب حدت اٹھ رہی تھی۔ ہم اس سے بچتے ہوئے آگے آئے۔ ہارن بھی آگ سے ڈرتا ہے مگر وہ انسان دشمنی میں آگ پھلانگ کر دوسری طرف آ گیا تھا۔ اگر ہم جرات سے کام لے کر اسے ہلاک نہ کرتے اور وہ آبادی کی طرف نکل جاتا تو نہ جانے کتنی تباہی پھیلاتا۔

میں نے خاصا سوچا تھا مگر اب تک سمجھنے سے قاصر تھا کہ ڈیوڈ شا اور اس کے ساتھی معبد کی طرف کیوں گئے تھے۔ ان کا مقصد کیا تھا اور اب وہ وہاں کیا کر رہے تھے۔ بھرپور قوت رکھنے کے باوجود انہوں نے ریناٹ کی کوئی مدد نہیں کی اور ہمارے حملے سے پہلے اسے چھوڑ کر چلے گئے۔ ہم اب اتنا آگے آ گئے تھے کہ سرنگ کا دوسرا دہانہ نظر آنے لگا تھا۔ روشنی دیکھتے ہی ہم نے مشعلیں بجھا دی تھیں۔ اب احتیاط سے آگے بڑھ رہے تھے۔ مگر جیسے جیسے ہم روشنی کے پاس ہو رہے تھے مجھے کچھ عجیب سا لگ رہا تھا اور جب ہم اتنے نزدیک آئے کہ صاف نظر آنے لگا تو پتا چل گیا کہ کیوں اور کیا عجیب لگ رہا تھا۔ سرنگ معبد میں نہیں نکل رہی تھی بلکہ یہاں اس کی چھت گر گئی تھی اور معبد کی طرف جانے والا راستہ بند ہو گیا تھا۔ البتہ چھت گرنے سے جنگل کی طرف سے ایک راستہ سرنگ میں کھل گیا تھا۔ اوپر سے گرنے والی مٹی، پتھر اور دوسری چیزیں اتنی زیادہ تھیں کہ انہوں نے سرنگ بھر دی تھی اور ان کے گرنے سے اوپر سے نیچے تک ایک ڈھلانی راستہ بن گیا تھا۔ یہ راستہ باہر جنگل میں نکل رہا تھا اور ہارن اسی طرف سے سرنگ میں داخل ہوا تھا۔ تب معبد میں کیا ہوا تھا اور وہاں کس نے تباہی پھیلائی تھی۔ اس سوال کا جواب واضح تھا۔ یہ ڈیوڈ شا اور اس کے ساتھیوں کی کارروائی تھی۔

”یہ تو سرنگ کی چھت گر گئی ہے۔“ ربیک نے کہا۔

”میرا نہیں خیال کہ چھت گری ہے۔“ میں نے بلے کے نزدیک جاتے ہوئے کہا۔ ”یہ اصل میں گرائی گئی

ہے۔“

”اسے کون گرا سکتا ہے اور کیوں گرانے لگا؟“ ایرٹ تعجب سے بولا۔ میں نے اس کی طرف دیکھا۔
 ”ڈیوڈ شا کے پاس ایسی چیزیں ہیں جو اس سے بڑی تعمیر کو تباہ کر سکتی ہیں۔ سرنگ گرانے کا مقصد ایک تو
 معبد کی طرف جانے والا راستہ بند کرنا اور دوسرے جنگل کے خطرناک جانوروں کو شہر کی طرف جانے کا راستہ دینا
 تھا۔ ہارن اسی راستے سے سرنگ میں آیا ہوگا۔“



اس گفتگو کے دوران ہم باہر دیکھ رہے تھے۔ ڈھلان آڑی تر چھی تھی مگر چڑھنے اور اترنے کے قابل تھی
 تب ہی تو ہارن جیسا بھاری بھر کم جانور نیچے اتر آیا۔ میں پہلے اوپر چڑھا اور پتھروں اور گرنے والی جھاڑیوں کی
 شاخوں کا سہارا لے کر تقریباً پچاس فٹ اوپر آیا۔ جنگل میرے سامنے تھا میں نے اشارے سے ان سب کو بھی
 اوپر بلایا اور خود اب زیادہ احتیاط سے اور ہلکا آہٹ کے باہر جانے لگا۔ آس پاس جانوروں کی موجودگی عین ممکن
 تھی۔ جنگل میں یہ خاصا بڑا حادثہ تھا کہ زمین کا ایک بڑا حصہ اندر دھنس گیا تھا اور جانور جو آس پاس موجود ہوں
 گے وہ تجسس میں ضرور اس طرف آئے ہوں گے۔ جیسے ہارن آیا تھا۔ جب میرے ساتھی اوپر آئے تو میں نے
 انہیں بھی خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ یہاں جھاڑیاں تھیں اور ان جھاڑیوں سے مجھے وہ خوش رنگ پرندہ نظر آیا جو
 زہریلے تیر برساتا تھا۔ وہ ایسی ہی جھاڑیوں میں رہتا تھا۔ مجھے دیکھتے ہی وہ واپس جھاڑیوں میں گھس۔ میں نے
 ڈھال سنبھال لی۔

”ہوشیار یہاں زہریلے کانٹوں والا پرندہ ہے۔“

میرا اندازہ تھا کہ سرنگ جہاں سے تباہ کی گئی وہ جگہ معبد سے زیادہ دور نہیں تھی۔ یعنی معبد کے گرد موجود
 فصیل آس پاس سے نظر آنی چاہیے تھی۔ مگر جہاں میں تھا یہاں سے فصیل نظر نہیں آرہی تھی۔ میں نے آس پاس
 دیکھا اور ایک کسی قدر بلند نظر آنے والے درخت کی طرف بڑھا۔ یہاں درخت اونچے کم تھے اور پھیلے ہوئے
 زیادہ تھے۔ نزدیک آکر میں نے ریک کو دیکھا اور وہ میرا مطلب سمجھ کر اوپر چڑھنے کی تیاری کرنے لگا اسے یہ
 بتانے کی ضرورت بھی نہیں تھی کہ ہمیں کیا تلاش کرنا ہے۔ اس نے اپنا سامان اتار کر رکھا اور شاخوں کو پکڑتے اور
 پاؤں جماتے ہوئے اوپر چڑھنے لگا۔ تقریباً تیس فٹ کی بلندی پر پہنچ کر اس نے شمال کی طرف دیکھا اور ہاتھ کے
 اشارے سے معبد کی سمت بتائی۔ پھر وہ نیچے اترنے لگا اور نیچے آکر آہستہ سے بولا۔ ”معبد یہاں سے دو سو قدم
 دور ہے مگر درمیان میں جھاڑیاں ہیں اور ان جھاڑیوں میں زہریلے کانٹے برسانے والا پرندہ رہتا ہے۔“

”کوئی ایسی جگہ جہاں یہ جھاڑیاں نہ ہوں؟“

”اس جگہ سے تو نظر نہیں آئی۔“ ریک نے جواب دیا اور شمال مغرب کی طرف اشارہ کیا۔ ”ہمیں اس
 سمت جا کر دیکھنا ہوگا۔“

ایرٹ، ایمار اور مارٹ تیر کمان لیے محتاط تھے اور ہر طرف نظر رکھے ہوئے تھے۔ میں نے سر ہلایا۔ ”ٹھیک
 ہے اس طرف چلتے ہیں۔“

جھاڑیاں وسیع رقبے پر پھیلی ہوئی تھیں اور ایسا لگ رہا تھا کہ معبد کی فصیل کے گرد یہ جھاڑیاں جان بوجھ

کر لگائی اور بڑھائی گئی تھیں تاکہ خوش نما لیکن قاتل پرندہ آکر یہاں رہے اور اس کی وجہ سے دوسرے جانور معبد کی فصیل کے پاس آنے سے گریز کریں۔ مجھے یاد ہے معبد سے فرار کے بعد میں جس راستے سے باہر آیا تھا اس پر بھی یہ جھاڑیاں موجود تھیں اور جنگل مغرب کی طرف ملا تھا۔ خوش قسمتی سے اس وقت میرا واسطہ اس پرندہ سے نہیں پڑا تھا۔ ہم جھاڑیوں میں ایسی جگہوں سے گزر رہے تھے جہاں خلا زیادہ تھا اور تنگ راستوں سے گزرنے سے گریز کر رہے تھے۔ چلتے ہوئے ہماری کوشش تھی کہ آہٹ نہ پیدا ہو۔ چند سو گز سفر کے بعد جھاڑیاں ختم ہونے لگیں اور یہاں سے اونچے درختوں والے جنگل کا آغاز ہوا تھا۔ کہیں کہیں خالی جگہیں تھیں جہاں گھاس پھونس اور چھوٹے پودے اُگے ہوئے تھے۔ ایسی ہی ایک جگہ ہمیں ایک چھوٹا ہارن دکھائی دیا۔ چھوٹا ان معنوں میں کہ وہ بلوغت کے آس پاس تھا اور اس کا سائز ابھی خاص کم تھا یوں سمجھ لیں کسی صحت مند خچر کے برابر ہوگا۔ وہ زمین سے چھوٹے پودے اکھاڑ کر کھا رہا تھا۔

اسے دیکھتے ہی ہم نے راستہ بدل لیا اور دوز جانے لگے۔ ایک ہارن یہاں تھا تو دوسروں کی موجودگی بھی ممکن تھی۔ ویسے بھی ہارن کا گڑھ یہی علاقہ تھا۔ ہم مغرب کی طرف جا رہے تھے مگر ساتھ ہی شمال کی طرف بھی گھوم رہے تھے۔ تاکہ معبد سے زیادہ دور نہ ہوں۔ کوئی نصف میل دور آنے کے بعد ربیک دوبارہ ایک بلند درخت پر چڑھا۔ یہ سیدھے تنے والا کوئی سو فٹ اونچا درخت تھا جس کے تنے سے ہر طرف بے شمار شاخیں نکل رہی تھیں اور اس پر چڑھنا زیادہ مشکل نہیں تھا۔ کوئی ساٹھ ستر فٹ کی بلندی پر جانے کے بعد ربیک رکا اور اس نے شمال مشرق کی طرف دیکھا۔ چند منٹ بعد وہ نیچے اترنے لگا۔ اس بار چڑھائی اور اترائی زیادہ تھی۔ اس لیے اس کا سانس پھول گیا تھا اور اس نے گہرے سانس لیتے ہوئے کہا۔ ”معبد اب یہاں سے چار سو قدم دور ہوگا مگر یہاں بھی فصیل کے ساتھ جھاڑیاں نظر آرہی ہیں۔“

میں ان جھاڑیوں میں جانے کے لیے تیار نہیں تھا اس لیے میں نے فیصلہ کیا۔ ”ہمیں آگے جانا ہوگا۔ فصیل کے پاس رہنے کے لیے کون سی سمت اختیار کرنا ہوگی؟“

”یہ سمت۔“ ربیک نے شمال مشرق کی طرف اشارہ کیا۔ ہم آگے بڑھے۔ سہ پہر کا وقت تھا اور دن ڈھلنے لگا تھا۔ میں سوچ رہا تھا کہ ہمیں رات ہونے سے پہلے معبد کے اندر پہنچ جانا چاہیے تھا۔ ورنہ اس خطرناک جنگل میں رات گزارنا ہرگز مناسب نہیں تھا۔ محلول کی بو زیادہ سے زیادہ چھ سات گھنٹے تک رہتی تھی۔ بہر حال ابھی ہمارے پاس خاصا وقت تھا اور ہم پورے معبد کے گرد بھی گھوم سکتے تھے۔ ہم کچھ آگے گئے ہوں گے کہ ایک گونز ملا اور وہ چند تیر کھا کر بھاگ نکلا۔ مزید کوئی نصف میل بعد ربیک نے کہا۔ ”اب ہم معبد کے عقب میں آگئے ہیں۔“ اس بار ایرٹ درخت پر چڑھا اور اسے بھی اس کام میں خاصی مہارت تھی۔ میں سوچ رہا تھا کہ اگر ہم نے فصیل تک جانے کا کوئی راستہ نکال بھی لیا تو فصیل کے پار کیسے جائیں گے۔ یہ کوئی تیس فٹ اونچی دیوار تھی جس پر چڑھنا یقیناً آسان کام نہیں تھا۔ میں نے ربیک سے کہا تو اس نے جواب دیا۔ ”میں کمند تیار کرتا ہوں۔“

اس نے آس پاس تلاش میں نظر دورائی کی اور اسے مخصوص ساخت کی ایک مضبوط سوکھی لکڑی مل گئی۔ یہ خاصی موٹی اور بھاری تھی۔ ربیک اسے توڑ کر اپنے مطلب کی بنانے لگا۔ جب لکڑی اس کے مطلب کی ہو گئی تو اس نے اس کے ایک سرے پر رستی باندھی۔ یہ دی شکل میں تھی اگر اسے مہارت سے پھینکا جاتا تو اس کا دی

صورت والا حصہ دیوار کے اوپر پھنس جاتا اور دیوار پر چڑھا جا سکتا تھا۔ ایرٹ نے پہلے معبد کی سمت دیکھا تھا پھر اس نے آس پاس کا جائزہ بھی لیا اور یہ جائزہ لینا کام آگیا۔ اچانک اس نے بے تابی سے ہمیں اشارے شروع کر دیئے۔ وہ ہمیں درخت کے اوپر آنے کو کہہ رہا تھا۔ اس نے یقیناً آس پاس کوئی خطرہ دیکھ لیا تھا۔ وہ احتیاطاً وجہ سے آواز نہیں نکال رہا تھا یعنی خطرہ اتنا پاس آگیا تھا کہ ہماری آواز اس تک جا سکتی تھی۔ میں نے اشارہ کیا اور بیک اوپر چڑھا۔

چند شاخیں اوپر جانے کے بعد اس نے تیرکمان سنبھال لیا اور ہمیں اوپر آنے کا اشارہ کیا۔ اس کے بعد میں گیا اور میرے پیچھے ایماں اور مارٹ تھے۔ ایرٹ کا سامان اور ہتھیار ان دونوں کے پاس تھے۔ ایرٹ ہمیں مزید اوپر آنے کا اشارہ کیا تو ہم اور اوپر جانے لگے۔ کوئی چالیس فٹ کی بلندی پر آنے کے بعد میں ہارن کے اس چھوٹے ریوڑ کو دیکھا جس میں چار ہارن تھے اور وہ یہاں پیٹ پوجا کے لیے آئے ہوئے تھے۔ ۲۱ درخت سے کوئی سو گز کے فاصلے پر وہ زمین سے پودے اکھاڑ کر کھا رہے تھے۔ یہ چاروں دیوبہکل اور دیکھنے میں ہی جوان نظر آتے تھے۔ ان کی جلد چمک رہی تھی۔ سر کے بال ریشم کی طرح سرسرا رہے تھے۔ کھاتے پیتے ہو۔ وہ غراہٹ بھری آواز میں گفتگو بھی کر رہے تھے۔ کبھی کبھی ان میں سے کوئی منہ اٹھا کر جیسے ہوا سونگھتا تھا۔ ایک ایک ہارن نے اسی طرح سونگھا اور جیسے چونک گیا۔

اس نے اس سمت دیکھا جہاں ہم درخت پر تھے۔ خطرے کا احساس ہوتے ہی میں نے اپنے ساتھیوں مزید اوپر چڑھنے اور خود کو چھپانے کا اشارہ کیا۔ ہم تیزی سے اوپر جانے لگے۔ ہتھیاروں اور سامان کے ساتھ خاصا مشکل کام تھا مگر ہمیں کرنا ہی تھا۔ ایک بار ہارن کو یہاں ہماری موجودگی کا پتا چل جاتا تو وہ یہاں ڈیرہ جما بیٹھ جاتے اور ہم ساری عمر تو درخت پر رہ نہیں سکتے تھے۔ زیادہ خطرہ یہ تھا کہ وہ درخت ہی نہ گرا دیں۔ اگرچہ تین فٹ سے زیادہ موٹے تنے والا درخت تھا مگر اس کی بہت زیادہ اونچائی اور وزن نے اسے غیر مستحکم کر دیا یہاں شاید آندھی طوفان نہیں آتے تھے اس لیے درختوں کے تنے ایک حد سے زیادہ موٹے اور مضبوط نہیں تھے اور ان کی اونچائی بہت زیادہ تھی۔ اگر چار ہارن جیسے طاقتور جانور مل کر زور لگاتے تو اسے گرا سکتے تھے۔

ہماری خیریت اسی میں تھی کہ انہیں یہاں ہماری موجودگی کا ثبوت نہ ملے۔ یو کی وجہ سے انہیں جو شبہ سکتا تھا وہ شبہ ہی رہے۔ ایرٹ مسلسل ان کی نگرانی کر رہا تھا اور پھر اس نے اشارے سے خبردار کیا کہ وہ اسی سمت آرہے تھے۔ سب سے نیچے اب مارٹ تھا اور وہ بھی کوئی ساٹھ فٹ کی بلندی پر آگیا تھا یہاں شاخیں گھنی آس پاس تھیں۔ ہم ان میں روپوش ہو سکتے تھے۔ اس لیے اب جو جہاں تھا وہ وہیں ساکت ہو گیا اور خود کو ممکنہ تک شاخوں میں چھپا لیا۔ میں بیک کے بعد تھا اور کوئی ستر فٹ کی بلندی پر تھا۔ یہاں سے معبد دکھائی دے، تھا خاص طور سے اس کا سنہری اہرام بالکل واضح تھا۔ مگر احاطہ، اس میں سامنے والی عمارات، باغات اور خاص ط سے سرنگ کے دہانے والا حصہ ہماری نظروں سے اوجھل تھا کہ ہم معبد کے بالکل عقبی حصے میں تھے۔ یہاں صرف اہرام اور اس کے مشرق میں واقع پجاریوں کی رہائش کے لیے مخصوص عمارت کا ایک حصہ دکھائی دے، تھا۔ اہرام کے عقب میں بڑا سا ہموار میدان تھا۔ یہ احاطے کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک پھیلا ہوا اور میرا اندازہ تھا کہ اس کی لمبائی کوئی پانچ سو گز تھی۔

میدان بالکل خالی تھا اور یہاں نہ تو کوئی گھاس یا پودے لگے تھے۔ نہ درخت تھے اور نہ ہی کسی قسم کی تعمیر کی گئی تھی حد یہ کہ زمین بھی کچی لیکن ہموار تھی۔ شاید یہ میدان کھیلوں کے لیے مخصوص تھا۔ پجاری اور اوپری طبقے نے عام شہریوں پر کھیلنے کی بھی پابندی لگا رکھی تھی اور خود وہ ہر تفریح کرتے تھے اور شاید آپس میں کھیلتے بھی تھے۔ بہر حال میدان دیکھ کر یہ سب چند لمحے کے لیے میرے ذہن میں آیا اور میں آنے والے خطرے کی طرف متوجہ ہوا۔ ہارن اب درخت کے اتنے نزدیک تھے کہ ہمارے نظروں سے اوجھل ہو گئے تھے۔ اب وہ جب بالکل نیچے آجاتے تب ہمیں نظر آتے اور یہ اس لحاظ سے اچھا تھا کہ ہم بھی ان کی نظروں سے اوجھل تھے۔ اتنی بلندی سے درخت کے بالکل نیچے کا بھی معمولی سا دکھائی دے رہا تھا۔ ہم جہاں تھے یہاں گھنی شاخوں کی وجہ سے نیم تاریکی تھی اور مجھے امید تھی کہ ہارن یہاں ہمیں نہیں سیکھ سکیں گے۔

چند لمحے بعد نیچے سے ٹاپوں کی آواز آئی۔ ہارن نیچے آچکے تھے اور وہ غرارہے تھے اور شاید ہماری موجودگی جاننے کی کوشش کر رہے تھے۔ مگر انہیں صرف بو آرہی تھی۔ بوسو گھنے کے لیے وہ زور سے سانس کھینچ رہے تھے جس کی آواز اوپر آرہی تھی۔ پھر ان میں آپس میں غراہٹوں کا تبادلہ خیال شروع ہو گیا۔ شاید وہ آپس میں بحث کر رہے تھے کہ درخت کے اوپر انسان ہیں یا انہیں وہم ہو رہا ہے۔ بوائی چیز ہے کہ آدمی کو اس پر سب سے کم یقین ہوتا ہے۔ ہارن کے بارے میں میں کہہ نہیں سکتا تھا انہوں نے سوگزی کی دوری سے ہماری بوسو س کر لی تھی بلکہ یہ وہ ناگوار بو تھی جس سے ہارن بھاگتے تھے۔ اس لیے بھی وہ کنفیوز ہو رہے تھے کہ آنے والی بو انسانوں سے آرہی ہے یا یہ کوئی اور بو ہے۔ میں دل ہی دل میں دعا کر رہا تھا کہ وہ مشکوک ہی رہیں۔ ان کا شک یقین میں نہ بدلے۔ اس کے بعد وہ جلد از جلد یہاں سے دفع ہو جائیں۔

ہم ساکت بیٹھے تھے اور اپنا سارا سامان بہت مضبوطی سے پکڑ رکھا تھا کہ کوئی چیز اتفاق سے بھی نیچے نہ جا گرے۔ ہم سانس بھی آہستہ لے رہے تھے کہ ہارن کے تیز کان اس کی آواز بھی نہ سن لیں۔ ہارن آپس میں بات کرتے ہوئے کبھی درخت سے دور چلے جاتے اور کبھی پاس آجاتے تھے مگر وہ یہاں سے دفع ہونے کے موڈ میں نہیں تھے۔ وقت گزر رہا تھا اور کچھ دیر میں شام ہوگئی۔ کیونکہ ہارن کی طرف سے صرف محتاط رہنا تھا اس لیے میری نظر وقفے وقفے سے معبد کی طرف جاتی تھی۔ اب تک مجھے وہاں نہ تو کوئی انسان نظر نہیں آیا تھا اور نہ ہی کسی قسم کی نقل و حرکت محسوس ہوئی تھی وہاں قطعی سناٹا تھا۔ یہ سناٹا فطری نہیں تھا۔ معبد میں موجود درجنوں پجاری اور ان کے سینکڑوں خادم تھے۔ اگر وہ زندہ تھے تب بھی حرکت کرنے کے لیے آزاد نہیں تھے۔

معبد میں سو کے قریب مسلح سپاہی بھی ہوتے تھے مگر ان کی نااہلی میں خود ملاحظہ کر چکا تھا اور اکیلا باسو ہی ان کے لیے کافی تھا۔ صرف چار ہونے کے باوجود وہ آتشیں ہتھیاروں سے مسلح تھے اور ان کے پاس دھماکہ خیز ہتھیار بھی تھے۔ سرنگ کی تباہی اس کا ایک ثبوت تھی۔ اس لیے سینکڑوں غیر مسلح اور پرانے طرز کے ہتھیاروں سے مسلح افراد بھی ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے تھے۔ ڈیوڈ شا اینڈ پارٹی کوریناٹ کے محل سے روانہ ہوئے بارہ گھنٹے سے زیادہ وقت ہو گیا تھا اور اتنا وقت معبد پر مکمل قبضے کے لیے کافی تھا۔ اب دیکھنا یہ تھا کہ وہ یہاں آئے کیوں تھے؟ شام کی روشنی رفتہ رفتہ رات کے سرمئی غبار میں بدلنے لگی۔ کچھ ہی دیر میں یہاں تاریکی چھا جاتی۔ ہارن موجود تھے اور ان کی غراہٹیں تھم گئی تھیں مگر ٹاپوں کی آواز اور کبھی کبھی زور سے سانس لینے کی آواز آتی تھی۔ کیونکہ

ان کے پاس کوئی مصروفیت نہیں تھی اور نہ ہی انہیں شام کو گھر جا کر بیوی بچوں کو منہ کرانا تھا اس لیے وہ بے فکری سے یہیں براجمان ہو گئے تھے۔ ایسا لگ رہا تھا کہ وہ اپنا شک و رفع کیے بغیر یہاں سے جانے کو تیار نہیں تھے۔ دیکھا جائے تو ہم اچھی خاصی مشکل میں پڑ گئے تھے اور ساری عمر کیا چند گھنٹے سے زیادہ یہاں نہیں رہ سکتے تھے۔ اتنی دیر ہم نے ساکت رہ کر اور پہلو بدلے بغیر درخت کی سخت اور کھردی شاخوں پر وقت گزارا تھا تو یہ بھی کمال تھا کہ یہ کھر دراپن نہایت غیر موزوں مقامات پر چبھ رہا تھا۔ پہلو بدلتے ہوئے بھی بہت احتیاط کرنا پڑتی تھی کہ کوئی چیز ہاتھ سے نہ نکل جائے یا خود ہم ہی نہ پھسل جائیں۔ مجھے تجربہ تھا کہ تاریکی ہوتے ہی کیڑے مکوڑے نکل آتے تھے اور وہ یہاں بھی نکلتے۔ اس کے بعد ہم ایک نئی مشکل میں گرفتار ہو جاتے۔ میں سوچ رہا تھا کہ کاش میرے پاس ایک ہی رائفل ہوتی تو میں ہارن کو آسانی سے ختم کر سکتا تھا۔ مگر برف والے نے مجھے بالکل نہتہا کر کے ریناٹ کے آدمیوں کے حوالے کیا تھا۔ اگر وہ چاہتا تو کسی طریقے سے میرے ہتھیار مجھ تک پہنچا سکتا تھا مگر اس نے نہ جانے کیوں ایسا نہیں کیا۔ کچھ ہی دیر میں تاریکی مکمل ہو گئی اور اب کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔ معبد کی طرف سے کچھ روشنی جھلک رہی تھی جیسے اس کے اگلے حصے میں شاید مشعلیں وغیرہ جل رہی تھیں۔ اس کے علاوہ ہر سمت تاریکی تھی اور کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔ ریک کوشش کر کے کسی طرح میرے نزدیک آیا اور اس نے بہت ہلکی سی سرگوشی میں کہا۔

”جناب ہم اس طرح کب تک بیٹھے رہیں گے؟“

”جب تک بیٹھ سکتے ہیں۔“

”ہمت جواب دے رہی ہے۔“

”کوئی بھی مشکل موت سے بڑھ کر تکلیف نہیں دیتی ہے۔“ نیچے موت ہے اس لیے صبر کرو۔“

”اگر سامان نہ ہوتا آدمی بیٹھ سکتا ہے سامان کے ساتھ یہ کام بہت مشکل ہے۔“

”ٹھیک ہے سامان شاخوں سے یوں باندھ دو کہ آواز نہ ہو۔“ میں نے اجازت دی۔ میں خود بھی اسی مشکل میں تھا۔ طے ہوا کہ باری باری سب اپنا سامان باندھیں گے اگر ایک ساتھ سب نے حرکت کی تو شور زیادہ ہوگا۔ پہلے ایرٹ نے اپنا سامان باندھا اس نے سب کچھ ترکش میں کر کے اسے شاخ سے باندھ دیا۔ پھر ریک اور پھر میری باری آئی تھی۔ میں نے چیزیں باندھنے کے لیے اسی شاخ کا اگلا حصہ استعمال کیا جس پر میں براجمان تھا۔ رسی سب کے پاس تھی اور سبکی چاتو سے اس کے ٹکڑے کرنے میں آسانی رہی تھی۔ میرے بعد مارٹ اور ایمار کی باری تھی میں رسی کو آخری گرہ لگا رہا تھا کہ میری نظر معبد کی طرف گئی اور میں چونک گیا۔ وہاں اہرام کے عقبی میدان میں روشنی تھی اور یہ مشعلوں کی روشنی نہیں تھی بلکہ تیز برقی لائٹیں کی روشنی تھی۔

لائٹیں باسو کے ہاتھ میں تھی جس نے اسے بلند کر رکھا تھا اور اتنی دوری سے وہ اپنی جسامت کی وجہ سے پہنچانا گیا۔ ورنہ ان کے چہرے صاف نہیں تھے۔ اس کے ساتھ دوسرا طویل قامت فرد یقیناً کرنل تھا۔ ڈیوڈ شا متوسط قامت کا تھا اور زینی کا قد اس سے بھی کم تھا۔ باسو سے روشنی دکھارہا تھا اور کرنل جھک کر زمین پر کچھ رکھ رہا تھا۔ وہ اسی طرح جھکے جھکے آگے بڑھ رہا تھا اور ہر چند گز کے بعد زمین پر کچھ رکھ رہا تھا۔ جب میں نے اسے دیکھا تو وہ میدان کے درمیان تک آ گیا تھا اور اس کے دوسرے سرے کی طرف بڑھ رہا تھا۔ میں سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا

کہ کرنل کیا کر رہا ہے۔ وہ اسی طرح زمین پر کچھ رکھتا ہوا احاطے کے آخری حصے تک پہنچا پھر وہاں سے نوے درجے کے زاویے پر مڑا اور اسی چند بار زمین پر چیز رکھنے کے بعد وہ پھر نوے درجے کے زاویے پر مڑا اور اب وہ واپس اسی سمت جا رہا تھا۔ مشکل سے دس منٹ میں وہ احاطے کے دوسرے سرے تک پہنچ گیا تھا۔ ایرٹ اور ربیک نے بھی انہیں دیکھ لیا تھا۔ ربیک نے مجھ سے پوچھا۔

”یہ کیا کر رہے ہیں؟“

”میں بھی ناواقف ہوں۔“

کرنل واپس میدان کے وسط میں آیا اور اس نے اس نے ہاتھ میں موجود بیگ شانے سے لٹکا لیا تھا۔ وہ اسی بیگ سے کوئی چیز نکال کر زمین پر رکھ رہا تھا۔ پھر اس نے ہاتھ اوپر کر کے کچھ کیا تو یک دم ہی میدان میں ایک سرے سے دوسرے سرے تک زمین پر رکھی گول ڈسک لائٹس سرخ رنگ میں روشن ہو گئیں اور احاطے میں ان سے دور یہ روشن لائٹس بن گئی تھیں۔ دونوں لائٹوں کے درمیان کوئی دس گز کا فاصلہ تھا اور دونوں لائٹس کوئی چار سو گز طویل تھیں۔ چند لمحے تک میں الجھن میں رہا کہ یہ کیا ہے اور پھر اچانک مجھے خیال آیا اور میں اچھل پڑا تھا۔ شکر ہے کہ میرے ہاتھ شاخ پر جے تھے ورنہ میں گر بھی سکتا تھا۔ کرنل اور باسو معبد کے احاطے میں رن وے بنا چکے تھے۔ اب کوئی بھی چھوٹا طیارہ رات میں بھی آرام سے یہاں لینڈ کر سکتا تھا۔ ربیک حیران تھا اس نے کہا۔

”یہ کیسی روشنی ہے؟“

”میرے خدا۔“ میں نے خود سے کہا تھا۔ اسی لمحے نیچے ایماں سے کوئی چیز چھوٹ گئی اور وہ شاخوں سے الجھتی اور آواز پیدا کرتی نیچے جانے لگی تھی۔ شور اتنا ضرور تھا کہ ہارن چونک جاتے۔ ان کے غرانے کی آواز آئی اور پھر درخت یوں ہلا جیسے کوئی چیز بہت قوت سے اس سے ٹکرائی ہو۔ ایماں کی چیخ سنائی دی وہ نیچے گر گیا تھا۔ میں نے بہ مشکل خود کو روکا ورنہ میں ایماں کو آواز دینے جا رہا تھا۔ وہ گرا تھا۔ مگر ایسا لگ رہا تھا کہ شاخوں میں سنبل گیا ہے۔ اس نے بھی سوائے پہلی چیخ کے اور کوئی آواز نہیں نکالی تھی۔ میں احتیاط سے چند شاخیں نیچے آیا اور میں نے ایماں کے حرکت کرتے ہوئے کو دیکھ لیا وہ خاموشی سے واپس اوپر آ رہا تھا اور شاخوں کو مضبوطی سے پکڑ رہا تھا۔ اس کا پورا امکان تھا کہ ہارن پھر درخت کو ٹکڑے کرے گا اور ایسا ہی ہوا۔ درخت پھر ہلا تھا مگر ہم سب ہوشیار تھے۔ اپنی جگہ قائم رہے اور کوئی آواز بھی نہیں نکالی تھی۔ ہارن اب بھاگ دوڑ کر رہے تھے کیونکہ ان کی ٹاپوں کی آوازیں آرہی تھیں۔ انہیں چیخ سے یقین آ گیا تھا کہ اوپر انسان تھے۔ مگر جب چند اور ٹکڑے مارنے کے بعد اوپر سے کوئی رد عمل نہیں ہوا تو ان کی وحشت کم ہوئی تھی اور اسی لحاظ سے ان کی بھاگ دوڑ بھی کم ہوئی تھی۔

اس دوران میں تاریکی مکمل ہو گئی تھی اور اب اوپر نیچے ہر طرف گھپ اندھیرا تھا۔ میرا اندازہ تھا کہ شام کے چھ یا ساڑھے چھ بج گئے تھے۔ ایماں اوپر آیا اور میں اس کے ساتھ واپس اوپر کی طرف آیا۔ کوئی اتنی یا تو فٹ کی بلندی پر ہم سب آ گئے تھے۔ میں نے سرگوشی میں کہا۔ ”وہ ہماری موجودگی سے تقریباً واقف ہو چکے ہیں اور اب یہاں سے نہیں ٹلیں گے۔ ہمیں کچھ کرنا ہوگا۔“

”کیا؟“ ربیک نے سوال کیا۔

”ہم تیروں کی مدد سے اتنے ہارنوں سے نہیں نمٹ سکتے اس لیے ایک ہی طریقہ سمجھ میں آرہا ہے۔ ہم تیروں کو آگ لگا کر ان کے جسم کے ایسے حصوں پر ماریں جہاں سے یہ الگ نہ کر سکیں اور جب جلتے تیر ان کا جسم جلائیں گے تو اس کے بعد یہ یہاں سے بھاگیں گے۔“

”ترکیب اچھی ہے۔“ ایرٹ نے کہا۔ ”لیکن تیر مارنے کے لیے نیچے جانا ہوگا اور یہ آگ اور ہمیں دیکھتے ہی درخت گرانے کی کوشش کریں گے۔“

”اس کام کے لیے ہم میں سے دو سے تین افراد نیچے جائیں گے۔ خود کورسی سے درخت کے ساتھ یوں باندھ لیں گے کہ جھٹکے سے نیچے نہ گریں۔ ایک آدمی آگ سے تیر جلانے گا اور ایک یا دو افراد ان تیروں کو ہارنوں پر آزمائیں گے۔ جیسے یہ ہی بھاگیں گے ہم بھی یہاں سے نکل جائیں گے۔“

میں نے اپنا منصوبہ بیان کیا تو ریک نے مجھ سے اتفاق کرتے ہوئے سر ہلایا۔ ”بہ شرط کہ مزید ہارن نہ آجائیں۔ موجودہ صورت میں اس سے بہتر منصوبہ اور کوئی نہیں ہو سکتا ہے۔“

میں، مارٹ اور ریک نیچے آئے۔ طے پایا تھا کہ میں آگ تیروں کو دکھا کر انہیں تھماؤں گا اور وہ ہارنوں کو تیر ماریں گے۔ ہم نے خود کو مختلف شاخوں پر رستی سے باندھ لیا میں ذرا اوپر تھا اور وہ دونوں ذرا نیچے تھے اس دوران میں ہارنوں کو یہاں ہماری موجودگی کا علم ہو گیا تھا اور وہ مسلسل درخت کے تنے پر زور آزمائی کر رہے تھے۔ میں نے ایک مشعل جلائی اور روشنی ہوتے ہی نیچے جیسے قیامت برپا ہو گئی تھی۔ غراہٹوں اور حیوانی چیخوں کا ایسا طوفان آیا تھا کہ درخت بغیر کسی ضرب کے ہی کاٹنے لگا تھا۔ لیکن یہ غیر متوقع نہیں تھا۔ ہمیں معلوم تھا کہ ہارن انسانوں کی موجودگی دیکھ کر یوں ہی بھڑکیں گے۔ میں نے دو تیروں کے سرے سے ذرا اوپر والا حصہ مشعل پر رکھا اور چند لمحوں میں لکڑی نے آگ پکڑ لی۔ میں نے تیر مارٹ اور ریک کو پکڑائے جب تک انہوں نے انہیں کمان پر چڑھایا ان کی آگ پوری طرح بھڑک اٹھی تھی اور جب انہوں نے تیر مارے تو ہوا کے زور سے آگ بجھی نہیں تھی۔

میں کیونکہ مزید دو تیر اسی طرح آتش گیر کر رہا تھا اس لیے دیکھ نہیں سکا کہ کس کا چلایا ہوا تیر ایک ہارن کی پشت میں یوں اتر گیا کہ وہ ہاتھ پیچھے لے جا کر اسے نکال بھی نہیں سکتا تھا تیر کی آگ اس کے سر اور پشت کے طویل بال جلانے لگی تھی۔ ہارن اب اذیت ناک انداز میں چلا رہا تھا۔ ایک ہارن اس کے گرد ناچ رہا تھا مگر وہ جلتا تیر نکالنے کے لیے کچھ نہیں کر رہا تھا۔ دوسرا تیر دوسرے ہارن کے شانے پر لگا۔ اسے زخم آیا تھا مگر اس نے ہاتھ مار کر نکال دیا۔ مارٹ نے میرا دیا ہوا دوسرا تیر اس کے سر پر بارا اور تقریباً تیس فٹ کے فاصلے سے تیر اس کی ایک آنکھ سے ہوتا ہوا کھوپڑی کی پشت سے نکل گیا۔ ظاہر ہے تیر میں لگی آگ بجھ گئی تھی مگر تیر نے ہارن کا کام تمام کر دیا تھا۔ وہ ایک دھماکے سے نیچے گرا اور موت کے کرب میں اس کا دیوہیکل جسم تھر تھرانے لگا تھا۔ ریک کا چلایا ہوا تیر اس ہارن کی گردن میں اتر گیا جو جلتے تیر کا شکار ہارن کے گرد ناچ رہا تھا۔

میں تیروں کا تیسرا سیٹ مشعل پر رکھے ہوئے تھا کہ چوتھا ہارن موقع کی نزاکت دیکھ کر فرار ہوا اور باقی دو اس کے پیچھے بھاگے تھے۔ ان کی غراہٹیں اور دور جاتی آوازیں بتا رہی تھیں کہ وہ صرف درخت سے دور نہیں گئے تھے بلکہ یہاں سے دوڑتے ہی چلے گئے تھے۔ ہمیں توقع نہیں تھی کہ اتنی بڑی بلا سے اتنی جلدی اور آسانی سے

نجات مل جائے گی اور اب ہمارا جلد از جلد یہاں سے نکل جانا ضروری تھا۔ میں پہلے نیچے اتر اور مردہ ہارن کا معائنہ کیا۔ اس کے جسم کی تھر تھراہٹ اب رک گئی تھی۔ میں نے پہلے بڑی مشعل جلانے کا ارادہ کیا مگر پھر ملتوی کر دیا۔ بڑی مشعل کا مطلب ہوتا زیادہ روشنی اور یہ زیادہ دور سے جانوروں کو متوجہ کر سکتی تھی۔ میرے بعد مارٹ اور ربیک نیچے آئے۔ ایرٹ اور ایمار سامان نیچے لا رہے تھے۔ انہوں نے رسیاں کھولنے میں وقت ضائع کرنے کے بجائے انہیں کاٹ دیا اور سامان نیچے پھینکنے لگے۔ آخر میں وہ خود بھی نیچے آئے تھے۔ مردہ ہارن کو دیکھ کر سب نے مارٹ کی پیٹھ تھپکی۔ اس کے بعد سب نے اپنا اپنا سامان اٹھایا اور ہم آگے روانہ ہو گئے۔ جھاڑیوں کے نزدیک آ کر میں نے ان سے کہا۔

”دوستو! ہماری خوش قسمتی کہ ہم ایک بہت مشکل صورتِ حال سے نکل آئے ہیں لیکن مجھے یقین ہے کہ ہارن جلد اور زیادہ تعداد میں یہاں کا رخ کریں گے اور ہم ان کا مقابلہ نہیں کر سکیں گے۔ ان سے بچنے کی ایک ہی صورت ہے کہ ہم فاصلہ پار کر کے معبد میں داخل ہو جائیں۔“

”اس کے لیے ہمیں جھاڑیوں سے گزرنا ہوگا اور یہاں زہریلے کانٹوں والا پرندہ ہوگا۔“ ربیک نے تشویش سے کہا۔

”ہم ڈھالوں سے اپنا دفاع کریں گے اور چاروں طرف ڈھال کر کے ان کے درمیان میں رہ کر فاصلہ تک جائیں گے۔“ میں نے تجویز پیش کی۔ ”ہم بڑی مشعلیں روشن کر لیں گے۔ یقیناً یہ پرندہ بھی آگ سے گھبراتا ہوگا۔ شاید آگ دیکھ کر وہ نزدیک آنے سے گریز کرے۔“

ہمارے پاس موجود ڈھالیں چار فٹ اونچی اور دو فٹ چوڑی تھیں۔ ہم نے جھاڑیوں میں داخل ہونے سے پہلے بڑی مشعلیں جلا لیں اور ان کی تیز روشنی میں آس پاس کا منظر واضح نظر آنے لگا۔ اس کے بعد ہم یوں پاس آ گئے کہ ہم میں سے دو کا رخ سامنے کی طرف تھا اور دو اٹلے قدموں چلتے اور ایک درمیان میں رہ کر صرف مشعلیں اٹھاتا۔ اس کی ڈھال دوسرا اٹھاتا اور یوں ہم چاروں طرف سے ڈھالوں کی پناہ میں آ جاتے۔ زہریلا پرندہ دیکھتے ہی ہم گھٹنوں کے بل جھک کر پوری طرح ڈھالوں کی آڑ میں آ جاتے۔ بڑی مشعلیں جلانا اب مجبوری تھی۔ کیونکہ اس کے بغیر ہم آسانی سے فاصلہ تک نہیں پہنچ سکتے تھے۔ ہم ہر ممکن تیزی سے جھاڑیوں کے درمیان سے گزر رہے تھے۔ میرا رخ سامنے کی طرف تھا اور میں راستے کا تعین کر رہا تھا۔ شروع میں جھاڑیاں اتنی گھنی نہیں مگر ہم جیسے جیسے آگے بڑھ رہے تھے یہ گھنی اور زیادہ نزدیک ہوتی جا رہی تھیں اور ان کے درمیان فاصلہ کم ہو رہا تھا۔ اچانک عقب سے ایک بلند چیخ سنائی دی اور یہ کسی حد تک انسانی چیخ سے مشابہہ تھی۔

”ہارن۔“ ربیک نے کہا۔ ”وہ آگئے ہیں۔“

”مشعلیں نیچے اور ڈھالوں سے باہر کر لو۔“ میں نے حکم دیا۔ مشعلیں مارٹ نے تھام رکھی تھیں اور اس نے آگے پیچھے کر کے دونوں مشعلیں ڈھالوں سے باہر نکال لیں۔ اس سے راستہ زیادہ واضح ہو گیا اور اب مشعلوں کو دور سے دیکھ لینا آسان نہیں تھا۔ ہم اب گھنی اور اونچی جھاڑیوں کے درمیان تھے۔ یہاں سے فاصلہ نظر نہیں آرہی تھی اور ہم اندازے سے فاصلہ کی طرف جا رہے تھے۔ پہلی چیخ کے بعد بین ناچینیں رہ رہ کر بلند ہو رہی تھیں اور یہ رونا پٹنا یقیناً مارے جانے والے ہارن کے لیے تھا۔ شاید اس کے لواحقین ان پہنچے تھے اور جلد وہ

جوش انتقام میں بھرے ہوئے ہماری تلاش شروع کر دیتے۔ اچانک ہی جھاڑیوں میں بل چل سی مچی اور میں نے رکنے کا حکم دیا۔ فوراً ہی جھاڑیوں سے دو عدد خوش رنگ پرندے نکلے اور ان کے آنے سے پہلے ہی ہم گھٹنوں کے بل جھک کر ڈھالیں سامنے کر چکے تھے اس لیے جب انہوں نے رقص کے انداز میں کانٹے برسانے شروع کیے تو سارے کانٹے آکر ڈھالوں پر لگے۔

میں اس پرندے کا یہ رقص مرگ پہلے بھی دیکھ چکا تھا بلکہ اس کا زہریلا کانٹا بھی بھگت چکا تھا۔ وہ مشکل سے چند سیکنڈ رقصاں رہے اور دوبارہ جھاڑیوں میں گھس گئے۔ ان کے جاتے ہی میں نے سب کو پیچھے ہٹنے کا حکم دیا اور ہم سرعت سے پیچھے گئے تھے۔ یہ تو واضح تھا کہ ان جھاڑیوں میں شاید ان پرندوں کا گھونسلا اور اندے بچے تھے تب ہی انہوں نے آگ اور زیادہ لوگوں کی پروا کیے بغیر حملہ کیا تھا۔ اس تنگ جگہ سے باہر آکر ہم دوسرے راستے سے آگے بڑھے۔ اس دوران میں سب نے تصدیق کر دی تھی کہ وہ ٹھیک ہیں اور کسی کو زہریلا کانٹا نہیں لگا تھا۔ ایک کسی قدر کھلی جگہ میں نے ڈھالوں کا معائنہ کیا تو ان پر کئی زہریلے کانٹے پیوست پائے۔ مجھے حیرت ہوئی کہ یہ پرندے کس قوت سے کانٹے برساتے تھے کہ وہ سخت لکڑی والی ڈھال میں بھی پیوست ہو گئے۔

شاید ان کے پروں میں کوئی ایسا میکنزم تھا جو کانٹوں کو اتنی قوت سے پھینک سکتا تھا کہ وہ بیس فٹ کے فاصلے پر سخت لکڑی میں پیوست ہو سکیں۔ شاید یہ اس لیے بھی ضروری تھا کہ یہاں پائے جانے والے بیشتر جانوروں کی کھال بہت سخت تھی اور زور سے پھینکا گیا زہریلا کانٹا ہی اس میں اندر تک پیوست ہو سکتا تھا۔ قدرت نے بعض ایسے ہی نرم و نازک جانداروں کو جو دوسروں کا آسانی سے نشانہ بن سکتے ہیں زہر کی مدافعت سے مسلح کیا ہے جیسے جیلی فش کے لمبے دھاگے نما حصوں میں زہریلے ڈنک اس طرح موجود ہوتے ہیں کہ وہ جیسے کمان پر چڑھے ہوں اور جیسے ہی کوئی جیلی فش کے ان دھاگوں کو چھوتا ہے ڈنک اتنی قوت سے چھوٹتے ہیں کہ جسم میں انج بھرتک اتر جاتے ہیں۔ اس کے لیے جیلی فش کو خود کچھ نہیں کرنا پڑتا بلکہ اس کا خود کار نظام یہ ڈنک پھیلتا ہے۔

بد قسمتی سے ہم جس راستے پر گئے تھے وہ آگے سے بند ثابت ہوا۔ ہمیں واپس آنا پڑا تھا۔ ہم پہلے ہی ایک طویل راستے سے یہاں تک آئے تھے اور یہ راستہ آگے دورا ہے میں بدل گیا تھا پہلے ہم پرندوں کے سامنے جا نکلے اور جب واپس آئے تو دوسرا راستہ آگے سے بند نکلا تھا۔ ہمارے پاس واپس جانے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا مگر واپسی کی راہ پر ہارن سے ملاقات کا بہت زیادہ امکان تھا کیونکہ ہمیں اسی سمت جانا تھا۔ ان کی رہ کر ابھرنے والی چیخیں اب زیادہ نزدیک سے سنائی دے رہی تھی۔ ہم دوہری مشکل میں پڑ گئے تھے۔ شاید ایسے ہی موقع کے لیے کہا جاتا ہے کہ آگے کنواں تو پیچھے کھائی۔ زہریلا پرندہ اور ہارن دونوں ہی خطرناک تھے اور ان سے بچنے کی ایک ہی صورت تھی کہ ہم فسیل پار کر جائیں۔ اگرچہ وہاں بھی ہمارے لیے کم خطرہ نہیں تھا بلکہ شاید زیادہ ہی تھا مگر ہم اسی خطرے سے نمٹنے کے لیے نکلے تھے۔

”اب ہم کہاں جائیں؟“ یہ سوال ایرٹ نے کیا اور میں بھی یہی سوچ رہا تھا۔ ہم اسی راستے پر خاصا پیٹھ ہٹ آئے تھے اور میں جھاڑیوں سے باہر نکلنے کی بجائے کوئی متبادل راستہ دیکھ رہا تھا۔ مگر یہاں چاروں طرف دس بارہ فٹ اونچی جھاڑیاں تھیں اور ان کے پار کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔ راستہ تلاش کرنا ضروری تھا۔ ایک چھوٹا درخت آیا تو ربیک اس پر چڑھا۔ چھوٹے سے مراد یہاں کے درختوں کے مقابلے میں چھوٹا تھا ورنہ یہ بھی کوئی پچاس

فٹ اونچا تھا۔ وہ فیصل کی سمت کا تعین کرنے گیا تھا مگر اسے راستہ بھی نظر آ گیا۔ جیسے آگ لینے جائیں اور پیغمبری مل جائے۔ اس نے نیچے اتر کر جوش سے کہا۔

”جناب ادھر راستہ ہے اور وہ فیصل تک جا رہا ہے۔“

ایرٹ نے اسے مشکوک نظروں سے دیکھا۔ ”تمہیں کیسے نظر آیا۔ یہاں تو اندھیرا ہے۔“

”اب مکمل اندھیرا نہیں ہے اور تم جانتے ہو میری نگاہ سب سے تیز ہے۔“ ربیک نے جواب دیا۔

”میرے ساتھ آؤ۔“

”لیکن اسی ترتیب سے۔“ میں نے کہا۔ ”پرندوں کو مت بھولو۔ یہ ہارن سے زیادہ خطرناک ہیں۔ اگر ہم

ذرا بھی بے احتیاطی کرتے تو ان کا نشانہ بن جاتے۔“

انہوں نے اتفاق کیا اور ہم نے پھر اسی ترتیب و تنظیم کے ساتھ سفر شروع کیا۔ ربیک نے جو راستہ دیکھا تھا اس تک جانے کے لیے ہمیں ایک دس فٹ طویل مگر بہت تنگ راستے سے گزرنا پڑا تھا اور ہم جھاڑیوں سے رگڑ کھاتے اور انہیں کچلتے ہوئے گزر رہے تھے۔ اگر ان جھاڑیوں میں پرندہ نکل آتا تو ہم اس کا بہت آسان شکار ثابت ہوتے۔ کیونکہ یہاں سے گزرتے ہوئے ڈھالیں ہٹ گئی تھیں اور ہماری ترتیب ٹوٹ گئی تھی۔ مگر ہم بحیریت دوسری طرف پہنچ گئے اور یہاں آتے ہی ہم نے پھر سے ڈھالیں اپنے سامنے کر لی تھیں۔ ربیک نے درست کہا تھا کہ راستہ نہ صرف کشادہ تھا بلکہ فیصل تک جا رہا تھا۔ تقریباً بیس سے پچیس فٹ چوڑے اس راستے پر بڑی جھاڑیاں نایاب تھیں اور چھوٹے پودے اور گھاس وغیرہ اگی ہوئی تھی۔ جب میں نے اس پر قدم رکھا تو مجھے لگا کہ میں ڈھلان کی طرف گیا ہوں۔ شاید یہ کوئی نالا یا نشیبی جگہ تھی۔

یہ نشیبی جگہ فیصل کی طرف سے آرہی تھی اور یہاں پانی بہنے کی وجہ سے جھاڑیاں پنپ نہیں سکی تھیں مگر وہ پودے تھے جو زیادہ پانی برداشت کر لیتے تھے۔ فی الحال نالے یا نشیبی جگہ میں پانی نہیں تھا کیونکہ بارش نہیں ہوئی تھی اس میں یقیناً بارش کا پانی آتا ہوگا۔ ہماری خوش قسمتی کہ ربیک نے یہ راستہ دیکھ لیا ورنہ ہم اب تک جھاڑیوں میں بھٹک رہے ہوتے۔ فیصل کے پاس کچھ جھاڑیاں تھیں مگر وہ زیادہ گھنی اور اونچی نہیں تھیں اور ان میں زہریلے پرندے کے پائے جانے کا امکان کم ہی تھا۔ اس کے باوجود ہم ڈھالوں سے اپنا ہی محاصرہ کیے ہوئے چل رہے تھے۔ جھاڑیوں سے باہر آتے ہی بڑی مشعلیں بجھا کر ایک چھوٹی مشعل جلائی تھی جو اس جگہ کے لیے کافی تھی۔ اس سے زیادہ روشنی کرنا مناسب نہیں تھا۔ باہر آنے پر ہمیں ہارن نظر نہیں آئے تھے اور اب ان کی آواز بھی نہیں آرہی تھی۔ مگر اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ وہ یہاں سے دور ہیں۔

ہم کچھ دیر میں فیصل کے پاس پہنچ گئے تھے اور اس کی روشنی محدود کر لی کیونکہ اس کا امکان تھا کہ معبد کے اندر احاطے میں کوئی موجود ہو اور وہ اس روشنی کو محسوس کر لے۔ ہم راستہ تلاش کرنے کے چکر میں گھومتے ہوئے معبد کی مشرقی سمت نکل آئے تھے۔ یہاں سے وادی کی اونچی ہوتی دیوار زیادہ فاصلے پر نہیں تھی۔ اسی میں کہیں وہ راستہ تھا جو اوپر جاتا تھا۔ ربیک کے پاس مضبوط وی نما لکڑی کی وہ کندھی جیسے فیصل پر پھنسا کر ہم اس پر چڑھ سکتے تھے۔ میں نے ربیک سے کہا۔ ”اگر اوپر دیوار چوڑی ہوئی تو یہ کام نہیں کرے گی یہ صرف پتلی دیوار میں پھنسے گی۔“

”مجھے امید ہے دیوار اوپر سے پتلی ہوگی۔“ ربیک نے کہا اور رستی گھما کر کنداؤ پر پھینکی وہ دیوار کے دوسری طرف چلی گئی اور جب ربیک نے اسے واپس کھینچا تو وہ آرام سے واپس آ گئی۔ اس نے پھر کوشش کی اور میں نے اسے کوشش کرتا چھوڑ کر آس پاس کا جائزہ لیا۔ یہاں جھاڑیاں دائیں بائیں قریب تھیں اور ان کے درمیان صرف پندرہ فٹ کا فاصلہ تھا۔ اس کے بعد پھر گھنی جھاڑیوں کا سلسلہ شروع ہو جاتا تھا جو فسیل کو مکمل طور پر گھیرے ہوئے تھا۔ جائزے کے دوران مجھے دائیں طرف کی جھاڑی جو دیوار سے ذرا سی ہٹی تھی وہاں دیوار کے ساتھ کوئی چیز اوپر جاتی دکھائی دی۔ مشعل ایما کے پاس تھی جب کہ مارٹ اور ایرٹ تیر کمان سنبھالے مستعد کھڑے تھے۔ یہ ضروری تھا زہریلے پرندے کے جھاڑی سے نکلنے ہی اسے نشانہ بنانا ضروری تھا اس سے پہلے کہ وہ زہریلے کانٹے برسائے۔ میں نے ایک مشعل لے کر ایما کی مشعل سے اسے جلایا اور جھاڑی کی طرف بڑھا۔ ربیک نے مضطرب ہو کر کہا،

”یہ کیا کر رہے ہیں ان میں پرندہ ہو سکتا ہے۔“

”میں محتاط ہوں۔“ میں نے ڈھال آگے کرتے ہوئے کہا۔ ”میں ایک چیز دیکھنا چاہ رہا ہوں۔“

”کیا چیز؟“ ایرٹ نے آگے آنا چاہا لیکن میں نے اسے روک دیا۔

”اپنی جگہ رہو میں ابھی بتاتا ہوں۔“ میں نے کہتے ہوئے قدم آگے بڑھایا اور روشنی میں اس چیز کو دیکھا۔ یہ ایک بڑی اور مضبوط ڈنٹھل والی نیل تھی جو فسیل کے اوپر تک گئی تھی۔ میں نے اسے پکڑ کر جھٹکا دیا مگر اس پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ میں نے پلٹ کر ان سب کو پاس بلایا۔ ”یہ چیز دیکھنا چاہ رہا تھا۔“ ربیک نے نیل کا معائنہ کیا اور وہ فوری سمجھ گیا کہ میں کیا چاہ رہا تھا اس نے سر بلایا۔ ”یہ تو قدرتی کمندل گئی ہے۔“

”ہمیں اسے استعمال کرنا ہوگا۔“ میں نے فیصلہ کرتے ہوئے کہا۔ ”ربیک پہلے تم جاؤ گے اور اگر یہ گر جائے یا بوجھ سہارنے کے قابل نہ رہے تو تم ہمیں اوپر کھینچو گے۔“

ربیک نے سر ہلایا اور اپنا سامان اتار کر نیچے رکھ دیا۔ وہ سب سے ہلکا تھا۔ اوپر چڑھنے سے پہلے اس نے نیل کی مضبوطی جانچی اور پھر اس کی موٹی رستی نما ڈنٹھل پکڑ کر اوپر چڑھنے لگا۔ نیچے یہ کام آسان تھا کیونکہ یہاں صرف خشک ڈنٹھل تھے لیکن جب وہ اوپر پہنچا تو نیل پھیل گئی تھی اور اس کے ڈنٹھل نازک اور ہرے ہو گئے تھے جن پر زور آتا تو وہ آسانی سے ٹوٹ سکتے تھے۔ اس دوران میں ربیک کو دیکھ رہا تھا اور اس کے نیچے گرنے کی صورت میں اسے سنبھالنے کے لیے بھی تیار تھا باقی تین اپنی ڈیوٹی پر تھے۔ وہ تیر کمان سنبھالے ہوئے آس پاس سے چوکنا تھے۔ ربیک ہوشیاری اور عقل مندی سے اوپر جا رہا تھا وہ اوپر جانے سے پہلے نیل کے ہاتھ میں آنے والے حصے کی جانچ کرتا اور جب مطمئن ہو جاتا تب اوپر جاتا تھا۔ اب وہ فسیل سے مشکل سے پانچ فٹ نیچے رہ گیا تھا اور یہی سب سے مشکل حصہ تھا۔ یہاں نیل پھیل کر دیوار سے ہٹ رہی تھی۔

میری نظر اس پر مرکوز تھی اور میں دل ہی دل میں دعا کر رہا تھا کہ وہ اس آخری مرحلے کو کسی نہ کسی طرح عبور کر لے۔ اس نے اوپر ہاتھ مار کر نیل کے کچھ حصے پکڑے اور ان کی مدد سے خود کو اوپر کر رہا تھا کہ وہ ٹوٹ گئے اور وہ جھٹکے سے نیچے آیا تھا خوش قسمتی سے اس کا پاؤں ایک جگہ پھنسا ہوا تھا اور اس نے فوری ہاتھ مار کر خود کو سہارا

دے لیا۔ چند لمحے وہ اسی جگہ چپکا رہا اور پھر اس نے بتدریج خود کو پاؤں کے بل اوپر اٹھانا شروع کر دیا۔ رفتہ رفتہ اس کے ہاتھ فسیل کے پاس ہوتے جا رہے تھے مگر اب مزید اوپر ہونے کی گنجائش نہیں رہی تھی۔ فسیل ڈیڑھ فٹ اوپر تھی اور اس موقع پر ربیک نے وہ کیا جو خطرات سے بے پروا لوگ ہی کرتے ہیں اس نے پاؤں کو پوری قوت سے نیل پر مارا اور دوسری طرف اس کے ہاتھ مسلسل چل رہے تھے وہ جو ہاتھ میں آ رہا تھا اس کی مدد سے خود کو اوپر کھینچ رہا تھا۔

یہ ایک مشکل ترین اسٹنٹ تھا جو شاید ربیک ہی دکھا سکتا تھا۔ آخری موقع پر ایسا لگا کہ وہ پلٹ کر نیچے آنے والا ہے کیونکہ اس کا جسم پیچھے کی طرف مڑا تھا۔ میں اسے پکڑنے کے لیے تیار تھا کیونکہ تیس فٹ سے گر کر اسے شدید چوٹ لگ سکتی تھی اور ہم اس وقت کسی کے ایسے زخمی ہونے کے متحمل نہیں ہو سکتے تھے کہ وہ ناکارہ ہو جائے۔ مگر پیچھے آتے آتے اس کا جسم رکا اور پھر اس نے خود کو آگے کھینچ لیا۔ اگلے ہی لمحے وہ فسیل پر تھا۔ مگر وہ کھڑا نہیں ہوا بلکہ فسیل پر لیٹ گیا اور اس کے لینے کا انداز بتا رہا تھا کہ فسیل اتنی چوڑی ہے کہ ایک آدمی آرام سے اس پر لیٹ سکتا ہے۔ میں نے درخت کی بلندی سے فسیل کو بہت دور سے دیکھا تھا اور مجھے اس کی چوڑائی کا درست طور پر علم نہیں تھا۔ مگر اب لگ رہا تھا کہ اس کی چوڑائی اندازے سے زیادہ تھی اور اسی وجہ سے اس پر ربیک کی تیار کردہ کمند نہیں پھنس رہی تھی۔ میں نے اسے پوچھا۔ ”اندر کوئی ہے؟“

ربیک اندر کا معائنہ ہی کر رہا تھا اور اس نے منہ اس طرف کر کے آہستہ سے کہا۔ ”نہیں کوئی نظر نہیں آ رہا ہے مگر یہاں مشعلیں روشن ہیں۔“

”رہائشی عمارت روشن ہے؟“

”ہاں اس میں بھی روشنی نظر آرہی ہے۔“ ربیک نے جواب دیا۔ اس دوران میں، میں نے اندر جانے کا طریقہ سوچ لیا تھا جو آسان تھا اور سادہ بھی۔ میں نے رستی اس کی طرف اچھالی۔

”میں پکڑتا ہوں تم اندر اتر کر پکڑ لینا پھر یہاں سے ہم ایک ایک کر کے اندر آئیں گے۔“

ربیک نے سر ہلایا۔ ”اور سامان؟“

میں نے سوچا اور اس سے کہا۔ ”پہلے سامان اندر اتار دو پھر خود اترنا۔“

اسے رستی میں باندھ کر سامان دینے لگے اور وہ اسے فسیل کے اندر یوں پھینکنے لگا کہ آواز پیدا نہ ہو۔ ہم رسک لے رہے تھے عین ممکن تھا کہ ڈیوڈ شا اینڈ کمپنی نے اندر برقی نگرانی کا کوئی سسٹم لگا رکھا ہو اور ہماری کارروائی کا مشاہدہ کر رہے ہو اور جیسے ہی ہم اندر پہنچیں وہ ہمیں ہینڈ زاپ کرالیں۔ تقریباً سارے ہتھیار اور دوسرا سامان اندر اتار دینے کے بعد ربیک خود بھی اندر اتر گیا۔ ادھر سے میں نے رستی پکڑی ہوئی تھی۔ وہ ڈھیلی ہوئی تو میں سمجھ گیا کہ وہ اتر گیا ہے۔ پھر ربیک نے اندر سے رستی پکڑ لی اور پہلے ایرٹ گیا۔ جب وہ فسیل کے اوپر پہنچا تو رستی میں نے تھام لی اور وہ دوسری طرف اتر گیا۔ اس کے بعد ایما رگیا اور آخر میں مارٹ تھا اس نے کہا۔

”آپ جائیں۔“

میں نے نفی میں سر ہلایا اور اسی لمحے ہمیں عقب سے ہارن کی خوفناک غراہٹ سنائی دی اور پھر ٹاپوں کی آواز ابھری۔ ہارن نے روشنی دیکھ لی تھی اور وہ اسی طرف آ رہا تھا۔ اس دوران میں ہم ہارن کے خطرے سے

تقریباً بے نیاز ہو گئے تھے۔ شاید اسی غفلت کی وجہ سے اس ہارن نے ہمیں دیکھ لیا تھا۔ میں نے مارٹ کو اوپر دھکیلا اور وہ تیزی سے چڑھنے لگا میں نے چلا کر کہا۔ ”ادھر سے دوسری رستی پھینکو۔“

ان تینوں نے بھی ہارن کی غراہٹ کے ساتھ اس کی ٹاپیں سن لی تھیں۔ کسی نے رستی پھینکی اور میں نے اسے تھامتے ہوئے دیوار پر پاؤں نکائے اور تیزی سے اوپر جانے لگا۔ میں نے ہارن کو دیکھنے میں وقت ضائع نہیں کیا تھا اس لیے مجھے نہیں معلوم تھا کہ وہ مجھ سے کتنا دور ہے مگر اس کی ٹاپیں اور غراتی سانسیں بتا رہی تھیں کہ وہ زیادہ دور نہیں ہے اور بہت تیزی سے آرہا ہے۔ مارٹ ہلکے جسم کا تھا اور مجھ سے پہلے چڑھنا شروع کیا تھا اس لیے وہ آگے تھا اور تقریباً فاصلہ تک پہنچ گیا تھا جب کہ میں ابھی درمیان میں تھا۔ مارٹ کی پھینکی مشعل زمین پر پڑی جل رہی تھی اور اس کی روشنی میں یقیناً ہم ہارن کو صاف دکھائی دے رہے تھے اور اس نے بجا طور پر ہاتھ سے نکل جانے والے شکار کے بجائے اسے منتخب کیا جو اس کی دسترس میں تھا یعنی کہ میں۔ مجھے لگا جیسے عقب سے تند ہوا کا کوئی جھونکا آیا ہو اور پوری قوت سے مجھ سے ٹکرایا ہو اور اس نے مجھے اڑا کر جھاڑیوں پر پھینک دیا ہو۔

یہ ہارن کا نیلچہ نما ہاتھ تھا جو عقب سے میری کمر پر لگا۔ اس میں اتنی قوت تھی کہ رستی میرے ہاتھ سے نکلی اور میں ہوا میں اڑ کر اس جھاڑی پر گرا جس کے ساتھ بیل تھی۔ ہارن کا ہاتھ انسان جیسا ہوتے ہوئے بھی اس سے مختلف ہوتا ہے کہ وہ کسی چیز کو اچھی طرح گرفت میں نہیں لے سکتا۔ شاید اسی وجہ سے ہارن نے مجھے پکڑنے کے بجائے ہاتھ مار کر گرانا مناسب سمجھا کہ ایک بار میں نیچے گر جاتا تو پھر اس سے بچ کر کہاں جاتا۔ درد کی ایک لہر اٹھی تھی مگر مجھے اس وقت فکر اس کی تھی کہ میں کہاں گرنے جا رہا تھا اور کسی چیز سے تصادم کی صورت میں مجھے کیا نقصان ہوتا۔ فطری طور پر میں نے اپنا سر دونوں ہاتھوں سے ڈھانپ لیا اور میرا جسم سکڑنے لگا۔ مگر میں سیدھا نرم اور بنا کانٹوں یا سخت شاخوں والی جھاڑی پر جا گرا اور اس سے غالباً مجھے خراش بھی نہیں آئی تھی۔

مگر میری جان شدید خطرے میں تھی۔ ہارن جیسا خطرناک درندہ مجھ سے زیادہ دور نہیں تھا۔ یہ میری خوش قسمتی تھی کہ میں جھاڑی پر گرا اور ہارن کی نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ وہ بہت تیزی سے آیا تھا اور مجھ پکڑنے کے لیے اس نے دیوار کو بھی نہیں دیکھا تھا۔ نتیجے میں مجھے گراتے ہی وہ دیوار سے ٹکرایا تھا۔ یہ تصادم خاصی قوت سے ہوا تھا اور چند لمحے کے لیے وہ خود کو سنبھالتا رہ گیا۔ اسی بنا پر وہ دیکھ نہیں سکا کہ میں کہاں گرا تھا۔ وہ اب پاگلوں کی طرح جھاڑیوں کو جھنجھوڑ رہا تھا اور ان میں گھسنے کی کوشش کر رہا تھا مگر نیچے یہ کہیں گھنی اور زیادہ سخت شاخوں والی تھیں۔ میں اس کے درمیان میں پھنسا ہوا تھا اور جھاڑی ہلنے کے ساتھ رفتہ رفتہ نیچے جا رہا تھا۔

میں از خود حرکت نہیں کر رہا تھا کہ اس سے ہارن کو پتا چل جاتا کہ میں کہاں ہوں اور پھر وہ اسی جھ سے پر ہاتھ مارتا۔ وہ جھاڑی کو ہلا رہا تھا اور میں اسی وجہ سے نیچے جا رہا تھا۔ دیکھا جائے تو وہ میری مدد کر رہا تھا۔ کیونکہ یہاں جھاڑیاں اتنی گھنی تھی کہ میں ان کے جال میں پھنس کر رہ گیا تھا اور اگر ہارن نہ بھی ہوتا تو ان سے نکلنا ہی کسی آزمائش سے کم نہیں ہوتا۔ نیچے آتے ہوئے میری کوشش تھی کہ جھاڑی کے اندر والے حصے کی طرف جاؤں اور ہارن سے دور رہوں۔ ایک طرح میں اپنی جان بچانے کی کوشش کر رہا تھا دوسری طرف میرے ساتھی بھی مجھے بچانے کی کوشش کر رہے تھے۔ مارٹ اوپر پہنچ گیا تھا اور وہ اندر والوں سے تیرکمان مانگ رہا تھا۔

بالآخر میں ہارن کے تعاون سے زمین تک پہنچا۔ اس نے اس دوران میں جھاڑیوں کا حشر کر دیا تھا۔ ان

کا بیشتر حصہ اپنی جناتی قوت سے اکھاڑ پھینکا تھا اور باقی ماندہ کا حشر کر رہا تھا۔ اسی اثنا میں مارٹ کی طرف سے چلایا ہوا پہلا تیر اس کے جسم میں اتر گیا اور وہ غرا کر ذرا پیچھے ہوا۔ میں ریگ کر دوسری جھاڑی تلے جانے کی کوشش کر رہا تھا اور مجھے قطعی علم نہیں تھا کہ وہاں کیا ہے۔ اس لیے جب میرے ہاتھ پہلے سوکھی گھاس اور پھر اس کے اندر موجود انڈوں سے ٹکرائے تو میرے چودہ طبق روشن ہو گئے تھے۔ یہ یقیناً اسی زہریلے کانٹوں والے پرندے کا گھونسلہ تھا اور وہ بھی آس پاس کہیں موجود تھا۔ میں نے معبود حقیقی سے فریاد کی کہ یہ میں کہاں پھنس گیا ہوں جہاں آگے پیچھے ہر طرف موت ہے۔ کچھ دیر ساکت رہنے کے بعد میں سُست روی سے پیچھے ہٹنے لگا۔ اس دوران میں مارٹ ہارن کو کئی تیر مار چکا تھا۔

میں اب فصیل کی طرف سرک رہا تھا۔ ہارن اکیلا تھا مگر اس کا پورا امکان تھا کہ اس کی جینم دھاڑن کر دوسرے ہارن بھی دوڑے چلے آئیں۔ میں نے اندھیرے میں دیوار ٹٹولی اور کھڑا ہوا میں اندازہ لگا رہا تھا کہ ہارن کی ضرب نے مجھے کس حد تک نقصان پہنچایا ہے۔ میں نے محسوس کیا کہ تکلیف تھی مگر میں حرکت کرنے سے معذور نہیں ہوا تھا۔ ہارن مجھے جھاڑی میں نہ پا کر پہلے حیران تھا جب مارٹ نے اس پر تیر اندازی شروع کی تو اس کا اشتعال بڑھ گیا تھا مگر وہ مارٹ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا تھا۔ ہاں میں خطرے میں تھا اگر وہ جھاڑی میں مزید گھستا تو مجھے تلاش کرنا زیادہ مشکل نہیں تھا یا وہ اپنے بھاری وجود سے جھاڑی کچلتا تو گیہوں کے ساتھ گھن کی طرح میں بھی پس جاتا۔ مارٹ تیر اندازی کے ساتھ ساتھ مجھے آوازیں دے رہا تھا اور میں خاموش تھا اس موقع پر بول کر میں فوت ہونا نہیں چاہتا تھا۔

مگر صرف خاموش رہنا مسئلے کا حل نہیں تھا جب کہ دیگر نئے مسائل بھی جنم لے رہے تھے۔ جھاڑیاں ٹوٹنے اور ان کے ذرات کے اڑنے سے وہاں ایک غبار سا چھا گیا تھا جو ناک کے راستے دماغ میں جا کر ان حصوں میں تحریک پیدا کر رہا تھا جو چھینک لانے کے ذمے دار تھے۔ اگر میں اس وقت چھینک مار دیتا تو میری فونگی کی وجہ یقیناً چھینک قرار دی جاتی۔ اس لیے میں نے ناک بند کر لی تھی اور منہ سے سانس لے رہا تھا۔ میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اس مشکل سے کیسے نکلوں۔ رسیاں جہاں تھیں وہاں ہارن موجود تھا اور تیر کھانے کے باوجود وہاں سے جانے کو تیار نہیں تھا۔ اس کے ہوتے ہوئے فصیل پر چڑھنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ اچانک کوئی نرم سی چیز مجھے چھوتی ہوئی گزری تھی۔ میں بدکا تھا مگر اپنی جگہ سے ہلا نہیں اور یہ اچھا ہوا۔

کیونکہ چھونے والی چیز وہی خوش نما پرندہ تھا اور غالباً اندر کی جھاڑی میں اسی کا گھونسلہ وانڈے تھے جنہیں بچانے کے لیے وہ جان پر کھیل کر ہارن کا سامنا کرنے نکلا تھا۔ میری موجودگی کا اسے علم نہیں تھا اور وہ ہارن کو ہی درانداز سمجھ رہا تھا۔ اس کی جھلک مجھے اس وقت دکھائی دی جب وہ گرمی مشعل کے پاس سے گزرا۔ مشعل بدستور روشن تھی۔ ہارن نے بھی اسے دیکھ لیا اور وہ عجیب سے آواز نکالتا ہوا پیچھے ہٹا تھا۔ اسے بھڑکنا بھی کہا جاسکتا تھا۔ ظاہر ہے وہ بھی جانتا تھا کہ یہ پرندہ کتنا ہلاکت خیز ہے اور اس کے کانٹے ہارن جیسے دیوہیکل جانور کو بھی فنا کے گھاٹ اتار سکتے تھے۔ ہارن بدحواسی میں پیچھے ہو رہا تھا اور پرندہ کریمہ سی آوازیں نکال کر اسے ڈرا رہا تھا مگر اس نے ابھی رقصِ مرگ شروع نہیں کیا تھا۔ شاید وہ بھی اس سے ڈر رہا تھا کہ کہیں کانٹے بازی کے جواب میں ہارن حملہ کرے تو اس کے بچنے کا امکان نہیں تھا اس لیے وہ ڈرا دھمکا کر کام نکالنے کی کوشش کر رہا تھا۔ یہ جنگل کے دو

جانوروں کی باہمی آویزش تھی جو جانتے تھے کہ انہیں اسی جنگل میں ساتھ رہنا ہے اس لیے وہ لڑائی سے حتیٰ الامکان گریز کرتے ہیں۔ یہاں بھی یہی ہو رہا تھا۔

پھر کسی طرف سے ایک پرندہ اور آیا اور آکر پہلے والے کے ہمراہ اسی کی طرح دھمکی آمیز آوازیں نکالنے لگا یہ یقیناً جوڑا تھا۔ ہارن پیچھے ہٹ رہا تھا اور وہ آگے بڑھ رہے تھے۔ ذرا سی دیر میں ہارن فصیل سے خاصا پیچھے ہٹ گیا تھا اور اسی مناسبت سے پرندے بھی دور ہوئے تھے۔ میں نے محسوس کیا کہ میرے لیے موقع تھا۔ اگرچہ پرندوں کی طرف سے خطرہ تھا کہ وہ مجھے دیکھتے ہی کانٹے نہ برسانا شروع کر دیں۔ ہارن پر تیر برسائے والے مارٹ نے بھی دم سادھ لیا تھا اور یہ اچھا ہی کیا تھا ورنہ پرندے اس کی اور فصیل کی طرف متوجہ ہوتے تو شاید میں ان کی نظروں میں آجاتا۔ ہارن اب فصیل سے کوئی تیس پینتیس گز دور چلا گیا تھا اور پرندے دس بارہ گز دور تھے۔ میں نے چند گہری سانسیں لیں اور اچانک بھاگا۔ رسیوں کے پاس آتے ہوئے میں نے چلا کر کہا۔ ”رسی پکڑ لو میں آ رہا ہوں۔“

مجھے خطرہ تھا کہ ان لوگوں نے رسیاں چھوڑ نہ دی ہوں اور میں رسی پکڑ کر فصیل پر چڑھنے کی کوشش میں منہ کی کھاؤں۔ پرندے جو پوری طرح ہارن کی طرف متوجہ تھے اور اسے ڈرا رہے تھے میری آواز سن کر خود بھڑکے اور ہارن کی طرف ہی بھاگے۔ میں ان کے عقب میں تھا۔ میں نے وہ رسی پکڑ لی جس سے مارٹ چڑھا تھا۔ وہ میری مدد کے لیے دوبارہ سے حرکت میں آ گیا تھا۔ اس نے تیر کمان سنبھال لیے۔ میں نے رسی پکڑ لی اور دونوں پاؤں دیوار سے نکالتے ہوئے اوپر چڑھنے لگا۔ اس وقت میں اپنی پوری قوت، صلاحیت اور مہارت استعمال کر رہا تھا۔ غلطی کی گنجائش نہیں تھی اور اگر میں غلطی کرتا تو وہ میری زندگی کی آخری غلطی ہوتی۔ پرندوں کی طرف توجہ دینے یا ان کی طرف سے ہوشیار رہنے کا وقت بھی نہیں تھا۔ ناقابل بیان تیزی سے میں نصف سے زیادہ دیوار چڑھ گیا اور تب مارٹ نے تیر اندازی شروع کر دی۔ مجھے عقب سے پرندے کی زخمی آواز سنائی دی۔ اسے تیر لگا تھا۔

شاید انہوں نے مجھ پر کانٹے برسائے کی کوشش کی تھی اور مارٹ نے تیر مار کر انہیں روکا۔ فصیل کے نزدیک آنے سے میرا جسم اب بینڈ ہو رہا تھا اور مجبوراً مجھے اب ٹانگوں کے بجائے ہاتھوں کا سہارا لینا پڑا تھا۔ میں لٹک گیا تھا۔ عقب سے ہارن کی ٹاپوں کی آواز نزدیک آرہی تھی اور اوپر سے مارٹ دبی آواز میں مجھے جلدی آنے کو کہہ رہا تھا پھر اس نے تیر مارا اور ہارن غرایا۔ غراہٹ زیادہ دور سے نہیں آئی تھی۔ میں فصیل سے دو فٹ نیچے تھا اور میں نے پاؤں سمیٹتے ہوئے تیزی سے یہ دو فٹ کا فاصلہ طے کیا اور فصیل پکڑنے والا تھا کہ رسی کو شدید جھٹکا لگا۔ میں نیچے گیا تھا۔ ایک لمحے کو میرا دل رک گیا کہ رسی ٹوٹ گئی تھی مگر وہ اپنی جگہ قائم تھی۔ دوسرا جھٹکا لگا اور میں مزید نیچے گیا تو انکشاف ہوا کہ رسی ہارن نے پکڑ لی تھی اور وہ اسے کھینچ رہا تھا۔ میں فصیل سے ڈھائی تین فٹ نیچے آ گیا تھا۔ ہارن کی جناتی قوت کے سامنے اندر موجود تینوں افراد بھی کچھ نہیں تھے اور وہ اسے رسی کھینچنے سے نہیں روک سکتے تھے۔

میں نے پلٹ کر دیکھا تو ہارن کے ہاتھ میرے پیروں سے زیادہ دور نہیں تھے۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے رسی پکڑ لی تھی۔ ایک جھٹکے کی اور دیر تھی کہ میں اس کی حد میں پہنچ جاتا اور وہ جھٹکا دینے جا رہا تھا کہ میری نظر

دیوار پر گئی اور ہمیشہ کی طرح مشکل ترین لمحات میں اوپر والے نے میرے ذہن میں جان بچانے کی ترکیب نازل کی، شاید اس لیے کہ میں کبھی اس کی ذات سے مایوس نہیں ہوا۔ میں نے جھٹکے کا انتظار کیا اور جیسے ہی نیچے گیا۔ میں نے اپنے پاؤں ہارن کے سر پر نکائے اور رستی چھوڑتے ہوئے خود کو پوری قوت سے بائیں طرف اچھالا۔ ہارن اس ضرب سے بوکھلایا تھا۔ اسے توقع تھی کہ میں نیچے گروں گا مگر میں اس کے سر پر گرا۔ شاید اسے ضرب سے چکر بھی آیا ہو اس لیے جب تک وہ سنبھلتا میں نے دوسری رستی پکڑ لی تھی۔ یہ اصل میں میری رستی تھی جس پر چڑھتے ہوئے ہارن نے ہاتھ مار کر مجھے جھاڑی میں پھینک دیا تھا۔

میں نے اندھی چال چلی تھی یہاں روشنی کم تھی اور رستی برائے نام ہی نظر آرہی تھی اگر میرا ہاتھ ذرا بھی غلط پڑتا تو میں نیچے گرتا جس کے بعد شاید اٹھنا نصیب نہ ہوتا کیونکہ ہارن اتنا پاس تھا کہ وہ پاؤں رکھ کر مجھے وہیں دبا دیتا۔ مگر رستی میرے ہاتھ میں آئی اور میں ذرا بلندی تک بھی پہنچا تھا۔ رستی پر گرفت مضبوط کرتے ہی میں نے پاؤں اوپر کرتے ہوئے خود کو ہارن کی پہنچ سے دور کیا اور اس کے بعد پھرتی سے نیچے رہ جانے والی رستی بھی سمیٹ لی۔ جب تک ہارن سنبھل کر میری طرف آتا میں یہ دونوں کام کر چکا تھا۔ اس نے ہاتھ چلائے اور اوپر کی طرف بھی اچھلا تھا۔ مگر اس کے ہاتھ مجھ سے چند انچ ہی دور رہ گئے تھے۔ میں نے مارٹ سے کہا۔ ”اس مصیبت کو دور کرو، میں اوپر نہیں چڑھ سکتا جب تک یہ نیچے ہے۔“

مارٹ نے تیر کمان پر کھینچا ہوا تھا۔ میری بات سن کر اس نے تاک کر ہارن کی گردن کا نشانہ لیا اور تیر اس کی گردن سے ذرا نیچے اترتا تھا۔ ہارن نے ڈکرانے کی بھیانک آواز نکالی اور ذرا پیچھے ہوا تھا۔ مجھے موقع ملا تو میں اوپر گیا اور اب میں ہارن کی پہنچ سے باہر تھا مگر مزید اوپر چڑھنے کے لیے مجھے سیدھا ہونا تھا اور اس صورت میں وہ میری ٹانگ پکڑ کر کھینچ سکتا تھا۔ مارٹ نے کہا۔ ”آپ حرکت مت کریں..... تم تینوں مل کر رستی کھینچو۔“ دوسرا جملہ اس نے فسیل کے اندر والی پارٹی سے کہا تھا۔ وہ رستی کھینچنے لگے اور میں آسانی سے اوپر جانے لگا۔ ایک منٹ سے بھی پہلے میرے ہاتھ فسیل تک پہنچ گئے تھے۔ میں ہارن سے محفوظ ہو گیا تھا مگر اس دوران میں اس نے ایک اور زاویے سے حملہ کیا تھا۔ مارٹ نے بروقت مجھے ہوشیار کیا۔ ”بچیں وہ پتھر مار رہا ہے۔“

میں نے ہاتھوں کے بل خود کو پوری قوت سے اوپر اچھالا اور پتھر نیچے فسیل سے نکلایا۔ دھماکے کی آواز نے بتایا کہ پتھر خاصا بڑا تھا۔ میں نے مڑ کر دیکھنے میں وقت ضائع نہیں کیا اور پاؤں دوسری طرف کرتے ہوئے میں لٹک گیا تھا۔ مارٹ بھی پھرتی سے نیچے لٹک گیا تھا۔ اس کا خطرہ تھا کہ ہارن مزید پتھر پھینک سکتا تھا اس لیے میں نے اندر والوں سے کہا۔ ”دیوار کی آڑ میں آ جاؤ۔“

وہ سب دیوار کی آڑ میں ہو گئے تھے۔ میں نے نیچے دیکھا یہاں ہلکی سی روشنی تھی اور ہم ایک چھوٹے سے باغ میں تھے۔ یہ باغ چھوٹے درجے کے پجاریوں اور ملازمین کی رہائش گاہ والی عمارت کے پیچھے تھا۔ یہاں پھلدار درخت اور پھولدار پودے لگے ہوئے تھے۔ زمین پر نفیس گھاس تھی۔ میں ایک پودے کے عین اوپر لٹک رہا تھا اس لیے میں نے فسیل چھوڑ دی اور پودے پر آرام سے اتر گیا۔ خوش قسمتی سے اس میں کانٹے نہیں تھے۔ مارٹ بھی نیچے آ گیا تھا۔ فسیل کے باہر سے ہارن کے غرانے اور ڈکرانے کی آواز آرہی تھی مگر فسیل کی بلندی کی وجہ سے یہ آواز زیادہ بلند نہیں تھی۔ میں نے سرگوشی میں سب کی خبریت دریافت کی۔ ریک میرے پاس آیا اور

مجھے نٹولتے ہوئے بولا۔ ”خیریت تو آپ کی پوچھنی چاہیے۔ آپ کو چوٹ تو نہیں آئی؟“

جہاں ہارن نے ہاتھ مارا تھا وہ جگہ دکھ رہی تھی مگر یہ دکھن اتنی نہیں تھی کہ میں بے قرار ہو جاتا۔ میں اسے نظر انداز کر رہا تھا اور مجھے امید تھی کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ کم ہو جائے گی۔ جھاڑی پر گرنے اور پھر اس کے بعد کی کشمکش میں کچھ چوٹیں اور خراش آئی تھیں مگر یہ قابلِ ذکر نہیں تھیں۔ البتہ حلیہ خراب ہو گیا تھا۔ مارٹ بھی بہ خیریت نیچے اتر آیا تھا۔ انہوں نے رسیاں اور اپنا سامان سمیٹ لیا تھا۔ ذرا سی دیر کی اس کشمکش نے میرا گلا خشک کر دیا تھا۔ میں نے چھاگل سے چند گھونٹ لیے اور عمارت کی طرف متوجہ ہوا۔ یہ تین منزلہ عمارت تھی جو تقریباً سو فٹ چوڑی تھی اور اس کا عرض شاید چالیس فٹ تھا۔ کھڑکیوں سے اندازہ ہو رہا تھا کہ ہر فلور پر پیچھے کی طرف دس کمرے تھے اگر سامنے بھی اتنے ہی کمرے تھے تو یہاں کل ساٹھ کمرے ہو سکتے تھے۔ اگر ایک کمرے میں دو افراد رہائش رکھتے تھے تو کل تعداد ایک سو بیس یا سو تو بنتی تھی۔ مگر مسئلہ یہاں موجود افراد نہیں تھے بلکہ ڈیوڈ شاہینڈ پارٹی تھی۔ ان کے بارے میں مجھے یقین تھا کہ وہ اہرامِ نما معبد میں ہوں گے۔ میں نے کہا۔

”ہمیں معبد تک جانا ہے لیکن اس سے پہلے اس عمارت کا جائزہ لینا ہے اور ممکن ہو تو اس پر قبضہ کرنا

ہے۔“

”اس میں موجود افراد کا کیا کرنا ہے؟“ ربیک نے سوال کیا۔

”ہمیں فی الحال ڈیوڈ شاہینڈ اور اس کے ساتھیوں سے غرض ہے۔“ میں نے پالیسی واضح کی۔ ”ان کے علاوہ صرف اس سے نمٹنا ہے جو ہمارے راستے میں آئے۔ مگر نہ تو کسی کو چھیڑنا ہے اور نہ ہی کسی کی مدد کرنی ہے۔ اصل افراد پہنچنے تک خاموش رہنا لازمی ہے۔ اسے ہر قیمت پر برقرار رکھنا ہے۔“

”ہم سمجھ گئے جناب۔“ ایرٹ نے میری بات کا ترجمہ کر کے کہا۔ ”ہمیں ڈیوڈ شاہینڈ اور اس کے آدمیوں کا حلیہ بتائیں تاکہ سامنا ہونے پر انہیں پہچان سکیں۔“

ایرٹ نے اچھا نکتہ اٹھایا تھا۔ میں نے انہیں تفصیل سے ڈیوڈ شاہینڈ، کرنل جونز، زینی اور باسو کا حلیہ بتایا۔ پھر ان کے پاس موجود ممکنہ ہتھیاروں کی ساخت اور ان کی تباہ کاری کے بارے میں بتایا۔ وہ حیرت سے ان ہتھیاروں کے بارے میں سن رہے تھے جو ان کے نقطہ نظر سے جادوئی تھے۔ ہم کے بارے میں وہ سن کر خوف زدہ ہوئے تھے۔ مگر یہ عمومی خوف تھا۔ میں نے احتیاطی تدابیر بھی بتائیں۔ وہ سن رہے تھے اور ذہن نشین کر رہے تھے۔ میرا کرتہ اس کشمکش کے دوران جگہ جگہ سے پھٹ گیا تھا۔ خاص طور سے ایک آستین یوں بیکار ہوئی تھی کہ بس لٹک رہی تھی میں نے اسے کھینچ کر نکال دیا۔ ایک آستین کے ساتھ میں عجیب لگ رہا تھا۔ کرتے کا دامن بھی سامنے سے یوں چاک تھا کہ اس کے دو حصے ہو گئے تھے۔ مگر میں کسی تقریب میں نہیں آیا تھا جو لباس کی پروا کرتا۔

باہر سے ہارن کی آوازیں آتا بند ہو گئی تھیں۔ مارٹ نے مجھے بتایا کہ جب میں پرندوں کے پیچھے سے دیوار پر چڑھ رہا تھا تو انہوں نے مجھ پر کانٹے برسائے کی کوشش کی تھی اور مارٹ نے ان میں سے ایک کو تیر سے نشانہ بنایا تو وہ دونوں ہی ڈر کر جھاڑیوں میں گھس گئے تھے۔ لیکن وہ نٹے تو ہارن کو حملہ کرنے کا موقع مل گیا۔ اسے بھی مارٹ نے عین موقع پر نشانہ بنایا۔ درحقیقت اس نے دوبار میری جان بچائی تھی۔ دونوں مواقع پر میں مارا

جاتا اگر وہ بروقت تیر نہ چلاتا۔ مگر یہ شکر یہ کہ موقع نہیں تھا ہم سب ایک دوسرے کے لیے یہی کرتے جو مارش نے کیا تھا۔ ہم دبے قدموں اور پودوں اور درختوں کی آڑ لیتے ہوئے عمارت کی طرف بڑھے۔ ساری کھڑکیاں بند تھیں مگر چند ایک کی جھریوں سے روشنی جھلک رہی تھی۔ اگر اندر روشنی تھی تو اس کا مطلب تھا کہ کچھ لوگ بھی تھے ورنہ روشنی کون کرتا۔

سوال یہ تھا کہ یہ لوگ وہاں کس صورت میں تھے؟ یعنی آزاد تھے یا پھر یہاں قید کیے گئے تھے؟ یہاں عمارت کے پہلوؤں والے حصے میں مشعلیں روشن تھیں اور ان کی روشنی کسی قدر پیچھے بھی آ رہی تھی۔ مجھے ڈیوڈ شا سے اس رحم کی توقع نہیں تھی کہ اس نے کسی کو زندہ چھوڑا ہوگا اور اگر اس نے زندہ چھوڑا ہوگا تو اس کے پیچھے یقیناً کوئی مقصد ہوگا۔ معبد کے احاطے میں رن دے بنانے سے یہ تو واضح تھا کہ جلد یا بدیر باہر سے ڈیوڈ شا کے مزید ہرکارے یہاں آنے والے تھے۔ اگرچہ وہ چارہ ہی کم نہیں تھے لیکن مزید ملک آنے بعد اس کا مقابلہ کرنا کسی کے بس کی بات نہیں رہ جائے گی۔ اس عمارت کے سامنے ایک چھوٹے باغ اور روش کے بعد ابراہم نما معبد تھا۔ اس کے عقب میں وہ طویل اور مستطیل میدان تھا جو ہمارے دائیں طرف تک آ رہا تھا۔ سامنے معبد کا خوب صورت اور وسیع باغ تھا جس کے پاس گودام اور قید خانے والی عمارت تھی جس میں ہارن بھی موجود تھا۔ باغ کے سامنے آرگون سے آنے والی سرنگ کا دہانہ تھا۔

اب میں کسی قدر سمجھ رہا تھا کہ ڈیوڈ شا نے ریٹائرڈ اور اس کے آدمیوں کو کیوں ہمارے رحم و کرم پر چھوڑا اور وہاں سے نکل گیا تھا۔ اس نے معبد کا انتخاب اسی لیے کیا تھا کہ یہاں وہ خاموشی سے رن دے تیار کر سکتا تھا جب کہ آرگون میں یہ کام ممکن نہیں تھا وہاں اسے بہت سے افراد کا سامنا کرنا پڑتا جب کہ معبد میں بہت کم لوگ تھے اور وہ زیادہ تر زندگی سے پیار کرنے والے، ان میں مرنے مارنے والے کم تھے اور ایسے لوگوں سے نمٹنا مشکل کام نہیں تھا۔ یہاں کے حالات سے لگ رہا تھا کہ ڈیوڈ شا کو سچ مچ کوئی مشکل پیش نہیں آئی تھی اور اس کا بھی امکان تھا کہ پجاری اور دوسرے لوگ لائن بدل کر ڈیوڈ شا کی طرف ہو گئے ہوں۔ اسی وجہ سے مجھے یہاں مارا ماری کے آثار نظر نہیں آئے تھے۔ جس حد تک بھی میں نے درخت کے اوپر سے اور پھر اندر آنے کے بعد دیکھا تھا مجھے لگ رہا تھا کہ یہاں شرافت سے ہتھیار ڈالے گئے تھے اور اگر یہاں موجود افراد مارے بھی گئے تھے تو ڈیوڈ شا نے نہایت سکون سے ان کا خاتمہ کیا ہوگا۔

میں اور میرے ساتھی عمارت کی پہلی منزل کی عقبی کھڑکیوں کو دیکھ رہے تھے اگر ان میں سے کوئی کھلی ہوتی تو ہمارا کام آسان ہو جاتا۔ بظاہر ساری ہی کھڑکیاں بند تھیں۔ مگر مجھے امید تھی کہ کوئی نہ کوئی کھڑکی کھلی مل جائے گی اس کے لیے ہم زور آزمائی بھی کر رہے تھے مگر اس طرح کہ آواز پیدا نہ ہو۔ میرا اندازہ درست ثابت ہوا جب ایک کھڑکی بغیر زور آزمائی کے با آسانی کھل گئی۔ کیونکہ اس کی چٹنی اندر سے ٹوٹ گئی تھی اور اس کے کواڑ پھنستے تھے اس لیے بظاہر وہ مضبوطی سے بند تھی۔ کسی نے چٹنی ٹھیک کرنے پر توجہ بھی نہیں دی تھی۔ میں نے اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھا اور سرگوشی میں کہا۔ ”کام بن گیا ہے پہلے میں جاتا ہوں جب تک میری طرف سے اجازت نہ ملے کوئی اندر نہ آئے اور پوری طرح ہوشیار رہنا۔“

ریک نے سر ہلایا۔ میں اچک کر کھڑکی پر چڑھا اور اندر کود گیا۔ اندر تاریکی تھی مگر فوراً ہی مجھے محسوس ہوا

کہ وہاں کوئی تھا۔ سانس کی آواز آرہی تھی اور پھر ایک سہمی نسوانی آواز نے کہا۔ ”کون ہے۔“
 ”روبیر۔“ میں نے بے ساختہ کہا تو کمرے کے تاریک گوشے سے ایک گبولہ سا اٹھا اور مجھ سے آکر لپٹ گیا۔ وہ روبیر ہی تھی جو رو رہی تھی اور مجھے ٹٹول رہی تھی۔
 ”شہباز..... شہباز..... یہ آپ ہیں؟“

میں نے اس کے ہونٹوں پر ہاتھ رکھ دیا۔ ”ہاں لیکن آہستہ بولو۔ کسی تک آواز نہ جائے۔“
 ہیجان سے اس کا نازک جسم کانپ رہا تھا اور وہ مجھ سے لپٹی جا رہی تھی۔ اس وقت میں اس کا فطری ردِ عمل سمجھا تھا کہ اتنے دن بعد دشمن کی قید میں اسے کوئی اپنا ملا تھا۔ میں نے تسلی دینے کے لیے اس کی پشت کو تھپکا اور سرگوشی میں کہا۔ ”خود پر قابو پاؤ۔“

مگر اس نے قابو پانے کے بجائے یہ کیا کہ بائیں میرے گلے میں ڈال دیں اور میرے کان کے قریب ہونٹ لا کر بولی۔ ”نہیں پاسکتی، میری خواہش تھی کہ ایک بار آپ کو دیکھ لوں اس کے بعد بے شک مجھے موت آ جائے۔“

حالات کی سنگینی اور موقع کی نزاکت نہ ہوتے ہوئے بھی میں روبیر کے الفاظ، اس کے لہجے اور خود میں پیوست لرزتے بدن میں چھپے پیغام کو محسوس کیے بغیر نہ رہ سکا۔ میں نے دل ہی دل میں بے ساختہ لاجول پڑھی۔ زمانے کے سرد و گرم نے مجھے بہت سے دوسرے معاملات کی طرح عورت کے معاملے میں بھی تجربہ کار کر دیا تھا۔ مجھے معلوم تھا کہ جب عورت کسی مرد کو یوں اپنے وجود سے رُشناس کراتی ہے تو اس کے پس پشت کیا جذبہ کارفرما ہوتا ہے۔ اگرچہ اس کا انداز بہت بے ساختہ تھا، مگر ساتھ خود سپردگی کا بہت طاقتور جذبہ بھی کارفرما تھا۔ میں نے اسے خود سے جدا کرنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ ”فی الحال مرنے کی بات مت کرو۔ ہم نے بڑی حد تک کامیابی حاصل کر لی ہے اور امید ہے کہ جلد وادی کے حالات ہمارے قابو میں ہوں گے۔“
 میری کوشش سے زیادہ الفاظ نے اسے مجبور کیا اور وہ بادل نا خواستہ مجھ سے الگ ہوئی تھی۔ ”آپ یہاں کیسے آئے؟“

”یہ لمبی کہانی ہے مجھے یہ بتاؤ کہ تم یہاں کیسے آئیں اور کیا تم یہاں قید ہو؟“
 ”ہاں۔“ وہ مغموم ہو گئی اور پھر سسکی سی لی۔ ”میں نے دھوکا کھایا۔ جسے محبوب سمجھا تھا وہ مکار نکلا اس نے مجھے استعمال کیا۔“

”شامین۔“ میں نے افسوس سے کہا۔ ”اس نے تم جیسی معصوم لڑکی کو دھوکا دیا۔“
 ”ہاں وہی ان سپاہیوں کو لایا تھا جنہوں نے حملہ کر کے ہمارا ٹھکانہ تباہ کیا اور مجھے زبردستی ساتھ لے گئے۔ تب مجھے پتا چلا کہ اس نے مجھے دھوکا دیا ہے۔ اپنی اس خدمت گزاری کے صلے میں وہ ریٹائرمنٹ کی خاص فوج میں اعلیٰ افسر بن گیا ہے۔“

اگرچہ مجھے پہلے بھی اس فلمی قسم کی محبت پر یقین نہیں آیا تھا۔ نہ جانے کیوں میرے اندر کھٹک سی تھی کہ شامین شاید روبیر سے مخلص نہ ہو جو اس کے وہ کچھ کرگزری تھی جو کوئی لڑکی شاید ہی کر سکے۔ میں نے روبیر سے کہا۔ ”تم پر جو گزری میں بعد میں سنوں گا پہلے یہ بتاؤ کہ تم یہاں کے حالات سے واقف ہو؟“

”کسی حد تک۔“ اس نے جواب دیا۔ ”کل یہاں کوئی تبدیلی آئی ہے۔ باہر شور ہوا تھا اور بہت ہنگامہ ہوا پھر خاموشی چھا گئی۔ ایسا لگا جیسے بہت سے لوگوں کو لا کر اس جگہ بند کیا گیا ہو۔“

”آرگون پر ہمارا یعنی میرا اور شہر کے اندر موجود حریت پسندوں کا قبضہ ہو گیا ہے لیکن معبد پر ڈیوڈ شا اور اس کے ساتھیوں کا قبضہ ہے۔ وہ کل یہاں آئے تھے۔“

”آپ کے دشمن؟“ روبیر حیران ہوئی تھی۔

”ہاں اور اب وہ یہاں باہر سے مزید آدمی اور اسلحہ منگوائیں گے جن سے مقابلہ کرنا یہاں کے لوگوں کے بس کی بات نہیں ہوگی۔“

”وہ لوگ کہاں ہیں؟“

”میرا خیال ہے کہ معبد میں ہیں۔“

”مگر وہ باہر سے لوگ اور اسلحہ کیسے منگوائیں گے؟“

”یہ بات تم نہیں سمجھو گی۔ مگر وہ منگوا سکتے ہیں اور انہوں نے اسی لیے معبد پر قبضہ کیا ہے۔“ میں نے کہتے ہوئے کمرے کا دروازہ کھولنے کی کوشش کی مگر وہ باہر سے بند تھا۔ لازمی بات ہے اسے بند ہی ہونا چاہیے تھا۔ مگر تعجب کی بات ہے کہ کھڑکی کھلی تھی میں نے روبیر سے پوچھا۔ ”تمہیں پتا نہیں تھا کہ کھڑکی کھل سکتی ہے؟“

”مجھے معلوم ہے لیکن میں یہاں سے کہاں جا سکتی تھی۔ کوئی یہاں سے فرار ہو کر کہاں جا سکتا ہے۔ میں نے دوبار کوشش کی مگر پکڑی گئی اور مجھے سزا ملی تھی۔ انہوں نے میری پشت ادھیڑ دی تھی، یہ دیکھیں.....“ اس نے میرا ہاتھ پکڑ کر اپنی پشت پر رکھا جہاں مندمل ہوتے زخموں کا کھر دراپن موجود تھا۔ میں نے ہاتھ واپس کھینچا اور نرم لہجے میں کہا۔

”تم فکر مت کر دو جب ہم ان پر حاوی ہوں گے تو سب سے حساب لیا جائے گا۔“ میں نے کہا اور اس کا بازو پکڑ کر کھڑکی تک آیا۔ ریک پہلے ہی اندر جھانک رہا تھا اور اس نے روبیر کو دیکھ لیا۔ اسی نے سہارا دے کر اسے نیچے اتارا۔ جب میں کو در باہر آیا تو وہ سب گرم جوشی سے اس سے مل رہے تھے اور اس کی خیریت دریافت کر رہے تھے۔ روبیر خوش تھی پھر اس نے رائٹوں کا پوچھا اور اس کی موت کا سن کر وہ دکھی ہو گئی تھی۔ میں نے کچھ دیر انتظار کیا اور پھر انہیں یاد دلایا۔ ”ہمیں عمارت کے اندر جانا ہے۔“

”حکم کریں جناب۔“ ایرٹ نے مستعد ہو کر کہا۔ وہ روبیر کو زندہ دیکھ کر زیادہ ہی خوش ہو رہا تھا۔ خاصی کم روشنی میں بھی اس کی خوشی بہت واضح تھی۔ میں نے باقی رہ جانے والی دو کھڑکیاں چیک کیں اور وہ اندر سے بند ملی تھیں۔ ریک نے تجویز پیش کیا۔

”ہم آگے سے جا سکتے ہیں۔“

میں نے نفی میں سر ہلایا۔ ”اس طرف سے جانا مناسب نہیں ہوگا۔ وہاں نگرانی کا خطرہ ہے۔“

”ہم دیکھ کر جائیں گے اور نگرانی کرنے والوں کو قابو کیا جا سکتا ہے۔“

”تم نہیں جانتے ہو یہ اس قسم کی نگرانی ہوگی جو بغیر آدمی کے ہی کی جا سکتی ہے۔ ہمیں دیکھ لیا جائے گا اور

ہمیں پتا بھی نہیں چلے گا۔“

انہیں میری بات پر تعجب ہوا تھا مگر انہوں نے اسے تسلیم کر لیا کہ میں کہہ رہا تھا۔ میں نے دیوار کے کنارے سے جھانک کر دیکھا۔ اس عمارت کے پہلو میں ایک چھوٹی سی خالی جگہ تھی اور پھر سپاہیوں کے لیے بیرک نما رہائش تھی۔ اس کے سامنے وسیع احاطہ تھا جس کے بیچ میں گول یا بیضوی باغ تھا اور اس باغ کے ایک طرف سرنگ سے آنے والا راستہ نکل رہا تھا اور دوسری طرف اہرام نما معبد تھا۔ اسی اہرام نما معبد تلے نہ صرف بڑے قید خانے تھے بلکہ یہیں اعلیٰ پجاریوں کی رہائش کا انتظام بھی تھا۔ سب سے خوفناک عمارت وہ تھی جو اصل میں گودام بھی تھی اور اس کے نیچے تہہ خانے کے اندر ایک کنواں جس میں ہارن قید تھا جس کے سامنے پجاریوں کے معتوبوں کو پھینکا جاتا تھا اور وہ انہیں چیر پھاڑ کر رکھ دیتا تھا۔ یہ سب یہاں سے نظر آ رہا تھا۔

مگر جہاں تک نظر جاتی تھی کوئی نظر نہیں آ رہا تھا۔ یہاں لکڑی کے کھمبے نصب تھے جن پر مشعلیں جل رہی تھیں۔ ان مشعلوں کی روشنی سے ظاہر تھا کہ وہاں نگرانی کا کوئی بندوبست کیا گیا ہے۔ ورنہ جیسے یہاں روشنی نہیں کی گئی تھی وہاں بھی کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ روشنی کرنے کا مقصد یہی ہو سکتا تھا کہ کوئی ان کی نظروں میں آئے بغیر معبد کی عمارت میں داخل نہ ہو سکے۔ اس لیے میں پہلے اس عمارت کے اندر داخل ہونا چاہتا تھا۔ مگر یہاں ایک ہی کھڑکی کھلی تھی اور اس کا دروازہ اندر سے بند تھا۔ مجھے خیال آیا اور میں نے روبیر سے پوچھا۔ ”کیا تمہیں مستقل بند رکھا جاتا ہے؟“

”نہیں دروازہ صرف رات میں باہر سے بند ہوتا ہے۔ صبح اسے کھول دیا جاتا ہے۔“

”تم دن میں باہر آ جا سکتی ہو؟“

”نہیں یہاں ہر راہداری میں ایک نگران ہوتا ہے اگر مجھے کہیں جانا ہوتا ہے تو اس کی نگرانی میں جاتی ہوں۔ مگر عمارت سے باہر جانے کی اجازت نہیں ہے۔“

”فرض کرو تمہیں رات کو جانا ہو کسی ضروری وجہ سے تب تم کیا کرو گی؟“

روبر میری بات کا مفہوم سمجھ گئی تھی اس نے جھینپ کر کہا۔ ”میں دروازہ بجا کر رات کے نگران کو بلاتی ہوں اور وہ مجھے اپنی نگرانی میں لے جاتا ہے۔“

میں نے فوری فیصلہ کیا۔ ”تب تم یہی کرو گی۔ اندر چلو۔“

میں اور روبیر دوبارہ کمرے میں آئے۔ یہ رہائشی عمارت تھی قید کے لیے مخصوص نہیں تھی اس لیے یہاں خاص انتظامات بھی نہیں تھے۔ قید خانے والی عمارت میں اتنے لوگ نہیں آ سکتے تھے اور پھر اس کی ضرورت بھی نہیں تھی۔ کیونکہ ڈیوڈ شا اینڈ پارٹی کے خیال میں یہ خطرناک لوگ نہیں تھے۔ دوسرے وہ اس جگہ سے نکل کر کہاں جاتے۔ پھر سب کو دو یا تین عمارتوں میں رکھنے کے بجائے انہوں نے بہتر سمجھا کہ انہیں ایک ہی عمارت میں رکھا جائے۔ میں نے کھڑکی بند کے سے سرگوشی میں پوچھا۔ ”رات کو یہاں روشنی نہیں کی جاتی ہے؟“

”کی جاتی ہے دیوار میں ایک لیپ لگا ہوا ہے مگر آج اسے جلانے کے لیے کوئی نہیں آیا۔“

”یہ اچھی بات ہے۔ اندھیرا مناسب ہے۔ جب تم اس کے ساتھ باہر جاتی ہو تو کیا وہ دروازہ پھر بھی باہر سے بند کرتا ہے؟“

”نہیں میرے باہر ہونے کی وجہ سے اسے ضرورت محسوس نہیں ہوتی ہے۔“ روبیر نے جواب دیا۔ میں

سوچ رہا تھا اور ایک لائحہ عمل ترتیب دے رہا تھا۔

”ٹھیک ہے تم دروازہ بجاؤ۔“

میں کھڑکی پہلے ہی بند کر چکا تھا۔ جب میں دروازے کے عقب میں دیوار سے لگ گیا تو روبیر نے دروازے پر دستک دی۔ چند لمحے بعد اس نے دوسری دستک دی تو باہر سے کرخت آواز آئی۔ ”کیا بات ہے؟“

”مجھے حاجت ہو رہی ہے۔“ روبیر نے جواب دیا۔

کچھ دیر بعد دروازہ کھل گیا۔ پٹ میری طرف آیا تھا اس سے پہلے کہ نگران اندر آتایا جھانکتا روبیر خود باہر نکل گئی۔ اس نے دروازہ کھینچ کر بھڑلایا اور نگران سے بولی۔ ”جلدی کرو۔“

روبیر نے ظاہر کیا تھا کہ اسے عجلت ہے۔ نگران اسے لے گیا۔ ان کے قدموں کی چاپ مدہم ہوئی تو میں نے دروازہ ذرا سا کھول کر باہر جھانکا۔ وہ بائیں طرف ایک راہداری میں مڑ رہے تھے۔ جیسے ہی وہ میری نظروں سے اوجھل ہوئے۔ میں باہر آ گیا۔ یہاں راہداری میں آمنے سامنے کمرے تھے۔ دونوں طرف سروں پر مشعلیں روشن تھیں۔ میں نے ایک دروازے پر طبع آزمائی کی مگر وہ اندر سے بند تھا۔ چند دروازے دیکھنے کے بعد میں نے بہتر سمجھا کہ اس پلان پر عمل کروں جو میں نے سوچا ہوا تھا۔ میں راہداری کے سرے تک آیا اور اس سمت میں جھانکا جہاں روبیر اور نگران گئے تھے۔ یہ راہداری عمارت کے باہر کی طرف ایک دروازے پر کھل رہی تھی۔ مگر نگران اس سے پہلے ہی ایک جگہ کھڑا ہوا تھا اور یہ غالباً اس عمارت کا واش روم والا حصہ تھا۔ میں نے آرگون کے قید خانے کا واش روم دیکھا تھا اور وہ خاصا صاف ستھرا اور حفظان صحت کے اصولوں کے مطابق تھا۔ یہ رہائشی عمارت تھی اس لیے یہاں کا بھی کم سے کم اس معیار کا ہونا چاہیے تھا۔

خوش قسمتی سے نگران باہر کے دروازے کی طرف دیکھ رہا تھا اس لیے مجھے جھانکتے نہیں دیکھ سکا۔ نگران کی یہاں موجودگی ثابت کر رہی تھی کہ ڈیوڈ شانے مقامی نظام کو اپنا تابع دار بنا لیا تھا اور اب معبد کے لوگ اس کے لیے کام کر رہے تھے۔ اگر سب نہیں تھے تب بھی کچھ لوگ اب ڈیوڈ شانے کے ساتھ تھے۔ میرا اندازہ تھا کہ اس نے گئے چنے افراد کو ساتھ ملایا ہوگا اور باقی افراد فی الحال قید میں تھے۔ اگر زیادہ لوگ اس کے ساتھ ہوتے تو احاطے میں ویرانی نہ ہوتی۔ اس نے یقیناً اکثر افراد کو قید کر دیا تھا یا پھر ان سے مستقل چھٹکارا حاصل کر لیا تھا۔ وہ اس فطرت کا آدمی تھا جسے انسان صرف اپنی غلامی کے لیے ہی زندہ درکار ہوتے تھے ورنہ ان کا وجود بیکار تھا۔ روبیر کچھ دیر بعد واش روم سے نکلی اور اس کے ساتھ اس طرف آنے لگی۔ میں تیار تھا۔ روبیر آگے تھی۔

جیسے ہی وہ ذرا آگے نکلی میرا گھومتا ہوا ہاتھ اس کے پاس سے گزرا اور نگران کے حلق سے ٹکرایا۔ فطری طور پر اس کی سانس اور آواز دونوں بند ہو گئی تھی۔ اس نے بے ساختہ ہاتھ گلے پر رکھا اور میں نے اطمینان سے اس کی کنپٹی پر گھونسا مار کر اسے لٹا دیا۔ اس کے پاس ایک عدد نیزہ تھا جو میں نے گرنے سے پہلے پکڑ لیا۔ اس کی بے ہوشی کا اطمینان کر کے میں نے اسے ٹانگوں سے پکڑا اور کھینچ کر روبیر والے کمرے میں لے آیا۔ روبیر ذرا پریشان ہوئی تھی مگر اب مطمئن تھی۔ میں نے اسے روشنی میں دیکھا۔ پشت کے زخموں سے قطع نظر وہ ٹھیک ٹھاک دکھائی دے رہی تھی اور اس کا لباس بھی مناسب تھا اگرچہ اس کا کرتہ طویل نہیں تھا بلکہ بہ مشکل اس کے کولہوں تک آ رہا تھا۔ آستین بھی کہنیوں سے اوپر تھی۔ اسے کرتے کے بجائے قمیص کہنا زیادہ مناسب تھا۔

پھر بھی یہ رو بیری کی ستر پوشی کے لیے کافی تھا۔ شاید یہاں قیدیوں کو اتنا ہی لباس دیا جاتا تھا۔ اس کے پیروں میں چڑے سے بنی ہوئی فیتوں والی چپل تھی جو اس کے گلابی پیروں میں اچھی لگ رہی تھی۔ اس نے اپنے ریشمی بال ایک ریشمی سے کپڑے سے پونی ٹیل کی صورت میں باندھ رکھے تھے۔ خود پر پڑنے والی صعوبتوں سے قطع نظر اس کی صحت اچھی تھی۔ میں نے کمرے میں آنے سے پہلے اس کا معائنہ کر لیا اگرچہ یہ سرسری تھا مگر اس نے محسوس کر لیا اور اندر آنے کے بعد سرگوشی میں بولی۔ ”مجھے ایسے کیوں دیکھ رہے ہیں۔“

”دیکھ رہا ہوں کہ تم ٹھیک ہو یا نہیں۔“

”تو پھر کیسی لگی؟“ اس کے لہجے میں ہلکی سی شوخی آگئی۔

”اچھی لگ رہی ہو۔“ میں نے نگران کو فرش پر لٹایا اور پھر ربیک سے رتی لے کر اس کے ہاتھ پاؤں باندھے اور اسے بندل کی صورت میں کھڑکی سے باہر پارسل کیا۔ رو بیری عام سے لہجے پر خاموش ہو گئی تھی شاید اسے اتنے سپاٹ سے جواب کی توقع نہیں تھی۔ مگر میں یہاں اس کی توقعات پوری کرنے نہیں آیا تھا۔ میں نے اسے کمرے میں رکنے اور یہاں کی نگرانی کرنے کو کہا۔ اگر عمارت میں کوئی ہنگامہ ہو تو وہ فوری ہمیں مطلع کر سکے۔ اس نے مضطرب لہجے میں کہا۔ ”آپ کہاں جا رہے ہیں؟“

”اس سے پوچھ گچھ کرنے اور یہ کام یہاں نہیں ہو سکتا ہے۔“ میں نے نگران کی طرف اشارہ کیا جواب خود ہمارا قیدی بن گیا تھا۔ میں کھڑکی سے باہر نکلا تو رو بیری نے کھڑکی بند کر لی۔



ہم نگران کو لے کر باغ کے بعید ترین حصے میں آئے اور پہلے اس کے منہ میں بھی ایک کپڑا اٹھوٹس دیا۔ وہ تقریباً تیس بیس برس کا جوان آدمی تھا۔ یہی وجہ تھی کہ میرے وار کا اس پر زیادہ اثر نہیں ہوا تھا اور میں نے قوت بھی کم رکھی تھی اس لیے اب وہ کسمسانے لگا تھا۔ میں نے ایک چھوٹی مشعل جلا لی اور ان چاروں سے کہا کہ وہ ہمیں گھیر لیں تاکہ مشعل کی روشنی دور سے نظر نہ آئے۔ انہوں نے یوں ہمارا احاطہ کر لیا کہ اب آسمان بھی مشکل سے نظر آ رہا تھا۔ میں نے مشعل کے شعلے پر نگران کے ایک ہاتھ کی انگلی رکھی تو وہ بلبل کر ہوش میں آ گیا۔ اس نے رتی سے بندھے ہاتھ چھڑانے کی کوشش کی مگر میری گرفت کمزور نہیں تھی۔ چند سیکنڈ اور اس کی انگلیوں نے براہ راست حرارت محسوس کی تو وہ تڑپنے لگا تھا۔ میں نے بُو آنے پر اس کا ہاتھ چھوڑا اور ربیک کے توسط سے کہا۔

”تم سمجھ گئے ہو کہ تم مکمل طور پر ہمارے قبضے میں ہو اور ہم چاہیں تو اسی طرح تمہیں تھوڑا تھوڑا جلا کر مار

سکتے ہیں۔“

اس خوفناک دھمکی پر اس کی آنکھیں پھیل گئی تھیں کیونکہ وہ اس سزا کو تھوڑا سا بھگت چکا تھا۔ وہ زور و شور سے سر اثبات میں ہلانے لگا اور اس کا انداز التجا آمیز تھا۔ ربیک نے اس کا منہ کھولنے سے پہلے اپنا سنگی خنجر اس کی گردن پر رکھ دیا اور بولا۔ ”اگر تمہاری آواز ذرا بھی بلند ہوئی تو دوسرے لمحے تمہاری گردن کٹ جائے گی۔“

اس بار اس نے احتیاط سے نفی میں سر ہلایا یعنی وہ آواز نہیں نکالے گا اس کے باوجود ہم پوری طرح محتاط تھے آدمی کے بارے میں کیا کہا جاسکتا ہے کہ کب وہ احقانہ انداز میں خودکشی پر تل جائے۔ میں نے اس کے منہ میں ٹھنسا کپڑا نکالا۔ اس نے چند گہرے سانس لیے اور بولا۔ ”میں بتاؤں گا مجھے مت مارنا۔“

”تم عقل مند آدمی ہو۔“ میں نے تعریفی انداز میں کہا۔ ”پہلے تو یہ بتاؤ کہ تم کو اس عمارت کا نگران کس نے مقرر کیا۔“

”مہا پجاری آئی زور نے۔“ اس نے جواب دیا۔

”وہ کب سے مہا پجاری بنا ہے؟“

”مہا پجاری فیرون کے مرنے کے بعد۔“ اس نے جواب دیا۔

میرے پاس جانے کا ذریعہ نہیں تھا کہ وہ سچ کہہ رہا ہے یا نہیں اس لیے میں نے سوالات جاری رکھے۔

”کل یہاں کچھ اجنبی لوگ آئے اور اس کے بعد یہاں گڑبڑ ہوئی تھی۔“

اس نے سر ہلایا۔ ”میں نے ایسے لوگ کبھی نہیں دیکھے ان کے پاس آگ اگلنے والے ہتھیار تھے اور انہوں نے دیکھتے ہی دیکھتے معبد کے تمام سپاہیوں کو ختم کر دیا۔“

یعنی یہاں ہنگامہ ہوا تھا۔ مگر وہ بہت مختصر وقت کے لیے ہوا تھا۔ میں نے پوچھا۔ ”اس کے بعد کیا ہوا؟“

”پھر مہا پجاری آئی زور کے حکم پر سب نے ہتھیار ڈال دیئے اور ان لوگوں کی اطاعت قبول کر لی۔“

مرنے والوں کو دفنایا گیا اور اس کے بعد تمام لوگوں کو اس عمارت تک محدود کر دیا گیا۔ کوئی باہر نہیں جاسکتا ہے۔ میں بھی اس عمارت سے باہر نہیں جاسکتا۔“

”یہاں اکثر کمروں کے دروازے باہر سے بند ہیں کیا ان میں موجود لوگ قید ہیں۔“

”قید نہیں ہیں مگر انہیں باہر جانے کی اجازت بھی نہیں ہے۔ رات کے وقت ان کے کمرے باہر سے بند کر دیئے جاتے ہیں۔“

میرا اندازہ درست نکلا تھا کہ پجاری ٹولہ ڈیوڈ شا کے ساتھ مل گیا تھا اور اسے ایسا ہی کرنا تھا وہ ہر کمزور کے لیے فرعون مگر ہر طاقتور کے آگے جھک جانے والے تھے۔ معبد کے ناکارہ سپاہی مارے گئے تھے۔ ڈیوڈ شا نے شاید انہیں زندہ چھوڑنا مناسب نہیں سمجھا تھا۔ مگر باقی افراد زندہ اور قید میں تھے۔ قید میں رکھنے کی وجہ بھی تھی۔ ڈیوڈ شا نہیں چاہتا تھا کہ وہ اس کے اصل عزائم سے واقف ہوں کہ وہ باہر سے کمک منگوانے جا رہا ہے۔ میں سوچ رہا تھا کہ یہ کمک کب یہاں آئے گی؟ کیا آج ہی رات طیارے اس وادی میں داخل ہوں گے اور یہاں اتریں گے؟ جب ہم فسیل کے پار آئے تو ساڑھے سات کا وقت تھا اور اب آٹھ بجے ہوں گے گویا پوری رات پڑی تھی میں نے اس سے پوچھا۔ ”کیا تمہیں علم ہے کہ معبد کو آرگون سے ملانے والی سرنگ تباہ کر دی گئی ہے۔“

اس نے حیرت سے مجھے دیکھا۔ ”وہ کیسے؟“

ایسا لگ رہا تھا کہ یہاں کے لوگ اس سے ناواقف تھے۔ ”یہاں کل کسی وقت بہت بڑا دھماکہ سنائی دیا

تھا؟“

”بہت بڑا تو نہیں مگر دھماکہ ہوا تھا۔“

”اسی دھماکے نے سرنگ تباہ کر دیا اب سرنگ سے کوئی آسکتا ہے اور نہ جاسکتا ہے۔“

نگران کا نام نائرس تھا۔ اس سے سوالات سے جو صورت حال سامنے آئی وہ کچھ یوں تھی کہ کل صبح اچانک ہی آسمان سے وہ چار افراد نازل ہوئے اور انہوں نے اترتے ہی یہاں موجود سپاہیوں کا قتل عام شروع

کر دیا۔ انہوں نے ستر کے قریب سپاہی اور کچھ دوسرے افراد کو ہلاک کیا اور یہ سلسلہ اس وقت رکا جب آئی زور نے آکر ان کی اطاعت قبول کر لی۔ ان چاروں نے پجاریوں کو اپنے قبضے کر لیا اور باقی افراد کے لیے حکم دیا کہ وہ اس عمارت تک محدود رہیں جو شخص باہر نکلا اسے ان دیکھی موت ملے گی۔ روشنی ہونے کے بعد انہوں نے اپنی نگرانی میں لاشیں اٹھوا کر ٹھکانے لگوائیں اور اس کے بعد تمام عمارتوں کا جائزہ لیا۔ انہوں نے سپاہیوں کی بیرک اور گودام کو بند کر دیا۔ نائرس جس عمارت میں نگران تھا وہاں سو کے قریب افراد رہتے تھے اور یہ سب ہی خادم اور خادماں تھیں۔ مارے جانے والوں میں کچھ خادم بھی شامل تھے اور کچھ بچنے والے سپاہی یہاں آئے تھے۔ ان کے علاوہ کچھ پجاری بھی تھے جنہیں یہاں رکھا گیا تھا۔ اس لیے اب بھی یہاں موجود افراد کی تعداد سو کے لگ بھگ تھی۔

گویا معبد میں موجود تمام افراد جو ڈیوڈ شا کے لیے فی الحال بیکار تھے مگر خطرہ بھی نہیں تھے ان کو یہاں محدود کر دیا گیا تھا۔ جب کہ تمام اعلیٰ پجاری، درمیانے درجے کے پجاری اور خادماں اور باہر سے آنے والے سب معبد میں تھے۔ اس طرف جانے کی بھی سختی سے پابندی تھی اور ایسا کرنے والے کو سزائے موت کی دھمکی دی گئی تھی لیکن یہ دھمکی نہ بھی دی جاتی تو ان میں سے کوئی اس طرف جانے کی ہمت نہ کرتا۔ اول وہ لوگ آنے والوں کی سفاکی دیکھ چکے تھے اور دوسرے اب مہا پجاری بھی ان کے ساتھ تھا اور مہا پجاری جس کے ساتھ ہوتا وہ اس کے خلاف کچھ کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتے تھے۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو حالات ڈیوڈ شا کے لیے نہایت سازگار تھے۔ مگر اسے علم نہیں تھا کہ میں یہاں آ گیا تھا۔ میں نے پوچھا۔ ”رو بیر یہاں کیوں قید ہے؟“

”یہ بات صرف شامین جانتا ہے۔ وہ اب مہا پجاری کا قریبی آدمی ہے۔“

میں گہری سانس لے کر رہ گیا۔ شامین یہاں موجود تھا اور وہ مہا پجاری یا دوسرے لفظوں میں ڈیوڈ شا کے ساتھ تھا۔ اگر ایسا ہی تھا تو ڈیوڈ شا کے ساتھ ساتھ اس سے حساب برابر کرنے کا موقع مل سکتا تھا مگر سب سے پہلے ہمیں ڈیوڈ شا کی سازش ناکام بنانا تھی۔ وہ اپنے آدمیوں کو بلوار ہا تھا اور اسے ہر صورت روکنا تھا۔ آرگون میں اگرچہ ہمارا قبضہ ہو گیا تھا مگر آرگون کی اصل فوج باہر تھی اور اگر وہ واپس آ جاتی تو ایزارٹ کے لیے چند سپاہیوں کے ساتھ ان ہزاروں سپاہیوں کو روکنا مشکل ہو جاتا۔ اس کے لیے ضروری تھا کہ وہ جلد از جلد ریٹائٹ تک رسائی حاصل کر کے اس کا خاتمہ کر دے۔ ایک کانٹا نکلے گا تب ہی وہ دوسرا قدم اٹھا سکے گا۔ ایزارٹ کی طرف سے مجھے مدد کی امید نہیں تھی۔ اسی طرح سامیرا کی طرف سے مدد کا آنا محال تھا۔ برف والے کے توسط سے اسے شاید میرے حالات کا علم ہو سکتا تھا مگر وہ خود اس وقت محاصرے کی کیفیت میں تھی۔

گویا یہاں جو کرنا تھا وہ مجھے اور میرے ساتھیوں کو کرنا تھا۔ میں نے سوچ کے اس وقفے کے بعد سوالات کا نیا سلسلہ شروع کیا اب میں اس سے اس عمارت میں موجود ان افراد کے بارے میں پوچھ رہا تھا جن پر اعتبار نہیں تھا اور انہیں خاص طور سے یہاں قید کیا گیا تھا۔ کسی قدر ہچکچاہٹ کے ساتھ اس نے دس ایسے افراد کی نشاندہی کی جن کے بارے میں حکم تھا کہ انہیں کڑی قید میں رکھا جائے اور انہیں نقل و حرکت کی آزادی نہ دی جائے چاہے دن ہو یا رات۔ وہ عمارت کی سب سے اوپر کی منزل میں قید تھے۔ پوری عمارت کے ایک درجن نگران تھے جو چوبیس گھنٹے کو تین حصوں میں تقسیم کر کے ڈیوٹی دیتے تھے۔ ہر منزل کا ایک نگران تھا اور ان تینوں کا

ایک نگران اعلیٰ ہوتا تھا۔ گویا وہ ان کا افسر ہوتا تھا۔ سوا افراد میں صرف تین عورتیں تھیں اور یہ سب قیدی تھیں۔ تمام خادماں اس وقت معبد میں تھیں۔ جب کہ مرد خادموں کے وہاں داخلے پر پابندی تھی اور وہ اسی عمارت میں تھے۔ یہ ڈیوڈ شا اینڈ کمپنی کی چالاکی تھی کہ انہوں نے مردوں کی صورت میں خطرے کو دور کر دیا تھا اور اپنے گرد عورتوں کو رکھا تھا جن سے نمٹنا نسبتاً آسان تھا۔ نائرس کے منہ میں دوبارہ کپڑاٹھونس کر میں اپنے ساتھیوں کے ہمراہ ایک طرف آیا۔ میں نے کہا۔

”اب سب سے پہلے ہمیں اس عمارت پر قبضہ کرنا ہے مگر اس طرح سے کہ عمارت سے باہر کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو۔“

ریک نے سر ہلایا۔ ”اس کے لیے ہمیں ایک ایک کر کے تمام منزلوں پر خاموشی سے قبضہ کرنا ہوگا۔“

”اس کے لیے سب سے پہلے یہ معلوم کرنا ہوگا کہ ایک درجن نگران کہاں مقیم ہیں؟“

یہ سوال نائرس سے کیا تو اس نے بتایا کہ تمام نگران جن کی ڈیوٹی نہیں ہوتی تھی وہ نچلی منزل کے مختلف کمروں میں آرام کرتے ہیں۔ میں نے مٹی پر عمارت کالے آؤٹ اور کمرے بنا کر اس سے پوچھا کہ نگران کن کمروں میں ہیں؟ اس نے نشاندہی کی۔ پھر اس نے اسی پیٹرن پر اوپری منزلوں کالے آؤٹ اور کمرے بنا کر نشاندہی کہ کڑی نگرانی والے قیدی کن کمروں میں تھے۔ ہم دیکھ رہے تھے اور ذہن نشین کر رہے تھے۔ آخر میں نائرس کو خبردار کیا گیا کہ اس کی ایک بات بھی غلط نکلی تو اسے اذیت ناک موت کا سامنا کرنا پڑے گا اس لیے ابھی وقت ہے اگر اس نے کوئی غلط بیانی کی ہے تو بتا دے۔ بعد میں معافی نہیں ملے گی۔ اس نے یقین دلایا کہ اس نے ایک لفظ بھی غلط نہیں کہا ہے۔ اس کے منہ میں کپڑاٹھونس کر اسے وہیں ایک درخت سے اس طرح باندھ دیا گیا کہ وہ از خود حرکت بھی نہیں کر سکتا تھا اور نہ ہی کسی کو مدد کے لیے پکار سکتا تھا۔ اس کی طرف سے مطمئن ہو کر ہم عمارت کے اندر آئے جہاں روبیر بے تابی سے ہمارا بلکہ میرا انتظار کر رہی تھی۔ اس نے اندر آتے ہی میرا بازو پکڑ لیا۔

”اب میں آپ کے ساتھ رہوں گی مجھے اکیلے میں ڈر لگتا ہے۔“

”تم ایک بہادر لڑکی ہو اور یہ وقت حرکت کا ہے اس لیے اگر کبھی الگ ہو جاؤ تو حوصلہ مت ہارنا۔ جیسے

اب ملے ہیں ایسے ہی آئندہ بھی ملیں گے۔“

”وعدہ کرتے ہیں۔“ اس نے یوں کہا کہ میرے اندر پھر خطرے کی گھنٹی بجنے لگی تھی۔ میں نے ٹالنے

والے انداز میں کہا۔

”زندگی و موت کی اس جنگ میں، میں کوئی وعدہ نہیں کر سکتا۔ دوسرے ہمیں اس عمارت پر قبضہ کرنا ہے

اس لیے تم میرے ساتھ ہی رہو گی۔“

وہ فکر مند ہو گئی۔ ”یہاں بہت سے لوگ ہیں صرف چار افراد کے ساتھ آپ کیسے یہاں قبضہ کریں گے؟“

”تم دیکھتی جاؤ۔“ میں نے کہا۔ وہ چاروں بھی اندر آ گئے تھے۔ مارٹ اور ایمار نے تیر کمان سنبھال لیے

تھے جب کہ میں، ایرٹ اور ریک نے نیزے ہاتھ میں رکھے تھے۔ روبیر کو کمرے میں رکنے کا کہہ کر ہم باہر آئے۔ پلان سادہ تھا کہ ایک ایک کر کے ان لوگوں کو قابو کیا جائے اور باندھ دیا جائے۔ پہلا کمرار روبیر والے

کمرے کی قطار میں ایک کمرے کے بعد تھا اور نائرس کے مطابق اس میں دو افراد تھے۔ میں نے دروازہ چیک کیا تو وہ اندر سے کھلا ہوا تھا۔ دونوں نگران بے خبری کی نیند سو رہے تھے اور سر پڑنے والی ضربوں نے ان کی نیند کو بے ہوشی میں بدل دیا تھا۔ صرف ایک کراہا تھا مگر اس کی آواز بھی زیادہ بلند نہیں تھی۔ ان کے ہاتھ پاؤں باندھ دیئے تھے۔ اگلے کمرے میں موجود نگران اعلیٰ بھی آسانی سے ہمارے قابو میں آ گئے۔ انہیں باندھنے کے بعد ہمارے پاس رتی اب ختم ہونے والی تھی اور ہمیں مزید رتی کی ضرورت تھی۔

اس سے اگلے کمرے میں آخری دو عام نگران تھے جب کہ رات کا نگران اعلیٰ عمارت کے سامنے والے حصے میں دفتر میں موجود تھا۔ نائرس نے بتایا کہ ان تین نگران اعلیٰ کو ہنگامی صورت میں معبد جانے اور مہاجر پجاری سے رابطہ کرنے کی اجازت تھی۔ ان کے علاوہ کسی کو عمارت سے نکلنے کی اجازت نہیں تھی۔ میں نے عام نگرانوں سے نمٹنے کی ذمہ داری ایمار، مارٹ اور ربیک پر چھوڑی اور خود ایرٹ کو لے کر نگران اعلیٰ کے دفتر تک آیا۔ اندر روشنی تھی اور دروازہ کھلا ہوا تھا میں نے اسے دھکیل کر اندر جھانکا اور پھر لاحول پڑھی کیونکہ نگران اعلیٰ ایک عورت کے ساتھ بستر پر بد ہوش پڑا ہوا تھا۔ عورت کا اوپری جسم چادر سے باہر تھا اور نگران اعلیٰ کی ٹانگیں کھلی ہوئی تھیں اس نے غالباً سردی لگنے پر چادر اوپری جسم پر کھینچ لی تھی۔

ہم قریب آ گئے تو عورت کی چھٹی حس نے اسے چونکایا۔ وہ اٹھی تھی کہ میں نے نیزہ اس کی شفاف گلابی گردن پر رکھ دیا اور وہ ساکت ہو گئی۔ میں نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور پھر بستر سے اٹھنے کا اشارہ کیا۔ اس کی عمر زیادہ تھی شاید چالیس کے آس پاس تھی مگر صورت و شکل اور جسمانی لحاظ سے وہ دلکش تھی۔ وہ چادر تلے سے نکلی تو میں نے ایک بار پھر لاحول پڑھی اور اسے ایک طرف پڑا ہوا لباس پہننے کا اشارہ کیا۔ اس دوران میں ایرٹ نے نگران اعلیٰ کے سر سے چادر ہٹائی اور پھر ہم دونوں ہی چونک گئے تھے۔ اس کی دائیں آنکھ میں ایک چھوٹی پنسل نما لکڑی کھسی ہوئی تھی اور اس کی بائیں کھلی آنکھ میں مرنے کے بعد تعجب تھا۔ عورت سمجھی کہ ہم لاش کی طرف متوجہ ہیں اور اس نے بھاگنے کی کوشش کی تھی مگر میں نے بروقت اسے بازو سے پکڑ کر کھینچا اور گھماتے ہوئے اس کی گردن اپنے بازو میں یوں دبائی کہ اس کی آواز بند ہو گئی۔ اس نے ابھی تک لباس نہیں پہنا تھا۔ میں نے ایرٹ کے توسط سے پوچھا۔

”اسے تم نے قتل کیا ہے؟“

میں نے گرفت بس اتنی نرم کی کہ وہ جواب دے سکے اور اس نے کہا۔ ”ہاں اسے میں نے مارا ہے۔“

”اور تم اس کے ساتھ اس حالت میں سو رہی تھیں۔“

”یہ کون سی نئی بات ہے۔“ وہ لا پرواہی سے بولی۔ میری گرفت میں آنے کے بعد اس نے مزاحمت ترک

کر دی تھی۔ ”میں اس گھٹیا شخص کے ساتھ لاتعداد راتیں سو چکی ہوں۔“

”قتل کی وجہ۔“

”بتایا تو ہے کہ گھٹیا ترین شخص تھا۔ جان بوجھ کر مجھے اذیتیں دیتا تھا۔ اس لیے آج میں نے غصے میں آ کر

اسے قتل کر دیا۔ میں نے پہلے سے نہیں سوچا تھا بس آج خیال آیا تو یہ لکڑی اس کی میز سے اٹھا کر اس کی آنکھ میں

گھونپ دی۔“

”تم نے اچھا کام کیا ہے اب غور سے سنو۔ ہم باہر سے آئے ہیں ہمارے آدمیوں نے آرگون پر قبضہ کر لیا ہے اور وہ جلد یہاں بھی آئیں گے۔“

”تم سامیرا کے آدمی ہو..... لیکن یہاں کیسے آئے؟..... سرنگ والا راستہ تو بند ہو گیا ہے۔“ وہ چالاک عورت تھی اور خاصی باخبر تھی۔ مجھے اس کے اعصاب کی مضبوطی پر رشک آیا کہ اس نے جسے قتل کیا تھا اسی کی لاش کے ساتھ سو رہی تھی۔

”ہم جنگل کی طرف سے آئے ہیں۔ سرنگ کا راستہ کھولنے میں کچھ وقت لگے گا۔ بہر حال جلد یہاں بھی ہمارا قبضہ ہوگا۔“

”تب میں تمہارے ساتھ ہوں۔“

”میں بھی یہی سمجھ رہا ہوں۔“ میں نے کہا اور اس کی کپٹی پر ہاتھ مارتے ہوئے بولا۔ ”معاف کرنا میں کوئی خطرہ مول لینا نہیں چاہوں گا۔“

ایرٹ کو میری بات کا ترجمہ کرنے کا موقع نہیں ملا اور وہ بے ہوش ہو گئی تو میں نے اسے نگرانِ اعلیٰ کی لاش کے برابر میں لٹا دیا۔ اسے باندھنے کی ضرورت نہیں تھی اس لیے صرف چادر سے ڈھک کر ہم باہر نکل آئے۔ نیچے کے تمام خاص لوگ ہمارے قابو میں آچکے تھے اب اوپر کے نگرانوں کو قابو کرنا تھا۔ نگرانوں کو قابو کرنے کے بعد ہمیں ان لوگوں کو آزاد کرنا تھا جو شاید یہاں ہونے والی تبدیلیوں کے مخالف تھے۔ مگر ہم فوری ان پر بھی بھروسہ نہیں کر سکتے تھے۔ اس کا فیصلہ بعد میں کرنا تھا۔ باقی افراد کے لیے طے ہوا کہ انہیں آخری منزل کے عقبی کمروں میں بند کیا جائے گا تاکہ وہ نہ وہاں سے فرار ہو سکیں اور نہ ہی کسی کو متوجہ کر سکیں۔ میں اور ربیک دوسری منزل پر آئے۔ سیڑھیاں نگرانِ اعلیٰ کے دفتر کے پاس سے شروع ہو رہی تھیں۔

ہم دبے قدموں اوپر آئے تھے اور یہاں کے نگران نے ہماری مشکل خود آسان کر دی تھی۔ وہ ایک طرف دیوار کے ساتھ بیٹھا ہوا سو رہا تھا۔ میں نے ربیک کو اس سے نمٹنے کا اشارہ کیا اور خود آخری منزل کی طرف بڑھ گیا۔ جیسے ہی سیڑھیاں ختم ہوئی میرا سامنا غیر متوقع طور پر نگران سے ہو گیا۔ میں تو محتاط تھا ہی وہ بھی دبے قدموں چل رہا تھا اور مجھے دیکھتے ہی اس نے اپنے پاس موجود لاشی استعمال کرنے کی کوشش کی۔ سنگی رنگز لیے اس لاشی کی ضرب خطرناک ثابت ہو سکتی تھی۔ میں نے بروقت جھکائی دی اور اسے طرح جھکے جھکے سر اس کے پیٹ میں مارا۔ لاشی کا وار خالی جانے سے اس کا جسم غیر متوازن ہو رہا تھا۔ میں با آسانی اسے دھکیلتا ہوا راہداری تک لایا اور دیوار سے ٹکرا دیا۔

اس نے سنبھل کر اوپر سے میری پشت پر کہنیاں ماریں اور میں نیچے گرا۔ لیکن اس سے پہلے کہ وہ دوسرا وار کرتا میں نے اس کی ٹانگیں کھینچ لیں۔ یہاں جگہ نہیں تھی اور وہ دیوار سے ٹکا ہوا تھا اس لیے گرا نہیں مگر توازن کھو دیا۔ اس کی مزاحمت توڑنے کے لیے میں نے نیچے سے اس کی ٹانگوں کے درمیان مکا مارا اور اس ضرب نے اسے پہلی بار منہ کھولنے پر مجبور کیا۔ اس نے چیخ ماری تھی میں نے اس کی پروا کیے بغیر دوسرا اور پھر تیسرا وار زیادہ قوت سے کیا۔ وہ کراہتا ہوا نیچے ڈھیر ہو گیا۔ اس کی تکلیف ختم کرنے کے لیے میں نے دوبار اس کا سردیوار سے ٹکرایا اور وہ بے ہوش ہو گیا۔ ابھی تک اس کی چیخ کا کہیں سے کوئی ردِ عمل سامنے نہیں آیا تھا۔ میں اٹھا اور اس کا

کرتے اتار کر اس کی پٹیاں کر کے اس کے ہاتھ پاؤں باندھنے لگا۔ کچھ دیر بعد ربیک نے سیڑھیوں کی طرف سے جھانک کر کہا۔ ”سب ٹھیک ہے نا؟“

”ہاں، اب باقی کمروں کو دیکھنا ہے۔“ میں نے کہا۔ ”یہاں اسلحہ خانہ بھی ہوگا وہ ہمارے قبضے میں ہونا چاہیے۔“

ہم نیچے آئے تو ایمار اور روبیر پہلے ہی یہ کام کر چکے تھے۔ اسلحہ نگران اعلیٰ کے کمرے میں ایک الماری میں تھا۔ جب میں دفتر میں داخل ہوا تو روبیر اپنے لیے اسلحہ نکال رہی تھی۔ اس نے تیر کمان اور ایک چھوٹے سائز کی لاشی منتخب کی تھی۔ اسے نیزہ استعمال کرنا نہیں آتا تھا مگر وہ اچھی تیر انداز تھی۔ اس نے چادر تلے موجود عورت کی طرف اشارہ کیا۔ ”اس کا کیا کرنا ہے؟“

”میرا خیال ہے اسے بھی قید کر دیا جائے۔“

روبیر کا چہرہ سرخ ہوا تھا۔ ”یہ بہت خراب عورت ہے مردوں سے بہت کھلے انداز میں ملتی ہے۔“

”تبھی یہاں موجود ہے۔“ میں نے کہا۔ ”ایسا کرو تم اسے لباس پہناؤ پھر اسے یہاں سے منتقل کرتے ہیں۔“

روبیر نے سر ہلایا تو میں کمرے سے نکل گیا۔ ایمار، مارٹ اور ایرٹ نے نگرانوں اور اعلیٰ نگرانوں کو دو کمروں میں منتقل کر دیا تھا جہاں سے وہ نکل نہیں سکتے تھے۔ مزید احتیاط کے طور پر ابھی ان کے ہاتھ پاؤں بندھے رہنے دیئے گئے تھے۔ نائرس کو بھی باہر سے لے آئے تھے اور اسے بھی اس کے ساتھیوں کے ساتھ بند کر دیا۔ اس کے بعد اوپری منزل پر موجود ان دس افراد کو کمروں سے نکالا گیا جن کے بارے میں نگرانوں کو ہدایت تھی کہ ان کی سختی سے نگرانی کی جائے اور ان کے کمرے دن رات بند رہتے تھے۔ وہ ہمیں دیکھ کر کچھ حیران تھے۔ میں نے ربیک کو پہلے ہی سمجھا دیا تھا کہ وہ ان سے بات کرے گا اس موقع پر میں ایک اجنبی زبان بول کر اور سربراہ بن کر ان کو بدکانا نہیں چاہتا تھا۔ ربیک نے ان سے کہا۔ ”ہم سامیرا کے لوگ ہیں اور جنگل کی طرف سے یہاں آئے ہیں۔ یہاں باہر سے آنے والے لوگ معبد پر قابض ہو گئے ہیں۔“

ان میں سے ایک جوان آدمی نے سر ہلایا۔ ”ہاں اور یہ بات ہمیں پسند نہیں آئی۔ مہاپجاری آئی زوران کے ساتھ مل گیا ہے اور جب ہم نے احتجاج کیا تو اس نے ہم سب کو قید کر دیا۔“

ربیک نے کہا۔ ”تم سب اپنا تعارف کراؤ اور یہاں اپنی حیثیت بھی بتاؤ۔“

وہ تعارف کرانے لگے۔ ان میں سے چھ کا تعلق پجاریوں سے تھا اور جوان آدمی جس کا نام کورن تھا وہ مہاپجاری کے نائبین میں سے ایک تھا۔ باقی چار افراد یہاں موجود سپاہ کے افسران تھے اور وہ اس بات پر کبیدہ خاطر تھے کہ ان کے آدمیوں کا بے دریغ قتل عام ہوا اور مہاپجاری نے قاتلوں سے دوستی کر لی۔ وہ بھی احتجاج کی وجہ سے معتب قرار دے کر یہاں قید کیے گئے تھے۔ ربیک نے تعارف کے بعد کہا۔ ”اب تم لوگ فیصلہ کر لو کہ ہمارا ساتھ دینا ہے یا پھر غیر جانبدار رہنا ہے کیونکہ ہم ان غیر لوگوں کا خاتمہ کرنے آئے ہیں جو ہمارے راستے میں آئے گا وہ بھی ہمارا دشمن ہوگا۔ چاہے وہ مہاپجاری کیوں نہ ہو۔“

ربیک کی بات پر کورن کسی قدر مضطرب ہوا تھا۔ میرا خیال تھا کہ اسے ربیک کی بات بری لگی تھی مگر اس

نے کہا۔ ”آپ ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے وہ بہت خوفناک ہتھیاروں سے مسلح ہیں جو آگ اگلتے ہیں اور آدمی کے جسم میں سوراخ ہو جاتا ہے اور وہ مر جاتا ہے۔“

”ہم جانتے ہیں وہ کیسے ہتھیار رکھتے ہیں لیکن تم فکر مت کرو ان سے نمٹنا ہمارا کام ہے۔“
ایک فوجی افسر بولا۔ ”انہوں نے ہمارے درجنوں سپاہی لمحوں میں مار دیئے تھے۔ تم چند افراد کیا کر لو گے۔“

ریک نے لا پرواہی سے کہا۔ ”تمہیں کیا معلوم کہ ہم کتنے ہیں اور ہمارے پاس کیا ہے۔ ہم جنگل سے گزر کر آئے ہیں جو ہارن اور اسار سے بھرا ہوا ہے۔ کیا کوئی عام دستہ وہاں سے گزر سکتا ہے؟“
فوجی افسر اپنے طنز پر شرمندہ ہو گیا تھا۔ کورن نے کہا۔ ”میں اپنے ساتھیوں سے مشورہ کرنا چاہتا ہوں۔“
”ضرور کرو۔“

کورن اپنے پانچ ساتھیوں کے ہمراہ ایک کونے میں چلا گیا اور وہ آپس میں سر جوڑ کر سرگوشیوں میں بات کرنے لگے۔ فوجی افسران کی قدر بے چین تھے۔ ایک فوجی نے کہا۔ ”کیا ہم بھی مشورہ کر سکتے ہیں؟“
ریک نے میری طرف دیکھا تو میں نے خفیف سا اثبات کا اشارہ کیا اور اس نے انہیں بھی مشورے کی اجازت دے دی۔ جب میرے ساتھی ان لوگوں کو نکال رہے تھے اور نگرانوں کو قید کیا جا رہا تھا تو باقی افراد جو غیر متعلقہ تھے ان کے کمرے باہر سے بند کر دیئے گئے تھے تاکہ کوئی نکل کر غیر ضروری مداخلت نہ کرے۔ بے ہوش عورت کو روویر نے لباس پہنا دیا تھا مگر فی الحال وہ وہیں تھی۔ پجاری اور فوجی افسران روویر کو ہمارے ساتھ دیکھ کر کسی قدر حیران ہوئے تھے۔ چند منٹ میں پجاری ہماری طرف آئے اور کورن نے کہا۔ ”ہم تمہارے ساتھ ہیں مگر ہم لڑنے والے لوگ نہیں ہیں۔“
”اگر تم ہمارے ساتھ ہو تو تمہیں لڑنا تو پڑے گا۔“ ریک نے کہا۔ ”صرف جان بچانے کے لیے ہاتھ پاؤں ہلانے پڑیں گے۔“

”وہ ہم کریں گے میں صرف یہ بتا رہا ہوں کہ ہم تربیت یافتہ نہیں ہیں۔“
ریک مجھے لے کر کمرے سے باہر آیا ہم اس وقت اوپری منزل پر تھے۔ ”اب کیا کرنا ہے جناب؟“
”سب سے پہلے یہاں کے لوگوں کو چھاننا اور انہیں عقبی سمت والے کمروں میں بند کرنا ہے۔ خطرناک افراد کو اسی منزل پر اور کم خطرناک افراد کو چلی منزل پر۔“ میں نے منصوبہ سمجھایا اور ریک فوری حرکت میں آ گیا۔ اس نے کمرے میں آ کر بتایا کہ کس کس نے کیا کرنا ہے۔ کورن اور فوجی افسران اس لحاظ سے ہمارے لیے کارآمد تھے کہ وہ قیدیوں کے بارے میں بتا سکتے تھے کہ کون ہمارے لیے مسئلہ بن سکتا ہے۔ ویسے میرا ارادہ مزید افراد لینے کا نہیں تھا، یہ دس افراد بھی کافی تھے۔ اوپری منزل پر کھلے بتیں افراد تھے جن میں سے دس تو یہی تھے۔ باقی بائیس عام خادم تھے۔ ان کو دس دس کر کے دو کمروں میں بند کر دیا۔ اس کے بعد پہلی منزل پر آئے یہاں تیس افراد تھے ان میں سے اٹھارہ افراد کو اوپر پہنچایا گیا اور باقی کو اسی فلور پر عقبی کمروں میں بند کر دیا گیا۔
نیچے کچل چوبیس افراد تھے۔ ان میں تین عورتیں بھی تھیں۔ ایک وہی تھی جو نگران اعلیٰ کے ساتھ سو رہی تھی۔ باقی اکیس افراد خدام میں سے تھے انہیں اور باقی عورتوں کو بھی اوپری منزل پر بند کرنے کا حکم دے کر میں دفتر

والے کمرے میں آیا تو چونک گیا کیونکہ بے ہوش عورت غائب تھی۔ کمرے کی کھڑکی کھلی تھی اور یہ سامنے والے حصے میں کھلتی تھی۔ میں نے احتیاط سے ادھ کھلی کھڑکی سے باہر جھانکا تو عورت اپنے سفید لباس کی وجہ سے فوراً ہی نظر میں آگئی۔ وہ جھکی ہوئی پودوں اور درختوں کی آڑ لیتی ہوئی سرنگ کی طرف جارہی تھی۔ وہ بے خبر تھی کہ سرنگ بند ہے اور شاید وہ فرار ہو کر آرگون جانا چاہتی تھی۔ وہ زیادہ مضبوط نکلے تھی اور اسی وجہ سے اسے جلد ہوش آ گیا تھا۔ اس کے پیچھے جانا حماقت ہوتی اس لیے میں خاموشی سے دیکھتا رہا۔ ایک طرح سے یہ اچھا ہی ہوا تھا کہ وہ باہر نکلی تھی اور اب مجھے اندازہ ہوتا کہ ڈیوڈ شانے نگرانی یا حفاظت کے لیے کیا انتظامات کر رکھے ہیں۔ عورت نے باغ کر اس کیا اور بھاگتی ہوئی سرنگ کی طرف چلی گئی۔ شاید وہ تصدیق کرنے گئی تھی کہ سرنگ سچ مچ تباہ ہو گئی ہے یا کوئی راستہ ہے۔ جلد وہ ناکام واپس آتی۔ اسی اثنا میں روبیر کمرے میں آئی اور عورت کو غائب اور مجھے کھڑکی کے ساتھ لگے دیکھ کر وہ تیزی سے آگے آئی۔

”کیا ہوا یہ کہاں گئی؟“ اس نے کہتے ہوئے باہر جھانکا۔
 ”وہ دیکھو۔“ میں نے تاریکی میں غائب ہوتی عورت کی طرف اشارہ کیا۔
 ”آپ نے اسے جانے دیا۔“

”فکر مت کرو۔ وہ سرنگ میں نہیں جاسکتی ہے سرنگ آگے سے بند ہے۔ اسے واپس آنا پڑے گا۔“
 روبیر نے سرنگ کی بندش پر کسی رد عمل کا اظہار نہیں کیا اس کا مطلب تھا کہ کوئی اسے بتا چکا تھا۔ یہ جگہ چھوٹی سی تھی اس لیے وہ مجھ سے لگ کر کھڑی تھی۔ اس نے کچھ دیر بعد آہستہ سے کہا۔ ”مجھے شامین کے بارے میں پتا چل گیا ہے۔ وہ یہیں ہے۔“

”آئی زور کے خاص آدمیوں میں شامل ہو گیا ہے۔“
 ”اگر وہ ہاتھ آیا تو کیا آپ اسے میرے حوالے کریں گے۔“
 ”یقیناً وہ تمہارا مجرم ہے اور تم اس کے بارے میں فیصلہ کرو گی۔“
 روبیر نے گہری سانس لی۔ ”اس شخص کی محبت نے مجھے بہت دکھ دیئے۔ میں نے اپنا سب کچھ گنوا دیا۔“
 اس کی بات سن کر مجھے خیال آیا اور میں نے جھک کر پوچھا۔ ”تمہیں لانے والوں نے تمہارے ساتھ کوئی زیادتی تو نہیں کی میرا مطلب ہے.....“

اس کا رنگ گلابی ہوا تھا اس نے جلدی سے بات کاٹ کر کہا۔ ”نہیں اس حوالے سے میں محفوظ ہوں۔ میں اپنی جذباتی کیفیت کی بات کر رہی ہوں۔“
 ”مجھے تم سے ہمدردی ہے۔“

وہ میری طرف پلٹ گئی مگر دور نہیں ہوئی تھی بلکہ کچھ اور پاس آگئی تھی۔ اس نے سر اٹھا کر مجھے دیکھا۔
 ”صرف ہمدردی؟“
 ”تم میری ساتھی ہو اور تم سے مجھے انیسیت ہے۔ انسان اسی سے ہمدردی یا اپنائیت کا اظہار کرتا ہے جسے اپنا سمجھتا ہے۔“

یہاں ایک عدد لاش تھی اور اس کے ساتھ سونے والی عورت یہاں سے فرار ہو گئی تھی۔ اگرچہ ہم نے تسلی

بخش انداز میں عمارت پر قبضہ کر لیا تھا مگر عورت کے فرار نے کسی قدر مشکل کو بھی جنم دیا تھا۔ ان تمام باتوں سے قطع نظر روبیر مجھ سے کسی اور موضوع پر بات کرنا چاہ رہی تھی۔ میں اس سے اس موضوع پر بات نہیں کرنا چاہتا تھا۔ مگر یہ آفاقی حقیقت ہے کہ زبان اور رو۔۔۔ سے عورت پہل کرتی ہے اور مرد کو متوجہ کرتی ہے پھر عملی پہل مرد کرتا ہے اور اپنے سر پیش قدمی کی تہمت لیتا ہے۔ اس وقت وہ زبان اور رویے سے پہل کر رہی تھی۔ اس نے میرے بازوؤں پر ہاتھ رکھ دیئے۔ ”شہباز میں اندر سے خالی ہو گئی ہوں۔ مجھے لگتا ہے میں بالکل اکیلی ہوں اور جب سوچتی ہوں کہ میرا کون ہے تو میرے ذہن میں ایک ہی نام آتا ہے۔“

”کس کا نام؟“ میں نے نہ چاہتے ہوئے بھی پوچھ لیا۔

”آپ کا نام۔“ اس نے کہا اور اس دوران میں اس کی بانہیں میرے گلے تک پہنچ گئی تھیں۔ اس کا لہجہ بوجھل ہو گیا۔ ”شہباز میں نے آپ کے ساتھ خود کو ہمیشہ محفوظ سمجھا ہے جب آپ سے دور ہوئی مجھ پر کوئی نہ کوئی آفت آئی۔ مجھے خود سے دور مت کیجئے گا۔“

اسی لمحے دروازے پر آہٹ ہوئی اور ایرٹ اندر آیا تھا۔ میں نے روبیر سے دور ہونا چاہا مگر اس نے ایسی کوئی کوشش نہیں کی اور اسی انداز میں مجھ سے لگی رہی۔ حالانکہ اسے پتا چل گیا تھا کہ کوئی اندر آیا ہے۔ ایرٹ چونکا تھا اور اس کا چہرہ متغیر ہوا تھا۔ چند لمحے ساکت رہنے کے بعد وہ تیزی سے واپس چلا گیا۔ میں گہری سانس لے کر رہ گیا۔ اگرچہ یہ روبیر کا اپنا فعل تھا مگر ایرٹ مجھے برابر کا شریک سمجھتا اور وہ حق بجانب ہوتا۔ میں نے روبیر کو چھوٹ دی تھی۔ میں نے آہستہ سے اس کی بانہیں گلے سے الگ کیں اور باہر جھانک کر دیکھا۔ میں نے بروقت دیکھا تھا کیونکہ عورت واپس آرہی تھی۔ اس نے سرنگ بند پائی ہوگی اور اب وہ باغ کے دوسری طرف سے پودوں اور درختوں کی آڑ لیتی ہوئی معبد کی طرف بڑھ رہی تھی۔ اگر میں ذرا تاخیر سے دیکھتا تو پھر اسے پانا مشکل کام ہوتا۔ وہ نظروں میں آگئی تھی اس لیے اس کی معمولی لمحاتی جھلکیاں بتا رہی تھیں کہ وہ کہاں تھی اور کس طرف بڑھ رہی تھی۔

”یہ کہاں جا رہی ہے؟“

”معبد کی طرف اور اب ہمیں معلوم ہو گا کہ وہاں حفاظت کے لیے کیا کیا گیا ہے۔“

عورت باغ کے ساتھ گھومتی ہوئی معبد کی طرف بڑھ رہی تھی جس کا داخلی راستہ اس قطعے کے عین وسط میں تھا۔ ایک ڈھلان سی اوپر جا رہی تھی اور یہی کوئی دس بارہ فٹ اوپر پہنچ کر اہرام نما معبد میں داخل ہو رہی تھی۔ وہاں تیز روشنی والی مشعلیں لگی تھیں اور سب سے زیادہ روشنی وہیں تھی۔ عورت معبد کے ساتھ آئی تو روش چھوڑ کر دوبارہ باغ میں داخل ہو گئی اور پودوں و درختوں کی آڑ لے کر آگے بڑھنے لگی۔ اپنی ابتدائی جذباتیت کے بعد روبیر اب شاید شرمندہ ہو رہی تھی اور اس نے کہنا چاہا۔ ”شہباز مجھے معاف کر دیں میں.....“

”شش۔“ میں نے کہا میری توجہ پوری عورت کی طرف تھی۔ وہ اب معبد کے داخلی راستے سے کوئی پچاس گز دور تھی۔ وہ یہاں قیدی تھی اس لیے اس کا اہرام میں جانے کا کوئی تک نہیں بنتا تھا۔ صرف ایک صورت تھی کہ وہ ہمارے بارے میں ان لوگوں کو اطلاع دے کر فائدہ حاصل کرنا چاہتی تھی۔ اب وہ راستے کے سامنے تھی۔ روش بیس گز سے زیادہ چوڑی تھی۔ یہاں باغ سے باقاعدہ ایک راستہ نکل رہا تھا۔ مگر عورت چھوٹے درخت کی آڑ

سے نکل کر روش پر آئی اور مجھے لگا کہ اہرام کے راستے کے عین اوپر سے کوئی شعلہ سا نکلا تھا جو شعلوں کی تیز روشنی میں غائب ہو گیا۔ دھماکے کی دہلی ہوئی آواز ذرا دیر سے آئی اور عورت لہرا کر گری تھی۔ گرتے ہوئے اس کا کرتہ سینے سے رنگین ہو رہا تھا۔ روپے کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکلی تھی۔ اس نے میرا بازو دو بوج لیا۔

”یہ کیا ہوا ہے؟“

”پہنڈہ جو وہاں لگا ہوا ہے اور عورت اسی کا شکار ہوئی ہے۔“ میری نظر اس جگہ مرکوز تھی جہاں سے شعلہ نکلا تھا۔ وہ داخلی راستے کے اوپر نکلے چبھے کے پیچھے تھی۔ وہاں تک شعلوں کی روشنی براہ راست نہیں جا رہی تھی صرف انعکاس وہاں تک پہنچ رہا تھا۔ میں بصارت پر زور دے کر دیکھنے کی کوشش کر رہا تھا مگر مجھے واضح نظر نہیں آ رہا تھا اس لیے میں نے ربیک کی مدد حاصل کی۔ اسے بلایا اور اسے جگہ کی نشاندہی کر کے کہا۔

”وہاں دیکھو کچھ نظر آ رہا ہے؟“

اس نے کمرے میں چلنے والا لیمپ بجھا دیا اور نظر جما کر دیکھنے لگا کچھ دیر بعد اس نے کہا۔ ”وہاں ایک عجیب سی چیز ہے۔ اس میں لمبی سی ڈنڈی نکلی ہے۔ پیچھے والا حصہ چوکور سا ہے اور وہ تین ٹانگوں پر رکھی ہے۔“

میں سمجھ گیا تھا یہ خود کار اسنا پیرا نقل تھی جو اپنی حد میں آنے والی ہر حرکت کرتی شے پر فائر کرتی تھی اسے ریوٹ کی مدد سے بھی آپریٹ کیا جاسکتا تھا۔ اس مہم پر آنے سے پہلے ڈیوڈ شانے مجھے جہاں قید رکھا تھا وہاں نگرانی کے لیے یہی ہتھیار لگایا تھا۔ میں نے اللہ کا شکر ادا کیا جس نے مجھے عقل دی اور میں خود یا اپنے ساتھیوں کو لے کر اس طرف نہیں گیا۔ درحقیقت میں ڈیوڈ شا کی ذہنیت سمجھتا تھا اور سوچ سکتا تھا کہ کس صورت حال میں وہ کیا کر سکتا ہے؟ معبد کے احاطے کو خالی پا کر مجھے خدشہ ہوا تھا کہ اس نے کوئی نہ کوئی ٹریپ یا نگرانی کا سسٹم لگایا ہے تب ہی اس جگہ کو خالی چھوڑا ہوا ہے۔ اب سوال یہ تھا کہ اس نے صرف داخلی راستے پر ہی یہ ٹریپ لگایا تھا یا اہرام نما معبد کی مزید ستوں میں بھی یہ ٹریپ تھا۔

میں نے یہ گمن دیکھی تھی اور یہ خاصی بھاری ہوتی ہے۔ ڈیوڈ شا کے سامان میں ایک سے زیادہ ایسی رائفلوں کی گنجائش ممکن نہیں تھی۔ لیکن کوئی بھروسہ نہیں تھا کہ نیچے اترنے سے پہلے اس نے کمک حاصل کر لی۔ طیارے اس جگہ تک رسائی حاصل کر سکتے تھے اور وہ پیراشوٹ سے کچھ بھی نیچے پہنچا سکتے تھے۔ اس صورت میں وہ زیادہ سامان کے ساتھ بھی نیچے پہنچ سکتا تھا۔ بہر حال عورت کی موت سے ثابت ہو گیا تھا کہ معبد میں داخلے کا مطلب خودکشی بھی ہو سکتا تھا۔ عورت ساکت تھی اور اس کا کرتہ تقریباً پورا ہی سرخ ہو گیا تھا۔ اتنا خون نکلنے کے بعد اس کا زندہ رہنا محال تھا۔ اگر اس میں جان تھی تو بس چند لمحوں کی تھی۔ ربیک نے یہ جان کر اطمینان کا سانس لیا کہ ماری جانی والی عورت وہی تھی جو یہاں سے فرار ہوئی تھی۔ اس نے کہا۔ ”اس کا مرجانا ہی بہتر ہے اگر یہ دشمن کے ہاتھ لگتی تو فوراً ہمارے بارے میں بک دیتی۔“

”میرا خیال ہے یہ بکنے کی نیت سے وہاں جا رہی تھی۔“

ربیک نے تجسس سے پوچھا۔ ”یہ کیا چیز ہے جناب، یہ عورت اسی سے مری ہے؟“

”ہاں یہ خود بخود حملہ کرنے والا ہتھیار ہے۔ جیسے ہی اس کی حد میں کوئی حرکت کرتی چیز آتی ہے یہ اس پر

فائر کر دیتا ہے۔“

ریک کے لیے حد، حرکت کرتی چیز کی شناخت اور فائر مانوس چیزیں تھیں اس نے سوالات کرنے چاہے لیکن میں نے کہا۔ ”جب ہم کامیاب ہوں گے اور یہ ساری چیزیں ہمارے ہاتھ لگیں گی تو میں تمہیں ٹھیک سے سمجھا سکوں گا کہ یہ کیا چیز ہے؟“

رویر اس دوران میں باہر جا چکی تھی۔ ریک نے سر ہلایا اور پھر پوچھا۔ ”یہ ایرٹ کچھ دیر پہلے یہاں آیا تھا اور واپس نکلا تو اس کا منہ لٹکا ہوا تھا۔“

میں نے گہری سانس لی۔ ”اس کی وجہ ہے۔“

مجھے ریک پر پورا اعتماد تھا اور وہ مجھے سمجھتا تھا اس لیے میں نے اسے کسی قدر تفصیل سے رویر کی کیفیت اور اپنی طرف اس کا جھکاؤ واضح کیا۔ ”وہ اس کیفیت میں ہے کہ میں اسے سختی سے پیچھے نہیں دھکیل سکتا۔ میں اسے سمجھا رہا ہوں۔ وہ خود سے میرے پاس آنے کی کوشش کر رہی ہے۔ ایسے وقت ایرٹ نے اتفاق سے دیکھ لیا۔ میں کسی حد تک سمجھ رہا ہوں کہ ایرٹ اسے پسند کرتا ہے شاید اسی وجہ سے اسے دھچکا لگا۔“

ریک نے سر ہلایا۔ ”میں سمجھ گیا ہوں جناب۔ ایرٹ کو بھی سمجھا سکتا ہوں لیکن رویر کو سمجھنا مشکل ہے۔“

”مجھے لگ رہا ہے یہ مشکل کام مجھے ہی کرنا پڑے گا۔“

ریک آہستہ سے ہنسا۔ ”میں نے محسوس کیا ہے کہ آپ عورتوں سے دور بھاگتے ہیں۔“

”اس کے باوجود یہ صنف آسانی سے پیچھا نہیں چھوڑتی ہے۔“ مجھے کہتے ہوئے زریں کا خیال آیا اس نے بھی زندگی میں میرا پیچھا نہیں چھوڑا تھا شاید زندہ ہوتی تو مجھے بہت مشکل پیش آتی۔ مگر قدرت نے اس کی اور میری مشکل آسان کر دی تھی۔ میں سوچ میں گم تھا کہ ریک کی آواز پر چونکا۔

”کیا کہہ رہے ہو؟“

”یہی کہ اب کیا کرنا ہے؟“

”اس پر غور کرنا ہوگا۔ اس ہتھیار کے ہوتے ہوئے ہم معبد تک رسائی حاصل نہیں کر سکتے ہیں۔“

”میں رویر کی بات کر رہا ہوں۔“

”فی الحال ہمیں دشمن پر توجہ مرکوز رکھنی چاہیے۔“ میں نے ملائمت سے کہا اور لاش کی طرف اشارہ کیا۔

”اسے ٹھکانے لگاؤ۔ ہمیں شاید کچھ وقت یہاں رہنا پڑے اور یہ کل تک بٹو دینے لگے گی۔“

ریک باہر چلا گیا۔ کچھ دیر بعد وہ دوفوجی افران کے ساتھ آیا۔ انہوں نے اسے اسی چادر میں لپیٹا اور اٹھا کر لے گئے۔ کیونکہ زخم اس کی آنکھ میں آیا تھا اس لیے خون بہت کم نکلا تھا اور بستر پر چند ایک دھبے آئے تھے جو رویر نے کپڑا گیل کر کے صاف کر دیئے۔ اس نے ایک صاف چادر لاکر بستر پر بچھادی۔ میرا اندازہ تھا کہ رات کے نو بج چکے ہیں۔ اس لحاظ سے خاصا وقت تھا۔ اگر طیارے آج رات آنے تھے تو وہ صبح چھ بجے سے پہلے کسی وقت بھی آسکتے تھے۔ شاید اسی لیے کرنل جوز نے آج ہی رن وے لائسنس لگائی تھیں۔ اگر طیارے کل رات آنے ہوتے تو یہ لائسنس کل شام میں بھی لگائی جاسکتی تھیں۔ مگر اس عمارت اور معبد کے باہر کسی قسم کی سرگرمی نہیں تھی۔ اس لیے ہمارے لیے ایک موقع تھا کہ کچھ آرام کر لیں اور کھاپی لیں۔ رویر وہیں موجود تھی اس نے کہا۔ ”آپ آرام کر لیں، بہت دیر سے جاگ رہے ہیں اور مسلسل حرکت میں ہیں۔“

”مجھے بھوک لگ رہی ہے۔“ میں نے زرہ بکتر الگ کرتے ہوئے کہا۔ ہتھیار رکھ کر میں بستر پر بیٹھا تو مجھے پہلی بار احساس ہوا کہ میں کتنا تھکا ہوا ہوں۔ میں چوبیس گھنٹے سے زیادہ وقت سے جاگ رہا تھا اور اس دوران میں بس چلتے پھرتے کھا لیا تھا۔ مسلسل جدوجہد اور قتل و غارت گری نے جسم سے زیادہ ذہن کو تھکا دیا تھا اور چوٹوں نے میرے پورے وجود کو درد کے ہلکے سے سمندر میں بدل دیا تھا۔ مجھے چند گھنٹے کی بے ہوشی کی نیند کی ضرورت تھی۔ روبیر کھانے کے لیے کچھ لینے کو گئی تھی۔ مگر میں لیٹا تو مجھے بے خبر ہونے میں چند منٹ بھی نہیں لگے تھے۔ روبیر آئی تو میں سو چکا تھا۔ اس نے جگانے کے بجائے مجھے سونے دیا اور ایک چادر اوڑھادی۔ میری آنکھ کھلی تو رات کا دوسرا پہر تھا میرا اندازہ تھا کہ دو یا تین بجے تھے۔ میں شاید پانچ یا چھ گھنٹے سویا تھا اور تھکن اتر چکی تھی مگر پیٹ میں جیسے بل پڑ رہے تھے۔ روبیر کھانے کو جولا کی تھی وہ وہیں میز پر رکھا تھا۔

ٹرے میں وہی کھیر نما میٹھا دلیہ جو یہاں کی عام خوراک تھی ایک بڑے سائز کے پیالے میں خاصی مقدار میں تھا۔ پھل اور پینے کے لیے پھلوں کے رس کی کاک ٹیل تھی۔ میں نے تاخیر کیے بغیر ان سب نعمتوں سے استفادہ شروع کر دیا اور میرا ہاتھ اس وقت رکا جب ٹرے خالی ہو چکی تھی۔ سیری نہیں ہوئی تھی مگر تشنگی مٹ گئی تھی۔ میں نے شربت کا گلاس خالی کیا تھا کہ روبیر اندر آئی۔ اس نے شاید غسل کیا تھا کیونکہ اس کے پال نم ہو رہے تھے اور چہرہ گلاب کی طرح کھلا ہوا تھا۔ پانی یقیناً خاصا سرد تھا کیونکہ وہ ہولے ہولے کانپ رہی تھی۔ اس نے خالی ٹرے دیکھ کر پوچھا۔ ”اور لاؤں..... اتنے میں آپ کا پیٹ نہیں بھرا ہوگا؟“

”نہیں اتنا کافی ہے۔“ میں نے کہا اور اس کی طرف دیکھا۔ ”صاف ستھری ہو رہی ہو۔“

”ہاں جب سے یہاں آئی ہوں مجھے ایک بار بھی نہانے کا موقع نہیں ملا اس لیے ٹھنڈے پانی کے باوجود خود کو روک نہ سکی۔“ اس نے بال گھما کر آگے کرتے ہوئے کہا اور انہیں جھٹک کر خشک کرنے لگی۔ اس کا بدن شاخ گل کی طرح لچک گیا اور ایسے زاویے میں آگیا کہ میں نے بے اختیار نظریں چرائیں۔ پتا نہیں یہ قدرت کی عطا تھی یا آزمائش کہ میری طرف آنے والی تمام ہی عورتیں حسن و جمال کا شاہ کار ہوتی تھیں اور آدمی کے لیے ان کی پیش قدمی سے بچنا اتنا ہی مشکل ہوتا جتنا کہ بارش کے بعد کچھ زردہ راستے پر پھسلنے سے بچنا۔ آزمائش میں نے اس لحاظ سے کہا کہ یہ عورتیں محبت کے ہاتھوں مجبور ہو کر میری طرف آتی تھیں اور آدمی محبت سے لڑ نہیں سکتا ہے۔ ورنہ زینی جیسی ہوس کی ماری عورتوں سے نمٹنا میرے لیے نہایت آسان تھا۔ جنگل میں ہونے والی گھسان کی جدوجہد نے میرا حلیہ بھی خراب کر دیا تھا۔ اس لیے میں بھی نہانا چاہتا تھا۔ میں نے روبیر سے کہا تو اس نے سر ہلایا۔

”میں سمجھ گئی تھی۔ آپ کے لیے دوسرا لباس بھی نکال دیا ہے۔“

”جب تک میں سوتا رہا حالات میں کوئی تبدیلی تو نہیں آئی؟“

”نہیں ہم پوری طرح چوکنا تھے اور میں خود نگرائی کرتی رہی جب نہانے گئی تو ایما رکونگرائی پر لگا دیا تھا۔“

اس کا کہنا ہے کہ اس دوران میں کوئی معبد سے باہر نہیں آیا نہ ہی اندر گیا۔“

میں نے سکون کا سانس لیا۔ ورنہ اس طرح سے غفلت کی نیند سو جانا اور وہ بھی ایسے حالات میں مناسب نہیں تھا۔ واش روم میں نے دیکھ لیا تھا جہاں نہانے کا مکمل بندوبست تھا۔ اس میں مقامی طرز کا صابن بھی تھا جو

بال اور جسم یکساں صاف کرتا تھا۔ مٹی کے پائپوں میں پانی نہ جانے کہاں سے آرہا تھا۔ واش روم کی سہولت صرف گراؤنڈ فلور پر تھی۔ شاید یہیں تک پانی پائپوں سے پہنچایا جاسکتا تھا۔ غسل اور دوسری ضروریات سے فارغ ہونے کے بعد میں باہر آیا تو صاف ستھرا لباس پہن کر میں نے خود کو خاصا بہتر محسوس کیا تھا۔ نہادھو کر مجھے پھر بھوک لگنے لگی تھی۔ مگر میں پہلے اپنے ساتھیوں کو دیکھنا چاہتا تھا۔ لڑائی کے فیصلہ کن مرحلے سے پہلے یہ ایک وقفہ تھا جس سے میں زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانا چاہتا تھا۔ میرے تھکے ساتھی بھی یقیناً آرام کر رہے تھے اور کھاپی رہے تھے۔ میں نے واش روم سے نکل کر پہلے تینوں منزلوں کا ایک چکر لگایا تھا۔ ربیک نے فوجی افسروں کو ایک ایک کر کے ہر منزل پر گارڈ لگا دیا تھا۔ وہ مستعدی سے پہرہ دے رہے تھے۔ کورن سمیت تمام پجاری نگلی منزل کے ایک کمرے میں تھے۔

ربیک اور اس کے ساتھی دودو کر کے آرام کر رہے تھے۔ پہلے ایماں اور مارٹ نے آرام کیا، اب ربیک اور ایٹ کر رہے تھے کیونکہ میں نے کوئی حکم نہیں دیا تھا اس لیے انہوں نے آرام کر لیا تھا۔ ہر طرف سے مطمئن ہو کر میں دفتر والے کمرے میں آیا جونی الحال میرا کمرابھی تھا۔ وہاں روبیر کھڑکی سے لگی ہوئی جھری سے باہر دیکھ رہی تھی۔ وہ ٹرے میں دوبارہ پھل اور رس لے آئی تھی۔ میں خوش ہو گیا شاید اسے بھی اندازہ تھا کہ کھانا میرے لیے کافی نہیں ہوگا اس لیے وہ مزید لے آئی تھی۔ میں نے ایک پھل اٹھا کر کھاتے ہوئے پوچھا۔ ”کیا دیکھ رہی ہو؟“

”وہ اسے لے گئے ہیں اور اب وہاں کی صفائی کر رہے ہیں۔“ روبیر نے اشارہ کیا مگر جب میں دیکھنے کے لیے کھڑکی کے پاس آیا تو اس نے جگہ نہیں دی تھی۔ غالباً وہ چاہتی تھی کہ اس کے پاس آکر باہر دیکھوں۔ مجبوراً مجھے یہی کرنا پڑا تھا۔ میرے لیے یہ حربے نئے نہیں تھے میں پہلے بھی بارہا ان کا سامنا کر چکا تھا۔ لڑکی کہیں کی بھی ہو اگر وہ کسی سے محبت کرنے لگے اور اسے ہی اپنا سب کچھ سمجھنا شروع کر دے تو اسے اپنی طرف متوجہ کرنے کے لیے ایسے ہی حربے استعمال کرتی ہے۔ روبیر میں یہ تبدیلی مجھ سے پچھڑنے اور یقیناً شامین کا اصل روپ دیکھنے کے بعد آئی تھی۔ مگر مجھ میں اس کے حوالے سے کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی۔ وہ میرے لیے پہلے کی طرح ایک ساتھی تھی۔ بات کہیں اور نکل گئی۔ میں کھڑکی کے باہر دیکھ رہا تھا جہاں نچلے درجے کے پجاریوں کے لباس میں دو افراد اس جگہ پھیلے خون کی صفائی کر رہے تھے جہاں کچھ دیر پہلے عورت کی لاش پڑی تھی۔ لاش غائب تھی۔ میں پُر تشویش ہو گیا۔ اگر یہ باہر آئے تھے تو یقیناً احوال جاننے کے لیے وہ یہاں بھی آتے کہ عورت باہر کیسے نکلی۔ میں نے روبیر سے کہا۔

”ایماں کو بلاؤ۔“

وہ گئی اور اسے بلا لائی۔ میں نے روبیر کی مدد سے اسے سمجھایا کہ اسے کیا کرنا ہے۔ اس نے سر ہلایا اور روانہ ہو گیا۔ کچھ دیر بعد وہ ایک نگران اعلیٰ کو قید سے نکال لایا۔ ایماں نے اسے سمجھایا کہ اسے کیا کرنا ہے اگر وہ زندہ اور سلامت رہنا چاہتا ہے تو۔

اس نے یقین دلایا کہ وہ بالکل زندہ رہنا چاہتا ہے۔ کھڑکی سے نگرانی کرتے ہوئے میں ٹرے کے پھلوں اور رس سے بھی انصاف کرتا رہا تھا اور جب ایک پجاری نے اس طرف کا رخ کیا تو میں اور روبیر واش روم کی

طرف آئے۔ نگران اعلیٰ اور ایماں جس نے اب نگران کی وردی پہن لی تھی داخلی دروازے کے پاس تھے۔ مارٹ دفتر میں تھا اور پوری طرح چوکس تھا۔ میں اور روبیر بھی کسی ہنگامی صورت حال میں حرکت میں آنے کو تیار تھے۔ آنے والا ایک عام سا اور کسی قدر موٹی تو ند والا پجاری تھا۔ میں نے یہاں سب سے بے ہنگم جسم والے افراد پجاریوں میں دیکھے تھے۔ کیونکہ وہ عیش و آرام کی زندگی بسر کرتے تھے اور شاید چلتے پھرتے بھی بادل نا خواستہ تھے۔ شاہی خاندان کے بعد وہ واحد طبقہ تھا جو بیل گاڑیوں پر سفر کرتا تھا ورنہ یہاں پیدل چلنے کا رواج تھا۔ اس نے اندر آتے ہی ایماں سے کرخت لہجے میں رات کے نگران اعلیٰ کے بارے میں پوچھا۔ ”وہ اندر ہیں جناب۔“

ایماں نے کہا تو پجاری اس کی طرف توجہ دیئے بغیر کمرے میں پہنچا اور نگران اعلیٰ پر گرجنا برسناء شروع کر دیا کہ وہ کیسے نگرانی کر رہا ہے۔ ایک قیدی عورت یہاں سے نکل کر باہر گئی اور معبد کے باہر ماری گئی۔ نگران اعلیٰ نے فوری ایماں کو طلب کیا اور اس کمرے کا رخ کیا جہاں روبیر قید تھی۔ اس کی کھڑکی کھلی ہوئی تھی۔ نگران اعلیٰ نے صفائی پیش کی کہ وہ سخت نگرانی والی قیدی نہیں تھی اس لیے اسے نیچے رکھا گیا اور وہ کھڑکی سے نکل گئی۔ پجاری نے آئی زور کا حکم گوش گزار کیا کہ اب نجلی منزل میں کوئی قیدی نہیں رکھا جائے گا سب کو اوپر منتقل کر دیا جائے۔ شکر ہے اس نے شک نہیں کیا اور نگران اعلیٰ کی سنائی اسٹوری آسانی سے تسلیم کر لی حالانکہ اس نے بہت بھونڈی اداکاری کی تھی۔ مگر لگ رہا تھا کہ پجاری کے سر پر نیند یا کچھ اور سوار تھا اور وہ بہت عجلت میں دورہ کر کے واپس روانہ ہو گیا۔ واش روم کے پاس سے جاتے ہوئے وہ میرے اتنے پاس سے گزرا کہ میں ہاتھ بڑھا کر اسے چھو سکتا تھا۔ اس کے پاس سے وہ مخصوص بو آرہی تھی جو یہاں شراب سے آتی تھی۔ وہ یقیناً پیئے ہوئے تھا۔ اس کے جانے کے بعد ہم نے سکون کا سانس لیا اور روبیر بولی۔

”شکر ہے یہ دفع ہوا۔“

میں نے روبیر سے کہا۔ ”کیا خیال ہے باہر کا ایک چکر نہ لگایا جائے۔“

وہ خوش ہو گئی۔ ”میں بھی باہر جانا چاہتی ہوں قید میں رہ کر میں گھٹ گئی ہوں۔“

ہم اسی کمرے کی کھڑکی سے باہر آئے جہاں روبیر قید تھی۔ اس نے ایک چادر لے لی تھی جو گہرے سرمئی رنگ کی تھی اور اس میں اس کا سفید لباس چھپ گیا تھا۔ ورنہ ہلکی تاریکی میں یہ بہت نمایاں ہوتا۔ مگر گہرے رنگ کی چادر میں اس کا رخ روشن بھی بہت نمایاں ہو رہا تھا۔ میں نے کہا کہ وہ چادر کا کچھ حصہ چہرے پر بھی کر لے۔ اس نے ایسا ہی کیا۔ میں معبد کے عقبی حصے کا معائنہ کرنا چاہتا تھا۔ میرے جسم پر بدستور خاص سپاہیوں والی سرمئی وردی تھی جو نیم تاریکی میں گھل مل جاتی تھی۔ ہم عقبی باغ سے ہوتے ہوئے دیوار تک آئے۔ میں نے روبیر کو وہ جگہ دکھائی جہاں سے ہم آئے تھے اور اس سے پہلے ہارن نے مجھے مار ڈالنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی پھر زہریلے کانٹوں والے پرندے بھی نکل آئے تھے اور بس زندگی تھی جو بیچ کر میں فصیل کے اس طرف آیا۔ روبیر اگرچہ میرے ساتھ بہت سے مشکل مواقعوں سے گزر چکی تھی مگر یہ سب اس کے لیے بھی حیران کن تھا۔ اس نے میرا ہاتھ تھام لیا۔

”آپ اتنی مشکلوں سے گزر رہے اور میں سمجھ رہی تھی کہ میں ہی مشکل میں ہوں۔“

”ہم سب مشکل میں ہیں جب تک ان لوگوں پر قابو نہیں پالیتے۔“ میں نے معبد کی طرف اشارہ کیا۔ ”تم

سوچ بھی نہیں سکتی ہو کہ وادی کے لوگ اس وقت کتنے نگین خطرے سے دوچار ہیں۔“
 ”ڈیوڈ شاہیاں کیوں آیا ہے؟“

”میں نے بتایا نہ کہ وہ باہر سے اپنے ساتھیوں کو بلوانا چاہتا ہے۔ وہ اڑنے والی مشین میں بیٹھ کر براہ راست یہاں پہنچ جائیں گے۔ معبد کا پچھلا حصہ اتنا بڑا ہے کہ وہ مشین آرام سے یہاں اتر سکتی ہے۔ اس میں بیک وقت کئی افراد آ سکتے ہیں۔“

”ویسی ہی اڑنے والی مشین جو میرے باپ نے بچپن میں دیکھی تھی جب وادی والے ایک تھے؟“ روبیر نے کہا اس کا اشارہ یقیناً ولیم شاہ اور راجا عمر دراز کے طیارے کی طرف تھا جو انجن بند ہونے سے اتفاقاً اس وادی میں آیا تھا اور انہوں نے اس وادی کو دیکھ لیا تھا اسی طرح وادی کے لوگوں نے بھی اس پر اسرار ہوائی چیز کو دیکھا ہو گا۔ میں نے سر ہلایا۔

”بالکل وہی مشین، پھر اس مشین میں آنے والے چار افراد دوسرے طریقے سے وادی میں اترے تھے اور ان میں سے ایک میرا دوست راجا عمر دراز بھی ہے وہ اس بار بھی آیا ہے۔“
 ”یہ ڈیوڈ شاہ پہلے بھی آیا تھا؟“

”نہیں پہلے آنے والا اس کا باپ ولیم شاہ تھا۔ وہ مر چکا ہے۔ اس کی جگہ ڈیوڈ شاہ نے لی ہے۔“
 گفتگو کے دوران ہم چلتے ہوئے معبد کے عقبی سمت آنکے تھے مگر اب بھی ہم دیوار کے ساتھ تھے۔ یہاں تاریکی تھی اور کوئی مشعل بھی روشن نہیں تھی۔ مگر سامنے باغ میں جلنے والی مشعلوں کی روشنی کسی قدر یہاں بھی پہنچ رہی تھی۔ میں نے میدان کی طرف اشارہ کیا۔ ”اڑنے والی مشینیں یہاں اتریں گی اور رات میں اترنے کے لیے یہاں روشنیاں لگائی گئی ہیں۔“

”کیسی روشنیاں؟“ اس نے حیرت سے کہا۔ ”یہاں تو کچھ بھی نہیں ہے۔“

”وہ آگ والی روشنی نہیں ہیں بلکہ دوسری طرح کی روشنیاں ہیں۔ انہیں یہاں قطار میں لگا دیا گیا ہے اور جب یہ جلیں گی تو گھپ اندھیرے میں بھی اڑنے والی مشین آرام سے یہاں اتر جائے گی۔“
 روبیر متحسّس ہو گئی تھی اس نے کہا۔ ”کیا ہم پاس جا کر دیکھیں؟“

میں بھی سوچ رہا تھا اور کسی قدر ہچکچا رہا تھا۔ اس کا امکان تھا کہ یہاں نگرانی کا نظام نہ ہو لیکن وہ ہو بھی سکتا تھا۔ کسی قدر سوچ بچار کے بعد میں نے خطرہ مول لینے کا فیصلہ کیا۔ میدان جنگ میں ضرورت سے زیادہ احتیاط بھی بعض اوقات شکست کا سبب بن جاتی ہے۔ میں نے روبیر سے کہا۔ ”تم یہیں رکو۔“

”میں آپ کے ساتھ چلوں گی۔“ اس نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔ اس کا انداز بتا رہا تھا کہ وہ بہر صورت میرے ساتھ چلے گی۔ اگر اس کی جگہ ربیک یا کوئی اور مرد ہوتا تو میرا ایک بار کہنا کافی ہوتا مگر وہ اپنے عورت ہونے اور حسین عورت ہونے کا فائدہ اٹھا رہی تھی جسے یقین تھا کہ اس کے ناز و نخرے اٹھائیں جائیں گے۔ اس کی ضد مانی جائے گی۔ میں نے گہری سانس لی۔

”چلو لیکن میرے ساتھ رہو گی اور میری مرضی کے بغیر کوئی قدم نہیں اٹھاؤ گی۔“

”یہی تو میں چاہتی ہوں۔“ اس نے شوخی سے کہا۔ ”ہمیشہ آپ کے ساتھ رہنا اور آپ کی مرضی سے سب کرنا۔“

میں نے اس کا جملہ نظر انداز کر کے آگے قدم بڑھایا۔ میں دیوار کے ساتھ ساتھ آگے بڑھا تھا۔ دور سے دیکھنے پر میرا اندازہ تھا کہ احاطہ پانچ سو گز طویل ہے مگر عملی طور پر اس کے اندر آنے کے بعد مجھے پتا چلا کہ یہ چھ یا ساڑھے چھ سو گز طویل ہے اور اس پر کوئی چھوٹا طیارہ جو چھ یا آٹھ نشستوں والا ہو با آسانی اتر سکتا ہے اور پرواز بھی کر سکتا ہے۔ یہاں اتنی جگہ تھی کہ درجن بھر طیارے اتر کر آرام سے پارک ہو سکتے تھے۔ میرے حساب سے ڈیوڈ شکم سے کم اتنے طیارے تو منگواتا۔ اتنے بڑے طیارے مکمل ایندھن کے ساتھ تین سو میل کے دائرے، میں کہیں سے بھی نہ صرف یہاں آ سکتے تھے بلکہ واپس بھی جاسکتے تھے۔ پریشراٹز ڈیکن والے طیارے بیس ہزار فٹ کی بلندی پر بھی پرواز کر سکتے تھے۔ اس وادی تک آنے کے لیے طیاروں کو اتنی بلندی پر اڑنا پڑتا۔ جن طیاروں کے کیبن پریشراٹز ڈیکن ہوتے وہ عام طور سے دس ہزار فٹ کی بلندی سے اوپر نہیں جاتے ہیں۔ ان کا فلائٹ لیول تین چار ہزار فٹ ہوتا ہے۔

کرنل جونز کی پارٹی انڈیا میں موجود تھی اور اگر نہیں بھی تھی تو چوبیس گھنٹے کے نوٹس پر وہ دنیا کے کسی بھی حصے سے وہاں پہنچ سکتی تھی اس کے بعد یہاں آنا ان کے لیے کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ یہ یونیورسل سولجر قسم کے اعلیٰ تربیت یافتہ کرائے کے سپاہی تھے جن کا کام ہی قتل و غارت گری تھا۔ وہ ڈیوڈ شکا کے مقاصد کے لیے نہایت موزوں تھے۔ ان سب امکانات کے بارے میں سوچتے ہوئے میری فکر بڑھ گئی تھی اور میں نے محسوس کیا کہ میں نے ڈیوڈ شکا کے عزائم کا درست اندازہ نہیں لگایا تھا میں نے اسے بہت سطحی لیا تھا اور وہ اصل میں کہیں زیادہ بڑے تھے اور وہ اس وادی کے لوگوں کے لیے بھیا تک عزائم رکھتا تھا۔ پہلے میرا خیال تھا کہ وہ وادی تک رسائی حاصل کر کے یہاں کے عجائبات سے فائدہ اٹھانا چاہتا ہے جیسے وہ معجزہ اثر پتھر جو گہرے سے گہرے ذم بھر کر انسان کو حیرت انگیز قوت مدافعت دیتا ہے۔ اس طرح یہاں اور بھی چیزیں تھیں۔

ڈیوڈ شاکس صرف انہیں حاصل کرنا نہیں چاہتا تھا بلکہ وہ ان پر مکمل قبضہ چاہتا تھا۔ اس کے لیے وہ وادی پر اپنا جنگی و سیاسی تسلط قائم کرنا چاہتا تھا۔ اس کے لیے مشکل نہیں تھا کہ وہ طاقت کے بل بوتے پر یہاں کے لوگوں کو اپنا مطیع بنا کر ان پر کوئی پٹھو حکمران مسلط کر دے اور اس کی مدد سے اپنے مذموم عزائم کی تکمیل کرے۔ اس کے آباو اجداد نے ایسی ہی پالیسیوں سے دنیا کے بہت بڑے حصے کو اپنا غلام بنالیا تھا اور ایک وقت تھا کہ سلطنت برطانیہ پر سورج غروب نہیں ہوتا تھا۔ اگر وہ ان میں کامیاب ہو جاتا تو یہ نہ صرف بد نصیبی ہوتی بلکہ میں اور میرے ساتھی شدید خطرے سے دوچار ہو جاتے تھے۔ ڈیوڈ شاکم میں سے کسی کو نہیں بخشتا۔ راجا عمر دراز اور اوشا جونی الحال برف والے کے پاس تھی وہ دونوں بھی محفوظ نہ رہتے۔ ان سب کو بچانے کے لیے ڈیوڈ شکا کے عزائم کو ناکام بنانا ضروری تھا۔ اسے قابو کرنا ابھی محال تھا کیونکہ وہ معبد کے محفوظ قلعے میں گھس کر بیٹھا ہوا تھا اور اس نے وہاں کی حفاظت کا یقینی بندوبست کر رکھا تھا۔

مفروضہ ایک درجن طیاروں میں استراستی تربیت یافتہ جنگجو اور جدید ترین بھاری اسلحہ آسکتا تھا۔ ڈیوڈ شکا معبد میں بیٹھ کر اسی کمک کا انتظار کر رہا تھا۔ کمک آنے کے بعد وہ حرکت میں آتا اور پہلے معبد پر اپنا قبضہ مستحکم کرتا اور اس کے بعد وہ آرگون کی طرف جاتا۔ جدید ترین آتشیں اسلحے اور اس سے زیادہ سفاکی اور بے رحمی سے لیس ڈیوڈ شکا کے آدمیوں کے لیے ہزاروں مقامی جنگجوؤں سے نمٹنا کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ وہ قتل عام کر سکتے تھے۔ بلکہ ایسا

ہی کرتے۔ وہ اپنی طاقت اور دہشت بٹھانے کے لیے ایک بڑا قتل عام ضرور کرتے۔ وہ لڑنے والوں کو مار دیتے تو عام افراد از خود ان کی اطاعت قبول کر لیتے۔ چھوٹے پیمانے پر اس کا تجربہ وہ معبد میں کر چکا تھا جب اس نے سپاہیوں کا قتل عام کرایا اور پجاریوں سمیت باقی افراد اب اس کے اطاعت قبول کر چکے تھے۔

”کیا سوچ رہے ہیں۔“ روبیر نے مجھے ہلایا۔ میں چونکا۔ خاصی دیر سے میں ایک ہی جگہ ساکت کھڑا ہوا تھا اور خیالات ذہن میں منڈلا رہے تھے۔ ابھی ہم معبد سے کچھ دور تھے۔ میں نے سر جھٹکا۔ ”کچھ نہیں۔“

”تو رک کیوں گئے؟“ اس نے پیچھے سے مجھ سے لگتے ہوئے کہا تو مجھے آگے بڑھنا ہی پڑا تھا۔

”میں سوچ رہا تھا کہ ڈیوڈ شا کو کیسے ناکام بناؤں؟“

”آپ سوچ لیں گے۔“ اس نے یقین سے کہا۔ ”میں نے دیکھا ہے آپ جس کام کے پیچھے پڑ جائیں

اسے کر کے رہتے ہیں۔ آپ کے دشمن ناکام رہیں گے۔“

”ان شاء اللہ۔“ میں نے کہا۔ اب ہم معبد کے عقبی حصے کے کنارے تک آ گئے تھے لیکن وسط سے خاصا دور تھے۔ مجھے حیرت تھی کہ یہ دیوبہکل عمارت کیسے بنائی گئی ہوگی اور اس کی تعمیر میں کتنے سال لگے ہوں گے۔ مصر کے لوگ فولاد سے ناواقف تھے اور ان کے پاس کانسی جیسی ہلکی اور کمزور دھات تھی جس کی مدد سے انہوں نے اہرام مصر کے لیے پتھر تراشے۔ مگر ان لوگوں کے پاس تو کانسی بھی نہیں تھی پھر انہوں نے اس معبد کے لیے پتھر کیسے تراشے تھے۔ اگر صرف گھسائی سے یہ کام کیا تھا تو یہ اتنا ہی مشکل کام تھا۔ جتنا ایک بچہ کا پتھر جمع کر کے کوئی عظیم الشان ڈیم تیار کر لینا۔ اب ہم معبد کے وسطی حصے کے بالکل سامنے تھے۔ یہاں کوئی دو سو گز چوڑا میدان تھا اور اسی میدان میں کرل جونز نے رن وے والی لائنیں لگائی تھیں۔ میں ان لائنوں کو دیکھنا چاہتا تھا اور اس میں خطرہ تھا۔ میں نے روبیر سے کہا۔ ”تم یہیں رکو میں ابھی آتا ہوں۔“

اس نے سہمہ انداز میں پوچھا۔ ”کہاں جا رہے ہیں؟“

”سامنے تک، تم دیوار کے ساتھ لگ کر رہو اور جب تک میں نہ کہوں یہاں سے حرکت مت کرنا۔“

روبر بادل نا خواستہ وہیں رکی رہی اور میں جھک کر میدان کی طرف بڑھا۔ یہاں روشنی بہت کم تھی اور زمین پر کچھ نظر نہیں آ رہا تھا اس لیے مجھے جھک کر اور غور سے دیکھتے ہوئے چلنا پڑ رہا تھا کہ بے خیالی میں میرا پاؤں کسی لائن پر نہ آ جائے۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ کوئی لائن اپنی جگہ سے ہلکی ہوئی پائی جائے اور یہ لوگ چونکا ہو جائیں۔ جب میں اس جگہ کے نزدیک آیا جہاں میرے خیال میں لائنیں ہونی چاہیے تھیں تو میں بچوں کے بل بیٹھ گیا اور اسی طرح زمین ٹٹول کر آگے جانے لگا مگر لائن مجھے ویسے ہی نظر آ گئی۔ اس کا شیشہ چمکا تو میں نے اسے پہلے ٹٹولا کہ یہ زمین میں نصب تو نہیں ہے مگر وہ صرف رکھی ہوئی تھی۔ اس کے ساتھ کوئی تار یا کوئی اور چیز بھی منسلک نہیں تھی۔ ورنہ مجھے خوف تھا کہ کوئی ایسی چیز نہ ہو کہ میں اسے اٹھاؤں اور الارم بج جائے۔ اگرچہ جب کرل جونز اسے لگا رہا تھا تو وہ صرف انہیں زمین پر رکھ رہا تھا اس نے کوئی تار یا کوئی اور چیز منسلک نہیں کی تھی۔

میں نے اسے اٹھا کر دیکھا۔ یہ تقریباً تین انچ قطر کی اور ایک ایک انچ موٹی سیاہ رنگ کی گول ڈسک تھی جو نیچے سے پلاسٹک اور اوپر سے شفاف شیشے جیسی پلاسٹک کی تھی اور اس کے اندر ایل ای ڈیر تھیں جو سرخ رنگ میں جلتی تھیں۔ اس کا وزن پچاس گرام سے زیادہ نہیں تھا۔ مجھے یاد ہے کرل تقریباً ہر دس نزل کے بعد انہیں زمین پر رکھ

رہا تھا۔ چار سو گز کی لمبائی میں اس نے چالیس چالیس ڈسک رکھی ہوں گی۔ پھر چوڑائی میں دونوں طرف دس دس ڈسک رکھی تھیں۔ گویا اس نے ایسی سو سے زیادہ ڈسک یہاں رکھی تھیں۔ ان کی روشنی سے چھوٹے طیاروں کے لیے بہترین قسم کا نائٹ رن وے بن گیا تھا۔ مجھے خیال آیا کہ موقع ہے میں انہیں لے جا کر ضائع کر دوں۔

مگر پھر یہ خیال مسترد کر دیا کیونکہ اس کا بھی امکان تھا کہ ان کے پاس ایسی مزید لائٹ ڈسک ہوں اور وہ دوسری بار مکمل حفاظتی انتظامات کے ساتھ انہیں یہاں لگائیں۔ کرنل نے انہیں سورج غروب ہوتے ہی لگا دیا تھا اس لیے پہلے میرا خیال تھا کہ طیارے آج رات ہی آئیں گے۔ مگر طیارے اب تک نہیں آئے تھے اور میرا اندازہ تھا کہ صبح ہونے میں کچھ ہی وقت باقی رہ گیا تھا۔ شاید پانچ بجے تھے اور یہاں روشنی سات بجے کے آس پاس ہو رہی تھی۔ اب زیادہ وقت نہیں رہا تھا۔ اصولاً تو طیاروں کو پہلے پہر یا زیادہ سے زیادہ دوسرے پہر آ جانا چاہیے تھا۔ اگر صبح نزدیک تھی اور وقت اب بھی تھا لیکن اطمینان سے لینڈنگ کا وقت نہیں تھا۔ پہاڑوں کے اوپر پو پھنے کا عمل شروع ہو گیا ہوگا وادی کے کناروں سے دھند اترنا شروع ہو گئی ہوگی۔

رات کے وقت طیاروں کی آمد میں یہی رمز ہو سکتا تھا کہ رات کے وقت آسمان صاف ہوتا ہے اور نیچے دھند نہیں ہوتی ہے۔ طیاروں کو تقریباً چودہ ہزار فٹ کی گہرائی میں اندھے کنویں میں اترنا پڑتا اور یہ بہت بڑا رسک ہوتا۔ باوجود اس کے کہ وادی کا قطر تقریباً تیس میل تھا۔ اگر چھوٹے طیارے جو سو میل فی گھنٹے کی رفتار سے نیچے اتر رہے ہوں تو ان کے لیے معمولی سی غلطی بھی حادثے کا سبب بن جاتی اور پھر کئی طیارے ہوتے تو ان کا آپس میں ٹکرانے کا امکان بھی ہوتا۔ اس لیے رات کے وقت اترنا ہی مناسب تھا۔ جب طیارے اپنی لائٹس کی روشنی میں وادی کی دیواروں کو اور ایک دوسرے کو دیکھ سکتے تھے۔

اگر طیارے آج نہ آتے تو مجھے ایک دن کی مہلت اور مل سکتی تھی۔ میں نے ڈسک واپس رکھتے ہوئے دعا کی کہ ایسا ہی ہو مگر ساتھ ہی میں عمل کے لیے بھی تیار تھا۔ میں واپس آیا اور روبیر کے ساتھ واپس عمارت کا رخ کیا۔ میں نے احتیاطاً کھڑکی بھیڑ دی تھی مگر جب ہم واپس آئے تو وہ کھلی ہوئی تھی۔ میں ٹھٹکا اور آس پاس دیکھا۔ مجھے خدشہ ہوا کہ کوئی قیدی یہاں سے نکل تو نہیں گیا ہے۔ میں اندر آیا تو ربیک اور ایرٹ بھی جاگ گئے تھے۔ مگر ایرٹ وہاں نہیں تھا۔ میں نے ربیک سے کھڑکی کا پوچھا اور اس نے لاعلمی ظاہر کی تو اسے تمام قیدیوں کو چیک کرنے کو کہا۔ اس کے ساتھ ہی حکم دیا۔ ”سب تیار ہو جائیں۔“

ربیک چونکا۔ ”کوئی خطرہ ہے؟“

”نہیں لیکن ہو سکتا ہے۔“ میں نے باہر کا رخ کرتے ہوئے کہا۔ راہداری میں آتے ہی مجھے اسی کمرے

سے ایرٹ نکلتا دکھائی دیا۔ مجھے دیکھ کر وہ ٹھٹکا اور پھر جیسے جھینپ گیا۔ میں نے پوچھا۔ ”تم کہاں تھے؟“

”میں کمرے میں دیکھنے گیا تھا کہ آپ لوگ آئے یا نہیں۔“ اس نے جھوٹ کہا۔ اسے جھوٹ بولنا نہیں آتا

تھا اس لیے لہجہ صاف چغلی کھا رہا تھا۔ وہ کمرے میں نہیں بلکہ میرے اور روبیر کے پیچھے گیا تھا اور چھپ کر دیکھ رہا

تھا۔ ہماری واپسی اتنی تیزی سے ہوئی کہ اسے اندر آنے کا موقع نہیں ملا تھا اور وہ ہمارے پیچھے آتے ہوئے بے

خیالی میں کھڑکی کھلی چھوڑ آیا تھا۔ میں گہری سانس لے کر رہ گیا۔ وہ روبیر کے پیچھے تھا اور روبیر میرے پیچھے تھی۔

میں کسی کے پیچھے نہیں تھا مگر ایک بلا وجہ کی تکلون میں پھنسا ہوا تھا۔ میں نے اس کی بات تسلیم کی اور اسے بھی تیار

ہونے کو کہا۔ میرا ارادہ تھا کہ ریک اور ایرٹ کو ساتھ لے کے جاؤں گا۔ ایماں اور مارٹ یہیں رہیں گے۔ میں فی الحال پجاریوں اور فوجی افسران پر پورا اعتبار نہیں کر سکتا تھا۔ ریک چپک کر کے آیا اور اس نے مجھے بتایا کہ قیدی پورے ہیں۔ مجھے معلوم ہو گیا تھا کہ کھڑکی کس طرح کھلی رہ گئی تھی۔ اس لیے میں نے لا پرواہی سے کہا۔

”شاید میں ہی کھلی چھوڑ گیا ہوں گا۔“

ایماں اور مارٹ کو پتا چلا تو انہوں نے بھی ساتھ چلنے کو کہا میں نے انکار کیا۔ ”یہاں کسی کارہنہ ضروری ہے۔“

”مارٹ اور روہیرہ سکتے ہیں۔“ ایماں نے جلدی سے کہا۔

”میں کیوں تم بھی رہ سکتے ہو۔“ مارٹ نے کہا لیکن مجھے ایماں کی تجویز اچھی لگی تھی۔ روہیرہ کا لباس سفید تھا۔ وہ کسی عملی صورت حال میں چادر اوڑھ کر نہیں بیٹھ سکتی تھی۔ اس لیے میں نے ایماں کو لے جانا مناسب سمجھا۔ لہجہ میں نے ایسا رکھا کہ اس کے بعد کسی نے اعتراض کی جرأت نہیں کی۔ ہم پوری طرح تیار ہو کر کھڑکی سے باہر نکلے۔ قتل ہونے والے نگران کی لاش کچھ ہی دور زمین میں گڑھا کھود کی دفنا دی گئی تھی۔ زمین کھدی ہوئی صاف نظر آرہی تھی پہلے اس جگہ گھاس تھی۔ یہ ان فوجی افسران کی غلطی تھی انہیں لاش ایسی جگہ دفنانی چاہیے تھی جہاں پہلے سے زمین خالی ہو۔ یہاں تو صاف پتا چل رہا تھا۔ میں نے ریک سے کہا۔ ”واپس آنے کے بعد اس پر کچھ گھاس وغیرہ لگا دینا تاکہ تازہ کھدی ہوئی نہ لگے۔“

ریک نے سر ہلایا اور پوچھا۔ ”خطرہ کیا ہے جناب؟“

”میں نے بتایا تھا کہ ڈیوڈ شاہر سے مکمل منگوار ہا ہے۔ شاید وہ مکمل ابھی آجائے اور ہمیں اس سے نمٹنے کے لیے تیار رہنا چاہیے۔“

اگرچہ یہ تو میرے ذہن میں بھی واضح نہیں تھا کہ ابھی طیارے آگئے تو میں ان کو روکنے کے لیے کیا کر سکوں گا۔ مجھے سوچنے کے لیے مہلت درکار تھی اس لیے میں چاہ رہا تھا کہ طیارے آج نہ آئیں۔ لیکن میرے چاہنے سے سب کچھ نہیں ہوتا اگر طیارے آجاتے تو انہیں لینڈنگ سے روکنے کے لیے مجھ سے جو ہوتا میں کر گزرتا۔ اسی سوچ کے ساتھ میں باغ کے عقبی حصے تک آیا اور ہم نے یہاں درختوں کے پیچھے مورچے لگا لیے تھے۔ یہ تو لازمی تھا کہ طیاروں کی آمد سے پہلے ڈیوڈ شاہینڈ پارٹی باہر آتی۔ طیارے ان کی مدد کے بغیر لینڈ نہیں کر سکتے تھے۔ اس صورت میں ہمارا نشانہ وہ ہوتے۔ مجھے اپنے ساتھیوں کے حوصلے اور بہادری پر ذرا بھی شک نہیں تھا۔ گزشتہ چوبیس گھنٹے میں انہوں نے جس طرح سے دشمن کو زیر کیا تھا اور میرا ساتھ دیا تھا وہ صرف بے خوف لوگوں کا کام ہی ہو سکتا تھا مگر دوسری طرح ڈیوڈ شاہ اور اس کے ساتھی جدید ترین اسلحے سے لیس تھے۔

منطقی لحاظ سے دیکھا جائے تو ہمارا ان سے کوئی مقابلہ نہیں تھا۔ دوسری طرف یہ بھی آفاقی حقیقت ہے کہ اگر صرف منطق کو مد نظر رکھا جاتا تو نوے فیصد جنگیں سرے سے نہ ہوتیں۔ کیونکہ متحارب فوجوں میں توازن نہیں تھا۔ میں نے مارٹ سے کہا تھا کہ کسی غیر معمولی صورت حال میں ہمیں متوجہ کرنے کے لیے کھڑکی سے مشعل کی مدد سے اشارہ کرے۔ ریک کی ڈیوٹی تھی کہ وہ عمارت کے عقبی حصے پر بھی نظر رکھے اور اگر کوئی اشارہ نظر آئے تو مجھے خبردار کرے۔ ہمیں باغ میں آئے ہوئے نصف گھنٹا میں ہوا تھا اور اوپر آسمان پر ستارے غائب ہو گئے تھے۔ وادی کے اوپری حصے میں دھند چھانا شروع ہو گئی تھی اور مشکل سے نصف گھنٹے میں یہ دھند نیچے تک پہنچ جاتی۔

اچانک ربیک نے کہا۔ ”جناب عمارت کی طرف سے اشارہ مل رہا ہے۔“
میں نے دیکھا کہ کھڑکی سے مشعل نکلی ہوئی تھی اور وہ لہرا رہی تھی۔ میں نے ان سب کو اسی جگہ رکنے کو کہا
اور خود تیزی سے عمارت تک آیا۔ اشارہ کرنے والی رو بیر تھی اور خاصی بے تاب تھی۔ اس نے مجھے دیکھتے ہی کہا۔
”سامنے والے حصے میں کچھ لوگ باہر آئے ہیں۔“

میں کھڑکی سے اندر گھسا اور رو بیر کے ساتھ اوپری منزل کے ایک کمرے میں آیا جس کی کھڑکی عین وسطی
باغ اور معبد کے سامنے کھل رہی تھی۔ دفتر کی کھڑکی کے بجائے اب اسے آبزرویشن پوسٹ بنالیا تھا۔ میں نے
دیکھا کہ پجاریوں کے لباس میں کوئی ایک درجن افراد باہر آئے تھے ان کے ساتھ ایک درجن ہی عورتیں یا
لڑکیاں تھیں۔ پجاری ترتیب سے اپنا منہ اہرام کی طرف کر کے کھڑے ہو گئے اور خادما میں ان کے پیچھے تھیں۔
میں نے مارٹ اور رو بیر سے پوچھا۔ ”یہ کیا کر رہے ہیں؟“

مگر وہ دونوں ہی ناواقف تھے۔ بہر حال پجاریوں کے انداز سے لگ رہا تھا کہ وہ کوئی مذہبی رسم ادا کر
رہے ہیں جو شاید اسی وقت ادا کی جاتی ہوگی۔ کیونکہ وہ اس وقت تک ساکت کھڑے رہے جب تک دن کی روشنی
نمودار نہیں ہونے لگی تھی۔ صبح کے تقریباً چھ بجے تھے۔ وادی کے اوپر ہمالیہ پر سورج نکل آیا ہوگا مگر یہاں صرف
ہلکی سی روشنی ہوئی تھی۔ اس کے ساتھ ہی باغ میں موجود مشعلیں بجھائی جانے لگیں۔ یہ کام خادما میں کر رہی
تھیں۔ وہ قافلے کی صورت میں چلتی ہوئی ایک مشعل تک جاتیں اور اسے بجھا کر دوسری مشعل کی طرف جاتی
تھیں۔ وہاں جلنے والی مشعلوں کی تعداد سو کے لگ بھگ تھی اور ان سب کو بجھانے میں شاید آدھے گھنٹے سے زیادہ
وقت لگتا۔ پجاری اندر جا چکے تھے۔ ان میں سب سے آگے ایک عمر رسیدہ اور کسی قدر دبلا سا آدمی تھا۔ شاید وہی
آئی زور تھا۔ رو بیر نے بھی اسے نہیں دیکھا تھا البتہ اس نے تصدیق کی کہ ان میں شامین نہیں تھا۔ میں نے دیکھا
کہ خادماؤں نے بالکل سفید رنگ کا حریری سالباہ پہنا ہوا تھا۔ جوان کے جسم کے تناسب پر یوں ڈھلک رہا تھا
کہ اگر جسم چھپا رہا تھا تو ساتھ ہی جسمانی ساخت نمایاں بھی کر رہا تھا۔ کمر سے یہ کسی قدر تنگ تھا اور پیروں کے
پاس آکر فراک کی طرح پھیل رہا تھا۔ میں غور کر رہا تھا کہ رو بیر نے بے چین ہو کر پوچھا۔

”اتنے غور سے کیا دیکھ رہے ہیں؟“

”میں سوچ رہا ہوں کہ ان خادماؤں نے جیسا لباس پہنا ہوا ہے کیا ایسا یہاں سے مل سکتا ہے۔“

مارٹ چونکا۔ ”بالکل مل سکتا ہے، لیکن اس کا کیا کریں گے؟“

میں نے رو بیر کی طرف دیکھا۔ ”اگر تمہیں ایسا سالباہ پہنا دیا جائے تو تم ان خادماؤں جیسی ہو جاؤ گی۔“

”ہاں۔“ اس نے نہ سمجھنے والے انداز میں کہا۔ ”کیا میں اس لباس میں زیادہ اچھی لگوں گی؟“

میں نے اصل افادیت واضح کی۔ ”اس طرح تم آزادی سے باہر گھوم سکو گی اور معبد میں بھی جاسکو گی۔“

اب رو بیر سمجھ گئی۔ اس نے سر ہلایا۔ ”ہاں ایسا ہو سکتا ہے۔ کیا آپ چاہتے ہیں کہ میں ایسا کروں؟“

”میں نہیں چاہتا کہ تمہیں خطرے میں بھیجوں لیکن ہمیں معبد کے اندر کے حالات کا علم ہونا چاہیے۔“ میں

نے ٹھہرے ہوئے انداز میں کہا۔ ”ہم سب ایک مقصد کے تحت یہاں ہیں اور اپنی مرضی سے ہیں۔“

رو بیر نے میری آنکھوں میں دیکھا۔ ”میری وہی مرضی ہوگی جو آپ کی ہے۔“

”اگر تم میری مرضی پوچھو گی تو میں کہوں گا کہ مت جاؤ۔ میں کسی ایسے فرد کو مشکل میں نہیں ڈال سکتا جسے میں اپنا سمجھتا ہوں۔“

”میں جاؤں گی۔“ روبیر نے فیصلہ کن لہجے میں کہا اور مارٹ کی طرف دیکھا۔ ”ایسا لباس کہاں ہے؟“

”یہاں ایک کمرے میں کپڑے ہیں۔“ مارٹ بولا۔

”مجھے دکھاؤ۔“ روبیر نے کہا تو میں نے اس کا بازو پکڑ لیا۔

”اتنی غلط مت کرو اچھی طرح سوچ لو۔“

”میں نے سوچ لیا ہے۔“ اس نے جواب دیا۔ ”وقت نہیں ہے کیونکہ خادما میں کچھ دیر میں اندر چلی جائیں گی۔ یہی وقت ہے کہ میں ان میں شامل ہو جاؤں۔“

میں ٹھنڈی سانس بھر کر رہ گیا۔ روبیر مارٹ کے ساتھ چلی گئی۔ باہر تقریباً نصف مشعلیں بجھا دی گئی تھیں اور باقی بجھانے کا عمل جاری تھا۔ نہ جانے کیوں خادما میں یہ کام الگ الگ ہو کر نہیں کر رہی تھیں۔ ان کی تعداد دو درجن کے لگ بھگ تھی اور الگ الگ وہ یہ کام مشکل سے تین منٹ میں کر سکتی تھیں مگر اس طرح باجماعت کام کرنے سے دیر لگ رہی تھی۔ شاید اس لیے کہ اس طرح جب تک وہ ساری مشعلیں بجھاتیں تو دن کی روشنی اتنی ضرور ہو جاتی کہ آس پاس صاف نظر آنے لگتا۔ اب اس کا امکان باقی نہیں رہا تھا کہ طیارے یہاں آئیں کیونکہ دھند تیز سے نیچے آرہی تھی۔ کسی حد تک اوپر کا منظر دھندلا گیا تھا۔ میں نے سوچا اور واپس آ کر کھڑکی سے ربیک کو واپسی کا اشارہ کیا۔ وہ سب چند منٹ میں اندر آ چکے تھے۔ میں نے انہیں روبیر کے جانے کے بارے میں بتایا تو ایرٹ فکر مند ہو گیا۔

”یہ ٹھیک نہیں ہو گا جناب اسے وہاں بہت سے لوگ جانتے ہیں۔ شامین بھی وہیں ہے۔“

”تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔“ میں نے کہا۔ ”لیکن ہمیں خطرہ تو مول لینا ہے۔“

”روبیر کو خطرہ مول لینے کی ضرورت نہیں ہے۔“ ایرٹ کا لہجہ کسی قدر تیز ہو گیا۔ ”اس کے لیے ہم ہیں نا۔“

ربیک نے اس کی طرف دیکھا۔ ”مگر جو کام روبیر کر سکتی ہے وہ میں یا تم نہیں کر سکتے۔“

”ہمیں معبد کے اندرونی حالات کا علم ہونا چاہیے۔“ میں نے کہا۔ ”ویسے میں نے روبیر کو خود فیصلہ

کرنے کو کہا ہے اور وہ رضا کارانہ طور پر جا رہی ہے۔“

”آپ کے چاہنے پر وہ آنکھ بند کر کے آگ میں بھی چھلانگ لگا دے گی۔“ ایرٹ نے اپنے ہونٹ

کاٹتے ہوئے کہا۔ ”آپ اسے روک سکتے ہیں۔“

”وہ فیصلہ کر چکی ہے اور میرا خیال کہ میں اسے حکم دوں تو وہ رک جائے گی۔“

”شہباز ٹھیک کہہ رہے ہیں۔“ روبیر نے سرے میں آتے ہوئے بولی۔ اس نے خادماؤں جیسا حریری لبادہ

پہن لیا تھا۔ یہ ریشم جیسا نرم اور ڈھلک جانے والا کپڑا تھا۔ اس لیے ڈھیلا ہونے کے باوجود اس میں روبیر کا جسم

نمایاں ہو رہا تھا۔ ”یہ ہماری جنگ ہے۔“

”لیکن.....“ ایرٹ نے کہنا چاہا۔

”لیکن ویکن کچھ نہیں۔“ روبیر بولی۔ ”میں فیصلہ کر چکی ہوں اور میں ضرور جاؤں گی۔“

”وہاں تمہارے لیے خطرہ ہے۔“ ایرٹ تیز لہجے میں بولا۔ ”اگر تمہیں پہچان لیا گیا تو.....“
 ”تو کچھ بھی نہیں۔“ رویر نے لا پرواہی سے کہا۔ ”وہ مجھے سزائے موت نہیں دیں گے۔ وہ سمجھیں گے کہ میں فرار ہو کر وہاں آئی ہوں۔ وہ مجھے دوبارہ یہاں پہنچا دیا جائے گا اور نگرانوں کو جھاڑ پڑے گی۔“
 ”یہ ٹھیک کہہ رہی ہے۔“

”یہ بھی تو ممکن ہے کہ اسے ہمارا جاسوس سمجھ کر اس پر تشدد کریں۔“ ایرٹ کی مزاحمت جاری تھی۔ میں نے محسوس کیا کہ اب میں نے فیصلہ نہیں کیا تو میری حیثیت اور ساکھ متاثر ہوگی۔ میں نے کہا۔
 ”ایرٹ تم جذباتی ہو رہے ہو، اس وقت صرف رویر نہیں ہم سب اور پوری وادی خطرے میں ہے۔ بچیں گے تو سب بچیں گے ورنہ سب مارے جائیں گے۔ ایسے موقع پر ہر فرد کو اپنا فرض ادا کرنا چاہیے۔ نہ کہ کسی دوسرے کو فرض ادا کرنے سے روکا جائے۔“

ایرٹ پھر ہونٹ کاٹنے لگا اور پھر سر جھکا کر کمرے سے چلا گیا۔ سب خاموش تھے اور یہ خاموشی بوجھل لگ رہی تھی۔ میں نے اسے توڑتے ہوئے رویر سے کہا۔ ”سامنے سے جانا مناسب نہیں ہوگا۔“
 ”میں پیچھے کھڑکی سے نکلوں گی۔“ اس نے کہا۔ مارٹ جو کھڑکی سے باہر جھانک رہا تھا اس نے کہا۔
 ”اب وہ اسی طرف آرہی ہیں۔“

خادماؤں نے باغ کی بیشتر مشعلیں بجھا دی تھیں اور اب اس عمارت کے سامنے اور کسی قدر دائیں طرف موجود مشعلیں باقی رہ گئی تھیں۔ میں رویر کے ساتھ تھا۔ ہم کھڑکی سے باہر آئے اور گھوم کر عمارت کے دائیں پہلو پہنچ گئے۔ یہاں فی الحال تاریکی تھی۔ ذرا آگے پھولدار پودوں کا ایک تختہ تھا۔ ہم جھکے ہوئے اس تک آئے اور اس کی آڑ میں بیٹھ گئے۔ یہاں سے روش کوئی دس قدم کے فاصلے پر تھی اور پندرہ یا بیس فٹ چوڑی روش کے پار باغ شروع ہو رہا تھا۔ رویر کو یہ بیس پچیس مشکل قدم طے کرنا تھے ایک بار وہ باغ میں داخل ہو جاتی تو پھر آسانی سے خادماؤں میں شامل ہو جاتی۔ وہ اس وقت عمارت کے سامنے سے مشعلیں بجھاتی اس طرف آرہی تھیں۔ مشکل سے دس بارہ مشعلیں رہ گئی تھیں۔ رویر جو میرے ساتھ ہی بیٹھی تھی۔ اچانک اس نے گھوم کر اپنی بائیں میرے گلے میں ڈال دیں۔ میں شاید اسے دھکیل دیتا مگر اس کی آنکھوں میں آنسوؤں نے مجھے روک دیا۔ وہ رو رہی تھی۔ پھر بھرائے لہجے میں بولی۔

”مجھے معلوم ہے مجھے کبھی آپ کی محبت نہیں ملے گی۔ آپ کبھی مجھے محبوبہ کا درجہ نہیں دیں گے۔ مگر مجھے آپ سے محبت ہے۔“

”رویر.....“ میں نے کہنا چاہا مگر اس نے میرے ہونٹوں پر اپنا نازک ہاتھ رکھ دیا۔
 ”کچھ مت کہیں کوئی وضاحت نہ دیں۔ میں سمجھتی ہوں۔ قصور وار آپ نہیں ہوں۔“ اس نے کہا اور حسرت سے مجھے دیکھا۔ ”شہباز آپ مجھے یاد رکھیں گے نا؟“
 ”میں کبھی تمہیں بھول نہیں سکوں گا۔“ میں نے کہا۔

”بس میں یہی چاہتی ہوں آپ سے۔“ اس نے کہا اور اس سے پہلے میں اسے روکتا یا کچھ کچھ کہتا وہ اچانک اٹھ کر سبک قدموں سے باغ کی طرف بڑھ گئی۔ اس نے ہوا کے جھونکے کی طرح روش پار کی اور میں

صرف دعا کر کے رہ گیا کہ اگر ڈیوڈ شا کا نگرانی کا نظام یہاں تک رسائی رکھتا بھی تھا تو اس وقت وہ اسے نہ دیکھ سکے۔ خادمائیں مشعلیں بجھاتی ہوئی اسی طرف آرہی تھیں۔ انہوں نے روبیر کو باغ میں داخل ہوتے نہیں دیکھا تھا۔ روبیر نے غلت کی تھی شاید وہ جذباتی ہو رہی تھی اور مزید میرے پاس نہیں رکننا چاہتی تھی۔ چند منٹ بعد خادماؤں نے آخری مشعل بھی بجھائی تو اس کے بعد وہ بکھر گئیں۔ یہ وقت روبیر کے لیے زیادہ موزوں تھا کہ وہ ان میں شامل ہو جاتی۔ بہر حال وہ جا چکی تھی۔ خادمائیں کچھ دیر باغ میں چہل قدمی اور آپس میں چہلیں کرتی رہیں روبیر کے اضافے کا انہیں پتا نہیں چلا تھا۔ ان میں کچھ ٹولیوں کی صورت میں تھیں اور کچھ الگ تھیں۔

ٹولیوں والی آپس ہنس بول رہی تھیں اور ان پر بظاہر حالات کا کوئی اثر نظر نہیں آ رہا تھا شاید اس لیے کہ ان کے آقا پجاری ہوں یا کوئی اور، انہیں بہر صورت ان کی خدمت کرنا تھی۔ پھر وہ اندر جانے لگیں اور ان کے درمیان روبیر کو دیکھ لینا مشکل تھا کیونکہ وہ سب ایک جیسے لباس میں ایک جیسی لگ رہی تھیں۔ پھر وہ سب سمٹ کر معبد کے داخلی دروازے کے اندر چلی گئیں۔ روبیر کے لیے یہ مناسب تھا کہ وہ ہجوم کے درمیان میں رہے۔ روشنی تیز ہو رہی تھی اور مناسب یہی تھا کہ میں اب اندر چلا جاؤں۔ ممکن ہے خادماؤں کے بعد یہاں کوئی اور نکل آئے۔ میں لیٹے لیٹے پیچھے سر کا اور عمارت کی آڑ میں آ کر اٹھا۔ کھڑکی سے اندر آیا۔ وہ سب اوپری کمرے میں تھے اور ان کے چہرے اداس تھے۔ خاص طور سے ایرٹ زیادہ اداس تھا۔ میں نے انہیں تسلی دی۔ ”رویر محفوظ رہے گی۔“

ربیک نے کہا۔ ”میں نے نائرس سے معلوم کیا ہے۔ شام کے وقت یہی خادمائیں مشعلیں جلائیں گی۔“

”تب تک روبیر اندر کے حالات جان لے گی اور اسی طرح واپس آ جائے گی۔“

یہ سن کر ایرٹ کے چہرے پر ذرا رونق آئی تھی۔ ایماں اور مارٹ آرام کرنے لگے گئے۔ فوجی افران بھی اب آرام کر رہے تھے اور ان کی جگہ پجاری نگرانی کا فرض انجام دے رہے تھے۔ میں نے ایرٹ اور ربیک کو روک لیا تھا۔ میں نے کہا۔ ”آنے والی رات فیصلہ کن ہے اور ہمیں رات سے پہلے ایک قابل عمل منصوبہ تیار کر لینا ہے۔“

”آپ جو حکم دیں۔“ ربیک نے مستعدی سے کہا۔

”ہم چار افراد کیا کر سکیں گے؟“ ایرٹ نے مجھے انداز میں پوچھا۔

”تم بھول رہے ہو ہم چار افراد اب تک بہت کچھ کرتے آئے ہیں۔“ میں نے اس کی طرف دیکھا۔

”دوسری طرف بھی اصل میں چار ہی لوگ ہیں اور ہمیں ان ہی سے نمٹنا ہے۔“

ربیک نے ایرٹ کو گھورا تو اس نے جھرجھری سی لی۔ ”آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ وہ بھی چار ہیں۔“

میں سوچ رہا تھا کہ یہ کس طرح ممکن ہوگا۔ کل رات کے تجربے سے یہ تو میرے علم میں آ گیا تھا کہ معبد کے عقبی حصے میں نگرانی نہیں کی جا رہی تھی۔ ہمیں اسی سے فائدہ اٹھانا تھا۔ لیکن کیسے؟ یہ بٹے ہونا باقی تھا۔ ایک چیز میں نے سوچ لی تھی کہ طیارے یا طیاروں کو کسی صورت یہاں اترنے نہیں دینا ہے کیونکہ ایک طیارے کی آمد کا مطلب بھی ہوگا ڈیوڈ شا کی طاقت کئی گنا بڑھ جائے گی۔ میں نے انہیں اپنے اول فیصلے سے آگاہ کیا تو ربیک نے سوال کیا۔ ”یہ چیز کس طرح کی ہوتی ہے اور ہم اسے کس طرح روک سکتے ہیں۔“

میں نے پہلے زبانی اور پھر ایک خالی کمرے کی دیوار پر سفید چاک نما پتھر سے طیارے کی تصویر بنا کر

دکھائی۔ پھر اس کے مختلف حصوں کے بارے میں وضاحت کرنے لگا کہ وہ کیا کام کرتے تھے۔ ان کے لیے یہ دیو مالائی شے تھی۔ مگر میں نے واضح کیا کہ اس میں کچھ بھی دیو مالائی نہیں ہے یہ وادی میں بننے والے مختلف استعمال کی چیزوں کی طرح ایک مکمل انسانی تخلیق ہے اور اس کے پیچھے منطق کام کرتی ہے۔ وہ اس کی رفتار کا اندازہ نہیں کر پار ہے تھے کیونکہ یہاں پرندے کم تھے اور جو تھے وہ اتنی تیزی سے نہیں اڑتے تھے۔ کچھ تو سرے سے نہیں اڑتے تھے جیسے زہریلے کانٹوں والا پرندہ۔

”یہ جتنی مضبوط ہوتی ہے اتنی ہی آسانی سے تباہ بھی ہو سکتی ہے کیونکہ اس کی پرواز اور زمین پر اترنا سب توازن کا کام ہے۔ جیسے تم لوگ کسی پتلی سی لکڑی پر چلنے کی کوشش کرو تو توازن رکھنا پڑتا ہے۔ اس کی رفتار کی وجہ سے حادثہ پیش آنے کی صورت میں تباہی اور اس میں سوار افراد کی ہلاکت تقریباً یقینی ہوتی ہے۔“

ایریٹ نے کہا۔ ”اگر ہم کوئی ایسا بندوبست کریں کہ یہ زمین پر اتر نہ پائیں تو.....“

”بالکل ہمیں یہی کرنا ہے۔“ میں نے کہا۔ ”ڈیوڈ شا اور اس کے ساتھیوں کے خاتمے سے زیادہ ضروری یہ کام ہے ایک بار وہ ناکام ہو جائے تو اس کے حوصلے خود پست ہو جائیں گے اور تب ہم اس پر قابو پانے کی کوشش کر سکتے ہیں۔“

ریک نے کہا۔ ”میں سمجھ گیا، اصل کام باہر سے مدد آنے سے روکنا ہے۔“

میرے ساتھی رفتہ رفتہ معاملے کی نزاکت سے باخبر ہو رہے تھے۔ موقع سے فائدہ اٹھا کر میں نے انہیں آتشیں ہتھیاروں اور بم کی ساخت کے بارے میں بتایا کہ یہ کس طرح کام کرتے اور نقصان پہنچاتے ہیں۔ وہ حیران رہ گئے کیونکہ دونوں چیزوں کی منطق بہت آسان اور سمجھ میں آنے والی تھی۔ البتہ وہ بارودی مواد کی نوعیت نہیں سمجھ سکے تھے۔ مگر وہ یہ سمجھ گئے تھے کہ ہمارے ہتھیار اور حفاظتی انتظامات ان کے خلاف بیکار تھے۔ میں اب سوچ میں مصروف تھا۔ ان لوگوں سے بات کرتے اور طیارے کے بارے میں بتاتے ہوئے ایک خیال میرے ذہن میں آیا تھا۔ رن وے ناکارہ کرنے کا آسان طریقہ تو یہ تھا کہ کسی طرح لائٹس آن نہ ہونے دی جائیں مگر مسئلہ وہی تھا کہ یہ ریموٹ سے آن ہونے والی لائٹس تھیں اور اگر میں موجودہ لائٹس اٹھا لیتا یا تباہ کر دیتا تب بھی اس کا امکان تھا کہ ان کے پاس اضافی لائٹس ہوں۔

اس میں زیادہ خطرہ یہ تھا کہ یہاں ہماری موجودگی کا راز فاش ہو جاتا اور فی الحال میری کامیابی تھی کہ ڈیوڈ شا اینڈ کمپنی میری آمد سے بے خبر تھی۔ غور کرتے ہوئے اچانک ایک خیال میرے ذہن میں آیا اور میں نے ریک سے کہا۔ ”یہاں بڑی رسیاں ہیں؟“

”بالکل ہیں جناب۔“ ریک نے کہا۔ ”کیا لے کر آؤں؟“

”ہاں لے آؤ جتنی بھی ہیں سب لے آؤ۔“

ریک ایمار کے ساتھ گیا اور کچھ دیر بعد رسیوں کے کئی بنڈل لے آیا۔ میں نے ایک بنڈل لے کر دیکھا۔ اس میں شاید دو سو فٹ رسی تھی۔ باقی بنڈل اس سے چھوٹے تھے۔ رسی پون انچ موٹی اور متعدد چھوٹی ڈوریوں کو بانٹ کر بنائی گئی تھی۔ یہ اتنی مضبوط تھی کہ ہارن جیسا طاقتور جانور بھی اسے نہیں توڑ سکتا تھا۔ رسی سفیدی مائل سرمئی رنگ کی تھی۔ میں نے پوچھا۔ ”یہاں سیاہ رنگ ہو گا۔ یہ لازمی چاہیے۔ کوئی ایسی چیز مل جائے جس سے رسی کا

رنگ سیاہ ہو جائے۔“

”میں معلوم کرتا ہوں۔“ ربیک نے کہا اور کمرے سے نکل گیا۔ ایرٹ متحس تھا۔ اس نے پوچھا۔

”آپ کیا کرنا چاہتے ہیں جناب؟“

”تم نے کہا تھا کہ کچھ ایسا ہو کرنا چاہیے کہ طیارے زمین پر نہ اترنے پائیں تو میں اسی کی کوشش کرنے جا

رہا ہوں۔“

ربیک کچھ دیر بعد آیا۔ اس نے بتایا۔ ”یہاں ان لوگوں کے پاس وہ سفوف ہے جسے پانی میں گھول کر بالوں میں لگاتے ہیں تو سفید بالوں کا رنگ سیاہ ہو جاتا۔“

”وہی لے آؤ۔ بلکہ یہ رسیاں لے جاؤ اور سفوف کا محلول بنا کر اس میں ڈبو دو جب رنگ اچھی طرح چڑھ جائے تو رسیاں نکال کر کہیں لٹکا دینا کہ پانی نکل جائے۔ یہ کام جتنی جلدی ہو اتنا اچھا ہے۔“

ربیک اور ایمار رستی کے بنڈل لے کر چلے گئے۔ ایرٹ اور مارٹ عمارت کا چکر لگانے چلے گئے۔ میں نے کھڑکی کی جھری سے باہر جھانکا جہاں روشنی تقریباً مکمل ہو گئی تھی اور معبد کے سامنے والا باغ اور احاطہ صاف دکھائی دے رہا تھا۔ مگر اب وہاں کوئی نہیں تھا۔ جیسا کہ نائرس نے بتایا تھا کہ دن میں عمارت کے لوگ باہر جاسکتے تھے۔ یعنی دن میں خود کار گن بند کر دی جاتی تھی۔ نائرس نے کوئی حد نہیں بتائی تھی اس کا مطلب تھا کہ دن میں جانے والے ہر جگہ جاسکتے تھے۔ میں سوچ رہا تھا کہ اتنے بڑے کنبے کو خوراک کیسے دی جائے۔ ویسے یہاں خوراک کا اچھا خاصا ذخیرہ تھا اور پکانے کی جگہ بھی تھی۔ مگر پکا تا کون؟ میں نے کچھ بعد ایرٹ کو طلب کیا اور اس سے کہا کہ وہ قیدیوں میں سے معلوم کرے کہ کھانا کون بنا سکتا ہے۔ دو تین آدمی باہر نکالو جو سب کے لیے کچھ بنائیں۔ ایرٹ چلا گیا۔

میں روبیر کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ اس لڑکی نے پہلے شامین کی محبت میں اتنا بڑا قدم اٹھایا، اپنی عزت اور زندگی دونوں داؤ پر لگا دی۔ شامین نے اسے دھوکا دیا تو وہ میری طرف آئی اور اب میری محبت میں اس نے ایک بار پھر خود کو داؤ پر لگا دیا تھا۔ وہ خطرے کے منہ میں براہ راست چلی گئی تھی۔ ستم ظریفی یہ تھی کہ اس بار بھی اسے کچھ نہیں ملنے والا تھا چاہے وہ کامیاب واپس آتی۔ روبیر کی محبت کا جواب محبت سے دینا میرے بس میں نہیں تھا۔ مگر فی الحال میں اسے درپیش خطرات کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ سب سے بڑا خطرہ تو اس کا سابق محبوب شامین تھا۔ وہ معبد میں موجود تھا اور آئی زور کے خاص آدمیوں میں شامل ہو گیا تھا۔ اس کے علاوہ روبیر خاصے دن سے یہاں تھی اور اسے پہچاننے والے افراد کی کمی نہیں تھی۔ وہ پکڑی جاتی تو ممکن ہے اس سے یوں معبد آنے کی وجہ پوچھی جاتی۔

پجاریوں سے مجھے زیادہ چالاکی کی امید نہیں تھی مگر وہاں ڈیوڈ شا جیسا شاطر اور مکار موجود تھا جو اپنے سائے سے بھڑکنے والا آدمی تھا۔ جب اسے پتا چلتا کہ روبیر اصل میں مجھ سے متعلق ہے تو وہ اصل بات اگلوانے کے لیے اس پر کسی قسم کا تشدد کر سکتا تھا۔ روبیر بہر حال ایک نازک لڑکی تھی وہ تکلیف ایک حد تک ہی برداشت کر سکتی تھی۔ اس کے بعد اس کے لیے زبان بند رکھنا مشکل ہو جاتا۔ جیسے جیسے میں اس بارے میں سوچ رہا تھا۔ میرے اندر اضطراب کی لہریں سی اٹھنے لگی تھیں اور مجھے لگ رہا تھا کہ میں نے اسے معبد میں جانے کا کہہ کر غلط

فیصلہ کیا تھا۔ دیکھا جائے تو معبد میں ایسی کوئی چیز نہیں تھی جس کے بارے میں میرا جاننا ضروری ہوتا۔ میں جانتا تھا کہ وہاں ڈیوڈ شاہ، اس کے ساتھی ہیں اور وہ کن ہتھیاروں سے مسلح ہیں۔ ان کے عزائم کیا ہیں میں سب کچھ جان چکا تھا۔

مگر میں نے اس خیال کو جھٹک دیا۔ جاسوسی کا مسلمہ اصول ہے کہ دشمن کے بارے میں وہ جاننے کی کوشش کرو جو آپ نہیں جانتے اور یقیناً میں ڈیوڈ شاہ کی کمپنی کے بارے میں سب نہیں جانتا تھا۔ ان کی بہت سی باتیں مجھ سے چھپی ہوئی تھیں اور ممکن ہے روپروہاں کوئی ایسی بات جان لیتی جو ہمارے کام آتی اور ڈیوڈ شاہ کو شکست ہو جاتی۔ میں نے دل ہی دل میں دعا کی کہ ایسا ہی ہو۔ روپروہاں کامیاب واپس آئے تاکہ میں اپنے ساتھیوں کے سامنے بھی سرخرو ہوں جو سوچ سکتے تھے کہ میں نے روپروہاں اپنے مفاد کے لیے استعمال کیا تھا۔ اس دوران میں جب کہ ربیک اور ایمار رتی سیاہ کر رہے تھے۔ ایرٹ نے چند خادم تلاش کر لیے تھے جو کھانا بنانے کے ماہر تھے اور اب وہ باورچی خانے میں سب کے لیے ناشتہ تیار کر رہے تھے۔ ناشتہ اور کھانے کے بارے میں یہی فیصلہ ہوا تھا کہ وہ قیدیوں کو ان کے کمروں میں دیا جائے گا۔

یہ سب عام افراد تھے اس کے باوجود ہم محتاط رہنا چاہتے تھے اگر ان میں سے کوئی یہاں سے نکلنے میں کامیاب ہو جاتا تو ہمارا منصوبہ تو چوہٹ ہوتا ہی ہماری سلامتی بھی خطرے میں پڑ جاتی۔ میں صبح ہونے سے پہلے ہی کھاپی چکا تھا مگر جب ناشتہ تیار ہوا تو میں نے ناشتہ کر لینے میں بھی حرج نہیں سمجھا۔ آرام اور کھانے کا ہر موقع غنیمت تھا کہ اس کے بعد حالات نہ جانے کیا رخ اختیار کریں۔ میں مسلسل کھڑکی سے معبد کی نگرانی کر رہا تھا اور اس کے لیے بالکل تیار تھا کہ اگر اس طرف سے کوئی آیا تو ہم نائرس کو آگے کر دیں گے۔ مگر فی الحال اس طرف سے کوئی آتا نظر نہیں آ رہا تھا۔ بلکہ نہ ہی آتا تو ہمارے لیے اچھا تھا۔

دو گھنٹے بعد میں نے نگرانی کے لیے ایرٹ کو لگایا۔ میں نے عمارت کا چکر لگایا اور ربیک کی کارگزاری دیکھی۔ جس نے واش روم میں ایک بڑے سے مٹی کے ٹب میں وہ محلول بنایا ہوا تھا جو بالوں کو سیاہ کرتا ہے مگر اس وقت یہ رتی سیاہ کر رہا تھا۔ ابھی تک رتی محلول میں بھیگ رہی تھی میں نے اس کا معائنہ کیا تو مجھے لگا کہ رتی بالکل سیاہ ہو گئی تھی۔ کچھ دیر میں اسے خشک کرنے کے لیے عقبی سمت گچھا بنا کر کسی درخت سے لٹکا دیا جاتا تو چند گھنٹوں میں اس کا سار اپانی نکل جاتا۔

”انہیں جوڑنا ہوگا۔“ رتی خشک ہوئی تو میں نے ربیک سے کہا اور کھلی رتی کا بندل بنانے لگا۔ جب میں نے بندل بنالیا تو ربیک نے دوسری رتی کا سرا اس سے گرہ لگا کر جوڑ دیا اور میں نے اسے بھی بندل میں شامل کیا۔ تیسری رتی جوڑنے کے بعد بندل خاصا بڑا اور وزنی ہو گیا تھا۔ میں نے اسے شانے پر لا دیا اور ربیک کے ساتھ اس درخت کی طرف بڑھا جس سے رتی باندھنی تھی۔ لیکن عمارت کے کنارے تک آ کر میں نے پہلے ربیک کو آگے روانہ کیا کہ وہ دیکھے اگر کوئی معبد کے پہلو کی طرف آئے تو مجھے خبردار کرے۔ ربیک نے ایسی جگہ پوزیشن سنبھال لی جہاں وہ خود کو چھپا کر آنے والوں کو دیکھ سکتا تھا پھر اس نے مجھے اشارہ کیا تو میں درخت کی طرف بڑھا تھا۔ میرا خیال تھا کہ شام کے پانچ بج رہے تھے کیونکہ شام کا سا وقت ہو رہا تھا اور روشنی میں تیزی ختم ہو گئی تھی۔ جو جگہیں اندر یا سائے میں تھیں وہاں ہلکا سا اندھیرا چھا رہا تھا۔

میں جھکا ہوا دوڑ کر درخت کے پاس پہنچا اور اس کے قریب ہی ایک جھاڑی نما پودے کی آڑ میں بیٹھ گیا۔ یہاں سے معبد کی طرف سے آنے والا راستہ دکھائی دے رہا تھا۔ اہرام کی عظیم الشان عمارت یہاں سے بہت واضح تھی۔ بلکہ عین سر پر محسوس ہو رہی تھی حالانکہ اس درخت سے اس کا فاصلہ کم سے کم سو گز تھا۔ آڑ میں ہو کر میں نے اشارے سے ربیک کو بلایا تو وہ واپس عمارت کی آڑ میں ہوا اور پھر دوڑتا ہوا میری طرف آیا۔ میں نے اس سے کہا۔ ”رتی کو درخت کی بلند ترین شاخ پر باندھنا جو مضبوط بھی ہو۔ کیونکہ رتی کو لگنے والا جھکا بہت شدید ہوگا۔ اگر رتی شاخ سے نکل گئی یا شاخ ہی ٹوٹ گئی تو شاید اترنے والے طیارے کو نقصان نہ ہو۔“

ربیک نے سر ہلایا اور درخت پر چڑھ گیا۔ یہ درخت کم سے کم چالیس پینتالیس فٹ اونچا تھا۔ ہم رتی کو جتنا بلند باندھتے طیارے کا اس سے ٹکرانے کا اتنا ہی زیادہ امکان ہوتا۔ اگرچہ دوسری طرف اگر ہم رتی کو فاصلے کے سرے بھی باندھتے تب بھی یہ بلندی تیس فٹ سے زیادہ نہیں ہوتی کیونکہ دیوار اتنی ہی بلند تھی۔ ربیک نے رتی کا سرا مجھ سے لے لیا تھا اور اسے کھینچتا ہوا اوپر چڑھ رہا تھا۔ کوئی تیس فٹ پر جا کر اس نے درخت کی شاخوں کا جائزہ لیا اور مزید اوپر جانے لگا۔ مزید پانچ یا چھ فٹ اوپر جا کر اس نے رتی ایک مضبوط شاخ پر باندھی۔ یہ تنے کا تقسیم ہو جانے والا حصہ تھا جو بدستور خاصا موٹا اور مضبوط تھا۔ پھر اس نے میری طرف دیکھا تو میں نے اشارے سے کہا کہ اس نے ٹھیک کام کیا ہے۔ اس دوران میں تاریکی میرے اندازے سے زیادہ تیزی سے چھانے لگی تھی۔ شاید اوپر موسم اچھا نہیں تھا اور بادل تھے جنہوں نے سورج کی روشنی پہلے ہی روک دی تھی اور اس وجہ سے نیچے وادی میں بھی وقت سے پہلے روشنی کم ہونے لگی تھی۔

میں سوچ رہا تھا کہ اگر اوپر موسم خراب ہے تو شاید آج طیاروں کی آمد ممکن نہ ہو سکے۔ پروپلر انجن والے طیارے جیٹ انجن والے طیاروں کے مقابلے میں موسم سے زیادہ متاثر ہوتے ہیں کیونکہ ان کی پرواز زیادہ تر توازن کے اصول پر ہوتی ہے۔ تیز ہوائیں اور کم یا زیادہ ہوتا ہوائی دباؤ ایسے طیاروں کو زیادہ متاثر کرتا ہے۔ خاص طور سے پہاڑی علاقے میں جہاں اونچی چوٹیاں خاص طور سے خطرناک ہوتی ہیں۔ اگر طیارے آج رات نہ آتے تو ہمیں صبح کی روشنی ہونے سے پہلے رتی دوبارہ اتارنی پڑتی ورنہ دن کی روشنی میں یہ سیاہ رتی صاف دکھائی دیتی۔ بہر حال یہ بعد کی بات تھی۔ پہلا مرحلہ تو رتی لگانے کا تھا۔ ربیک نیچے اتر آیا تھا۔ اس نے نیچے آتے ہی ایک چھوٹے درخت کی طرف اشارہ کیا جو اس درخت سے دائیں طرف فصیل کی مخالف سمت کی دیوار سے ذرا دور کھڑا تھا۔ ”میں اس درخت سے چڑھ کر فصیل تک جا سکتا ہوں۔“

”اور اس کے بعد؟“

”دوسری طرف اتر کر رتی کو کہیں باندھنا ہوگا کیونکہ یہاں تو کوئی جگہ نظر نہیں آرہی جہاں رتی باندھی جا سکے۔“

”دوسری طرف۔“ میں فکر مند ہو گیا۔ ”یہ خطرناک ہوگا۔“

”ہاں مگر اس کے سوا اور کیا طریقہ ہو سکتا ہے رتی باندھنے کا۔“ ربیک نے سوال کیا تو میں اس جگہ کا معائنہ کرنے لگا۔ فصیل کے ساتھ ساتھ باغ میں کچھ پودے تھے اور واحد درخت یہی تھا۔ اس کے بعد فصیل کے ساتھ گھاس کا تنکا بھی نہیں تھا اور دوسرے سرے تک مٹی کا میدان تھا۔ مجھے بھی سمجھ میں نہیں آیا کیونکہ فصیل اوپر سے سپاٹ تھی اور اس میں کہیں رتی باندھنے کی گنجائش نہیں تھی۔ نہ ہی اس کے آس پاس ایسی جگہ تھی۔ دوسری

طرف یقیناً جھاڑیاں تھیں اور ان میں رسی باندھی جاسکتی تھی۔ اسی لیے ربیک دیوار کے پاس جانے کی بات کر رہا تھا۔ مگر دوسری طرف ہارن اور زہریلے پرندے جیسے دشمن موجود تھے۔ اگر جھاڑیاں تھیں تو ہارن کا خطرہ اتنا نہیں تھا مگر زہریلے پرندے کا خطرہ پوری طرح تھا۔ میں نے سر ہلایا۔ ”ہاں یہاں گنجائش نظر نہیں آرہی ہے اور فصیل کے پار ہی جا کر باندھنا ہوگا۔“

”آپ مجھ سے متفق ہیں؟“

”ہاں لیکن دیوار کے پار تم نہیں میں جاؤں گا۔“ میں نے کہا تو اس نے جلدی سے نفی میں سر ہلایا۔
 ”آپ کا جانا ٹھیک نہیں ہوگا۔ آپ کا جسم ذرا وزنی ہے اور میں آپ کی نسبت تیزی سے رسی چڑھ سکتا ہوں اور خطرہ ہوا تو میں تیزی سے ہی واپس بھی آسکوں گا۔ اس لیے میں ہی جاؤں گا۔“
 ”میں بھی تیزی سے چڑھ سکتا ہوں۔“

”مجھ سے زیادہ تیز نہیں چڑھ سکتے۔“ ربیک نے اصرار کیا۔ ”آپ جانتے ہیں میں ان کاموں کا ماہر ہوں۔“
 ”ربیک اس میں خطرہ ہے۔“

”میں اس خطرے کا زیادہ بہتر سامنا کر سکتا ہوں۔“ ربیک نے کہا تو میں نے خود کو لا جواب محسوس کیا۔
 اس دوران میں اندھیرا تیزی سے چھا رہا تھا اور ایسا سماں ہو رہا تھا جیسے سورج غروب ہونے کے دس منٹ بعد ہوتا ہے۔ میرے خیال میں یہ حرکت میں آنے کا وقت تھا۔ میں نے ربیک کے پاؤں میں رسی باندھی۔
 ”تم زمین پر ریگتے ہوئے جاؤ گے میں رسی کھولتا رہوں گا۔ جب تک دیوار کے پاس پہنچ جاؤ تو رسی کھینچنا جب تک یہ زمین سے اٹھنے نہ لگ جائے۔“

ربیک نے سر ہلایا اور پھپکی کی طرح ریگتتا ہوا فصیل کی طرف جانے لگا۔ اس طرف گھاس تھی اور پودے تھے اسے ان کی آڑ مل رہی تھی۔ جیسے جیسے وہ آگے بڑھ رہا تھا میں رسی کے بل کھولتا جا رہا تھا ایسا کرنا ضروری تھا ورنہ یہ آپس میں الجھ کر مشکل پیدا کر سکتی تھی۔ ابھی بندل کا کچھ حصہ باقی تھا کہ وہ دیوار تک پہنچ گیا اور اس نے درخت کی آڑ میں بیٹھتے ہوئے رسی کھینچنا شروع کر دی۔ ذرا سی دیر میں اس نے رسی اتنی کھینچ لی کہ اب وہ زمین پر تھی اور مزید کھینچنے پر ہوا میں معلق ہو جاتی۔ اب میں اسی طرح ریگتتا ہوا اس کے پاس پہنچا۔ تاریکی اتنی ہو چکی تھی کہ دور کی چیز صاف نظر نہیں آرہی تھی۔ ربیک نے کہا۔ ”اس سے پہلے کہ اندھیرا مکمل ہو ہمیں یہ کام کر لینا چاہیے۔“

رسی اچھی خاصی تھی۔ میں نے اس کا چھوٹا ٹکڑا نکال دیا تب بھی اتنی تھی کہ کئی گز اضافی ہو رہی تھی۔ ربیک درخت پر تھا وہاں سے دیوار پر چڑھا مگر اس نے اٹھنے کی کوشش نہیں کی تھی بلکہ لیٹا رہا تھا میں نے اس کی طرف رسی اچھالی اور اسے مضبوطی سے پکڑ لیا ربیک آرام سے دوسری طرف اتر گیا۔ چند لمحوں بعد رسی کھینچنے لگی۔ ربیک نے کوئی ایسی جگہ تلاش کر لی تھی کہ جہاں رسی کو مضبوطی سے باندھا جاسکتا تھا۔ میں سوچ رہا تھا کہ مجھے یا کسی کو فصیل پر ہونا چاہیے تھا کہ ربیک پر کوئی مشکل آئے تو ہم اس کی مدد کر سکیں۔ مگر اب تو وہ اتر چکا تھا۔ ایک منٹ سے پہلے اس نے رسی کو پوری طرف کھینچ لیا تھا اور وہ درخت سے فصیل تک اس طرح تن گئی تھی کہ اس میں بہت معمولی سا لٹکاؤ نظر آ رہا تھا۔ ربیک نے رسی باندھی اور پھر وہ اسی کے سہارے چڑھ کر اوپر آیا اور درخت کے سہارے نیچے اتر گیا۔

”میں نے اتنی مضبوطی سے باندھی ہے کہ یہ ٹوٹ سکتی ہے لیکن کھل نہیں سکتی تھی اور نہ ہی جھاڑی کا تنا ٹوٹ سکتا ہے۔“

تاریکی خاصی بڑھ چکی تھی اور سیاہ رسی اسی وقت نظر آتی جب وہ بالکل پاس آ کر دیکھتا یا پھر تیز روشنی والی مشعل میں خاص طور سے اوپر دیکھتا تو اسے رسی نظر آتی۔ میں اور ربیک واپس عمارت کی طرف آئے تو یہاں مشعلیں روشن ہو چکی تھیں۔ مگر معبد کے سامنے والے باغ میں تاریکی تھی اور ابھی تک اندر سے خادمائیں برآمد نہیں ہوئی تھیں جو مشعلیں جلاتیں۔ مارٹ اور ایرٹ دفتر والے کمرے میں تھے اور کھڑکی سے باہر جھانک رہے تھے۔ کچھ دیر بعد مارٹ نے اطلاع دی۔ ”وہ باہر آگئی ہیں۔“

یہ سنتے ہی میں بھی تیزی سے کھڑکی کے پاس آیا۔ خادماؤں کا ایک مشعل بردار ہجوم تھا جو باہر باغ اور روش پر کھنبوں سے لگی مشعلیں روشن کر رہا تھا۔ جس طرح وہ اجتماعی طور پر مشعلیں بجھا رہی تھیں اسی طرح انہوں نے ایک ساتھ بل کر مشعلوں کو جلانا شروع کر دیا۔ ان کی تعداد حسب معمول دو درجن کے لگ بھگ تھی اور اتنی عورتوں میں روپیہ کو تلاش کرنا آسان کام نہیں تھا۔ ہم سب دھڑکتے دل سے دیکھ رہے تھے۔ خادمائیں رفتہ رفتہ مشعلیں جلاتی ہوئی ہماری طرف والی عمارت کی طرف آنے لگیں اور میرا خیال تھا کہ روپیہ ان سے اسی وقت الگ ہو کر ہماری طرف آئے گی مگر خادمائیں آئیں اور انہوں نے اس طرف کی ساری مشعلیں بھی جلادیں مگر ان میں کوئی الگ نہیں ہوئی تھی اور پھر وہ مڑ کر معبد کی طرف جانے لگیں۔

”یہ کیا روپیہ باہر نہیں آئی۔“ مارٹ نے کہا۔ اسی لمحے اندر سے ایک لکڑی سے بنی ہاتھ گاڑی نکلی جسے ایک پجاری چلا رہا تھا اور گاڑی پر سفید لبادہ اور اس پر جا بجا سرخ رنگ نمایاں تھا۔ لبادے میں نسوانی وجود بھی اتنی دور سے صاف نظر آ رہا تھا اور وہ وجود بالکل ساکت تھا۔ میں، مارٹ، ربیک اور ایرٹ دم بخود سے یہ منظر دیکھ رہے تھے۔ پجاری ہاتھ گاڑی چلاتا ہوا مخالف سمت میں قید خانے والی عمارت کی طرف جا رہا تھا۔ ربیک نے ڈوبتے لہجے میں ہمارے سوچوں کو زبان دی۔

”کیا یہ روپیہ.....؟“

”نہیں۔“ میں نے کہا اور مڑ کر ایرٹ کو دیکھنا چاہا مگر وہ کمرے میں نہیں تھا۔ ربیک جواب کھڑکی سے باہر دیکھ رہا تھا اس کے منہ سے نکلا۔ ”ایرٹ۔“

میں جھپٹ کر آیا تو ایرٹ مجھے باغ میں دکھائی دیا وہ معبد کی طرف بڑھ رہا تھا۔ وہ اتنا آگے جا چکا تھا کہ ہم اسے آواز بھی نہیں دے سکتے۔ ابھی وہ باغ کے وسط میں تھا۔ اسی لمحے معبد سے چند افراد برآمد ہوئے اور ہماری طرف آنے لگے۔ ان میں کرٹل اور باسو نمایاں تھے۔



حالات یک دم ہی سنگین ہو گئے تھے۔ روبیر معبد سے باہر نہیں آئی تھی۔ اس کی جگہ ہاتھ گاڑی پر ایک نسوانی لاش باہر آئی تھی۔ پھر ایرٹ حواس کھو کر باہر نکل گیا تھا۔ اب کرنل اور باسو کی صورت میں نئی آفت یہاں آرہی تھی۔ مگر ہمارے پاس پریشان ہونے کا وقت بھی نہیں تھا۔ اس سے پہلے کرنل اور باسو یہاں آتے ہمیں حرکت میں آ جانا تھا۔ وہ روش سے ہوتے ہوئے عمارت کی طرف ہی آرہے تھے۔ ہم نے نگران افسر نائرس کو ایسے موقع پر آگے کرنے کے تیار رکھا ہوا تھا۔ میں نے مارٹ سے کہا۔ ”اسے لاؤ اور سب تیار ہو جائیں۔ یہ طویل قامت آدمی کرنل جیمز اور اس کے ساتھ بڑی جسامت والا شخص باسو ہے۔ دونوں نہایت ہی خطرناک ہیں۔“

”میں لاتا ہوں جناب۔“ مارٹ روانہ ہو گیا۔

”وہ رک گیا ہے۔“ ربیک نے ایرٹ کے بارے میں اطلاع دی۔ ”ایک یو دے کے پیچھے چھپ گیا ہے۔“

”میرے خدا۔“ میں نے سر پر ہاتھ مارا۔ ”یہ لڑکا اپنے حواس کھو بیٹھا ہے۔“

ربیک اور مارٹ نے نگرانوں والی وردیاں پہنی ہوئی تھیں۔ فوری طور پر نائرس کو قید خانے سے نکال کر دفتر میں لایا گیا۔ اس دوران میں، میں دیکھ رہا تھا کہ کرنل اور باسو کے ساتھ وہی چھوٹے قد کا گول مٹول پجاری تھا اور ایک نوجوان اور چھریرے جسم کا پجاری ان کے ساتھ تھا۔ ان کی آمد سے پہلے ہمیں یہاں سیٹ اپ کر لینا تھا۔ نائرس کو لایا گیا اور ربیک اسے سمجھانے لگا کہ اسے اصل میں اپنی زندگی بچانی ہے اور اس کی واحد صورت یہی ہے کہ آنے والوں کو کسی قسم کا شک نہ ہو۔ نائرس اسے یقین دلایا تھا کہ وہ کوئی غلط حرکت نہیں کرے گا۔ اس پر ربیک نے اس سے کہا۔ ”غلط حرکت سے گریز ضروری ہے ساتھ ہی تمہیں کوشش کرنا ہوگی کہ وہ یہاں سے مطمئن ہو کر واپس جائیں۔“

میں حسبِ روایت واش روم میں چلا آیا۔ میرے ساتھ ایما رہا تھا اور ہم پوری طرح مسلح تھے۔ میں نے مارٹ اور ربیک کو مختصر عملی بتائی کہ اگر بات کھل جائے تو کوشش کرنی ہے کہ ان میں سے کوئی زندہ واپس نہ جائے۔ اگر ہم انہیں ختم کرنے میں کامیاب ہو جاتے تو ہمیں کچھ آتشیں ہتھیار مل جاتے اور اس کے بعد ہم معبد میں جانے اور ڈیوڈ شا کو ختم کرنے کی کوشش کر سکتے تھے۔ مگر یہ ہمارے پروگرام میں شامل نہیں تھا۔ صرف

مجبوری کے عالم میں ہی ہم ایسا کر سکتے تھے۔ کیونکہ اس میں رسک بہت زیادہ تھا۔ کرنل اور باسودونوں بے حد خطرناک تھے اور اس کا امکان بہت کم تھا کہ ہم ان پر کامیابی سے قابو پا سکیں۔ ریک نائرس کے کمرے میں اس کے سر پر سوار تھا اور مارٹ راہداری میں پہرہ دے رہا تھا۔

کیونکہ گول مٹول پجاری نے پہلے بھی انہیں شناخت نہیں کیا تھا اس لیے اب بھی امکان یہی تھا کہ وہ انہیں نگرانوں میں سے سمجھ گا۔ جب کہ اصل نگران اعلیٰ یعنی نائرس اس کے سامنے ہوگا۔ اس صورت میں شک کرنے کا جواز بہت کم رہ جاتا تھا۔ جب تک وہ لوگ آتے یہاں سیٹ آپ تیار ہو چکا تھا۔ عمارت کا دروازہ اندر سے بند تھا۔ باہر سے اسے بجایا گیا تو مارٹ نے دروازہ کھولا اور مودب ہو کر آنے والوں کو راستہ دیا۔ گول مٹول پجاری نے اندر آتے ہی پوچھا۔ ”نگران اعلیٰ کہاں ہے؟“

”دفتر میں۔“ مارٹ نے کم سے کم الفاظ میں جواب دیا۔ اس کا تلفظ اور لہجہ آرگون والوں سے کسی قدر مختلف تھا اس لیے اس کا کم بولنا ضروری تھا۔ ایما راہداریک لیٹرین میں تھا اور میں دوسرے لیٹرین کے دروازے کے پاس تھا۔ ایک لمحے کے نوٹس پر میں اندر جانے کے لیے تیار تھا۔ میں جہاں تھا وہاں سے راہداری کا تھوڑا سا منظر نظر آرہا تھا۔ سب سے آگے گول مٹول پجاری تھا اس کے بعد کرنل جیمز، پھر باسوا اور آخر میں نوجوان پجاری تھا۔ باسوا آگے گیا اور اچانک رک گیا۔ اس نے پلٹ کر دیکھا تو میں یوں پلٹ کر اپنا پا جامہ درست کرنے لگا تھا جیسے ابھی لیٹرین سے نکلا ہوں۔ ہتھیار میں نے پہلے ہی اندر رکھ دیئے تھے اس لیے اب خالی ہاتھ تھا۔ واحد خطرہ یہ تھا کہ باسوریناٹ کی مخصوص سپاہ کی وردی دیکھ کر چونک نہ جائے۔ میں اور ایما راہداری بدستور اسی وردی میں تھے اور یہ ہمیں پکڑوا سکتی تھی۔

مجھے اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ ہمیں خادموں والے لباس میں آ جانا چاہیے تھا تا کہ کوئی ہماری طرف توجہ نہ دے۔ مجھے باسو کی نظریں اپنی پشت پر چبھتی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں۔ میں پا جامہ درست کرتے ہوئے اس سمت بڑھ گیا جہاں منہ ہاتھ دھونے کا انتظام تھا۔ وہ جگہ باہر سے نظر نہیں آرہی تھی کیونکہ یہاں سے راہداری نظر نہیں آرہی تھی۔ میرے کان باہر آہٹوں پر لگے ہوئے تھے۔ کچھ دیر کے رہنے کے بعد باسو کے بھاری قدموں کی چاپ آگے بڑھتی سنائی دی۔ میں نے سکون کا سانس لیا۔ مگر میں اور ایما یہاں سے نکل نہیں سکتے تھے جب تک یہ لوگ واپس نہیں چلے جاتے۔ ایما نے جھانک کر کہا۔ ”اگر کوئی یہاں آ گیا تو ہم پکڑے جائیں گے۔“

میں نے اسے اشارے سے تسلی دی کہ ہم خود آنے والے کو پکڑ لیں گے۔ اس جگہ سے دفتر میں ہونے والی گفتگو سننا ممکن نہیں تھا اور راہداری میں جانے میں خطرہ تھا۔ ممکن ہے باسو باہر ہی ہو۔ ہم میٹر ہیوں سے اوپری منزل تک بھی نہیں جاسکتے تھے۔ کیونکہ اس صورت میں بھی راہداری سے گزرنا پڑتا۔ میں سوچ رہا تھا کہ مجھے ایما کی طرح لیٹرین میں روپوش ہو جانا چاہیے تھا۔ باسو میری جھلک دیکھ چکا تھا۔ اب اگر میں لیٹرین سے نہ نکلتا تو وہ سوچ سکتا تھا کہ میں اب تک یہاں کیا کر رہا ہوں۔ باسو میں شاید عام انسانی عقل کم تھی مگر اس میں جانوروں جیسی چھٹی حس ضرور تھی جو خطرہ بھانپ لیتی ہے۔ میں نے لیٹرین میں آنے کے بعد اپنے ہتھیار سنبھال لیے تھے۔ اسے جو ہونا تھا ہمیں اس کا مقابلہ کرنا تھا۔ سانپ نکل جانے کے بعد لکیر پینٹا بیکار تھا۔

کرنل اور دوسروں کو آئے ہوئے دس منٹ ہو چکے تھے اور اب تک ان کی واپسی کا ارادہ نظر نہیں آرہا تھا۔

اگرچہ ان لوگوں کی آمد پریشان کن تھی مگر میری چھٹی حس کہہ رہی تھی کہ وہ کسی خاص وجہ سے نہیں آئے تھے شاید یہاں کا معائنہ کرنے آئے تھے کہ سب معمول کے مطابق ہی ہے۔ اچانک ہی واش روم کے پاس قدموں کی ہلکی سی آہٹ سنائی دی۔ انداز ایسا تھا جیسے کوئی قدم دبا کر چل رہا تھا۔ مگر بھاری جسامت کی بنا پر اپنی آہٹ دبانے میں ناکام رہا ہو۔ پھر بھاری سانسوں کی آواز آئی اور مجھے یقین ہو گیا کہ باسو یہاں آیا ہے۔ سانسوں کی آواز ذرا دور سے آرہی تھی۔ پھر وہ بتدریج نزدیک آنے لگی۔ یہاں لائن سے پانچ لیٹرین تھے میں دوسرے لیٹرین میں تھا اور ایماں آخری لیٹرین میں۔ پہلا خالی تھا مگر باسو آکر دوسرے لیٹرین کے سامنے رکا۔

میں نے تیر کمان اٹھا رکھا تھا مگر پھر اسے رکھ کر میں نے سبکی چاقو نکال لی۔ ان کے استعمال کے لیے مجھے باسو کے نزدیک جانا پڑتا مگر یہ تیر کے مقابلے میں زیادہ مہلک تھے بہ شرط کہ صحیح جگہ اور پوری قوت سے وار کیا جاتا۔ میں نے دایاں ہاتھ پشت پر کر لیا اور بایاں ہاتھ سامنے رکھا۔ میں گھٹنے موڑ کر جھکا جیسے ریس لگانے والے دوڑنے سے پہلے جھکتے ہیں۔ باسو جیسے ہی دروازہ کھولنے کا آغاز کرتا میں حملے کے لیے تیار تھا۔ میں جانتا تھا کہ اگر اسے مہلت مل گئی تو خود میری زندگی خطرے میں پڑ جائے گی۔ اس لیے یہ ابھی یا کبھی نہیں والا معاملہ تھا۔ میں نے سانس بھی روک لی تھی۔ میری نظر دروازے پر مرکوز تھی۔ یہ زمین سے اوپر کوئی سات فٹ تک کا پٹ تھا جو ڈھائی فٹ چوڑا تھا۔ یعنی اس کے اوپر اور نیچے سے اندر دیکھنا ممکن نہیں تھا۔ باسو دروازے کے سامنے آکر رک گیا۔

میں سوچ رہا تھا کہ وہ اندر کیوں نہیں آ رہا ہے۔ اچانک ہی قدموں کی چاپ دروازے سے ہٹی اور باسو برابر والے لیٹرین میں داخل ہوا۔ وہاں سے آنے والی آوازیں بتا رہی تھیں کہ اندر کوئی موجود ہے۔ میرا تانا ہوا جسم ڈھیلا پڑ گیا مگر میں ہوشیار ہی رہا تھا۔ یہ کسی قسم کا دھوکا بھی ہو سکتا تھا۔ میں نے کہاں کہ باسو جانوروں جیسی حس رکھتا تھا اور اس نے بھانپ لیا کہ اس وقت اندر آنا اس کے لیے ٹھیک نہیں تھا اس لیے وہ برابر والے لیٹرین میں داخل ہو گیا اور اب اس وقت مجھے دو بوجہ میں اس کی طرف سے مطمئن ہو جاتا۔ مگر ایسا ہوا نہیں، کچھ دیر بعد برابر اسے آوازیں آنا بند ہو گئیں۔ پھر وہ باہر نکلا اور واش بیسن والے حصے میں ہاتھ دھونے لگا۔ میں ایک بار پھر چوکنا ہوا تھا۔

اس بار بھی کچھ نہیں ہوا اور وہ ہاتھ دھو کر لیٹرین سے رخصت ہو گیا اور اس کے بھاری قدموں کی چاپ اب نمایاں تھی یعنی وہ قدم دبا کر نہیں چل رہا تھا۔ اس کا یہ طرز عمل میرے لیے غیر متوقع تھا۔ پہلے وہ یوں آیا جیسے اسے شک ہو اور بنا کسی وجہ کے اچانک اس کا شک رفع ہو گیا اور وہ خود یہاں سے دفع ہو گیا تھا۔ سچی بات ہے اس نے مجھے الجھن میں ڈال دیا تھا۔ باسو پلانز نہیں تھا اسے شک تھا تو وہ اسی وقت اسے دور کرتا۔ اسی لمحے کرنل اور دوسرے لوگ بھی اندر سے برآمد ہوئے۔ ان کے ساتھ شاید نائرس بھی تھا کیونکہ پجاری اسے کہہ رہا تھا کہ اسے دی گئی ہدایات پر پوری طرح عمل کرنا تھا۔ کسی قسم کی خلاف ورزی کی صورت میں سزا اسے ملے گی۔ پھر یہ ٹولہ عمارت سے باہر نکل گیا اور اس کے ساتھ ہی ہم راہداری میں نکل آئے۔ مارٹ دروازہ بند کر رہا تھا اور نائرس سفید چہرے کے ساتھ کھڑا تھا۔ ربیک بھی آ گیا۔ اس نے کہا۔ ”ایٹ اسی جگہ چھپا ہوا ہے۔“

”میں اسے لینے جا رہا ہوں۔“ میں نے کہا۔ ”یہ لوگ کیوں آئے تھے؟“

”یہ بتانے کہ اب کوئی عمارت سے باہر نہ نکلے جو نکلے گا وہ اپنی موت کا خود ذمہ دار ہوگا۔“ ربیک نے کہا۔ ”کنٹرل پجاری کی مدد سے یہاں کے بارے میں سوالات کر رہا تھا۔ وہ پوچھ رہا تھا کہ یہاں سے کوئی فرار تو نہیں ہوا ہے۔ نائرس نے اسے یقین دلایا کہ تمام قیدی موجود ہیں۔ آخر لمحے تک اس کے چہرے پر شک رہا تھا۔“

روبر کا خیال مجھے رہ رہ کر آ رہا تھا۔ مگر ربیک نے میرے اندر موجود خدشات کو مزید بڑھا دیا تھا اور مجھے لگا کہ ان لوگوں کی آمد یقیناً روبیر کی وجہ سے تھی۔ وہ پکڑی گئی اور اس پر تشدد کیا گیا تو وہ مر گئی مگر شاید اس نے اپنی زبان بند رکھی تھی۔ وہ یہیں قید تھی اس لیے کنٹرل خود یہاں تفتیش کے لیے آیا تھا۔ مجھے حیرت ہوئی کہ اس نے قیدیوں کو دیکھنے پر اصرار نہیں کیا۔ وہ آسانی سے مطمئن ہونے والا آدمی نہیں ہے۔ میں نے ربیک سے کہا۔ ”وہ ایسا ہی شخص ہے۔ اس سے زیادہ خطرناک بڑی جسامت والا ہے۔ وہ لیٹرین میں اندر بھی آیا تھا۔ میں سمجھا کہ ہمارے چکر میں آیا۔ کیونکہ اس نے رائداری سے گزرتے ہوئے میری جھلک دیکھ لی تھی۔ مگر وہ صرف پانی بہا کر چلا گیا۔ ہم سے غلطی ہوئی ہمیں ریٹ کی خاص سپاہ کی وردی اتار دینی چاہیے تھی کیونکہ یہاں ایسی وردی کوئی نہیں پہنتا ہے۔“

ایمار اور میں نے اس کمرے کا رخ کرتے ہوئے کہا جہاں لباس رکھے تھے اور وہاں سے خادموں والا ایک لباس نکال کر وردی کے اوپر ہی پہن لیے۔ میں باہر آیا تو ربیک مضطرب تھا۔ ”آپ کا اس وقت باہر جانا مناسب نہیں ہے جب کہ وہ حکم دے کر گیا ہے۔“

”فکرمات کرو تم جانتے ہو میں اندھا قدم اٹھانے کا قائل نہیں ہوں۔ مجھ پر صرف ایک فرد نہیں بلکہ ایک بہت بڑے کام کی ذمہ داری ہے۔ اس وقت بھی میں صرف ایرٹ کے لیے اسی ذمہ داری کی وجہ سے باہر جا رہا ہوں۔“

مارٹ نے دفتر میں کھڑکی پر پوزیشن سنبھال لی تھی اور جب میں نے اس سے پوچھا تو اس نے بتایا کہ کنٹرل اینڈ پارٹی واپس معبد میں جا چکی تھی اور ایرٹ جہاں تھا وہیں دبا ہوا تھا۔ میں کھڑکی سے باہر آیا اور عمارت کے سامنے کے باغ والے پہلو میں آیا۔ یہاں سے مجھے ایرٹ نظر آ رہا تھا۔ وہ جھکا ہوا ایک پودے کے عقب میں تھا اور اس نے عقل مندی کا مظاہرہ کیا تھا کہ وہاں سے نکلنے کی کوشش نہیں کی۔ شاید جذبات کی جس روم میں آ کر وہ باہر نکل گیا تھا وہ یہاں تک آتے آتے ختم ہو گئی تھی اور اب وہ سوچے سمجھے بغیر کوئی قدم اٹھانے کو تیار نہیں تھا۔ میں نے عمارت کی آڑ سے بازو لہرانے شروع کیے۔ ایرٹ میری طرف متوجہ نہیں تھا۔ مگر میں رکنا نہیں اور اس وقت تک لہر اتار رہا تھا جب تک اس نے پلٹ کر میری طرف دیکھ نہیں لیا۔ اس نے جوابی ہاتھ لہرا کر مجھے اشارہ کیا کہ اس نے مجھے دیکھ لیا ہے۔

میں نے اپنا اوپری لباس اتار کر اسے سمجھایا کہ وہ بھی سفید کرتہ اتار دے۔ چند اشاروں کے بعد وہ سمجھ گیا اور اس نے لباس اتارنا شروع کر دیا۔ سفید کرتے تلے اس نے سرمئی پاجامہ پہنا ہوا تھا۔ کرتے کا اس نے گولا بنا کر اپنے پاجامہ میں اڑس لیا۔ اب میں نے اسے سمجھایا کہ وہ گھاس پر ریٹکتا ہوا پودوں اور درختوں کی آڑ لیتے ہوئے قید خانے کی عمارت کی طرف جائے۔ وہ باغ میں خاصا آگے جا چکا تھا اور اس کا مقصد شاید قید خانے کی

عمارت کی طرف جانا تھا جہاں ہاتھ گاڑی پر لاش لے جانی گئی تھی۔ میں نے بتایا کہ میں معبد کے پیچھے سے گھوم کر اس کی طرف آ رہا ہوں۔ ایرٹ نے میری بات سمجھ لی اور آگے کی طرف ریگنا شروع کر دیا۔ جب وہ کسی قدر آگے نکل گیا تو میں نے عمارت کے دوسرے پہلو کا رخ کیا اور کھڑکی کے پاس سے گزرتے ہوئے ربیک سے کہا۔

”میں اور ایرٹ قید خانے کی عمارت کی طرف جا رہے ہیں۔“

ربیک نے سوال نہیں کیا مگر وہ سمجھ گیا تھا کہ میں اس طرف کیوں جا رہا ہوں۔ رسی بندھے درخت کے پاس آ کر میں نے تیزی سے روش عبور کی اور اہرام نما معبد کے عقب میں آ گیا۔ یہاں اندھیرا تھا اور میں اہرام کی کوئی سات فٹ اونچی دیوار کے ساتھ تیزی سے دوڑتا ہوا دوسرے کنارے پہنچا اور جھانک کر دیکھا۔ اس طرف روشنی تھی مگر ایرٹ نظر نہیں آیا تھا۔ میں پھر آگے بڑھا اور اس بار رفتار ذرا سست رکھی۔ ایک منٹ بعد میں نے احتیاط سے جھانک کر معبد کے اگلے حصے میں دیکھا۔ وہاں کوئی نہیں تھا۔ باغ میں ایرٹ نظر نہیں آ رہا تھا اور اس کا نہ نظر آتا ہی بہتر تھا۔ قید خانے کی عمارت باغ سے ذرا فاصلے پر معبد کے اس کونے سے کوئی سو فٹ کے فاصلے پر تھی۔ یہ ایک منزلہ عمارت اصل میں تین منزلہ تھی اور اس کی دو منزلیں زمین کے نیچے تھیں۔ جس کے بعد بڑا کنواں تھا اور اس میں ہارن تھا۔ مجھے وہ پجاری نظر نہیں آیا تھا جو ہاتھ گاڑی چلا رہا تھا۔ کیا وہ قید خانے کی عمارت کے اندر ہی تھا۔

مجھے یاد آیا کہ اس جگہ صرف ہارن ہی نہیں بلکہ اسمار بھی موجود تھے جن کے آگے معبد کے مجرموں کو ڈالا جاتا تھا۔ پتا نہیں وہ اسمار تھے یا نہیں؟ لیکن وہ تھے تو امکان تھا کہ لاش کو ان کے آگے ڈال دیا جائے گا۔ یہ خیال آتے ہی میں مضطرب ہو گیا۔ پہلے میں سوچ رہا تھا کہ وہ باہر آئے تو میں اندر جاؤں مگر اس خیال نے مجھے حرکت میں آنے پر مجبور کر دیا تھا۔ میں نے ایک بار پھر معبد کے سامنے والے حصے کی طرف دیکھا اور جھک کر تیزی سے روش کر اس کی۔ دوسری طرف آتے ہی میں نے اب باغ کے ساتھ چلتی روش کے کنارے اُگی باڑھ کے پیچھے پناہ لی۔ قید خانے کی عمارت کے سامنے بڑے درخت اور باڑ اس طرح لگائی گئی تھی کہ باغ میں چہلیں کرنے والے پجاریوں کو یہ بد صورت عمارت نظر نہ آئے۔ اس وجہ سے امکان تھا کہ یہ معبد سے بھی نظر نہیں آتی ہوگی۔ کم سے کم اس کا داخلی دروازہ یقیناً نظروں سے اوجھل تھا۔

باڑ میں کہیں کہیں خلا تھا۔ میں باڑ کی آڑ میں جھک کر قید خانے کی عمارت کے دروازے تک پہنچا۔ اس کا بڑا سادہ پٹ والا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ میرا اندازہ درست ثابت ہوا کہ یہ جگہ معبد سے نظر نہیں آ رہی تھی اور کوئی فرد اسی وقت قید خانے کا دروازہ دیکھ سکتا تھا جب وہ معبد کی چوٹی پر چڑھ جائے۔ میں نے پلٹ کر دیکھا تو باڑ کے خلا سے ایرٹ مجھے کچھ فاصلے پر ایک درخت کے ساتھ ریگنا ہوا نظر آیا۔ اب وہ پوری احتیاط کا مظاہرہ کر رہا تھا۔ میں نے اشارے سے اس شاباشی دی اور اندر گھس گیا۔ عمارت میں اندر تار کی تھی اور میری آنکھوں کو مانوس ہونے میں کچھ وقت لگا تھا۔ پھر میں آگے بڑھا۔ یہ گزرگاہ تھی جس کے دونوں طرف بڑے بڑے کمرے تھے اور ان میں مختلف قسم کا سامان بھرا ہوا تھا۔ ذرا آگے گیا تو ایک سلوپ مجھے نیچے جانا نظر آیا۔ نیچے مشعلوں کی روشنی تھی اور بدبو بتا رہی تھی کہ یہاں سے قید خانے کا آغاز ہو رہا تھا۔

میں دبے قدموں نیچے کی طرف بڑھا۔ پجاری اور ہاتھ گاڑی اوپر نظر نہیں آئی تھی۔ نیچے آتے ہی مجھے پجاری نظر آگیا۔ وہ ہاتھ گاڑی کے دوسری طرف زمین پر جھکا ہوا تھا۔ اس کی توجہ میری طرف نہیں تھی۔ میں اس سے فائدہ اٹھا کر برق رفتاری سے اس کے سر پر پہنچا اور جب میں ہاتھ گاڑی کے دوسری طرف پہنچا تو یہ دیکھ کر میرا خون کھول گیا تھا کہ وہ لاش کو بے لباس کر کے شاید اسے بے آبرو کرنے کی فکر میں تھا۔ میرے ہاتھ نے اس کا گلاب بند کر دیا۔ وہ کمزور آدمی نہیں تھا۔ مگر تن آسانی اور عیاشی نے اسے ناکارہ کر دیا تھا۔ وہ مزاحمت نہ کر سکا۔ بس پھڑپھڑا کر رہ گیا۔

میں نے گلاتو مارنے کی نیت سے دبوچا تھا مگر پھر ایک خیال نے مجھے روک لیا اور میں نے صرف بے ہوش کرنے پر اکتفا کیا۔ جب وہ ڈھیلا ہوا تو اسے نیچے ڈال کر میں نے لاش کا جائزہ لیا۔ اس پر پڑنے والی پہلی نظر میں مجھے پتا چل گیا تھا کہ وہ رویہ نہیں ہے۔ یہ شاید سترہ اٹھارہ سال کی لڑکی تھی اور حسب روایت نہایت حسین تھی۔ اگرچہ اس کے رخسار پر نیل اور جسم پر زخموں کے نشانات تھے اس کے باوجود اس کی خوب صورتی عیاں تھی۔ اس کے پیٹ پر گھاؤ کا نشان تھا جس سے ابھی بھی ہلکا سا خون رس رہا تھا اور شاید یہی اس کی موت کی وجہ بنا تھا۔ میں نے اس کا اترا ہوا لبادہ اس کے جسم پر ڈالتے ہوئے سوچا کہ اسے نہ جانے کس بات کی سزا ملی تھی۔ اسی لمحے اوپر سے آہٹ سنائی دی اور پھر ایرٹ کی آواز آئی۔ ”آپ کہاں ہیں؟“

”نیچے چلے آؤ۔“ میں نے کہا۔ ”ایک اچھی خبر ہے۔“

اچھی خبر کا سن کر ایرٹ جیسے اڑتا ہوا آیا تھا۔ اس نے آتے ہی بے ہوش پجاری اور خالی ہاتھ گاڑی کو دیکھا اور بولا۔ ”رویہ کہاں ہے؟“

”لاش رویہ کی نہیں ہے۔“ میں نے کہا۔ ”یہ بے چاری خادماؤں میں سے ایک ہے۔“

اسی لمحے نسوانی کراہ نے ہم دونوں کو چونکا دیا۔ میں مڑا تو خلاف توقع لڑکی کو ہلتے پایا۔ مجھے اپنی حماقت کا احساس ہوا۔ میں نے اس کی نبض اور دل کی دھڑکن چیک کیے بغیر اسے مردہ سمجھ لیا تھا۔ وہ زندہ تھی مگر بظاہر مردہ نظر آ رہی تھی۔ میں اس کی طرف جھکا اور پلٹ کر ایرٹ سے کہا۔ ”یہ زندہ ہے..... یہاں پانی تلاش کرو۔“

قید خانے میں کوئی قیدی نہیں تھا مگر ان کے لیے یہاں پانی کا ایک بڑا سا ٹب رکھا ہوا تھا جس میں نہ جانے کب سے پانی پڑا ہوا تھا۔ مگر دیکھنے میں صاف ہی لگ رہا تھا۔ ایرٹ ایک مٹی کے کٹورے میں پانی لے آیا اور میں نے اس سے لے کر لڑکی کے ہونٹوں پر ذرا ذرا پکانا شروع کیا۔ اس کا فوری رد عمل ہوا اور اس نے بے تابانی سے منہ کھول دیا۔ پانی منہ میں اور حلق میں گیا تو اسے جلد ہوش آگیا۔ اس نے آنکھیں کھولیں اور مجھے دیکھ کر وہ خوف زدہ انداز میں پیچھے ہٹنے لگی تھی۔ ایرٹ نے اسے تسلی دی۔ ”ڈرو نہیں ہم سے تمہیں کوئی خطرہ نہیں ہے ہم پجاری یا معبد سے تعلق نہیں رکھتے ہیں۔“

جلد لڑکی کے خوف پر اس کی تکلیف غالب آگئی اور وہ کراہنے لگی تھی۔ میں نے ایرٹ کی مدد سے کہا۔ ”ہم تمہیں لباس پہنا رہے ہیں۔ تمہیں کچھ تکلیف برداشت کرنے ہوگی۔“

لباس اور بے لباسی اس کے لیے خاص اہمیت نہیں رکھتی تھی کیونکہ وہ معبد کی داسی تھی اور نہ جانے کتنی بے لباس راتیں گزرا چکی تھی مگر تکلیف کا سن کر اس کا سفید چہرہ مزید سفید پڑ گیا تھا۔ اس نے سر ہلایا تو میں نے اسے

ایرٹ کی مدد سے اس کا کرتہ لڑکی کو پہنایا۔ یہ مجبوری تھی کیونکہ یہاں اور کوئی لباس نہیں تھا۔ اسے تکلیف ہوئی تھی کیونکہ وہ رونے کے انداز میں کراہنے لگی تھی۔ میں نے لڑکی کے خون آلود لہا دے کی پٹیاں پھاڑ کر پہلے اس کے پیٹ کے زخم پر گد دی رکھ کر اوپر سے پٹی کی۔ دوسرا بڑا زخم اس کی ران پر تھا اور اس سے خون بہنا بند ہو گیا تھا۔ مرہم پٹی سے فارغ ہو کر اسے مزید پانی دیا تو وہ اس قابل ہو گئی کہ سہارا لے کر چل سکتی تھی۔ ایرٹ نے پوچھا تو میں نے کہا۔ ”یہ ہمارے ساتھ جائے گی اور اس سے ہمیں معبد کے اندر کی معلومات حاصل ہوں گی۔“

”لیکن روبیر.....“

”اس کے بارے میں بھی اسی سے معلوم ہوگا۔“ میں نے کہتے ہوئے پجاری کی طرف دیکھا۔ ”اس کا کچھ کرنا ہوگا۔“

ایرٹ نے کہا۔ ”اگر یہ واپس نہ گیا تو جلد کوئی نہ کوئی اس کی تلاش میں آئے گا اور یہ زندہ ملا تو ہمارا راز فاش ہو جائے گا۔“

”اس لیے ضروری ہے کہ یہ زندہ نہ رہے۔ یہ اس قابل بھی نہیں ہے جب میں یہاں آیا تو یہ اس لڑکی کو بے آبرو کرنے جا رہا تھا۔“

”لیکن اس کی موت ایسی ہو کہ ہماری طرف نشاندہی نہ ہو اور لڑکی کی گم شدگی کی طرف دھیان بھی نہ جائے۔“

”اس کے لیے پہلے اس سے پوچھ گچھ کرنا ہوگی۔“ میں نے کہا اور پیالے میں پانی بھر کر بے ہوش پجاری کے منہ پر ڈال دیا۔ ٹھنڈے پانی نے اسے جھنجھوڑ دیا اور وہ کسمانے لگا۔ میں نے اس کے گھٹنے پر چند ٹھوکریں ماریں تو وہ تکلیف سے بلبلا کر ہوش میں آ گیا۔ اس نے اس بار واضح الفاظ میں فریاد کی۔

”مجھے نہ مارو۔“

”زندہ رہنا چاہتے ہو تو کھڑے ہو جاؤ اور جو پوچھا جائے اس کا جواب دو۔“ ایرٹ نے غرا کر کہا۔

”دوسری صورت میں تمہیں ہارن والے کنویں میں پھینک دیا جائے گا جہاں معبد کے مجرموں کو پھینکا جاتا ہے۔“

یہ سن کر اس کے ہوش اڑ گئے تھے اور اس نے گڑ گڑا کر یقین دلایا کہ وہ سب بتائے گا۔ ایرٹ نے لڑکی کی طرف اشارہ کیا۔ ”اسے یہاں کیوں لائے تھے؟“

”اسے قید خانے میں ڈالنا تھا۔“ پجاری نے کہا تو لڑکی بے ساختہ بولی۔

”جھوٹ کہتا ہے اسے حکم تھا کہ مجھے اس کے سامنے ڈال دیا جائے۔“

”کیوں؟“ اس بار ایرٹ نے لڑکی سے ہی پوچھا۔

”میں نے ایک لڑکی کی مدد کی تھی۔ اس نے خادماؤں والا لباس پہنا تھا مگر وہ معبد کی خادماؤں میں سے نہیں تھی۔ کسی کو اس پر شک ہوا تھا اور وہ چھپتی پھر رہی تھی۔ اس سے پہلے کہ اسے پکڑا جاتا وہ غائب ہو گئی۔ وہ میرے پاس آئی تھی اور میں نے اسے فرار ہونے میں مدد دی۔ پتا نہیں کیسے پجاریوں کو مجھ پر شک ہو گیا اور انہوں نے مجھے مارا۔ ایک نے میرے پیٹ میں نیزہ مارا تھا۔ جب میں درد سے تڑپ رہی تھی تو آئی کون نے مجھے اس کے آگے ڈالنے کا حکم دیا پھر میں بے ہوش ہو گئی۔“ لڑکی نے تفصیل سے بتایا تھا۔ ایرٹ نے تڑپ کر

پوچھا۔

”اس کا نام روبیر ہے؟“

لڑکی کی آنکھوں میں حیرت نظر آئی تھی۔ ”تم کیسے جانتے ہو؟“

”تم نے اسے کہاں نکالا؟“

”میں نہیں جانتی میں اسے معبد کی چلی منزل تک لائی تھی اس کے بعد وہ خود کہیں گئی تھی۔“

گویا کرنل کی آمد اس وجہ سے تھی اور کیونکہ اسے علم نہیں تھا کہ کوئی لڑکی یا عورت یہاں سے فرار ہوئی ہے اس لیے اس نے قیدیوں کو دیکھنے پر اصرار نہیں کیا۔ وہ نائرس کی وضاحت سے مطمئن ہو کر چلا گیا تھا۔ یہ ثابت ہو گیا تھا کہ پجاری آسانی سے منہ کھولنے پر آمادہ نہیں ہوگا۔ میں نے اس کی گدی پکڑی اور اسے کھینچتا ہوا تہہ خانے کے دوسرے لیول تک لایا جہاں ہارن کا کنواں تھا اور اس میں ہارن موجود تھا۔ انسانوں کی موجودگی محسوس کرتے ہی اس نے بھیا تک سی آواز نکالی تھی میں نے پجاری کو کنویں میں لٹکایا تو اس نے چیخ ماری تھی یہ سمجھ کر کہ میں اسے نیچے پھینک رہا ہوں۔ مگر میں نے اسے الٹا لٹکا دیا تھا اور اس کی ٹانگ پکڑ لی تھی۔ ایرٹ میرے ساتھ آیا کیونکہ وہی پجاری سے سوال جواب کر سکتا تھا۔ اس نے پہلا سوال روبیر کے بارے میں کیا۔ ”وہ کون ہے جسے بھگانے کی پاداش میں اس خادمہ کے ساتھ یہ سلوک کیا گیا۔“

”میں نہیں..... جانتا۔“ اس نے ناک کے بل روتے ہوئے کہا۔ ”اس لڑکی کی ایک جھلک شامین نے دیکھی تھی۔“

”شامین کون ہے؟“ ایرٹ نے انجان بن کر پوچھا۔

”وہ سپاہی ہے لیکن اس وقت مہا پجاری کے سب سے نزدیک وہی ہے۔ اسی نے زونیرا کو نیزہ مار زخمی کیا

تھا۔“

خادمہ کا نام زونیرا تھا۔ میں نے کہا۔ ”اس سے پوچھو۔ اندر کتنے لوگ ہیں اور ڈیوڈ شا اور اس کے ساتھی کہاں مقیم ہیں؟“

ایرٹ نے میرا سوال آگے کیا تو اس نے جلدی سے کہا۔ ”اندر اب دو درجن خادماؤں اور ایک درجن پجاریوں کے علاوہ وہی چار مقدس ہیں۔“

”وہ کیسے مقدس ہو گئے؟“

”پتا نہیں مہا پجاری نے انہیں مقدس قرار دیا ہے۔“ پجاری نے کہا۔ اب وہ فر فر بول رہا تھا۔ ”وہ معبد کی آخری منزل پر ہیں جہاں سینتور کا معبد بھی ہے۔“

”معبد کی کتنی منزلیں ہیں؟“

”معبد کی تین بڑی منزلیں ہیں اور نیچے کی طرف بھی دو منزلیں ہیں۔“ اس نے انکشاف کیا۔

”معبد کا خفیہ راستہ جو وادی کے اوپر جانے والے راستے کے پاس کھلتا ہے وہ معبد میں کہاں ہے؟“

”میں چھوٹے درجے کا پجاری ہوں۔ اس کے بارے میں صرف مہا پجاری اور اس کے چند ساتھی جانتے

ہیں۔“

”سامنے والے دروازے کے علاوہ معبد کے اندر جانے کا کوئی راستہ ہے؟“

اس بار وہ جواب دیتے ہوئے ہچکچایا پھر اس نے کہا۔ ”ایک راستہ اور ہے جو معبد کے اوپری حصے میں باہر نکلتا ہے لیکن یقین کرو میں نہیں جانتا کہ وہ راستہ کہاں ہے؟“

یہ انکشاف تھا کہ معبد کا ایک خفیہ راستہ اور بھی ہے جو اس کے اوپری حصے میں باہر کی طرف نکلتا ہے۔ ڈیوڈ شا کے بارے میں اس نے مزید بتایا کہ وہ سینٹور والے حصے میں ہے اور وہاں سوائے آئی کون، شامین اور چند مقرب پجاریوں کے کسی کو جانے کی اجازت نہیں تھی۔ معبد کی معمول کی سرگرمیاں بھی بند تھیں اور تمام فیصلے ڈیوڈ شا کر رہا تھا۔ اس کے ہاتھ میں طاقت تھی اور آئی کون سمیت تمام ہی لوگ جو معبد میں تھے۔ اس وقت اس کے غلام تھے۔ جب میں نے محسوس کیا کہ اب اس سے کوئی بات معلوم نہیں کی جاسکتی ہے تو میں نے ایرٹ سے کہا۔ ”اس کا انجام سوچ لیا ہے۔ ہم کسی طرح یہاں موجود اسماروں کو آزاد کر کے باہر نکل جائیں گے۔ اسمار اس کا کام تمام کر دیں گے اور اگر کوئی دیکھنے آیا تو یہی معلوم ہوگا کہ کسی وجہ سے اسمار آزاد ہو گئے اور پجاری کو مار کر کھا گئے۔“

”زونیرا؟“

”میں نے غور کیا اور کہا۔“ اس کا خون آلود لبادہ پھاڑ کر یہیں پھینک جائیں گے اور ایسا لگے گا کہ اسماروں نے اسے بھی کھا لیا ہے۔“ میں نے جواب دیا تو ایرٹ مطمئن نظر آنے لگا۔ ہم پجاری کو لے کر اوپر آئے۔ اسے علم نہیں تھا کہ میں نے اس کے بارے میں کیا فیصلہ کیا ہے؟ مگر شاید اس کی چھٹی حس نے اسے خبردار کر دیا کہ اس کی موت کا فیصلہ ہو گیا ہے۔ وہ رونے لگا کہ اسے بخش دیا جائے۔ اوپر آتے ہی میں نے اس کی کپٹی پر گھونسا مارا اور یہ ایک ضرب ہی اس کے لیے کافی ثابت ہوئی۔ وہ بے ہوش کر گرا اور ہاتھ گاڑی پر بیٹھی ہوئی زونیرا سہم گئی تھی۔ میں نے ایرٹ کو اس کے پاس چھوڑا اور خود اسماروں کی تلاش کی۔ جلد میں نے ایک تاریک کوٹھری میں انہیں پالیا۔ اس کے اوپری حصے میں گول کنوؤں نما سوراخ تھا جس سے معتوب کو اندر پھینکا جاتا تھا۔ اسماروں کو اندر پہنچانے کے لیے اس کی جڑ کے ساتھ ایک چھوٹا سا لیکن نہایت مضبوط لکڑی کا دروازہ تھا۔ میری موجودگی محسوس کر کے وہ غرانے لگے تھے۔ میں نے مشعل کی روشنی میں دروازے کا جائزہ لیا۔ یہ دو بانی ڈھائی فٹ کا تھا۔ اسے دو عدد مضبوط ترین بلیوں کی مدد سے بند کیا گیا۔ اسماروں کی کوٹھری تہہ خانے میں تھی اور یہاں سے باہر کے دروازے تک طویل فاصلہ تھا۔ اگر دروازہ کھول دیا جاتا اور اسمار فوراً باہر آ جاتے تو کھولنے والے کے لیے عمارت سے نکلنا آسان نہ ہوتا۔ امکان یہی تھا کہ اسمار راستے میں آلیتے۔ میں نے کوٹھری اور اس پاس کا جائزہ لیا اور ایک ترکیب میری سمجھ میں آ گئی۔ کوٹھری کے اوپری حصے میں لکڑی کی کھونٹی لگی تھی۔ میں واپس آیا اور گودام سے رسی تلاش کی جو آسانی سے مل گئی۔ پھر میں نے ایرٹ سے کہا۔ ”زونیرا کو لے کر باہر نکل جاؤ اور میرے آنے کا انتظار کرو جیسے ہی میں نکلوں دروازہ بند کر دینا کیونکہ اندر اسمار آزاد ہو چکے ہوں گے۔“

ایرٹ فکر مند ہو گیا۔ ”اس میں خطرہ ہے، ہم پجاری کو ایسے ہی چھوڑ دیتے۔“

”نہیں منصوبے پر عمل کرنا لازمی ہے ورنہ ڈیوڈ شا ہوشیار ہو سکتا ہے۔ وہ پہلے ہی روبیر کے بارے میں

جان کر چوکنہ ہیں۔“

میں اندر آیا اساروں کی کوٹھری کے دروازے کی ایک بلی نکال دی۔ پھر بہت احتیاط سے دوسری بلی بھی نکالی۔ اب دروازہ کھل گیا تھا اور صرف دھکا دینے کی دیر تھی۔ میں نے دل ہی دل میں دعا کی کوئی اسار دھکا نہ دے ورنہ وہ فوری آزاد ہو جائیں گے۔ رستی کو دروازے کے ہینڈل کے گرد گھمایا مگر گرہ لگانے سے گریز کی۔ پجاری کو پہلے ہی گھسیٹ کر نیچے لے آیا تھا۔ اسے کوٹھری سے ذرا فاصلے پر ڈال دیا۔ باہر نکلتے ہی اساروں کو وہ مل جاتا تو امکان تھا کہ وہ باہر کی طرف ذرا دیر سے متوجہ ہوں گے اور مجھے وہاں سے نکلنے کا موقع مل جائے گا۔ زونیرا کا لہذا بھاڑ کر وہیں پھینک دیا۔ میں سیڑھیوں سے اوپر والی منزل تک آیا اور یہاں آکر رستی کو پوری قوت سے کھینچا۔ دروازہ کھلنے اور دیوار سے ٹکرانے کی آواز آئی۔ اس کے ساتھ ہی میں سر پر پاؤں رکھ کر بھاگا تھا۔ بھاگنے کے ساتھ میں رستی بھی کھینچنے لیے جا رہا تھا۔

پہلی منزل پر آتے ہی میں نے چلا کر ایرٹ کو خبردار کیا۔ مجھے پچلی منزل سے بھیا تک غراہٹ سنائی دی تھی۔ اسار نکل آئے تھے اور شاید اوپر بھی آرہے تھے۔ ایرٹ تیار تھا میرے باہر آتے ہی اس نے پھرتی سے دروازہ بند کیا اور باہر سے اس کی کنڈیاں لگانے لگا۔ اس کی کئی کنڈیاں تھیں جو لگ جانے کے بعد اندر سے اسے کھولنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ جیسے ہی آخری کنڈی لگی اندر سے کوئی دروازے سے ٹکرایا اور غراہٹ کی آواز آئی تھی۔ میرا اندازہ تھا کہ کوٹھری میں کم سے کم تین سے چار اسار تھے اور اب وہ آزاد ہو چکے تھے۔ ان کی موجودگی میں اندر جانا بھی آسان نہیں تھا اور کوئی بے خیالی میں آکر دروازہ کھول دیتا تو یہ باہر بھی آسکتے تھے۔ پجاری کے بارے میں مجھے یقین تھا کہ وہ اب تک لقمہ اجل بن گیا ہوگا۔ رستی میں نے ایک جگہ چھوڑ دی تھی اور اب اس کی طرف کسی کا ہواں مشکل سے جاتا کہ رستی وہاں کیوں پڑی تھی۔ ہاں میں اسے نیچے چھوڑ دیتا تو شک کیا جاسکتا تھا۔ میں نے ایرٹ سے کہا۔ ”تم اسے سہارا دو میں آس پاس نظر رکھوں گا۔“

ایرٹ نے زونیرا کو سہارا دیا۔ اس کے پیٹ کے زخم کی وجہ سے اسے اٹھانا مشکل تھا گود میں لیا جاسکتا تھا مگر اس سے ایرٹ کو مشکل ہو سکتی تھی۔ بہر حال چند قدم چل کر اس کے قدم لڑکھڑانے لگے اور سارا بوجھ ایرٹ پر آیا تو اس نے اسے گود میں اٹھالیا۔ میں آگے تھا۔ پہلے میں نے جھانک کر معبد کے سامنے والے حصے کا معائنہ کیا اور پھر ایرٹ کو اشارہ کیا۔ اس نے تیز قدموں سے روش پار کی اور معبد کی آڑ میں آگیا۔ اس کے بعد میں آیا اور ہم روانہ ہو گئے۔ میرے خیال کے برعکس زونیرا کو اٹھانا ایرٹ کے لیے مسئلہ ثابت نہیں ہوا۔ ایک تو وہ چھریرے جسم کی مالک تھی اور دوسرے سنا ہے کہ حسین خواتین کا وزن نہیں ہوتا ہے یا ہوتا ہے تو محسوس نہیں ہوتا۔ شاید اسی لیے ایرٹ اسے اٹھائے بے تکان عمارت تک پہنچ گیا۔ ربیک وہیں موجود تھا اور ایک عدد لڑکی کو پا کر اس نے جلدی سے کہا۔ ”رو بیر؟“

”نہیں یہ معبد کی خادمہ ہے۔“ میں نے کہا اور اندر کود کر ایرٹ سے زونیرا کو احتیاط سے وصول کیا۔ ”یہ زخمی ہے اور اسے طبی امداد کی ضرورت ہے۔“

”اسے لٹائیں میں آتا ہوں۔“ ربیک نے باہر جاتے ہوئے کہا۔ ایرٹ نے اندر آکر کھڑکی بند کر دی تھی۔ میں نے زونیرا کو وہیں پڑے کھال کے مندرے پر لٹا دیا۔ ربیک چند منٹ بعد اپنا دواؤں والا تھیلا لے آیا جو اسے سامیرا لے دیا تھا اور اس نے یہاں بھی ساتھ رکھا تھا۔ زونیرا کا زخم دیکھنے کے لیے کرتہ اوپر کرنا ضروری تھا

اور نیچے اس نے کچھ نہیں پہنا ہوا تھا۔ مگر مجبوری تھی۔ ایک زخم اس کی ران پر بھی تھا۔ وہ بہتر تھا کہ خون بہنا رک گیا تھا۔ ربیک نے اس کا پیٹ کا زخم دیکھا جس سے خون رسنا شروع ہو گیا تھا اور میں نے جو گدی بنائی تھی وہ خون سے بھیگ گئی تھی۔ ربیک نے ایک کالا سا مخلول پانی میں ڈال کر پہلے اس سے اس کے زخم صاف کیے۔ یہ شاید ننگھر جیسی کوئی چیز تھی کیونکہ زونیرا کے زخم پر لگا تو اسے تکلیف ہوئی تھی۔ ربیک کو اپنا کام کرتا چھوڑ کر میں اور ایرٹ باہر آ گئے۔ ایرٹ نے آتے ہی معذرت کرنا چاہی مگر میں نے اسے روک دیا۔

”میں تم سے ناراض نہیں ہوں تم نے جان بوجھ کر نہیں کیا۔“

ایمار اور مارٹ آگے موجود تھے اور مارٹ پہرہ دے رہا تھا۔ میں دفتر میں داخل ہوا تو اس نے مڑ کر مجھے بے تابی سے آگے آنے کا اشارہ کیا۔ میں کھڑکی تک آیا اور باہر دیکھا تو مجھے ڈیوڈ شاچند دوسرے افراد کے ہمراہ دکھائی دیا۔ ان میں ایک وہی کمزور پجاری تھا۔ ان کے علاوہ تین افراد اور تھے اور یہ سب بھی پجاریوں کے لباس میں تھے۔ پجاریوں کا انداز نہایت مؤدبانہ تھا اور ڈیوڈ شان کے درمیان یوں تنا کھڑا تھا جیسے وہی یہاں کا حکمران ہو۔ حکمرانی کی سند اس نے خود کار رائل کی صورت میں شانے سے لٹکا رکھی تھی۔ ایمار اور ایرٹ بھی آگئے تھے۔ میں نے انہیں اشارے سے دکھایا اور کہا۔ ”یہ ڈیوڈ شا ہے میرا اصل دشمن۔“

ایمار نے تیرکمان سنبھال لیا۔ ”ہم اسے یہاں سے نشانہ بنا سکتے ہیں۔“

”اگر آپ اجازت دیں۔“ مارٹ بھی پُر جوش ہو گیا۔

مجھے خیال آیا کہ موقع اچھا ہے۔ مگر ڈیوڈ شامعبد کے دروازے پر تھا اور یہ جگہ یہاں سے کوئی تین سو فٹ کے فاصلے پر تھی۔ اتنے فاصلے سے نشانہ لینا آسان نہیں تھا۔ اگرچہ وہ سب ہی اچھے تیر انداز تھے لیکن اس کے باوجود اس کا امکان کم تھا کہ ڈیوڈ شان نشانہ بن سکے۔ ایک تو فاصلہ تھا اور دوسرے وہ پجاریوں کے درمیان میں تھا۔ پھر وہ ایسی جگہ تھا کہ بچ جاتا تو فوراً ہوشیار ہو جاتا اور اس کے بعد اسے نشانہ بنانا ممکن نہ ہوتا۔ کیونکہ وہ معبد میں گھس جاتا۔ اس لیے میں نے انہیں روک دیا۔ ”ابھی نہیں کیونکہ وہ دور ہے اور تمہیں نشانہ بنانے کا دوسرا موقع نہیں ملے گا۔ اگر وہ ایسی جگہ ہو جو یہاں سے قریب ہو اور تمہیں دوسرا موقع ملے تب اسے نشانہ بنانے کی کوشش کی جاسکتی ہے۔“

ایرٹ، مارٹ اور ایمار نے تیرکمان سنبھال لیے تھے۔ میری نظر ڈیوڈ شا پر مرکوز تھی۔ وہ اس وقت باہر کیوں آیا تھا۔ کیا وہ پجاری کے واپس نہ آنے پر اسے دیکھنے کے لیے نکلے تھے۔ مگر اس صورت میں ڈیوڈ شا کو خود باہر آنے کی کیا ضرورت تھی۔ وہ کسی کو بھیج کر معلوم کر سکتا تھا۔ وہ پجاریوں سے بات کر رہا تھا۔ پھر وہ لوگ پلٹے اور مخالف سمت میں جانے لگے۔ مجھے اپنا خدشہ درست لگنے لگا۔ وہ قید خانے کی عمارت کی طرف جا رہے تھے۔ ڈیوڈ شا کو پجاریوں سے بات کرتے دیکھ کر مجھے ذرا بھی تعجب نہیں ہوا کیونکہ برف والے کی طرح اس کے پاس بھی یہ صلاحیت تھی کہ وہ کسی کو اپنی زبان سمجھنے کے قابل بنا سکتا تھا۔ وہ خود بھی قابل تھا۔ اگرچہ شراب پیتا تھا مگر شاید اس کے باوجود وہ اس صلاحیت کا حامل تھا کہ خود بھی اجنبی زبان سمجھ سکے اور دوسرے کو اپنی بات سمجھا سکے۔ ایرٹ نے کہا۔

”یہ کہاں جا رہے ہیں؟“

”قید خانے کی طرف، شاید پجاری کے واپس نہ آنے سے یہ لوگ اسے دیکھنے جا رہے ہیں۔“ میں نے سوچتے ہوئے کہا۔ ڈیوڈ شا جیسے مکار کا اس طرف جانا خطرناک ہو سکتا تھا۔ رائفل کی موجودگی میں امکان تھا کہ اسار اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکیں۔ وہ اندر جاتا تو تاڑ سکتا تھا کہ زونیر انچ گئی ہے۔ ڈیوڈ شا اور پجاری جو مشعلیں تھامے ہوئے تھے معبد کے کنارے پہنچے اور خلاف توقع قید خانے کی طرف جانے کے بجائے مخالف سمت میں مڑ گئے۔ میں نے اطمینان کا سانس لے کر کہا۔ ”یہ قید خانے نہیں بلکہ رن دے کی طرف جا رہے ہیں جہاں طیارے اتریں گے۔“

”ہم کیا کریں؟“ مارٹ نے پوچھا۔ ”کیا ہم اسے وہاں نشانہ نہیں بنا سکتے ہیں؟“

یہ خیال میرے ذہن میں بھی تھا۔ اس سارے فساد کی جڑ ڈیوڈ شا تھا اور اگر وہ مارا جاتا تو یہ سب سے بڑی کامیابی ہوتی۔ میں نے مارٹ، ایمار اور ایرٹ سے کہا۔ ”میرے ساتھ چلو ہمیں بھی عقبی حصے میں جانا ہوگا۔“

ریک نے زونیر کے زخم کی صفائی کر کے اس پر مرہم لگا کر اس پر پٹی باندھ دی تھی۔ اسی نے اسے پا جامہ بھی لا کر پہنا دیا تھا اور اسے بالوں سے بنا ہوا کمبل اوڑھا رہا تھا۔ اب اسے لڑکی کو خوراک دینے کی فکر تھی۔ ریک کو وہیں چھوڑ کر ہم باہر آئے۔ عقبی باغ سے ہوتے ہم میدان کے کنارے تک آئے۔ یہاں روشنی نہیں تھی کیونکہ یہاں مشعلیں روشن نہیں تھیں۔ ڈیوڈ شا کے ساتھ موجود پجاریوں کے پاس تیز روشنی والی مشعلیں تھیں اور اتنی دیر میں وہ دوسری طرف سے گھوم کر نمودار ہو چکے تھے۔ وہ معبد کے وسطی حصے کی طرف آرہے تھے۔ میں اور ایرٹ اسی درخت کی آڑ میں لیٹے ہوئے تھے جس کے اوپر رستی باندھی تھی۔ درخت سے آگے روش کے ساتھ چھوٹے پودے تھے مگر ان تک جانا مناسب نہیں تھا اگر کوئی اس طرف آ جاتا تو ہمیں چھپنے کی مہلت بھی نہیں ملتی۔ ایمار اور مارٹ ہمارے عقبی طرف پودوں کے عقب میں دبکے ہوئے تھے۔ ایرٹ نے سرگوشی کی۔ ”اوپر نہ چلیں؟“

”پہلے تم۔“ میں نے کہا تو ایرٹ پھرتی سے اوپر چڑھ گیا۔ اس کے بعد میں گیا اور مجھے احتیاط کرنا پڑی تھی۔ میرے وزن سے درخت کسی قدر ہل رہا تھا اور اس کا کوئی جواز نہیں تھا کیونکہ وہاں ہوا نہیں چلتی تھی جو درخت حرکت کریں۔ یہ صرف اسی صورت میں حرکت کرتے جب کوئی انہیں حرکت دیتا۔ ڈیوڈ شا اور پجاری متوجہ ہو سکتے تھے۔ اس لیے میں بہت آہستہ سے اوپر پہنچا۔ اس وقت تک ڈیوڈ شا پجاریوں کے ہمراہ رن دے کے وسط میں پہنچ چلا تھا۔ غالباً وہ رن دے کا معائنہ کرنے آیا تھا۔ اس وقت بھی ہم سے کوئی پونے تین سو فٹ کے فاصلے پر تھا۔ میں ایک مناسب جگہ تک گیا۔ ایرٹ بھی پاس ہی ذرا اوپر تھا۔ اس نے آہستہ سے کہا۔

”رو بیر نہیں ملی لیکن مجھے لگ رہا ہے وہ خیریت سے ہے۔“

”میرا بھی یہی خیال ہے کہ وہ آزاد ہے ورنہ اس کے پکڑے جانے کی صورت اب تک ہم کسی مصیبت میں پڑ چکے ہوتے۔ معبد کی طرف سے آنے والے یہی پوچھنے آئے تھے کہ یہاں سے کوئی فرار تو نہیں ہوا ہے۔ شامین میری توقع سے زیادہ خبیث آدمی ثابت ہو رہا ہے۔ رو بیر نے عقل مندی کی جو اس کی نظر پڑتے ہی غائب ہو گئی۔“

”مگر وہ ہے کہاں؟“ ایرٹ نے پوچھا۔ ”اگر وہ معبد سے گس گئی ہوتی تو لازمی ہمارے پاس آتی۔“

”یہی تو میں سوچ رہا ہوں۔ وہ معبد میں ہی کہیں چھپی ہے۔ معبد کی عمارت بہت بڑی ہے اس میں یقیناً

چھپنے کی بہت سی جگہیں ہوں گی۔“

ڈیوڈ شاپجاریوں سے بات کر رہا تھا پھر اس نے ہاتھ بلند کیا مگر اس کا ہاتھ خالی تھا اور اس نے بلند آواز میں کہا۔ ”آن۔“

اس کے ساتھ ہی رن وے کی لائنس آن ہو گئیں۔ پجاریوں میں کھلبلی سی مچی تھی۔ وہ یوں ڈر کر پیچھے ہوئے جیسے یہ کوئی جادو ہو۔ شاید ڈیوڈ شانے ایسا ہی کوئی تاثر دیا تھا۔ وہ شاطر آدمی تھا۔ ان لوگوں کو اپنی روحانی قوت کا قائل کر کے مزید مرعوب کر رہا تھا۔ ریموٹ شاید اس کی جیب میں تھا اور اس نے ہاتھ ڈال کر اس کا بٹن دبایا تھا۔ اس کا بایاں ہاتھ پتلون کی جیب میں اور دایاں ہاتھ جو ہوا میں تھا وہ خالی تھا۔ اس نے لفظ آن کہا تھا۔ یہ انگریزی کا لفظ ہے اس لیے پجاریوں کے پلے نہیں پڑا۔ پجاری متحس بھی تھے مگر روشن ہونے والی ڈسکوں کے پاس جانے سے بھی گریز کر رہے تھے۔ غالباً ڈیوڈ شانے اس حوالے سے انہیں روکا تھا۔ ورنہ پاس جانے پر وہ ڈسک دیکھ سکتے تھے۔ اگرچہ وہ ان کی اصلیت نہیں سمجھ سکتے تھے۔ ایک منٹ بعد ڈیوڈ شانے اسی طرح ہاتھ بلند کیا اور بولا۔ ”آف۔“

ڈسک آف ہو گئیں۔ اس کے ساتھ ہی ڈیوڈ شا اور پجاری واپس جانے لگے تھے۔ میری چھٹی حس نے کہا کہ طیاروں کے آج ہی رات کسی وقت آنے کا امکان تھا۔ ڈیوڈ شارن وے کا معائنہ کرنے آیا تھا اور ساتھ ہی اس نے پجاریوں کو مرعوب بھی کر لیا یعنی ایک تیر سے دو شکار کیے۔ وہ اسی سمت سے جا رہا تھا جہاں سے آیا تھا یعنی مخالف سمت۔ اس سے مجھے اندازہ ہوا کہ ڈیوڈ شا بہت محتاط تھا۔ وہ اس عمارت کے پاس آنے سے گریز کر رہا تھا کیونکہ یہاں تیر کمان سے مسلح افراد بہر حال موجود تھے اور وہ ان پر بھروسہ نہیں کر سکتا تھا۔ اس لیے وہ عمارت سے دور رہا اور عقبی میدان میں جانے کے لیے بھی مخالف سمت کا راستہ اختیار کیا تھا۔ اس نے آتے وقت بھی اور جاتے وقت بھی عمارت سے اپنا فاصلہ برقرار رکھا تھا۔ ایک منٹ میں وہ معبد کے کونے تک پہنچے اور دوسری طرف مڑ گئے۔

ان کے غائب ہوتے ہی ہم نیچے اترے اور واپس عمارت کی طرف روانہ ہوئے۔ کھڑکی سے اندر آنے پر میں نے دیکھا کہ ربیک زونیر اکوچج سے سوپ پلا رہا تھا۔ میرے پاس اس کی خیریت دریافت کرنے کا وقت نہیں تھا اور جب تک ہم بھاگتے ہوئے آبرویشن پوسٹ تک پہنچے تو ڈیوڈ شا اور پجاری معبد کے داخلی دروازے تک پہنچ چکے تھے۔ ہم کھڑکی کے عقب سے انہیں دیکھ رہے تھے۔ ڈیوڈ شا معبد کے سامنے کھڑا ہوا چاروں طرف دیکھ رہا تھا جیسے اطمینان کر رہا ہو کہ سب ٹھیک ہے۔ اس کی نظریں چند لمحوں کے لیے عمارت اور دفتر کی کھڑکی پر آئیں تھیں۔ پھر وہ اور پجاری واپس اندر چلے گئے تو میں نے اپنے خیال کا اعلان کیا۔ ”طیارے آج رات آنے کا امکان ہے۔“

”یعنی ہمیں تیار رہنا چاہیے۔“ ایرٹ نے کہا۔

”یقیناً۔“ میں نے سر ہلایا۔ ”ڈیوڈ شاروشنیوں کو جلا کر اور دیکھ کر گیا ہے۔ ساتھ ہی اس نے پجاریوں کو بھی دکھا کر مرعوب کیا ہے۔ مگر اس کا اصل مقصد ان کی کارکردگی دیکھنا تھا۔“

”تب ہمیں تیار ہو جانا چاہیے۔“ ایما نے کہا۔

”بالکل۔“ میں نے سر ہلایا۔ ”ہم پانچوں اور چار فوجی افسران اس مہم میں شامل ہوں گے۔“
 ریک نے فوجی افسران کے بارے میں سوال کیا۔ ”کیا ہم ان پر اعتماد کر سکتے ہیں۔“
 ”مجبوری ہے۔“ میں نے شانے اچکائے۔ ”اس مہم میں ہمیں زیادہ افراد کی ضرورت ہے۔“
 ریک بھی آگیا تھا اس نے تجویز دی۔ ”ہم ان کے ذمے اس طرح کے کام لگا سکتے ہیں کہ یہ ہمارے
 خلاف کچھ نہ کر سکیں۔“

”وہ کیسے؟“ مارٹ نے پوچھا۔

”انہیں خود سے دور نگرانی جیسے کاموں پر لگایا جاسکتا ہے۔“

میں نے ریک کا شانہ تھپکا۔ ”یہ اچھی تجویز دی ہے تم نے۔ ڈیوڈ شانے پجاریوں کو مرعوب کر کے اپنے
 ساتھ ملا لیا ہے مگر وہ لڑنے والے لوگ نہیں ہیں۔ لڑنے کا سارا بوجھ ڈیوڈ شا اور اس کے تین ساتھیوں کو اٹھانا
 پڑے گا۔ ہماری توجہ بھی ان پر ہی ہونی چاہیے۔ ان سے ہم پانچ ہی نمٹیں گے۔ میرا خیال ہے طیاروں کے
 استقبال کے لیے وہی چاروں آئیں گے۔ اب ہمیں ایسا منصوبہ بنانا ہے کہ ہم ان پر حملہ کریں اور ان کے جوابی
 حملے سے محفوظ بھی رہیں۔“

ایرٹ غور سے سن رہا تھا اس نے کہا۔ ”وہاں ایسی کوئی جگہ نہیں ہے جس سے ہم ان پر حملہ کر سکیں۔ میدان
 میں چھپنے کی جگہ نہیں ہے۔ باغ سے یہ جگہ دور ہوگی۔“

”ایک جگہ ہے، مگر وہاں ہم بس حملہ کرنے تک ہی محفوظ رہ سکیں گے۔ کامیاب ہو گئے تو ٹھیک ہے ورنہ
 ناکامی کی صورت میں ہمارے لیے بچنا مشکل ہوگا۔“

”کون سی جگہ؟“

”معبد کی عمارت۔“ میں نے کہا۔ ”ہم اس پر چڑھ سکتے ہیں اور اس کی بلندی سے حملہ کر سکتے ہیں مگر
 وہاں ایسی کوئی آڑ نہیں ہے جو ہمیں جوابی حملے سے زیادہ تحفظ دے سکے۔ سیڑھی نما دیواریں زیادہ تحفظ نہیں دے
 سکتی ہیں۔“

ریک نے سوچا۔ ”ہاں وہاں سے ہم حملہ کر سکتے ہیں۔ اس پر سیڑھی نما جگہ ہے۔ ہم لیٹ سکتے ہیں اور
 چھپ سکتے ہیں مگر کھل کر حملہ نہیں کر سکتے۔“

”یہ خطرہ ہے۔“ میں نے کہا۔ ”مگر اس کے سوا اور کوئی جگہ بھی نہیں ہے۔ ہم اس وقت حملہ کریں گے
 جب طیارہ اتر رہا ہوگا اور جب یہ تباہ ہوگا تو وہ لوگ لازمی بدحواس ہوں گے۔ ہم اس موقع سے فائدہ اٹھا سکیں
 گے۔“

ریک نے کہا۔ ”اس صورت میں ان کے جتنے قریب ہوں اتنا اچھا ہے تاکہ اس موقع سے فائدہ اٹھا کر
 فیصلہ کن وار کر سکیں۔“

میں نے نفی میں سر ہلایا۔ ”ہم ایک حد سے زیادہ نزدیک نہیں جاسکتے ورنہ ہم خود خطرے میں پڑ جائیں
 گے۔“

میرے ساتھیوں میں ایما سب سے کم بولتا تھا اور وہ بس قسم کا لڑکا تھا۔ وہ غور سے سن رہا تھا۔ اس

نے پہلی بار کہا۔ ”ایسا نہ کریں کہ فاصلے کا فیصلہ ہم عین موقع پر کریں۔“

میں نے سوچا اور مجھے اس کی بات پسند آئی۔ ”ٹھیک ہے ایسا بھی کر سکتے ہیں۔ کچھ فیصلے ہمیں عین موقع پر کرنے ہوں گے۔“

”یہ بتائیں کہ ان چاروں کو کیا ذمے داری دینی ہے؟“ ریک نے فوجی افسران کی طرف اشارہ کیا۔ ”وہ اچھے لڑاکے ہیں اور تیر اندازی میں ان کا نشانہ بھی اچھا ہے۔“

”کیوں نہ ان کو معبد کے پہلوؤں پر لگا دیا جائے۔ وہاں سے یہ حملہ کر سکتے ہیں۔“ یہ تجویز مارٹ کی تھی۔ ”ان کو خود سے کم بلندی پر لگائیں گے تاکہ ان کے دل میں کوئی شرارت آئے بھی تو ہمیں نقصان نہ پہنچا سکیں۔“ مجھے یہ تجویز بھی اچھی لگی تھی۔ اگر ان چاروں کو دو دو کر کے معبد کے پہلوؤں پر اس طرح لگا دیتے کہ وہ سنگنل ملنے پر ڈیوڈ شا اور اس کے ساتھیوں پر حملہ کرتے تو ہماری حملہ کرنے کی طاقت بڑھ جاتی۔ کئی سمتوں سے بیک وقت آنے والے تیروں سے بچنا آسان نہیں ہوگا۔ جیسے جیسے ہم منصوبے پر بات کر رہے تھے۔ نئے پہلو اور نئی تجویزیں سامنے آرہی تھیں۔ کسی قدر بحث کے بعد ہم تقریباً متفق ہو گئے۔ شروع میں ریک اور اس کے ساتھی مجھ سے مرعوب اور دب کر رہتے تھے۔ مگر اب وہ اپنی آراء کا کھل کر اظہار کرتے کیونکہ انہوں نے دیکھ لیا تھا کہ میں معقول بات ماننے میں زیادہ دیر نہیں لگاتا ہوں۔ میں چاہتا تھا کہ جلد از جلد ہم حرکت میں آجائیں اور ان لوگوں کے باہر آنے سے پہلے پوزیشن سنبھال لیں۔ مجھے درست وقت کا اندازہ نہیں تھا کہ طیارے کب یہاں آتے لیکن ہمیں یہ سوچ کر حرکت میں آ جانا تھا کہ وہ کسی وقت بھی آ سکتے ہیں۔ یعنی ہمیں جلد از جلد معبد کے اوپر پہنچ کر مورچے بنا لینے تھے۔

ایسا لگ رہا تھا کہ ڈیوڈ شا کے پاس رابطے کے لیے کوئی سیٹلائٹ فون تھا۔ صرف سیٹلائٹ فون ہی اس جگہ رابطے میں کام آ سکتا تھا ورنہ کسی قسم کا ریڈیو کمیونیکیشن یہاں سے باہر کی دنیا سے رابطے میں کام نہیں آ سکتا تھا۔ دوسرا طریقہ سیٹلائٹ انٹرنیٹ تھا مگر اس میں نہ صرف انٹرنیٹ ڈیوائس بلکہ کوئی لیپ ٹاپ یا اسمارٹ فون بھی درکار ہوتا۔ ان آلات کے مقابلے میں سیٹلائٹ موبائل زیادہ کارآمد تھا۔ اس سے وہ کسی بھی موبائل یا فون پر آسانی سے رابطہ کر سکتا تھا۔ اس کی بیٹری بھی بہت دنوں تک چل سکتی تھی۔ اضافی بیٹریاں رکھنا بھی مسئلہ نہیں تھا۔ یہ تو سو فیصدی طے تھا کہ ڈیوڈ شا تمام انتظامات کر کے یہاں آیا تھا اور اس کا منصوبہ طے شدہ تھا۔ اب اس پر عمل درآمد کا وقت آ گیا تھا۔ ریک نے پوچھا۔ ”یہاں موجود لوگوں کا کیا کرنا ہے؟“

”پجاریوں سمیت سب کو بند کر دینا ہے۔“ میں نے جواب دیا۔ ”ہم کسی کو آزاد چھوڑنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتے۔ ان میں سے کوئی جا کر ہمارا زفاش کر سکتا ہے۔“

دوپہر میں جو پکایا گیا تھا وہ رات کے لیے بھی کافی تھا۔ اگرچہ ابھی کھانے کا وقت نہیں ہوا تھا مگر پھر بھی سب کو کھانا دے دیا گیا۔ اس کام سے نمٹ کر ان کو خبردار کیا گیا کہ ابھی جس نے واش روم جانا ہے وہ چلا جائے ورنہ صبح سے پہلے پھر موقع نہیں ملے گا۔ یہ ساری تدابیر ان سب کو رات بھر اندر رکھنے کے لیے کی جا رہی تھیں۔ تاکہ کوئی شور شرابا بھی نہ کرے۔ آنے والے دو گھنٹے میں اس مشکل مرحلے سے گزر کر ہم باہر جانے کے لیے تیار ہو گئے تھے۔ طے ہوا تھا کہ ہم اتنی خاموشی سے نکلیں گے کہ قید افراد کو اس کا علم نہ ہو۔ روانہ ہونے سے پہلے سب

نے کچھ نہ کچھ کھا پی لیا تھا۔ میں آبزرویشن پوسٹ کے سامنے موجود تھا۔ معبد کا داخلی دروازہ اور اس کے سامنے باغ ویران تھا اور یقیناً اس وقت خود کارگن متحرک تھی۔

ڈیوڈ شانے یہ اچھا حربہ رکھا تھا۔ اب اس کی مرضی کے بغیر نہ تو کوئی معبد سے باہر جاسکتا تھا اور نہ ہی معبد کے اندر آسکتا تھا۔ اب وہ اپنی پوری ٹیم کے ساتھ بھی باہر آسکتا تھا اور اسے عقب میں پجاریوں کی بغاوت کا خطرہ نہیں رہتا۔ اگر وہ بغاوت بھی کرتے تو باہر نہیں آسکتے تھے۔ جو باہر آتا اسے موت ملتی۔ مجھے روہیر کا خیال آیا کہ وہ آزاد تھی۔ کہیں وہ باہر نہ نکل آئے، لیکن وہ یہاں سے فرار ہونے والی قیدی عورت کا انجام دیکھ چکی تھی اور اسے اس خطرے کا بخوبی علم تھا اس لیے وہ ایسی حماقت نہیں کر سکتی تھی۔ زونیرادوا اور خوراک کے مرحلے سے گزرنے کے بعد سکون کی نیند سوری تھی اور اسے علم نہیں تھا کہ اس کی بے خبری میں یہاں کیا ہنگامہ ہونے والا ہے۔ اسی کمرے کی کھڑکی سے ہم سب باری باری عقبی باغ میں نکلے۔ چاروں فوجی افسران پوری طرح مسلح تھے اور میں انہیں بتا چکا تھا کہ انہیں کہاں جانا ہے۔ مگر فی الحال انہیں اپنے ساتھ ہی رکھا تھا۔ ہم خاموشی سے عقبی حصے میں آئے۔

روش کے پار معبد کی اہرام نما بلند ہوتی عمارت تھی۔ اسے بالکل اہرام کے انداز میں تعمیر کیا تھا۔ پتھر کی بہت بڑی سلیس ایک دوسرے پر جما کر اس طرح رکھی گئی تھیں کہ وہ خاص ترتیب سے بلند ہوتی ہوئی اہرام جیسی ساخت اختیار کر گئی تھیں۔ یہ سیڑھی دار اہرام تھا۔ یعنی پتھروں کی ایک قطار تھی اس کے اوپر کچھ فاصلہ چھوڑ کر دوسری قطار تھی اور پھر قطاریں مسلسل اوپر جاتی رہی تھیں۔ یوں سیڑھی سی بن گئی تھی لیکن یہ چھوٹی سیڑھی نہیں تھی کیونکہ ہر قطار کوئی سات یا آٹھ فٹ اونچی اور اس کے قد بچے کی چوڑائی بھی اتنی ضرور تھی۔ ان پر چڑھنا آسان نہیں تھا۔ میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا۔ ”تم لوگ دیکھ رہے ہو کہ اس پر چڑھنا آسان نہیں ہے۔ اس لیے ہمیں ترتیب سے چڑھنا ہوگا۔ دو افراد پہلے اوپر جائیں گے ان میں سے ایک سامان اوپر کرے گا اور دوسرا چڑھنے میں مدد دے گا۔ نیچے سے دو افراد اس کو چڑھنے میں مدد دیں گے اور یہی ترتیب آخر تک برقرار رکھی جائے گی۔ یعنی دو دو کی جوڑی میں ہم اوپر جائیں گے اور آخری فرد آخر میں آئے گا، سمجھ گئے؟“

کچھ سمجھ گئے تھے اور کچھ نہیں سمجھے تھے اس لیے میں نے دوبارہ سمجھایا۔ تیسری بار سمجھانے پر سب سمجھ گئے تھے۔ سامان بھی اسی ترتیب سے اوپر پہنچایا جاتا۔ اس کے بعد میں نے حفاظتی اصول بیان کیے۔ ”ہر ممکن خاموشی برقرار رکھنی ہے۔ ذاتی طور پر بھی اور سامان سے بھی شور نہ ہو۔ کسی کو چوٹ لگے تو وہ اسے خاموشی سے برداشت کرے۔ اگر اچانک کوئی اس طرف آنکلتے تو جو جہاں ہو وہیں دبک جائے اور خود کو چھپانے کی ہر ممکن کوشش کرے۔ اگر ایک دشمن کی نظر میں آجائے تو وہ یوں ظاہر کرے کہ بس وہی ہے اور دشمن کو دوسروں سے بے خبر رکھے۔ ہو سکے تو دشمن کو بھٹکا کر دور لے جائے۔ اگر دشمن ایک ہو تو اسے دھوکے میں رکھ کر مار دے مگر اس طرح کہ آواز نہ ہو۔“

وہ سب غور سے سن رہے تھے۔ میں نے بات مکمل کر کے سوالات کر کے دیکھا کہ انہوں نے کس حد یاد کیا ہے۔ مگر یہ موقع ایسا تھا کہ وہ کوئی بات بھول نہیں سکتے تھے۔ دوہرانے سے یہ فائدہ ہوا کہ سب کے ذہن نشین ہو گیا تھا۔ سب نے سرمی جنگی وردیاں پہن لی تھیں جو تاریکی میں چھپنے میں مدد دیتیں۔ ہتھیاروں کا جائزہ روانگی

سے پہلے لے لیا تھا۔ ہمارے پاس تیرکمان، نیزے اور آتشیں روغن تھا۔ مشعلیں تھیں اور انہیں جلانے کے لیے دیا سلاخیاں بھی تھیں۔ پانی کی چھاگلیں تھیں اور میرے پاس کچھ ڈرائی فروٹ بھی تھے۔ باقیوں کے پاس کیا تھا میں اس سے لاعلم تھا۔ یہ سارے انتظامات دافع الوقتی کے لیے تھے۔ کیونکہ کچھ نہیں کہا جاسکتا تھا کہ ہمارا انتظار کتنا طویل ہوتا۔ رات گہری ہو چلی تھی۔ آسمان صاف نہیں تھا کیونکہ ستارے نظر نہیں آرہے تھے۔ اگر موسم خراب ہوتا تو پیاروں کی آمد کا امکان کم تھا۔ مگر ڈیوڈ شاکی آمد ظاہر کر رہی تھی کہ امکان ہے۔ شاید اوپر موسم اتنا خراب نہ ہو اور صرف بادل ہوں۔ جب وہ باہر سے مدد منگواسکتا تھا تو اسے علم ہوگا کہ موسم کیسا ہے؟

”اوپر کیسے جائیں گے؟“ ایرٹ نے پوچھا۔

”پیچھے سے، پہلو سے خطرہ ہے کوئی اچانک آجائے تو ہمیں دیکھ سکتا ہے۔“

”یہ خطرہ تو پیچھے بھی ہوگا۔“ ربیک نے کہا۔ ”بلکہ دو طرف سے ہوگا۔“

”تب ایک ایک آدمی دونوں سمتوں میں لگا دیا جائے گا۔“ میں نے حل پیش کیا۔ ”اس دوران میں باقی

اوپر چڑھیں گے۔ چند سیڑھیاں چڑھنے کے بعد دیکھ لیے جانے کا خطرہ اتنا نہیں رہے گا۔“

میرا اندازہ تھا کہ رات کے ساڑھے نو یا دس بج رہے تھے اور موسم خاصا سرد ہو چلا تھا۔ جسم کے کھلے حصوں پر یہ خنکی زیادہ محسوس ہو رہی تھی۔ مگر موسم ناقابل برداشت بھی نہیں تھا۔ شاید آنے والے وقت میں ہوتا مگر فی الحال رات کے وقت باہر گزرا ہو سکتا تھا۔ میں نے سب کو ایک ایک کر کے معبد کے عقبی حصے میں بھیجنا شروع کر دیا۔ ہمیں وسط سے چڑھنا تھا۔ پہلا جانے والا مارٹ تھا۔ اس نے اپنا سامان وسط میں چھوڑا اور بھاگتا ہوا معبد کے دوسرے کونے تک چلا گیا اس کے بعد ایک فوجی افسر گیا اور اپنا سامان وسط میں رکھ کر بھاگتا ہوا واپس ہماری طرف والے کنارے پر آیا۔ اب دونوں طرف سے نگرانی ہو رہی تھی کسی کے اچانک آجانے کا امکان باقی نہیں رہا تھا۔ اس کے بعد باقی بھی ایک ایک کر کے جانے لگے۔ سب سے پہلے میں گیا اور جا کر سامان والی جگہ اپنے بھی ہتھیار اور چیزیں رکھیں جن کے ساتھ اوپر جانے میں رکاوٹ نہ بنے۔ میں نے ایما کی طرف دیکھا۔

”مجھے سہارا دو۔“

ایما رتے عقب سے سہارا دیا اور میں تقریباً سات فٹ اونچی دیوار پر آسانی سے چڑھ گیا۔ ایرٹ نے ربیک کو چڑھایا۔ اوپر آکر میں نے ایما کو اوپر کھینچا اور ایک فوجی افسر نے اسے عقب سے سہارا دیا۔ ربیک سامان اوپر لے رہا تھا اور ایرٹ اسے سامان پکڑا رہا تھا۔ ایما نے ایک بار پھر مجھے سہارا دیا اور میں اگلے اسٹیپ پر پہنچ گیا۔ پھر ایما نے نیچے سے فوجی افسر کو اوپر کیا۔ یوں ایک چین سسٹم بن گیا۔ میں ایما اور ایک فوجی افسر اوپر چڑھ رہے تھے۔ ربیک اور ایرٹ باقی دو فوجی افسروں کے ساتھ سامان اوپر منتقل کر رہے تھے۔ پہلے سے ہدایات کے مطابق سارا کام خاموشی سے ہو رہا تھا۔ جب ہم تیسرے اسٹیپ تک پہنچ گئے تو مارٹ اور فوجی افسر جو کناروں سے نگرانی کر رہے تھے وہ دوڑے آئے۔ پہلے وہ ایک دوسرے کی مدد سے اوپر آئے اور پھر سب کے ساتھ مل کر چڑھنے لگے۔ سامان کیونکہ سست روی سے اوپر جا رہا تھا۔ اس لیے میں، ایما اور ہمارے ساتھ کا فوجی افسر پہلے اوپر پہنچ گئے۔

جیسے جیسے ہم اوپر جا رہے تھے دیواروں کی اونچائی اور قد بچے کم ہو رہے تھے۔ میرا خیال ہے کوئی دو سو فٹ

کی بلندی پر آنے کے بعد ان کی اونچائی ساڑھے چار فٹ کے لگ بھگ رہ گئی تھی اور چوڑائی بھی اتنی ہی تھی۔ مجھے یہ جگہ مناسب لگی تھی اس لیے مزید اوپر جانے کے بجائے اسی جگہ رک کر دوسروں کا انتظار کرنے لگے۔ ابھرام کی ساخت کی وجہ سے عقبی میدان اس جگہ سے کوئی ساڑھے تین سو فٹ دور ہو گیا تھا اور یہ فاصلہ تیروں سے حملہ کرنے کے لیے خاصا تھا۔ اگرچہ آتشیں ہتھیاروں کے لحاظ سے یہ کم تھا۔ اس کوہ پیمائی نے سب کی سانس پھلا دی تھی۔ ہم رکے تو موقع غنیمت جان کر سب ہی سانس درست کرنے لگے۔ کچھ دیر میں باقی سب بھی آ گئے۔ ہمیں یہاں تک آنے میں کوئی بیس منٹ لگے تھے۔ آنے والے سستانے لگے اور ہم اپنے ہتھیار لینے لگے۔ کچھ دیر بعد ربیک اور ایرٹ میرے پاس چلے آئے۔ جگہ تنگ ہونے کی وجہ سے ہم پھیل کر بیٹھے ہوئے تھے۔ ربیک نے کہا۔

”ہم یہاں مورچہ لگائیں گے؟“

”نہیں۔“ میں نے نفی میں سر ہلایا۔ ”میرے خیال میں یہاں سے فاصلہ زیادہ ہو رہا ہے۔ ہمیں نیچے جانا ہوگا۔ دوسرے سب ایک ہی قد مچے پر نہیں ہوں گے۔ کچھ اوپر ہوں گے اور کچھ نیچے۔ فوجی افسران کو اور نیچے رہنا پڑے گا کیونکہ یہ کناروں پر ہوں گے اور وہاں سے فاصلہ زیادہ ہوگا۔ مناسب فاصلے سے حملہ کرنے کے لیے نیچے رہنا ضروری ہوگا۔“

”کتنا نیچے جانا ہوگا؟“ ایرٹ نے پوچھا۔

میں غور کر رہا تھا۔ ہمیں ڈیڑھ سو فٹ کی بلندی پر رہنا تھا یعنی چھ سات اسٹیپ نیچے جانا تھا۔ فوجی افسران کو اس سے بھی نیچے جانا تھا انہیں سو فٹ کی بلندی پر رہنا تھا۔ میں نے پہلے انہیں روانہ کیا اور اس ہدایت کے ساتھ کہ چھپ کر اور خاموش رہیں اور جب تک ہماری طرف سے اشارہ نہ ملے کوئی کارروائی نہ کریں۔ وہ دونوں سمتوں میں دو دو کر کے روانہ ہو گئے۔ ان کے جانے کے بعد میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا۔ ”تم سب فی الحال یہیں ٹھہرو میں اوپر سے ہو کر آتا ہوں۔“

ربیک نے۔ ”میں چلوں آپ کے ساتھ؟“

”نہیں تم چاروں یہیں رہو اور چوکس رہو۔“ میں نے انکار کیا تو ربیک بچھ گیا تھا۔ یہاں تقریباً تاریکی تھی اور ہمیں آنکھوں پر زور دینا پڑ رہا تھا اس لیے میں تاثرات تو نہیں دیکھ سکا مگر ربیک کے انداز نے بتایا تھا کہ اسے میرے انکار سے مایوسی ہوئی ہے۔ میں اوپر جانے لگا تھا کہ اچانک آسمان کی طرف سے روشنی کی ایک لکیر سی نیچے آئی اور وادی کی ایک طرف کی دیوار اس سے روشن ہونے لگی تھی۔ اوپر بادل ہٹ گئے تھے اور چاند کی روشنی نیچے آرہی تھی۔ ماحول کسی قدر روشن ہو گیا اور میں فکر مند ہو گیا۔ کیونکہ روشنی ہونا ہمارے لیے بہتر نہیں تھا۔ ماحول جتنا تاریک ہوتا ہمارے لیے اتنا ہی اچھا ہوتا۔ بہر حال اس وقت تو مجھے فائدہ ہوا اور مجھے آس پاس صاف نظر آنے لگا ورنہ اس سے پہلے میں اور میرے ساتھی اندھوں کی طرح ٹٹول ٹٹول کر چڑھ رہے تھے۔ چند اسٹیپ مزید اوپر جانے کے بعد قد مچے چار فٹ کے رہ گئے جیسے جیسے مزید اوپر جا رہا تھا یہ اور چھوٹے ہوتے جا رہے تھے۔

تین سو فٹ پر آنے کے بعد قد مچے ساڑھے تین فٹ کے رہ گئے تھے۔ ان کی اونچائی اور چوڑائی برابر تھی۔ یہ اتنی اونچائی تھی کہ اگر میں معبد کے دوسری سمت میں ہوتا تو شاید مجھے آرگون کی بلند عمارات بھی نظر

آئیں۔ مگر یہاں سے فسیل کے پار جنگل اور وادی کی دیوار نظر آرہی تھی۔ چاندنی بڑھ رہی تھی اور اس حساب سے روشنی بھی بڑھ رہی تھی۔ نیچے کا میدان بھی صاف نظر آنے لگا تھا اور اگر کوئی میدان میں ہوتا اور اوپر دیکھتا تو اسے میں اور میرے ساتھی بھی نظر آسکتے تھے۔ اب میں معبد کی چوٹی سے کوئی ڈیڑھ سو فٹ نیچے تھا۔ معبد کا اہرام پانچ سو فٹ بلند اور زمین پر اس کی لمبائی چوڑائی بھی اتنی ہی تھی۔ یعنی اس کا ہر پہلو پانچ سو فٹ کا تھا۔ سب سے اوپر ایک کلس نما چیز نصب تھی جو سونے جیسے رنگ کی تھی اور جب اس پر روشنی پڑتی تو یہ جگمگاٹھتی تھی۔ میں نے نہیں دیکھا تھا مگر راجا عمر داز نے دیکھا تھا۔ کبھی کبھی یہاں دن میں دھندھٹ جاتی تھی اور سورج کی روشنی نیچے تک آتی تھی۔ ایسا سرما میں ہوتا تھا۔

اب میں چاہتا تو بغیر ہاتھوں کا سہارا لیے اوپر چڑھ سکتا تھا۔ مگر احتیاطاً میں سہارا لے کر چڑھ رہا تھا۔ ایک غلط قدم مجھے واپس نیچے پہنچا دیتا اور یہ واپسی صحیح سلامت نہ ہوتی۔ چار سو فٹ کی بلندی پر آنے کے بعد قدم چھ ڈھائی فٹ سے چھوٹے ہو گئے تھے۔ میں اب بھی چاروں ہاتھوں پیروں کا استعمال کر رہا تھا۔ میں نے یہاں سے اوپر جانے کے لیے ایک پتھر پر ہاتھ رکھا تو وہ مجھے ہلتا ہوا محسوس ہوا تھا۔ جیسے وہ باقی پتھروں سے جڑا ہوا نہ ہو۔ پہلے میں اسے اپنا وہم سمجھا تھا مگر جب میں نے اسے دوبارہ چھیڑا تو وہ باقاعدہ ہلا تھا۔ میں بغیر زور لگائے اسے ٹٹولنے لگا۔ اس کا امکان تھا کہ وقت نے اہرام کو نقصان پہنچایا ہو۔ یہ ہزاروں سال پرانا تھا اور پتھروں کو جوڑنے والا مسالہ کمزور پڑ سکتا تھا۔ ایسے میں پتھر آپس میں جڑے نہیں رہتے اور یہ پتھر بھی شاید اسی وجہ سے الگ ہو گیا تھا۔ اہرام مصر بھی اس طرح شکست درخ کا شکار ہو رہے ہیں۔ میں نے اسے مزید چھیڑنا مناسب نہیں سمجھا کہ کہیں یہ الگ ہو کر نیچے جا پڑے اور یقیناً اس دوران میں خاصا شور اور ہنگامہ ہوتا۔ پتھر میرے کسی ساتھی کو بھی نقصان پہنچا سکتا تھا۔ اس لیے اس سے ہٹ کر میں اوپر کی طرف بڑھا۔

جب کلس پچاس فٹ کی بلندی پر رہ گیا تو قدمے ایک یا سو فٹ کے رہ گئے تھے۔ آخری میڑھیاں میں نے پیروں سے ہی طے کیں اور کلس کے پاس پہنچ گیا۔ یہ کوئی چار فٹ اونچا اور چار ہی فٹ لمبا چوڑا ٹکڑا تھا۔ میں نے اسے ہاتھ لگایا تو سنسنی محسوس کیے بغیر نہ رہ سکا کیونکہ چھوٹے سے ہی یہ سونے کا لگ رہا تھا۔ اس کے آخری حصے پر کوئی شفاف چیز جڑی ہوئی تھی اور اس کا سائز انسانی مٹھی سی زیادہ تھا۔ اس تک رسائی ممکن نہیں تھی کیونکہ اگر میں سونے کے اہرام پر چڑھنے کی کوشش کرتا تو امکان تھا کہ میں پھسل کر واپس آؤں گا۔ دور سے دیکھنے پر یہ بہت بڑے سائز کا ہیرا لگ رہا تھا۔ چار فٹ لمبے چوڑے اور اتنے ہی اونچے اس سونے کے اہرام کا وزن یقیناً نٹن سے اوپر تھا۔ اس وقت سونا شاید پچیس ہزار روپے تولہ تھا۔ اس لحاظ سے یہ سونا تقریباً ڈھائی ارب روپے کا تھا۔ ایسا ہی سونے کا ایک اہرام برف والے کے پراسرار ٹھکانے پر بھی موجود تھا۔ اس کے اوپر جزا ہیرا اگر اصلی تھا تو اس کی مالیت ٹنوں سونے سے بھی زیادہ تھی۔

مجھے اعتراف ہے کہ معبد کی چوٹی پر سونے کے اہرام اور اس پر ہیرے کی موجودگی نے مجھے مہبوت کر دیا تھا اور میں کچھ دیر کے لیے گرد و پیش سے بے خبر ہو گیا تھا۔ اچانک مجھے ہوش آیا اور میں نے ارد گرد دیکھا کہ میں کہاں کھڑا تھا اور کس صورت حال سے دوچار تھا۔ چونکہ کی ایک وجہ چاند کی کم ہوتی روشنی بھی تھی۔ جس طرح چاند کی روشنی نمودار ہوئی تھی اسی طرح اب وہ سمٹ رہی تھی اور وادی کی ایک دیوار پر تیزی سے اوپر جا رہی تھی۔

میں نے نیچے کی طرف دیکھا جہاں بدستور تاریکی تھی اور میرے ساتھی اہرام کی سیڑھیوں پر کہیں تھے۔ میں نے ذرا ایک طرف سرک کر آگن کی طرف دیکھا۔ مگر اتنے فاصلے سے شہر کی جھلک بھی نظر نہیں آئی تھی۔ فی الحال وہاں جنگ و جدل کا سماں تھا اس لیے باقاعدگی سے روشنی کرنے کا امکان بھی نہیں تھا۔ ورنہ عام حالات میں وہاں رات کے وقت اتنی روشنی ہوتی تھی جو خاصی دور سے بھی صاف نظر آتی۔

مجھے پجاریوں کا خیال آیا اگر وہ زندہ سلامت تھے تو انہیں اب تک آگن پہنچ جانا چاہیے تھا۔ اگر ایزارٹ نے اس دوران میں شہر پر اپنی گرفت مضبوط کر لی تھی تو وہ ہماری مدد کے لیے آدمی بھیج سکتا تھا۔ سامیرا کے قلعوں اور اس کے آس پاس کیا صورت حال تھی اس سے میں قطعی بے خبر تھا۔ میں صرف امید کر سکتا تھا کہ جنگ کی نوبت نہیں آئی ہوگی۔ ویسے اب تک قلعوں کا محاصرہ کرنے والی فوج کو علم ہو چکا ہوگا کہ قلعے پر ریناٹ کی حکومت باقی نہیں رہی ہے اور وہاں حریت پسندوں کا قبضہ ہو گیا ہے۔ اس اطلاع نے لازمی بددلی پھیلانی ہو گی اور بہت امکان ہے کہ فوج کے کچھ آدمی فرار یا بغاوت پر آمادہ ہو کر سامیرا سے جا ملے ہوں۔ ریناٹ اگر زندہ تھا تب بھی وہ محل کے تہ خانے میں محصور تھا۔ اس کی فوج قلعے سے باہر تھی۔ دیکھا جائے تو صورت حال ہمارے حق میں تھی۔ لیکن مکمل فتح حاصل کیے بغیر ہم سکون سے نہیں بیٹھ سکتے تھے۔ ریناٹ کی فوج کو پھیلنے سے قبل لازمی تھا کہ ڈیوڈ شا اور اس کے ٹولے کا خاتمہ کر دیا جائے۔ کیونکہ یہ ٹولہ فوج سے زیادہ خطرناک تھا۔

مجھے خیال آیا کہ معبد کے اگلے حصے میں دیکھوں۔ اگرچہ اس میں گن اور اس سے زیادہ نگرانی کرنے والے آلات کا خطرہ تھا۔ میں دیکھ چکا تھا کہ گن کی مار محدود ہے۔ یعنی اسے اس طرح سیٹ کیا گیا تھا کہ جب کوئی بیس گز کی دوری تک آئے تو اس پر فائر کرے۔ مگر یہ زیادہ دور تک بھی مار کر سکتی تھی۔ ڈیوڈ شا نے اپنے ٹھکانے پر مجھے قید رکھنے کے لیے جب یہ گن لگوائی تھی تو اس کی حد اس سے زیادہ تھی۔ اصل خطرہ گن کے ساتھ نگرانی کرنے والے نظام کا تھا۔ اس میں ویڈیو کے علاوہ مختلف سینسرز بھی لگے تھے۔ ان میں خاص طور سے انفراریڈ سینسرز زیادہ خطرناک تھا۔ یہ گھپ اندھیرے میں بھی کسی گرم جسم کو دیکھنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ اس کی ریٹج نامعلوم تھی۔ ممکن ہے میں چوٹی سے جھانکتا اور دیکھ لیا جاتا۔ کچھ سوچنے کے بعد میں چوٹی سے ایک اسٹیپ نیچے آیا اور کھسکتا ہوا معبد کے سامنے والی ڈھلان کے سرے تک پہنچا اور بہت احتیاط سے نیچے جھانکا۔ میں نے فوراً ہی سر پیچھے کر لیا تھا۔ اگر گن اوپر کی طرف فائر کر سکتی تھی تو دو سیکنڈ کے لیے سر نکالنا بھی بہت رکی تھا۔

چند لمحوں بعد میں نے پھر اسی طرح جھانکا اور تین چار بار یہ حرکت دہرانے کے بعد مجھے اطمینان ہو گیا کہ کم سے کم گن اوپر فائر نہیں کر رہی تھی یا وہی ریٹج والی بات تھی۔ سینسرز کا خیال کرتے ہوئے میں نے نیچے دیکھا یہاں سے باغ کی مشعلیں دکھائی دے رہی تھیں لیکن معبد کے سامنے والی مشعل کی روشنی یہاں سے نظر نہیں آرہی تھی۔ گن داخلی دروازے کے شیڈ کے عین اوپر لگی ہوئی تھی۔ اس لیے وہ بھی یہاں سے نظر نہیں آرہی تھی۔ میں نے عمارت والی سمت معبد کی ڈھلان پر دیکھا تو وہاں موجود ایک فوجی افسر دکھائی دیا۔ وہ مستعد کھڑا تھا۔ حالانکہ اسے بیٹھنا اور چھپنا چاہیے تھا۔ شاید اس وجہ سے بھی کھڑا ہوا تھا کہ ابھی اس طرف کسی کے آنے کے آثار نظر نہیں آئے تھے اور اگر کوئی آتا تو خاصی بلندی پر موجود فوجی افسر کو اتنی آسانی سے نہیں دیکھ سکتا تھا۔ اس کے باوجود اسے محتاط اور غیر نمایاں ہونا چاہیے تھا۔ جیسا کہ اس کا دوسرا ساتھی تھا وہ نظر نہیں آ رہا تھا۔ اسی طرح اہرام

کے مغربی سمت تعینات دونوں افسر نظر نہیں آرہے تھے۔

ریک اور باقی سب ڈیڑھ سو فٹ کی بلندی پر تھے اور یہاں سے نیچے موجود کسی شخص کا نشانہ لینا آسان تھا۔ مگر ہمارے لیے اپنا دفاع کرنا آسان نہیں تھا۔ میں نے ریک اور مارٹ کو ایک اسٹیپ نیچے بھیج دیا۔ خود میں اور ایرٹ اسی اسٹیپ پر رہے جب کہ ایمار کو ایک اسٹیپ اوپر بھیج دیا۔ ریک سے فوجی افسروں کو پیغام بھجوایا کہ وہ نمایاں نہ ہوں۔ ہم خود بھی اس طرح بیٹھے تھے کہ نمایاں نہیں ہو رہے تھے۔ اب ہمارے پاس انتظار کرنے کے سوا اور کوئی چارہ نہیں تھا۔ رات بڑھنے کے ساتھ ساتھ سردی میں بھی اضافہ ہو رہا تھا۔ اس لیے سکڑ سمٹ کر بیٹھنا اچھا لگ رہا تھا۔ مگر اس حالت میں بھی زیادہ دیر نہیں بیٹھ سکتے تھے۔ اس لیے پہلو بدلتے اور کبھی کبھی اٹھ کر چہل قدمی کرتے رہتے تھے۔ ساتھ ہی ہم دائیں بائیں موجود فوجی افسران پر نظر رکھے ہوئے تھے کیونکہ کسی کی آمد کی صورت میں وہی پہلے آگاہ ہوتے اور ہمیں اشارہ کرتے۔ ایرٹ میرے ساتھ تھا اور جب سے رویر گئی تھی وہ مجھ سے بہت کم بات کر رہا تھا۔ اس نے خاصی دیر بعد زبان کھولی۔ ”اگر آج رات طیارے نہ آئے تو.....؟“

”تب ہم صبح ہونے سے پہلے واپس جائیں گے اور سب سے اہم کام رستی کھولنا ہوگا۔“

”یہ کام میں اور مارٹ کریں گے۔“ نیچے سے ریک نے کہا۔ ”مگر جناب آج سردی کچھ زیادہ نہیں ہے۔“

”ہاں ایسا لگ رہا ہے جیسے اوپر برفانی طوفان آیا ہوا ہے اس کا اثر یہاں نیچے بھی آرہا ہے۔“ میں نے تائیدی۔ اوپر ستارے بدستور غائب تھے اور اس سے لگ رہا تھا کہ وہاں بادل ہیں اور اس موسم میں ہمالیہ میں بادل صرف اپنی جھلک دکھانے نہیں آتے ہیں بلکہ یہ برستے ہیں اور طوفان لاتے ہیں۔ بارش کے ساتھ ساتھ برفباری بھی ہوتی ہے۔ اس بلندی پر برف باری ہی ہو رہی ہوگی۔ لیکن یہاں نیچے برف کے آثار نہیں تھے اور نہ ہی بارش ہو رہی تھی۔ لیکن کچھ وقت گزرا تو میں نے محسوس کیا کہ اوس بڑھ رہی ہے اور جسم کے کھلے حصوں پر یہ واضح لگ رہی تھی۔ ذرا سی دیر میں ہمارے لباس بھیگنے لگے اور معبد کی سیڑھیاں نم ہونے لگیں۔ یہ بارش نہیں تھی۔ شاید اوپر جاری طوفان کی جو برف وادی میں آ رہی تھی وہ ایک خاص بلندی پر آنے کے بعد اوس میں بدل رہی تھی اسی وجہ سے اوس گرنے کی رفتار میں تیزی آئی تھی۔

اسے آپ ہلکی بوند باندی سمجھ لیں مگر اس میں قطرے بہت چھوٹے تھے۔ سردی کے ساتھ یہ دوسری آفت تھی اس نے سردی کی شدت میں اضافہ کر دیا تھا۔ مگر ہمیں برداشت کرنا ہی تھا۔ ہم اسٹپس کی دیوار سے لگ کر اوس سے بچنے کی کوشش کر رہے تھے۔ بہر حال اس کا یہ فائدہ ہوا کہ ہمارے ذہن چوکنا ہو گئے اور بیٹھے رہنے سے ذہن پر جو ایک کہولت سی آ رہی تھی وہ غائب ہو گئی۔ وقفے وقفے سے ہم میں سے کوئی ایک اٹھ کر اسٹیپ پر ہی ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک کا چکر لگاتا تھا۔ اس سے جسم ذرا گرم ہو جاتا تھا اور کناروں پر نگرانی کرنے والے بھی مستعد ہو جاتے تھے۔ میں نے محسوس کیا کہ فوجی افسران سپاہی تو اچھے تھے مگر یہ مستعد نہیں تھے۔ برسوں سے انہیں آرام سے رہنے کی عادت پڑی ہوئی تھی جس نے ان کی مستعدی اور چستی چھین لی تھی۔ اسی وجہ سے ڈیوڈ شا اینڈ کمپنی یا آسانی معبد کے سو کے قریب سپاہیوں پر آسانی سے غالب آ گئی۔ جدید اسلحہ بھی وجہ تھی لیکن ساتھ ہی ان لوگوں کی سستی بھی ایک اہم وجہ تھی ورنہ یہ مزاحمت کرتے تو ڈیوڈ شا کو لفٹ نام دے

سکتے تھے۔ جنگ میں انسان لڑتا ہے ہتھیار نہیں۔

وقت بہت سُسپ روی سے گزر رہا تھا۔ اگرچہ میں اور میرے ساتھی صبر سے آشنا تھے اس کے باوجود اس حالت میں انتظار آسان نہیں تھا۔ کپڑے زیادہ نم ہوئے تو سب ہی نے اٹھ کر چہل قدمی شروع کر دی کہ جسم گرم ہو۔ ایک بار میں ٹہلتا ہوا مغرب کی طرف جا رہا تھا کہ اس طرف موجود فوجی افسر نے سفید کپڑا لہرا کر شروع کر دیا۔ یہ اس بات کا اشارہ تھا کہ کوئی اس طرف آ رہا تھا۔ میں نے سب کو ہوشیار رہنے کو کہا اور جھک کر اس سمت میں بڑھا۔ فوجی افسر بدستور کپڑا لہرا رہا تھا۔ میں نے نزدیک جاتے ہی اس سے کپڑا چھین لیا اور نیچے جھکنے کا اشارہ کیا۔ میں خود بھی جھک گیا تھا اور پھر کنارے سے جھانک کر دیکھا تو نیچے معبد کے ساتھ ساتھ چند مشعل بردار آتے دکھائی دیئے۔ میں نے غور کیا تو مشعلوں کی تعداد چار تھی مگر لوگ زیادہ تھے۔ میری نظریں ڈیوڈ شا کو تلاش کر رہی تھیں۔

مگر جلد مجھے احساس ہو گیا کہ وہ ان میں نہیں تھا۔ نزدیک آنے پر اضافی لوگ کرنل اور زینی ثابت ہوئے تھے۔ ان کے ساتھ چار عدد لڑکیاں جو یقیناً خادماں تھیں، مشعل تھامے چل رہی تھیں۔ پجاری بھی نہیں تھے۔ معبد کے کونے تک آتے آتے وہ نمایاں ہو گئے تھے۔ کرنل اور زینی مسلح تھے مگر ان کی رائفلیں ان کے شانوں سے لٹکی ہوئی تھیں۔ کرنل جونز نے ہاتھ میں موجود تیز روشنی والی برقی لائٹیں آن کر لی اور ان کے آس پاس تیز روشنی پھیل گئی تھی۔ وہ اب گھوم کر معبد کے عقبی حصے میں آ گئے تھے اور میدان کے وسط کی طرف بڑھ رہے تھے۔ میرے ساتھی جہاں تھے وہیں دبک گئے تھے میں نے فوجی افسروں کو وہیں رکنے کا اشارہ کیا اور خود جھک کر کرنل اینڈ پارٹی کے ہمراہ آگے بڑھنے لگا۔ کرنل کے ایک ہاتھ میں برقی لائٹیں تھیں اور دوسرے میں اس نے ایک خاصا بڑا سا بیگ اٹھا رکھا تھا۔ لیکن یہ بیگ نہیں چوکور سا بکس تھا جس پر ہینڈل لگا ہوا تھا۔ یہ دھات کا بنا ہوا تھا کم سے کم فنشنگ سے ایسا ہی لگ رہا تھا۔

کرنل نے میدان کے درمیان میں آنے کے بعد وہ بکس زمین پر رکھا اور لائٹیں نزدیک رکھ کر اسے کھولنے لگا۔ کھلنے پر یہ مشین جیسی نکلی تھی۔ کرنل نے اس کے ساتھ چھپر کی تو اس پر ایل ای ڈی لائٹس جل اٹھیں تھیں۔ اس نے ایک طویل انٹینا نما چیز کھینچی اور پھر تار سے منسلک مائیک اٹھا کر اس پر بولنے لگا۔ اس کی آواز بہت ہلکی تھی اس لیے الفاظ سمجھ نہیں آرہے تھے لیکن یہ تو واضح تھا کہ مشین اصل میں طاقتور ریڈیو تھا اور کرنل اس پر کسی سے رابطہ کر رہا تھا۔ میں نچلے اسٹیپ پر ایرٹ کے پاس آ گیا تھا اور ہم دونوں کنارے سے جھانک کر دیکھ رہے تھے۔ ایرٹ نے سرگوشی میں پوچھا۔ ”یہ کیا کر رہا ہے؟“

”میرا خیال ہے وادی سے باہر کسی سے رابطہ کر رہا ہے۔ یہ جوڈ با ہے اس کی مدد سے دور موجود شخص سے بھی رابطہ کیا جاسکتا ہے اگر اس کے پاس بھی ایسی ہی مشین ہو۔“

ایرٹ کے لیے یہ تعجب انگیز بات تھی کہ اس چیز کی مدد سے دور بیٹھے آدمی سے بات کی جاسکتی تھی۔ کرنل یقیناً اوپر آنے والے طیاروں یا طیارے سے رابطے کی کوشش کر رہا تھا۔ دوری کی وجہ سے یہ بھی واضح نہیں تھا کہ اس کا رابطہ ہو گیا ہے یا نہیں۔ لیکن تقریباً دس منٹ بعد کرنل کھڑا ہو گیا۔ البتہ اس نے ریڈیو بند نہیں کیا تھا یہ کھلا ہوا اور آن تھا کیونکہ اس کی روشنیاں جل رہی تھیں۔ کرنل اب آسمان کی طرف دیکھ رہا تھا اور شاید آنے والے

طیارے یا طیاروں کو دیکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ کیونکہ ہم بھی اوپر کی طرف تھے اس لیے اس کی نظر ہماری طرف آسکتی تھی اس لیے ہم مزید محتاط ہو گئے۔ بالآخر وہ وقت آ گیا تھا جس کا انتظار تھا لیکن ڈیوڈ شا کا یہاں نہ آنا مجھے تشویش میں مبتلا کر رہا تھا۔ یہ اہم ترین موقع تھا اور اس کی موجودگی یہاں ضروری تھی۔ پھر مجھے خیال آیا کہ یہ تو میں اپنے نقطہ نظر سے سوچ رہا تھا۔ ڈیوڈ شا کے خیال میں حالات معمول کے مطابق تھے اور اس نے ضروری نہیں سمجھا کہ آنے والوں کے استقبال کے لیے بہ نفس نفیس خود موجود ہو۔ یہ کام اس نے کرنل اور زینی پر چھوڑ دیا تھا۔

اب میں اور میرے ساتھی بھی اوپر کی طرف دیکھ رہے تھے۔ میں نے ایرٹ کی مدد سے سب کو پیغام بھیج دیا کہ کرنل جونز ہی اصل نشانہ تھا اور اس کے بعد زینی کو نشانہ بنانے کی کوشش کی جائے۔ مشعل بردار لڑکیوں سے تعرض کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ ہنگامہ ہونے پر وہ لازمی معبد کے اندر جانے کی کوشش کرتیں اور اندر والوں کے خبردار کرتیں۔ مگر اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کیونکہ ایک بار معرکہ شروع ہوتا تو اندر والوں کو خود ہی پتا چل جاتا۔ کرنل کو بات کیے ہوئے مشکل سے دس منٹ ہوئے تھے کہ مجھے اوپر سرخ روشنیاں سی محسوس ہوئیں۔ یہ جل بجھ رہی تھیں جیسا کہ طیاروں میں وارننگ لائٹس ہوتی ہیں۔ ان کی تعداد دو یا تین تھی۔ یہ وقفے وقفے سے جل بجھ رہی تھیں اس لیے درست تعداد کا اندازہ لگانے میں دشواری پیش آرہی تھی۔ وقت کے ساتھ ساتھ روشنیاں واضح ہو رہی تھیں اور پھر اچانک ہی طیاروں کی تیز سرخ لائٹس آن ہو گئیں اور وادی کی فضا میں روشنی کی تین لکیریں چکرانے لگی تھیں۔ میرے لیے یہ نئی چیز نہیں تھی لیکن میرے ساتھیوں کے لیے ضرور تھی۔ وہ دم بخود تھے اور ایرٹ نے میرا بازو پکڑ لیا۔ اس نے پوچھا۔ ”یہی طیارے ہیں؟“

”ہاں یہی طیارے ہیں۔“

”یہ تو جادو ہے۔“

”جادو نہیں یہ اڑنے والی مشینیں ہیں۔“

طیارے نیم دائرے میں چکر لگاتے ہوئے نیچے آرہے تھے۔ اپنی سرخ لائٹوں کی مدد سے وہ وادی کی دیواروں اور ایک دوسرے سے ہوشیار تھے۔ چند منٹ میں وہ اتنا نیچے آچکے تھے کہ جب ایک طیارے پر دوسرے کی سرخ لائٹ پڑتی تو اس کی ساخت واضح ہو جاتی تھی۔ یہ دو انجن والے چھوٹے طیارے تھے جن میں سات آٹھ آدمیوں کی گنجائش ہوتی ہے۔ ابھی ان کی آواز نمایاں نہیں تھیں مگر مکھی بھنھانے جیسی آواز آنا شروع ہو گئی تھی۔ وہ دس ہزار فٹ کی بلندی پر تھے یعنی جہاں ہم تھے وہاں سے کوئی تین ہزار فٹ کی اونچائی تھی۔ اسی لمحے نیچے تیز روشنی ہوئی۔ میں نے جھانک کر دیکھا تو کرنل نے رن وے لائٹس آن کر دی تھیں۔ طیاروں کے پائلٹ نے بھی یہ لائٹس دیکھ لی تھیں اور وہ اب گھومتے ہوئے اسی طرف آرہے تھے۔ ہزار فٹ کی بلندی پر آنے کے بعد وہ رن وے کی سیدھ میں آنے کے لیے سیٹ ہونے لگے۔ اب ان کے انجنوں کی آواز بھی نمایاں ہو گئی تھی۔

میں نے رستی لگانے کے لیے جو سمت چنی تھی وہ رن وے لائٹس کو مد نظر رکھتے ہوئے چنی تھی۔ کرنل نے لائٹس اس طرح لگائی تھیں کہ وہ اس سمت میں دیوار سے کسی قدر فاصلے پر تھیں اور مخالف سمت میں یہ دیوار کے خاصے پاس تک تھیں۔ گویا طیارے اسی سمت سے اتر سکتے تھے۔ اگرچہ یہاں وادی کی دیوار قریب تھی لیکن پھر بھی یہ ایک میل کے فاصلے پر تھی اور اتنی دوری محفوظ لینڈنگ میں خلل نہیں ڈال سکتی تھی۔ اس طرف سے لینڈ اس وجہ

سے بھی چنی گئی تھی۔ لیکن اصل بات یہ تھی کہ اس طرف پودے اور کچھ چھوٹے درخت تھے جب کہ دوسری طرف دیوار تک ہموار میدان تھا اور وہاں طیاروں کو اترنے میں آسانی ہوتی۔ پھر سائیڈ پراٹنی جگہ تھی کہ ایک طیارہ اتر کر اس طرف گھوم جاتا تو دوسرے کے لیے رن وے فوری خالی ہو جاتا۔ میں نے دیکھا کہ پہلا طیارہ جو سب سے نیچے بھی تھا وہ گھوم کر اس سیدھ میں آ رہا تھا۔ اس دوران کرنل خاموش کھڑا تھا۔ وہ شاید پہلے ہی پائلٹس کو بتا چکا تھا کہ انہیں کس سمت سے اترنا ہے۔

اب طیاروں کی آواز وادی میں گونج رہی تھی اور میں نے اپنے ساتھیوں کو ہوشیار رہنے کو کہا۔ ہم نے تیر کمان سنبھال لیے تھے۔ مگر فی الحال اسٹیپ کی دیوار کے ساتھ دبکے ہوئے تھے۔ مجھے پہلے خیال نہیں آیا مگر اب میں سوچ رہا تھا کہ اگر طیاروں کی روشنی میں پائلٹس نے ہمیں دیکھ لیا تو وہ کرنل کو خبردار کر سکتے تھے۔ ایسا ممکن تھا کیونکہ اس عجوبہ وادی میں آنے کے بعد ان کا واسطہ سب سے پہلے جس عجوبے سے واسطہ پڑتا وہ یہی اہرام نما معبد تھا۔ اگر وہ اس کی طرف توجہ دیتے تو ہم بھی نظر آ سکتے تھے۔ مگر اب خیال آنے کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔ میں صرف امید کر سکتا تھا کہ پائلٹس کی توجہ لینڈنگ کی طرف ہوگی۔ کم سے کم اس کی جو سب سے نیچے تھا۔ کرنل ساکت کھڑا ہوا لینڈنگ کے لیے آنے والے اولین طیارے کی طرف دیکھ رہا تھا۔ وہ لینڈنگ زون کی سیدھ میں آ گیا تھا۔

باقی دو طیارے عین ہمارے اوپر تھے۔ پھر ان میں سے ایک الگ ہو کر لینڈنگ کی پوزیشن لینے لگا تھا۔ اسی لمحے کرنل کے ساتھ رکھے ریڈیو پر لائٹس تیزی سے آن آف ہونے لگیں۔ کرنل چونکا اور نیچے جھکا تھا کہ میری چھٹی حس نے خبردار کیا کہ کسی پائلٹ نے ہمیں دیکھ لیا ہے اور اب وہ کرنل کو خبردار کر رہا ہے۔ اس وقت تک پہلا طیارہ لینڈنگ زون کے پاس پہنچ گیا تھا۔ کرنل نے ریڈیو پر بات کر رہا تھا اور طیارے کے انجن کے شور میں اسے ٹھیک سے سنائی نہیں دے رہا تھا۔ مگر پھر اس نے سن لیا اور اہرام کے اوپر دیکھا۔ میں نے چلا کر اپنے ساتھیوں سے کہا۔ ”ہوشیار وہ ہمارے بارے میں جان گئے ہیں۔“

کرنل کھڑا ہوا اور اس نے رائفل ہاتھ میں لے لی تھی۔ میں نے پھر چلا کر خبردار کیا۔ ”کوئی نمایاں نہ

ہو۔“

چلانا یوں پڑ رہا تھا کہ طیارے کے انجن کا شور اب سماعت میں گھس رہا تھا۔ میں نیچے دیکھ رہا تھا۔ کرنل کے ساتھ زینی بھی ہوشیار ہو گئی تھی اور اس نے رائفل سنبھال لی تھی۔ میرا دل ایک لمحے کو ڈوبا تھا۔ ہمارے سر پر انزائیک کا منصوبہ ناکام ہو گیا تھا۔ کرنل اور زینی ہماری موجودگی سے واقف ہو گئے تھے۔ مگر دوسرے لمحے میں نے خود کو سنبھال لیا۔ میری نظر اب طیارے پر مرکوز تھی جو تیزی سے نیچے آ رہا تھا۔ اس نے پلک جھپکنے میں فیصلہ کر اس کی اور اگلے ہی لمحے ہوا میں قلابازی کھائی تھی۔ اس کے اگلے دونوں ٹائر زرتی سے الجھے تھے اور جب وہ زمین سے ٹکرایا تو تقریباً الٹا ہو چکا تھا۔ طیارے کی رفتار کم سے کم بھی سو میل فی گھنٹا تھی۔ ایک دھماکا ہوا اور طیارہ زمین سے ٹکرا کر اچھلا اور جب دوسری بار گرا تو اس میں آگ لگ چکی تھی۔ تیسری بار اس نے قلابازی کھائی اور اس کے ٹکڑے ہو گئے۔ یہ ٹکڑے رن وے اور احاطے میں جا بجا پھیل رہے تھے۔ ہر ٹکڑے میں آگ لگی ہوئی تھی اور طیارے کی مرکزی باڈی سے شعلے ابل رہے تھے۔ پھر اس کے بھی ٹکڑے ہونے لگے۔ یہ ایک

شاندار منظر تھا۔ اب یہاں فوری طور پر دوسرے طیارے کی لینڈنگ کا امکان باقی نہیں رہا تھا جب تک رن وے کو بلے سے صاف نہ کر دیا جاتا۔ ملے جل رہا تھا اور اس کے پاس جانے اور اسے رن وے سے ہٹانے کا فوری طور پر کوئی امکان نہیں تھا۔

پھر میں نے طیارے کی تباہی کا سب سے بہترین منظر دیکھا۔ طیارے کا ایک ٹکڑا جلتا اور اڑتا ہوا ان لوگوں کی طرف آیا۔ کرنل رائفل اوپر کیے کسی نشانے کا منتظر تھا اور یہ ٹکڑا آ کر اس کے جسم سے ٹکرایا۔ ایک دھاڑ کے ساتھ کرنل گرا تھا۔ مشعل بردار خامائیں پہلے ہی طیارے کی تباہی کے بعد مخالف سمت میں بھاگ رہی تھیں۔ زینی نے برقی لائٹیں بند کر دی تھیں اور اب وہ نظر نہیں آرہی تھی۔ پھر رن وے لائٹس بھی بند ہو گئیں۔ وہاں صرف طیارے کے جلتے بلے کی روشنی تھی۔ اس میں موجود کسی فرد کا بچنا محال لگ رہا تھا۔ میں نے ایک بار پھر اپنے ساتھیوں کو خبردار کیا کہ کوئی نمایاں نہ ہو اگرچہ کرنل مارا گیا تھا یا شدید زخمی تھا لیکن زینی غائب تھی۔ وہ کہیں چھپ کر وار کر سکتی تھی۔ زینی کے بعد دوسرا بڑا خطرہ اوپر موجود دو طیارے تھے۔ ان میں مشین گنوں کی موجودگی عین ممکن تھی اور پھر فوراً ہی یہ خطرہ سامنے بھی آ گیا۔ جیسے ہی خادمائیں دوسری طرف گئیں ایک طیارے نے غوطہ لگایا اور ہماری طرف آنے لگا۔ میں نے چلا کر کہا۔

”ہوشیار کسی جگہ چھپ جاؤ۔ یہ حملہ کرنے آرہا ہے۔“

”ہم کہاں جائیں؟“ ایرٹ نے پوچھا۔

میں نے سوچ کر جواب دیا۔ ”اہرام کے کونوں کی طرف جاؤ تاکہ ایک طرف سے حملہ ہو تو تمہارے پاس دوسری آڑ ہونے چاہیے۔ آدھے آدھے دونوں سمتوں میں ہو جائیں۔ سب ایک دوسرے سے دور رہو یہ ایک وقت میں ایک ہی ہدف پر حملہ کر سکتا ہے۔ پاس رہو گے تو خطرہ بڑھ جائے گا۔“

ریک اوپر آ گیا تھا۔ ”اور آپ؟“

میں نے اہرام کی چوٹی کی طرف دیکھا۔ ”مجھے دوسری طرف جانا ہے۔“

”لیکن.....“ ریک نے کہنا چاہا مگر میں نے غرا کر کہا۔

”جو کہا ہے ویسا ہی کرو۔ یہ زیادہ دیر حملے نہیں کر سکتے ہیں مگر ان کے حملے بہت خوفناک ہوں گے۔ اگر

بچنے کے لیے عمارت میں جانا پڑے تو وہاں چلے جانا۔“

یہ کہتے ہی میں بھاگا اور اسی لمحے غوطہ مارنے والے طیارے نے اپنی مشین گن کا دہانہ کھول دیا۔ گولیاں برس رہی تھیں لیکن نشانے سے دور تھیں۔ میرے ساتھی جہاں تھے وہیں دبک گئے۔ صرف میں حرکت میں تھا۔ میں گھوم کر معبد کے عمارت والے پہلو میں آیا۔ یہاں موجود فوجی افسر نیچے اتر رہا تھا اور اس کا انداز بتا رہا تھا کہ اس کی نیت فرار کی ہے۔ میں اس کی طرف توجہ دیئے بغیر معبد کے سامنے والی سمت جانے لگا۔ اس وقت میرے پیروں کو پر لگے ہوئے تھے۔ دوسرا طیارہ بھی اس حملے میں شامل ہو گیا تھا۔ اس نے میرا رخ کیا تھا جب کہ پہلا طیارہ گولیاں برساتا آگے نکل گیا تھا۔ میں اپنے ساتھیوں کی عافیت کے لیے صرف دعا ہی کر سکتا تھا۔ پہلا گزرا تو دوسرے طیارے نے مشین گن سے گولیاں برسانا شروع کیں۔ پہلے اس کا نشانہ معبد کا نچلا حصہ تھا اور میں نے فرار ہونے والے فوجی افسر کو چھلنی ہو کر گرتے دیکھا۔ میں نے ایک بار پھر اس آفاقی حقیقت کو جانا کہ موت سے

بچ کر آدمی کہیں نہیں جاسکتا ہے۔

اس کے بعد طیارے کا رخ میری طرف ہو گیا تھا۔ سیڑھیوں پر برستی گولیاں بتدریج میرے پاس آتی جا رہی تھیں۔ طیارہ بھی نزدیک آ گیا تھا۔ جب گولیاں مجھ سے چند فٹ کے فاصلے پر لگیں تو میں نے آگے کی سمت چھلانگ لگائی تھی اور اسی لمحے طیارہ اوپر سے گزر گیا۔ میں پھسلتا ہوا آگے گیا تھا اور اس جست نے مجھے گولیوں سے بچالیا۔ جب طیارہ گزر گیا تو میں اٹھ کر بھاگا تو معبد کے سامنے نکلا تھا۔ اب میں دیوار سے لگ کر اور جھک کر آگے بڑھنے لگا۔ یہاں کوئی نہیں تھا۔ مشعل بردار خادماں کہیں دبک گئی تھیں اور زینی بھی نظر نہیں آئی تھی۔ اگر وہ میری طرح معبد کی دیوار سے لگ کر چل رہی تھی تو مجھے نظر نہیں آسکتی تھی۔ جھک کر ہر ممکن تیزی سے میں معبد کے داخلی دروازے کے اوپر پہنچ گیا تھا۔ اس وقت تک مجھ پر حملہ کرنے والا طیارہ دوبارہ پلٹ آیا تھا اور معبد کے عقبی حصے سے بھی گنگ کا شور جاری تھا۔ وہاں میرے ساتھیوں کو نشانہ بنانے کی کوشش کی جا رہی تھی۔ ایک طیارے کی تباہی نے انہیں دیوانہ بنا دیا تھا۔

میں نے نیچے دیکھا اور کود کر اسٹپس سے نیچے اترنے لگا۔ میں آرام سے اترنے میں وقت ضائع نہیں کر سکتا تھا۔ طیارہ آرگون کی طرف سے پلٹ کر آ رہا تھا۔ اس کی وجہ سے اسٹپ پھسلواں ہو رہے تھے اور کودنے کے دوران اپنے توازن کا خیال بھی رکھنا تھا ورنہ لڑھک جاتا تو پھر نیچے پہنچ کر ہی مجھے بریک لگتے۔ اسی وجہ سے میری رفتار ذرا سست ہوئی تھی۔ طیارے نے کوئی چھ سو فٹ کی بلندی سے مجھ پر گولیاں برسانا شروع کیں اور رفتہ رفتہ گولیوں کی لائن نزدیک آنے لگی۔ یہ بھاری مشین گن تھی جس کی تین انچ لمبی گولی ایک فٹ موٹے ٹھوس کنکریٹ سے گزرنے کی صلاحیت رکھتی تھی۔ اس وقت میں معبد کے داخلی دروازے کے اوپری شیڈ سے کچھ ہی نیچے تھا۔ مجھے لگا کہ میں اس رفتار سے شیڈ تک نہیں پہنچ سکوں گا۔ اس لیے آخری دوا اسٹپ میں نے چھلانگیں لگاتے ہوئے طے کیے اور شیڈ کے اوپر گرا۔ پیروں کے بل گرتے ہوئے میں نے دونوں ہاتھ ٹیکے اور قلابازی کھاتے ہوئے شیڈ کی کسی قدر اٹھی چھت پر گر اٹھا۔

آخری گولیاں معبد کے سامنے روش پر لگیں اور اس کے بعد طیارہ اوپر اٹھا تو مشین گن کا رخ بھی بدل گیا اور پائلٹ نے گولیاں برسانا بھی بند کر دی تھیں۔ ایک بار پھر میں عین آخری موقع پر بچا تھا۔ میں چھت پر نصب خود کار گن کے بالکل سامنے گرا تھا جو ٹرائی پوڈ پر اپنے تمام لوازمات کے ساتھ سیٹ تھی۔ فی الحال یہ آف تھی ورنہ میں بالکل سامنے تھا اور مجھے شوٹ کرنا ایک سیکنڈ کی بات تھی۔ ظاہر ہے معبد سے باہر آنے سے پہلے اسے آف کر دیا گیا تھا۔ میں اٹھ رہا تھا کہ گن کے اوپر لگی ہوا ایک ایل ای ڈی روشن ہوئی اور میں نے جیسے خود کار انداز میں قلابازی لگائی اور اس کے پیچھے گرا تھا۔ ہونے والا فائر نہ جانے کہاں گیا تھا۔ فائر بے آواز تھا صرف ہلکی سی ٹھس کی آواز آئی تھی۔ گن میری طرف گھوم رہی تھی لیکن یہ ایک حد تک ہی پیچھے گھوم سکتی تھی۔ پیچھے میں محفوظ تھا۔ میں نے اٹھتے ہوئے اس کا معائنہ کیا۔ لیکن نزدیک نہیں گیا تھا اور نہ ہی سیدھا کھڑا ہوا تھا۔

ٹرائی پوڈ کے ساتھ اسے کنٹرول کرنے والا باکس لگا ہوا تھا جس میں کیمرے اور سینرز تھے۔ اس کا بھی امکان تھا کہ دیگر کیمروں کی مدد سے اسے کنٹرول کیا جاتا ہو۔ میں باکس کو ٹٹولنے لگا۔ یہ مکمل طور پر بند تھا اور بظاہر مجھے ایسا کوئی بٹن نہیں ملا جو اسے آف کر دیتا۔ اب میں نے گن چیک کی۔ یہ اس باکس میں نصب تھی۔ لیکن اسے

الگ کیا جاسکتا تھا اور میں نے اسے الگ کرنے کی کوشش شروع کر دی۔ یہاں نیم تاریکی تھی اور نیچے جلنے والی مشعلوں کی روشنی یہاں آرہی تھی۔ مجھے اپنا بچاؤ بھی کرنا تھا۔ اس لیے میں ایک حد سے زیادہ آگے بھی نہیں آسکتا تھا۔ طیارے کی آمد سے پہلے مجھے گن کو الگ کر لینا تھا۔ طیارہ گھوم کر پھر حملہ کرنے کے لیے آگے کی طرف چلا گیا تھا۔ گن کسی لاک کی مدد سے اس بکس میں پھنسی ہوئی تھی اور میں وہ لاک تلاش کر رہا تھا۔ مگر اندھیرے میں وہ لاک نہیں مل رہا تھا۔

اچانک ہی گن سے فائر ہوا اور میں اچھل پڑا تھا۔ یقیناً ڈیوڈ شائے محسوس کر لیا تھا کہ گن کے ساتھ چھیڑ ہو رہی تھی۔ یہ سنگل فائر تھا اور گولی کہیں سامنے گئی تھی۔ بکس میں لگی مشین گن خاصی بھاری تھی اور اس کی مارا چھی خاصی تھی۔ پھر فائر ہوا تو میں نے اپنی کوشش تیز کر دی۔ میرا ہاتھ گن کے ساتھ ایک ابھار پر گیا۔ پہلے میں اسے بکس کا فکس حصہ سمجھا تھا لیکن جب دوبارہ ہاتھ اس پر آیا تو میں نے اسے دبایا اور زور سے دبائے پر یہ اندر گیا اس کے ساتھ ہی گن بکس سے الگ ہو گئی۔ صرف گن نہیں بلکہ اس کے نیچے کوئی آٹھ انچ لمبا، چار انچ چوڑا اور تین انچ موٹا ایمونیشن بکس بھی الگ ہو گیا۔ اس سمیت گن کا وزن کوئی دس کلو گرام ہو گا اور اسے اٹھانا ہی خاصا مشقت آمیز کام تھا۔ میں نے چیک کیا تو گن بکس کے کھانچے میں اس طرح پھنسی تھی کہ اس کا ٹریگر اندر ایک لیور کی گرفت میں آ جاتا تھا اور وہ لیور حرکت کرتا تھا تو فائر ہوتا۔

دوسرا لیور گن کے سائیڈ پر لگے مینول کو تبدیل کر کے اسے خود کار اور سنگل شاٹ پر کرتا تھا۔ یہ تمام تفصیلات میں ابھی بتا رہا ہوں ورنہ اس وقت مجھے گن چیک کرنے کا ہوش نہیں تھا۔ ٹرائی پوڈ بکس کے ساتھ لگا ہوا تھا۔ اگر یہ گن کے ساتھ ہوتا تو مجھے اضافی وزن اٹھانا پڑتا۔ اب میں زیادہ آسانی سے گن استعمال کر سکتا تھا۔ طیارہ پلٹ کر آ رہا تھا اور اس نے حملہ والی پوزیشن لے لی تھی۔ کوئی چھ سو گز کی دوری سے اس کی مشین گن گولیاں اگلنے لگی۔ میں اس کے نزدیک آنے کا انتظار کر رہا تھا۔ گولیاں مجھ سے بہت دور باغ کو ادھیڑ رہی تھیں۔ مگر ان کا رخ میری طرف ہی تھا۔ جب طیارہ چار سو گز دور رہ گیا تو میں نے اس کے ایک انجن کا نشانہ لے کر گولیاں چلانا شروع کیں۔ گن کا دھکا خاصا زیادہ تھا اور ہر فائر پر میں ہل جاتا تھا۔ اگر میں نے پشت دیوار سے نہ لگائی ہوتی تو میں پیچھے جا گرتا۔ اگر نہ بھی گرتا تو نشانہ غلط ہو جاتا۔ مگر دیوار نے مجھے سپورٹ کیا تھا۔

طیارہ نزدیک آ رہا تھا اور اس سے برستی گولیاں بھی نزدیک آرہی تھیں۔ جب وہ دو سو گز دور رہ گیا تو میں نے گن کو خود کار موڈ پر کیا اور اس بار کسی تکلف کے بغیر گولیوں کی جوابی بارش شروع کر دی۔ طیارے کے پائلٹ کو شاید اس کی توقع نہیں تھی کہ اسے زمین سے برابر کا جواب ملے گا۔ یہ گن اس کے طیارے میں لگی مشین گن سے کسی طرح کم خطرناک نہیں تھی۔ اس کی مار بھی خاصی تھی۔ توقع نہ ہونے کی وجہ سے پائلٹ بے فکری سے بہت کم بلندی پر چلا آ رہا تھا۔ طیارہ سو گز دور تھا اور گولیاں شیڈ تک آ کر اسے ادھیڑ رہی تھیں کہ اچانک طیارے کے دائیں انجن میں دھماکا ہوا۔ شعلے نکلے اور پھر انجن دھماکے سے پھٹ گیا۔ طیارہ ایک طرف جھکا اور اس کے ساتھ ہی اس کی مشین گن سے گولیاں نکلنا بند ہو گئیں۔ ظاہر ہے اب پائلٹ کو اپنی بقا کی فکر لاحق ہو گئی تھی۔

کیونکہ طیارے کا صرف بائیں انجن کام کر رہا تھا اس لیے وہ میرے دائیں طرف گیا تھا۔ پائلٹ نے اسے اوپر اٹھانے کی کوشش کی لیکن وہ ناکام رہا تھا۔ نہ صرف دایاں انجن بلکہ پر کا بڑا حصہ بھی ٹوٹ گیا تھا اور

طیارے کی ایروڈائنامک بگڑ چکی تھی۔ عام طور سے دو انجنوں والے طیارے ایک انجن بند ہونے پر دوسرے انجن کی مدد سے بھی پرواز جاری رکھ سکتے ہیں لیکن ایک بار ایروڈائنامک بگڑ جائے تو طیارہ درست انجنوں کے ساتھ بھی پرواز نہیں کر سکتا ہے۔ طیارہ معبد کے مغربی کنارے سے ٹکرایا۔ تصادم کے دھماکے کے ساتھ ہی اس کے ٹکڑے ہوا میں بلند ہوئے تھے۔ یہ ہر طرف برس رہے تھے اور یہ سب مشکل سے پانچ سیکنڈ میں ہو گیا۔

ان ٹکڑوں سے بچنے کے لیے میں دیوار کی جڑ میں گھس گیا اور گول مول ہو کر اپنا چہرہ ہاتھوں میں چھپا لیا تھا۔ مگر خوش قسمتی سے جو چند ایک ٹکڑے اس طرف آئے دیوار نے ان سے محفوظ رکھا تھا۔ جب ٹکڑوں کی بارش ختم گئی تو میں نے سر اٹھا کر دیکھا، تصادم نے اہرام کا ایک حصہ تباہ کر دیا تھا اور طیارے کا جلتا ہوا ملبا اس کی سیڑھیوں سے ہوتا ہوا نیچے تک پہنچا تھا۔ میں نے ایک گہری سانس لی اور رب کا شکریہ ادا کیا جس نے ایک بار پھر اپنے بندے کو یقینی نظر آنے والی موت سے بچایا تھا۔ تیسرے طیارے کی آواز آئی تو میں چونکا۔ وہ معبد کے اوپر سے ہوتا ہوا آرگون کی طرف جا رہا تھا۔ دوسرے طیارے کے حشر نے آخری طیارے کے پائلٹ کا حوصلہ پست کر دیا اور اس نے پسپا ہونے میں عافیت سمجھی تھی۔ پتا نہیں وہ آرگون کی طرف گیا تھا یا وادی سے واپس جا رہا تھا۔ کیونکہ اس کی سرچ لائٹ بند ہو گئی تھی اس لیے وہ کچھ ہی دیر بعد نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

اسے پسپا ہوتے دیکھ کر مجھے اب اپنے ساتھیوں کی فکر ہونی چاہیے تھی۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ ان میں سے کتنے طیارے کی مشین گن کا شکار ہوئے تھے۔ اگر ان میں سے کچھ بچے تھے تو وہ یقیناً اپنے زخمی ہونے والے ساتھیوں کی دیکھ بھال کر رہے ہوں اور جو مر چکے ہوں گے وہ ہر چیز سے بے نیاز ہو گئے ہوں۔ اس لیے ان کی مدد کے لیے جانے سے زیادہ ضروری ڈیوڈ شا کی طرف جانا تھا۔ اس لیے اپنے ساتھیوں کی زندگی و موت اوپر والے پر چھوڑ کر میں نے وہ کیا جو مجھے کرنا چاہیے تھا۔ میں گن سمیت نزدیکی اسٹیپ نیچے کودا۔ بھاگ دوڑ اور گرنے پڑنے سے جسم پر خاصی چوٹیں آئی تھیں مگر یہ چوٹیں ایسی نہیں تھیں جو مجھے حرکت کرنے سے روک سکیں۔ آخری اسٹیپ سے روش پر کودتے ہی میں دیوار کے ساتھ چپک گیا۔ عین لمگن تھا کہ زینی اور بچ جانے کی صورت میں کرنل بھی اسی طرف موجود ہوتے۔ مگر وہاں کوئی نہیں تھا۔

کچھ دیر پہلے تک ماحول طیاروں کے انجنوں اور مشین گن کی گھن گرج سے گونج رہا تھا۔ مگر اب وہاں خاموشی تھی۔ میں سرکتا ہوا داخلی دروازے کے سلوپ تک آیا۔ ایک لمبے کورنگال کر دیکھا اور فوراً ہی سرواپس کر لیا۔ ایک لمبے کی جھلک میں اندر مشعلوں کی روشنی دکھائی دی اور اس روشنی میں نہ تو کوئی انسان نظر آیا اور نہ ہی کوئی ہتھیار جیسی چیز جیسے کہ یہ خود کار گن تھی۔ ورنہ خطرہ تھا کہ اندر بھی اس قسم کا کوئی ہتھیار نہ ہو۔ اللہ کا نام لے کر میں گھوما اور سلوپ پر آ گیا۔ لیکن سیدھا جانے کے بجائے میں نے ترچھا ہو کر دیوار سے لگتے ہوئے پیش قدمی جاری رکھی۔ میری تمام حیات بہت چوکنی تھیں۔ خاص طور سے میں سماعت پر زور دے رہا تھا کیونکہ آنکھ صرف رکاوٹ تک دکھاتی ہے۔ جب کہ کان رکاوٹ کے پیچھے کی آہٹ بھی سناتا ہے۔ گن کو میں نے دوبارہ سنگل موڈ پر کر لیا تھا۔ میں ایک لمبے کے دسویں حصے میں گولی چلانے کے لیے تیار تھا۔

سلوپ کے اوپری حصے میں دائیں بائیں دو عدد مشعلیں روشن تھیں اور ان کی تیز روشنی میں سب واضح نظر آ رہا تھا۔ اندر آنے سے پہلے میں نے اطمینان کر لیا تھا کہ تیسرا طیارہ اب یہاں واپس نہیں آئے گا۔ آرگون کی

طرف جانے کے بعد وہ پلٹا نہیں تھا اور اب اس کی آواز بھی نہیں آرہی تھی۔ اس طرف طیارے کے اترنے کے لیے بہت سی جگہیں تھیں۔ آرگون کے اندر اور باہر ہموار میدان تھے۔ مگر کسی بھی جگہ اسے خوش آمدید نہیں کہا جاتا۔ آرگون میں ایزارٹ اور اس کے ساتھی مزاحمت کرتے اور اس سے باہر ریٹائٹ کی فوج مزاحمت کرتی۔ لیکن دونوں ہی طرف آنے والے مسلح افراد کا مقابلہ کرنا آسان نہیں تھا۔ طیارے میں اگر آٹھ افراد تھے اور وہ اسلحہ بھی لائے تھے تو وہ ہزاروں کی فوج پر بھاری تھے جو تیرکمان اور نیزوں سے مسلح تھی۔

اصولاً دو طیاروں کی تباہی کے بعد اس تیسرے طیارے کو واپس چلے جانا چاہیے تھا۔ مگر اس کی واپسی میں واحد رکاوٹ ڈیوڈ شاہ ہو سکتا تھا۔ اس کا اگر طیارے سے رابطہ تھا تو وہ پوری کوشش کرتا کہ وہ کہیں لینڈ کرے اور پھر اس کی مدد کے لیے آئے۔ کرنل زندہ تھا یا نہیں لیکن ابھی اس کے ساتھ زینی اور سب سے بڑھ کر باسو تھے۔ ایک طیارے کے سات آٹھ افراد بھی اسے مل جاتے تو اس کی طاقت میں کئی گنا اضافہ ہو جاتا۔ دو طیاروں اور پندرہ سولہ افراد کی ہلاکت اس کے لیے کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ اسے موقع مل جاتا تو وہ پھر باہر سے اس سے زیادہ کمک منگوا سکتا تھا۔ میں اسے یہ موقع نہیں دینا چاہتا تھا۔ یہی سوچ کر میں نے معبد میں گھسنے کا خطرہ مول لیا تھا۔ سلوپ کے سب سے اوپری حصے میں آتے ہی مجھے سامنے دو عدد نو جوان پجاری دکھائی دیئے اور مجھے دیکھ کر انہوں نے خوفزدہ انداز میں دونوں ہاتھ جوڑ دیئے تھے۔ ان میں سے ایک نے گڑگڑا کر کہا۔

”ہمیں مت مارنا ہم ان کے ساتھ نہیں ہیں۔“

میں ان کی زبان سمجھ رہا تھا مگر مسئلہ یہ تھا کہ وہ میری زبان نہیں سمجھتے۔ بہر حال اشاروں کی زبان سے بھی کام چلایا جا سکتا تھا۔ اس لیے میں نے آگے آنے کا اشارہ کیا اور انہوں نے بلاچوں چراہم کی تعمیل کی تھی۔ وہ میرے ہاتھ میں گن جیسے ہتھیاروں کی ہلاکت خیزی سے اچھی طرح واقف تھے۔ میں نے سوچا اور اشارے سے پوچھا کہ ڈیوڈ شاہ اور اس کے ساتھی کہاں ہیں۔ کئی بار کی ایکس سائز کے بعد میں انہیں سمجھانے میں کامیاب ہوا تو ان میں سے ایک نے اندر اشارہ کیا۔ غالباً وہ سمجھ رہا تھا جیسے میں ان کی زبان بول نہیں پا رہا ہوں اسی طرح سمجھوں گا بھی نہیں۔ میں نے منہ سے بولنے کو کہا تو اس نے کہا۔ ”وہ اندر خاص حصے میں ہیں جہاں سینتور کا معبد ہے۔“

سینتور ان کا خدا تھا۔ اس کے معبد سے مراد یہی ہو سکتی تھی کہ وہاں اس کا مجسمہ یا ایسی کوئی چیز تھی جسے یہ سینتور سے منسوب کر سکتے تھے۔ میں نے اشارہ کیا کہ وہ بولتا رہے۔ اس نے کہا۔ ”یہ راہداری اوپر جاتی ہے۔ تیسری منزل کے بعد صرف خاص پجاری ہی آگے جاسکتے ہیں۔“

یقیناً یہاں ایسا نظام تھا جس میں اونچ نیچ اور تفریق تھی۔ تیسرے فلور سے آگے جاتے ہوئے عام پجاریوں کے پر چلتے ہوں گے۔ کیونکہ میری دلچسپی کے لوگ وہاں تھے اس لیے میں نے اسی طرف جانے کا فیصلہ کیا۔ میں نے ان دونوں کو سمجھایا کہ وہ میرے آگے چلیں اور فرار ہونے کی کوشش انہیں فوری موت سے ہمکنار کر دے گی۔ ہاں میرا کہنا مانتے رہے تو ان کی زندگی کا امکان ہے۔ وہ زندہ رہنا چاہتے تھے اس لیے شرافت سے میرے آگے چلنے لگے۔ اچانک مجھے خیال آیا اور میں نے انہیں رکنے کو کہا اور پھر ان سے اشاروں میں روپیر کا پوچھا۔ ان کی سمجھ میں نہیں آیا اس لیے میں نے آسان کام کیا اور خادماؤں کا پوچھا۔ بولنے والے پجاری نے کہا۔

”خادماہیں دوسری منزل پر رہتی ہیں۔“

اہرام نما عمارتوں میں وزن سہارنے کے لیے اندر بھی زیادہ تر ٹھوس حصہ ہوتا ہے اور خلا جہاں راستے اور کمرے ہوتے ہیں وہ کم ہوتے ہیں۔ یہاں بھی ایسا ہی تھا۔ طویل راہداریاں تھیں اور پھر چھوٹے ہال یا کمرے آتے تھے۔ راہداریوں سے چھوٹی گلیاں نکل رہی تھیں اور ان کے دونوں طرف کمرے یا حجرے تھے۔ حجرے میں نے سائز کے لحاظ سے کہا ہے۔ ورنہ یہ بھی ٹھوس اور بہت صفائی سے ہموار کیے ہوئے پتھروں سے بنے تھے۔ یہاں فرش سفید نائل نما پتھر سے بنا ہوا تھا اور اسے بھی پالش کیا گیا تھا۔ اوپر جانے والی راہداری مسلسل سلوپ کی صورت میں تھی۔ یہ گھوم بھی رہی تھی اور کہیں کہیں ہموار بھی ہو جاتی تھی۔ سلوپ اتنا تھا کہ چڑھنے اور اترنے والے کو کسی مشکل کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ ہم دوسرے فلور پر آئے تو یہاں مجھے خادماہیں دکھائی دی۔ یہاں ہال نسبتاً بڑے تھے۔ وہاں فرنیچر اور دوسرے لوازمات بھی دکھائی دے رہے تھے۔ عورتیں مجھے دیکھ کر خوف زدہ ہو گئیں اور جب میں اشارے سے ایک کو بلایا تو وہ رونے لگی تھی مگر گھسٹی ہوئی مجھ تک آگئی۔ میں نے اس سے پوچھا۔

”رو بیر؟“

یہ بڑی بیماری سے لڑکی تھی اس کی عمر بیس سے زیادہ نہیں تھی۔ لیکن عملی طور پر وہ عورت تھی۔ یہاں کسی کنواری لڑکی کی موجودگی کا امکان نہیں تھا۔ وہ منہ اٹھا کر مجھے دیکھی رہی۔ رو بیر کا نام اس کے سر پر سے گزر گیا تھا۔ مجھے اپنی حماقت کا احساس ہوا کیونکہ رو بیر تو مفرد تھی۔ اس کا نام صرف زونیرا جانتی تھی اور وہ اب ہمارے پاس تھی۔ یہ عورتیں رو بیر کے نام سے بھی ناواقف تھیں۔ بیماری پہلے ہی رو بیر کی موجودگی سے انکار کر چکے تھے۔ میں عورتوں میں دیکھ رہا تھا۔ وہ مجھے نظر نہیں آئی تھی۔ میں نے محسوس کیا کہ یہاں ساری خادماہیں نہیں ہیں۔ ان کی تعداد پندرہ سے زیادہ نہیں تھی۔ میں نے اشارے سے پوچھا کہ باقی عورتیں کہاں ہیں؟ ایک عورت نے سمجھ کر کہا۔ ”وہ اوپر ہیں سنتور والے حصے میں۔“

میں سوچ میں پڑ گیا۔ اگر رو بیر پکڑی گئی تھی تو اسے بھی دوسری خادماؤں کے ساتھ بیماریوں کے خاص حصے میں رکھا گیا تھا اور ظاہر ہے آرام سے نہیں رکھا گیا اس پر سختی کی جارہی ہوگی۔ وہاں شامین تھا جو اسے پہچانتا تھا۔ میں نے ساتھ آنے والے بیماریوں سے شامین کے بارے میں پوچھا تو اس کے بارے میں بھی یہی اطلاع ملی کہ وہ اوپر خاص حصے میں ہے۔ میں نے بیماریوں کی مدد سے خادماؤں سے کہا کہ وہ یہاں سے چلی جائیں اور اپنی جان بچانے کے لیے کہیں چھپ جائیں لیکن معبد سے نکل جائیں۔ بیماریوں نے کہا تو یہ پندرہ سولہ عورتیں افراتفری میں بھاگی تھیں۔ اب ہمیں دوسرے فلور پر جانا تھا۔ یہاں سے آگے جاتے ہوئے بھی میں نے بیماریوں کو سامنے رکھا تھا۔ دوسرا فلور تقریباً خالی تھا وہاں ہمیں نصف درجن چھوٹے درجے کے بیماری ملے اور میں نے انہیں بھی یہاں سے جانے کا مشورہ دیا۔ میرے مشوروں نے میرے ساتھ موجود بیماریوں کو فکر مند کر دیا تھا۔ بولنے والے نے کہا۔

”یہاں کچھ ہونے والا ہے تو ہمیں بھی جانے دو۔“

میں نے انکار کیا اور گن سے انہیں آگے چلنے کا اشارہ کیا۔ بادل ناخواستہ انہوں نے قدم آگے بڑھائے

تھے۔ اب میں زیادہ محتاط تھا کیونکہ دو فلورز پر مجھے مزاحمت کا سامنا نہیں کرنا پڑا تھا لیکن اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ وہ بالکل ہی بے فکر ہو کر بیٹھے ہوں گے۔ یقیناً کچھ نہ کچھ مزاحمت تیسرے فلور پر ہو سکتی تھی۔ شاید ڈیوڈ شانے یہاں باسو کو لگایا ہو۔ حیرت انگیز طور پر اس قدر خراب حالات کے باوجود اس نے باسو کو باہر نہیں نکالا تھا ورنہ وہ پہلے طیارے کی تباہی کے ساتھ ہی اسے باہر آ سکتا تھا اور اگر وہ آ جاتا تو ہمارے لیے اوپر منڈلاتے طیاروں سے زیادہ خطرناک ثابت ہو سکتا تھا۔ مگر ڈیوڈ شانے شاید اسے اپنی حفاظت کے لیے اپنے پاس رکھنا مناسب سمجھا تھا۔ یہ خود غرضی کی انتہا تھی کہ اسے اپنی بیٹی کی فکر بھی نہیں تھی جو باہر تھی اور اب نہ جانے کہاں تھی؟

تیسرے فلور پر راہداری ایک مستطیل نما ہال میں کھل رہی تھی۔ مخالف میں ایسی ہی راہداری اوپر جاری تھی اور دائیں بائیں ہال کے سروں پر چھوٹی گلیاں نکل رہی تھیں۔ یہاں سیڑھیاں بنائی جا سکتی تھیں لیکن شاید اس لیے سلوپ بنایا گیا کہ بھاری سامان بھی ٹرایوں پر با آسانی معبد کے اوپری حصے تک پہنچایا جاسکے۔ اس ہال میں مجھے لکڑی کی بنی ہوئی ٹرالیاں دکھائی دی تھیں۔ میں کھٹکا تھا کہ یہ جگہ ایسی نہیں تھی جہاں سامان ڈھونے والے ہاتھ گاڑیاں رکھی جاتیں۔ جلد میرا کھٹکا درست ثابت ہوا۔ جیسے ہی دونوں پجاری ہال کے دروازے تک پہنچے۔ کہیں سے دو عدد تیر آ کر ان کے جسموں میں پیوست ہوئے۔ ایک گر گیا اور دوسرا پلٹ کر میری طرف آیا تھا۔ تیر نے اس کا دل چھید دیا تھا اور میں نے اسے سنبھالا تو اس کا چہرہ میری طرف مڑ گیا اور مجھے مرنے کے بعد بھی اس کی آنکھوں میں حیرت کی جھلک نظر آئی تھی۔ تیروں کی دوسری بو چھاڑ آئی اور اس کے مردہ جسم میں اتر گئی۔ اس دوران میں مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ تیر انداز ہاتھ گاڑیوں کے عقب میں تھے۔ میں نے مرنے والے پجاری کو یوں سینے سے لگا لیا کہ دونوں ہاتھ اس کی بغل سے نکالے اور ان سے گن پکڑ کر ہاتھ گاڑی پر فائر کیا۔ پہلی بار مجھے اس گن کی تباہ کاری دیکھنے کا موقع ملا۔

اگرچہ طیارے کی تباہی نے ثابت کر دیا تھا کہ یہ کس قدر موثر اور خطرناک ہتھیار ہے۔ مگر وہ منظر ایک لمحے کا تھا اور دوسرے لمحے طیارہ معبد سے آنکرا رہا تھا۔ یہاں سب میری نظروں سے سامنے تھا۔ گولی نے ہاتھ گاڑی کا ایک حصہ تباہ کر دیا اور اس کے ٹکڑے فضا میں اڑ رہے تھے۔ دوسری گولی نے ایک تیر انداز کو مار گرایا اور اس کے ساتھ موجود فرد اٹھ کر بھاگا تھا۔ میں نے عقب سے اس پر گولی چلائی اور وہ گر گیا۔ وہ سلوپ پر ذرا اوپر چلا گیا تھا پھر اپنے ہی خون پر پھسلتا ہوا واپس آ گیا۔ مجھے کسی کی پشت میں گولی اتارنا پسند نہیں تھا۔ لیکن وہ میری آمد کا الارم بجا دیتا۔ گن بے آواز تھی اس لیے اندر والوں کو پتا نہیں چلتا۔ مگر بھاگنے والا ضرور میرا راز فاش کر دیتا۔ مارے جانے والے دونوں افراد نے معبد کے سپاہیوں والی وردیاں پہن رکھی تھیں۔ دو مارے گئے تھے لیکن وہاں مزید سپاہیوں کی موجودگی عین ممکن تھی۔ میں نے ڈھال بنے پجاری کو چھوڑا انہیں اسے اسی طرح پکڑے ہوئے ہال میں داخل ہوا اور اس کا جائزہ لیا۔

جہاں تک نظر جارہی تھی مجھے وہاں کوئی اور فرد نظر نہیں آیا۔ یہ جگہ خالی لگ رہی تھی لیکن اوپر جانے سے پہلے میں اپنا اطمینان کرنا چاہتا تھا میں نے پجاری کی لاش چھوڑ دی اور دل ہی دل میں اس سے معذرت کرتا ہوا آگے بڑھ گیا۔ میں ایسی جگہوں پر دیکھ رہا تھا جہاں کسی کے چھپنے کی گنجائش تھی۔ لیکن جلد واضح ہو گیا کہ وہاں کوئی نہیں تھا۔ چھوٹی گلیوں میں جانا وقت ضائع کرنے کے مترادف ہوتا میرا جلد از جلد ڈیوڈ شانے تک پہنچ جانا ضروری

تھا۔ اس کے بعد وہ ہوتا جو ہماری تقدیر میں اوپر والے نے لکھ دیا تھا۔ اگر ڈبوڈشا کا انجام میرے ہاتھ سے تھا تو میں اسے غلٹ میں انجام دینا چاہتا تھا۔ مگر یہ غلٹ وقت کے ضیاع کی حد تک تھی ورنہ میں آگے بڑھنے میں پوری طرح محتاط تھا اور اگر شبہ ہو جاتا تو اسے رفع کیے بغیر آگے نہیں جاتا تھا۔

ہال کا معائنہ کر کے مجھے اطمینان ہوا تو میں نے راہداری کے اگلے سرے کا جائزہ لیا۔ یہ کوئی دس فٹ تک سیدھی گئی تھی اور پھر ایل کی صورت میں دائیں طرف مڑ گئی تھی۔ میرا اندازہ تھا کہ میں زمین سے کوئی دو ڈھائی سو فٹ اوپر آگیا تھا گو یا سینٹور کا معبد یہاں آخر میں تھا۔ اس کے بعد اہرام کی چوٹی اتنی بڑی نہ رہ جاتی کہ اس میں مزید کوئی خلا رکھا جاتا۔ یا اگر خلا تھا تو بھی اسے استعمال نہیں کیا جاسکتا تھا۔ گویا اب دو چار ہاتھ لب بام رہ گئے تھے۔ دیکھا جائے تو میں اکیلا تھا لیکن میں اس سے خوش تھا۔ اگر میرے ساتھی ساتھ ہوتے تو وہ اس صورت حال میں میری خاص مدد نہیں کر سکتے تھے اور میں انہیں خطرے میں نہیں دیکھ سکتا تھا۔ اب مجھے جو کرنا تھا وہ اپنی ذات پر رسک لے کر کرنا تھا۔ میں سوچ رہا تھا کہ آگے بڑھوں کہ اچانک ہی اوپر سے ایک گول سیاہ چیز لڑھکتی ہوئی نمودار ہوئی اور تیزی سے نیچے آنے لگی۔ میں سینکڑوں دسویں حصے میں حرکت میں آیا میں نے چھلانگ لگائی اور ہتھ گاڑی کو لیتا ہوا دوسری طرف گرا تھا۔ اس کا نچلا حصہ خلا تھا جو گرینینڈ سے مجھے تحفظ نہیں دے سکتا تھا مگر اس کا تختہ جس پر سامان رکھا جاتا تھا وہ موٹی لکڑی کا بنا ہوا تھا۔ اب میں اس کی آڑ میں تھا۔

خوش قسمتی سے گرینینڈ راہداری سے باہر آنے سے پہلے پھٹ گیا تھا۔ میں نے گرتے ہوئے دونوں ہاتھ کانوں پر رکھ لیے تھے۔ اس کے باوجود دھماکا سماعت شکن تھا۔ مجھے لگا جیسے اس محدود سے ہال میں طوفان آگیا ہے۔ وہاں چیزیں اڑ رہی تھیں اور درجہ حرارت یک دم ہی بڑھ گیا تھا۔ میں سجدے والی پوزیشن میں پڑا ہوا تھا۔ دھماکے کی بازگشت تھم جانے کے بعد میں اندازہ لگا رہا تھا کہ مجھے کتنا نقصان ہوا ہے اور جسم کے کون سے حصے مجروح ہیں کیونکہ گرینینڈ مجھ سے مشکل سے چھ فٹ کے فاصلے پر پھٹا تھا۔ جب مجھے کچھ محسوس نہیں ہوا تو میں گن اٹھاتا ہوا اٹھا۔ ہاتھ گاڑی کا پچھلا حصہ دھماکے سے اڑ گیا تھا۔ دھماکے نے راہداری کے آغاز کی دیوار کو بھی نقصان کیا تھا۔ تب مجھے اندازہ ہوا کہ گرینینڈ راہداری میں ہی پھٹ گیا تھا ورنہ یہ ہال تک آ جاتا تو میں اس سے زیادہ دور نہیں تھا۔ اس صورت میں شاید ہاتھ گاڑی بھی مجھے تحفظ نہیں دے سکتی تھی۔

ہاتھ گاڑی مضبوط لکڑی کی تھی مگر گرینینڈ نے اس کے ایک حصے کے پرچے اڑا دیے تھے۔ اگر گرینینڈ اس کے سامنے پھٹتا تو باقی حصوں کا بھی یہی حال متوقع تھا۔ اس کے پیچھے میں کہاں محفوظ رہتا؟ اگر شدید زخموں سے بچ جاتا تب بھی کچھ نہ کچھ زخم تو آتے۔ سلوپ پر گڑھا پڑا تھا مگر اس کا پھراتا مونا تھا کہ نیچے کوئی خلا نظر نہیں آ رہا تھا۔ گرینینڈ نے سات آٹھ انچ تک پتھر ادھڑ دیا تھا۔ یہی حال دیواروں کا ہوا تھا۔ اس کے باوجود اس طاقتور گرینینڈ نے بھی یہاں کے اسٹرکچر کو زیادہ نقصان نہیں پہنچایا تھا۔ باہر طیارے کے ٹکرانے سے خاصی تباہی ہوئی تھی۔ مگر یہ عمارت اتنی بڑی تھی کہ اس کے ایک حصے پر طیارہ ٹکرانے سے اندر کوئی فرق نہیں پڑا تھا۔ شاید اندر معمولی سی دھمک کے سوا اور کوئی آواز بھی نہیں آئی ہوگی۔ میں نے فوری اوپر جانا مناسب نہیں سمجھا اور ذرا پیچھے ہٹ کر ایک ستون کی آڑ میں پوزیشن سنبھال لی۔

یہ پوزیشن خاصی آکورد تھی۔ کیونکہ میرے عقب میں بھی ایک گلی تھی اور وہاں سے بھی کسی کی آمد ممکن تھی۔

اس صورت میں، میں عقب سے اپنا دفاع نہیں کر سکتا تھا اس لیے میں دونوں طرف نظر رکھے ہوئے تھا اور یہی مشکل تھی۔ مجھے سامنے سے کسی کے آنے کا اتنا خطرہ نہیں تھا اصل خطرہ عقب سے تھا۔ بہر حال جس نے گرینیڈ پھینکا تھا وہ دوبارہ یہی کام کرتا ورنہ پہلے گرینیڈ کا نتیجہ دیکھنے آتا۔ میں نے گن کارخ راہداری کی طرف کیے رکھا۔ مگر دوسری طرف سے کوئی رد عمل سامنے نہیں آیا نہ تو مزید گرینیڈ پھینکا گیا اور نہ ہی کسی نے آ کر جھانکنے کی زحمت کی کہ جس کے لیے یہ زحمت کی تھی وہ زندہ بھی ہے یا مر گیا۔ چند منٹ بعد میں نے ہی حرکت میں آنے کا فیصلہ کیا۔ مگر اس بار میں نے راہداری کی طرف جانے کے بجائے عقب میں موجود گلی کارخ کیا۔

اگرچہ یہ تو واضح تھا کہ اوپر جانے کا راستہ راہداری سے ہی ہو کر جاتا ہے لیکن اگر میں دیکھ لیتا تو کوئی حرج بھی نہیں تھا۔ یہاں تاریکی تھی میں نے ہال میں لگی ایک مشعل اتار لی۔ گلی زیادہ بڑی نہیں تھی۔ کچھ آگے جا کر اس میں دائیں بائیں دروازے نمایاں تھے۔ میں نے ایک دروازے میں جھانکا۔ کمر خالی تھا۔ دوسرے کمرے میں بھی کوئی نہیں تھا۔ مگر تیسرے کمرے تک جانے سے پہلے مجھے ہلکی سی آہٹ سنائی دی تھی۔ میں ٹھٹک گیا آواز اگلے دروازے سے آئی تھی۔ یہاں کمرے کے دروازے نہیں تھے صرف چوکھٹ تھیں اور ان پر پردے تھے۔ میں نے گن کی نال سے پردہ ہٹایا اور مشعل آگے کی تو مجھے ایک نسوانی وجود اس حال میں نظر آیا کہ وہ دیوار سے یوں جڑا ہوا تھا جیسے اس کا ایک جز بن جانا چاہتا ہوں۔ اس کے سرخی مائل براؤن بال دیکھ کر میں نے بے ساختہ کہا۔

”رو بیر۔“

وہ میری آواز سن کر تڑپ کر اٹھی اور آندھی طوفان کی طرح میری طرف آئی۔ اسے مشعل کی آگ سے بچانے کے لیے مجھے خاصی کوشش کرنا پڑی تھی۔ وہ کسی ہشت پا کی طرح مجھ سے لپٹ گئی۔ ”شہباز..... مجھے معلوم تھا..... آپ آئیں گے..... میں آپ کا..... انتظار کر رہی تھی۔“ اس نے پھولی سانسوں کے دوران کہا۔ اس کا نازک بدن اب پہلے سے زیادہ شدت سے کانپ رہا تھا۔ اس نے وہی حرکت کرنا چاہی جو معبد کی طرف جانے سے پہلے باغ میں کی تھی مگر میں نے ہاتھ درمیان میں لا کر اسے روک دیا۔ وہ خفیف ہو کر رک گئی تھی۔ میں نے گن نیچے رکھی اور مشعل دیوار کے کھانچے میں لگا دی۔ پھر اسے خود سے جدا کرتے ہوئے پوچھا۔

”تم ٹھیک ہو؟“

”ہاں میں ٹھیک ہوں۔“ اس نے خود پر قابو پاتے ہوئے کہا۔ ”میں کامیابی سے اندر آ گئی تھی اور پھر عورتوں میں چھپی رہی۔ کسی نے مجھ پر شک نہیں کیا۔ رات ہوتے ہی مجھے اور چند دوسری خادماؤں کو اوپر بلایا گیا۔ جب ہم وہاں پہنچے تو شامین نے مجھے پہچان لیا۔ میں وہاں سے بھاگ نکلی۔ تب سے مجھے تلاش کیا جا رہا ہے اور میں چھپتی پھر رہی ہوں۔ ایک بار تو پکڑی جاتی لیکن یہاں کی ایک لڑکی نے میری مدد کی۔“

”اس پاداش میں اسے تشدد کر کے زخمی کر دیا گیا تھا اور پھر اسماروں کے سامنے پھینکنے کا حکم دیا لیکن ہم نے اسے بچا لیا ہے۔“

”سچ۔“ رو بیر خوش ہو گئی۔ اس کا چہرہ سستا ہوا اور ہونٹ خشک ہو رہے تھے شاید وہ بہت دیر سے پیاسی تھی۔ میں نے پانی کی چھاگل اسے دی تو اس نے بے تابی سے پانی پیا تھا۔ پھر میں نے اسے ڈرائی فروٹ دیئے۔ اس نے کھاتے ہوئے گن کی طرف دیکھا۔ ”یہ کیا ہے؟“

”وہی ہتھیار جس نے عمارت سے بھاگنے والی عورت کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔ ابھی کچھ دیر پہلے میں نے اس سے معبد کے دو سپاہیوں کو مارا ہے۔ یہاں کل کتنے لوگ ہیں۔“

روہیر نے سر ہلایا۔ ”یہاں شاہین کے ساتھ چار سپاہی ہیں۔ دس پجاری ہیں جن میں چار چھوٹے درجے کے پجاری اور باقی اوپری درجے کے پجاری ہیں۔“

میں حساب لگا رہا تھا۔ تین چھوٹے درجے کے پجاری اور دو سپاہی مارے گئے تھے۔ شاہین اور اس کے بچ جانے والے دو سپاہی، سات پجاری، اتنی ہی خادماؤں اور ڈیوڈ شاو باسو۔ یہ کل انیس افراد ہوئے اور زینی بھی واپس آگئی تھی تو یہ بیس بنتے تھے۔ اگر پجاریوں و خادماؤں کو نکال دیا جاتا تب بھی مجھے پانچ سے چھ افراد سے نمٹنا تھا اور یہ سب ہی خطرناک لوگ تھے۔ میں نے پوچھا۔ ”یہ سب اوپر ہیں؟“

روہیر نے سر ہلایا۔ ”سینتور کے معبد میں۔ وہاں بڑے پجاریوں کے لیے خاص کمرے ہیں۔“

”باہر ابھی بہت ہنگامہ اور دھماکے ہوئے ہیں کیا تم نے اندر کچھ سنا؟“

”نہیں۔“ روہیر نے ذرا تعجب سے کہا۔ ”بس ایک بار دھمک سے ہوئی تھی جیسے معبد کی عمارت لرزی ہو۔“

”باہر کیا ہوا ہے؟“

میں نے اسے مختصر اباہر کے حالات سے آگاہ کیا۔ وہ خوش ہوئی کہ ہم نے ڈیوڈ شا کا منصوبہ تقریباً ناکام بنا دیا تھا اور نہ صرف دو طیارے تباہ کر دیئے تھے بلکہ ان میں موجود ڈیوڈ شا کے آدمی اور اسلحہ بھی تباہ ہو گیا۔ ایک طیارہ واپس یا آرگون کی طرف چلا گیا تھا۔ میں نے کہا۔ ”ڈیوڈ شا کا اس سے رابطہ ہے تو وہ اسے جانے نہیں دے گا اور اگر وہ کہیں اتر گیا تو یہاں کے لوگوں پر بہت زیادہ تباہی نازل کر سکتا ہے۔ ایزارٹ اور اس کی ساری فوج مل کر بھی ان لوگوں کو نہیں روک سکتی ہے۔ اس سے پہلے وہ یہاں آئیں ہمیں ڈیوڈ شا اور اس کے ساتھیوں کا خاتمہ کر دینا ہے۔“

روہیر فکر مند ہو گئی۔ ”آپ اکیلے ہیں۔“

”میں کبھی اکیلا نہیں ہوتا۔“ میں نے دوسرے معنوں میں کہا۔ ”مگر وہ خوش ہو گئی۔“

”میں آپ کے ساتھ ہوں۔“

”یہ بتاؤ کہ اوپری چہر تک جانے کا کوئی اور راستہ ہے؟“

روہیر سوچ میں پڑ گئی۔ پھر اس نے کہا۔ ”راستہ ہے لیکن مجھے اس کے بارے میں علم نہیں ہے۔“

”تب تمہیں اس کے بارے میں کیسے پتا چلا؟“

”میں ایک جگہ چھپی ہوئی تھی تو مجھے تلاش کرنے والے دو پجاری وہاں آ گئے اور وہ واپس میں بات کر رہے تھے۔ ایک دوسرے سے کہہ رہا تھا کہ کہیں میں خفیہ راستے سے تو فرار نہیں ہو گئی۔ دوسرے نے اس کی تردید کی اس نے کہا۔ یہ خفیہ راستہ سینتور کے معبد میں نکلتا ہے اور میں تو فرار ہو کر نیچے آئی تھی اس راستے سے باہر جانے کے لیے ضروری تھا کہ میں سینتور کے حصے میں رہتی۔“

روہیر کی بات نے مجھے چونکا دیا تھا۔ اس نے ایک معمولی سی نظر انداز کی جانے والی بات کو خاص بنا دیا تھا۔

میں نے روہیر سے کہا۔ ”میرے ساتھ چلو۔“

وہ بلا تامل تیار ہو گئی اس نے یہ بھی نہیں پوچھا کہ میں اسے کہاں لے جا رہا تھا اور وہاں کیا خطرہ ہو سکتا تھا۔ میں نے مشعل چھوڑ دی تھی اور ہم گلی سے مستطیل ہال میں آئے۔ یہاں چند لمحے سن گن لینے کے بعد مجھے اندازہ ہوا کہ وہاں کوئی نہیں تھا۔ میں روپیر کو لے کر تیزی سے راہداری میں آیا اور ہم معبد سے باہر جانے لگے۔ راستہ کیسر ہی تھا اس کے باوجود میں دیکھ بھال کر آگے بڑھ رہا تھا۔ اس کا بھی امکان تھا کہ جب تک میں روپیر کے ساتھ تھا یہاں کوئی ٹریپ یا آدمی لگا دیئے گئے ہوں۔ میں بے خبری میں شکار ہونا نہیں چاہتا تھا۔ روپیر کو میں نے پیچھے کی نگرانی پر لگایا تھا کہ کوئی عقب سے آکر ہم پر وار نہ کر سکی۔ وہ مڑ کر پیچھے بھی دیکھ رہی تھی۔ معبد کی بیرونی راستے پر آکر میں نے اسے پیچھے روکا اور خود آگے بڑھا۔ پہلے میں نے دائیں بائیں اور کسی قدر اوپر دیکھ کر اطمینان کیا کہ باہر کوئی نہیں تھا۔ پھر روپیر اور ایک مشعل لے کر باہر آیا۔

پہلے میں نے روپیر کو سہارا دے کر معبد کی دیوار کے اوپر چڑھایا۔ یہ کام خاصا مشکل ثابت ہوا کیونکہ اس کا ریشمی لبادہ بہت پھسلواں تھا۔ اسے اوپر چڑھا کر میں نے گن اور مشعل تھمائی اور خود بھی چڑھ گیا۔ جب روپیر کو مزید چڑھنے کو کہا تو اس نے اپنے لبادے کی طرف دیکھا اور بولی۔ ”اس کی وجہ سے بہت مشکل ہو رہی ہے۔“

”میں اس کا علاج کرتی ہوں۔“ اس نے کہا اور گھٹنوں سے ذرا اوپر لبادے کو ذرا سا چیرا اور پھر اسے گولائی میں پھاڑتی چلی گئی۔ ذرا سی دیر میں یہ لبادے کے بجائے فراک رہ گیا تھا۔ اس نے اتاری پٹی کو کوئی بل دے کر اپنی کمرے پر باندھ لیا اور یوں لباس بالکل سمٹ گیا۔

”اچھی لگ رہی ہو۔“ میں نے کہا۔

اگرچہ میں نے عام سے انداز میں کہا تھا مگر وہ کھل اٹھی۔ ”میں آپ کو اچھی لگ رہی ہوں۔“

”اب اوپر چلو۔“ میں نے اسے کمرے پکڑ کر اوپر کیا اور پھر اس کے پیروں کو سہارا دے کر اسے اگلے اسٹیپ تک پہنچا دیا۔

ایک ایک اسٹیپ کر کے ہم اوپر جاتے رہے۔ اس دوران میں میں آس پاس بھی نظر رکھے ہوئے تھا۔ معبد کی مغربی سمت طیارے کا ملبہ بکھرا ہوا تھا اور اس میں ابھی تک آگ جل رہی تھی۔ ہم کوئی سو فٹ کی بلندی پر آئے ہوں گے کہ اچانک فائرنگ کی آوازیں آنے لگیں۔ اس وقت میں اسٹیپ پر چڑھ رہا تھا۔ میں نے روپیر سے کہا۔ ”نیچے ہو جاؤ۔“

”نہیں آپ اوپر آئیں۔“ اس نے پریشان ہو کر کہا اور میرا ہاتھ کھینچنے لگی۔ اوپر آکر میں نے اسے دیوار کی جز کی طرف دھکیلا اور خود اس کے ساتھ دیوار سے لگ کر جھک گیا۔ فائرنگ چند لمحے جاری رہی اور پھر رک گئی۔ بلاشبہ گولیاں چلی تھیں لیکن یہ کسی ہتھیار سے نہیں چلی تھیں بلکہ طیارے میں تباہ ہونے والے ایئو نیشن کو حرارت پہنچی تو اس میں موجود گولیاں چلی تھیں اور ان کی آواز پناخوں جیسی تھی بہر حال یہ بھی خطرناک ہوتی ہیں اس لیے میں نے احتیاط مناسب سمجھی۔ روپیر کو علم نہیں تھا اور میرے پاس سمجھانے کا وقت نہیں تھا کہ یہ کیا ہو رہا تھا۔ اس لیے جیسے ہی فائرنگ رکی۔ میں نے اوپر کی طرف سفر شروع کر دیا۔ معبد کے سامنے باغ اور عمارت کی طرف سے کسی قسم کی کوئی نقل و حرکت میری نظر میں نہیں آئی تھی۔ اب مجھے ریک اور دوسرے ساتھیوں کا خیال آ رہا تھا مگر

میں خاص طور سے انہیں چیک نہیں کر سکتا تھا۔ دوسوفٹ کی بلندی پر آنے کے بعد میں اور روبیر معبد کے پچھلے حصے میں پہنچے وہاں رن وے پر پڑا ہوا طیارے کا ملبہ جل رہا تھا۔

میں نے سیڑھیوں کا جائزہ لیا مگر مجھے وہاں کوئی نظر نہیں آیا نہ زندہ، نہ مردہ اور نہ زخمی حالت میں۔ مجھے ذرا سکون ملا کہ میرے ساتھی بچ نکلنے میں کامیاب رہے تھے۔ میں نے انہیں جان بچا کر عمارت کی طرف جانے کو کہا تھا۔ وہ شاید وہیں تھے۔ یہاں سے اگلے اسٹیپ آسان تھے اور مجھے صرف روبیر کو سہارا دینا پڑ رہا تھا۔ اس نے مشعل سنبھال لی تھی اور میرے پاس گن تھی۔ اس کا ایمنیشن بکس پیک تھا اس لیے میں اندازہ نہیں کر سکا تھا کہ اس میں کتنی گولیاں ہیں۔ اسے الگ کر کے دیکھا تو خاصا وزن پایا۔ اس کا مطلب تھا کہ اس میں ابھی اچھی خاصی گولیاں موجود تھیں۔ مجھے نیچے میدان میں پڑے ہتھیاروں کا خیال آیا۔ شاید اس میں کچھ قابل استعمال ہوں۔ اسی طرح اگر کرنل مارا گیا تھا یا شدید زخمی تھا تو اس کے بھی ہتھیار وہاں موجود ہونے چاہیے تھے۔ مسئلہ وہی تھا کہ میرے پاس وقت نہیں تھا۔ میں جلد از جلد ڈیوڈ شاتلک پہنچ جانا چاہتا تھا۔ روبیر اس کوہ پیائی سے تھک گئی تھی۔ اس نے کہا۔

”اگر ہم نے پیچھے آنا تھا تو اتنا اوپر چڑھنے کی کیا ضرورت تھی؟“

”ضرورت ہے اور ہمیں ابھی مزید اوپر جانا ہے۔“ میں نے ذہن پر زور دیتے ہوئے کہا۔ میں ٹھیک اس جگہ چڑھنا چاہ رہا تھا جہاں پہلے سے چڑھا تھا۔ جب میں نے مزید اوپر جانے کو کہا تو روبیر چونکی۔ وہ سمجھ گئی تھی اس نے کہا۔

”آپ اس خفیہ راستے تک پہنچنا چاہتے ہیں جو سینٹور کے معبد تک جاتا ہے؟“

”ہاں۔“ میں نے اگلا اسٹیپ چڑھ کر کہا۔

”مگر باہر سے آپ کیسے تلاش کریں گے؟“

”یہ میں ابھی بتاتا ہوں۔“ میں نے اسے اوپر کھینچا۔

”باقی سب کہاں ہیں؟“ روبیر نے یہ سوال خاصی دیر سے کیا۔

”وہ نیچے تھے جب طیاروں نے حملہ کیا میں نے انہیں بچ کر عمارت میں جانے کو کہا تھا۔ وہ وہیں ہو سکتے

ہیں۔“

اب ہم کوئی تین سوفٹ کی بلندی پر تھے۔ مجھے یاد تھا کہ ہلنے والا پتھر مجھے چار سوفٹ کے بعد ملا تھا۔ اسٹیپ چھوٹے ہونے اور بلندی پر آنے کے بعد روبیر ڈر رہی تھی۔ میں نے اس کا ڈر محسوس کرتے ہوئے اسے یہیں رکنے کو کہا مگر اس نے انکار کر دیا۔ ”میں آپ کے ساتھ رہوں گی چاہے مجھے کتنا ہی ڈر کیوں نہ لگے۔“

”تب بھی تم یہیں رکو جب میں راستہ تلاش کر لوں گا تو تمہیں اوپر بلا لوں گا۔“ میں نے اس سے مشعل لیتے ہوئے کہا۔ ”تم نیچے آؤ اس پاس نظر رکھو کوئی خطرہ محسوس ہو تو مجھے خبردار کرنا۔“

روبرمان گئی مگر خبردار کرنے والے انداز میں بولی۔ ”اگر آپ نے راستہ تلاش کر لیا اور مجھے لیے بغیر گئے تو میں معبد کے سامنے والے راستے سے اندر آ جاؤں گی۔“

سچی بات ہے کہ میرا یہی ارادہ تھا کہ میں اسے لیے بغیر ہی اندر چلا جاؤں گا۔ مگر اس کی دھمکی اور اس سے

زیادہ پختہ لہجے نے مجھے سوچنے پر مجبور کر دیا۔ میں اسے معبد سے نکال لایا تھا کیونکہ وہاں اس کے لیے خطرہ تھا۔ میرے پاس وقت نہیں تھا کہ میں اسے عمارت تک پہنچاتا اس لیے ساتھ رکھا تھا۔ یہاں وہ محفوظ تھی اور جب تک کوئی اوپر نہ آتا اسے دیکھ نہیں سکتا تھا۔ مگر اب وہ پیرتسمہ پا ہو گئی تھی اور بہر صورت میرے ساتھ رہنا چاہتی تھی۔ میں نے اسے تسلی دی۔ ”نہیں جاؤں گا تمہیں لیے بغیر، مگر اب تم یہاں چھپ جاؤ تمہارا سفید لباس نمایاں ہو رہا ہے۔“

وہ سیڑھی کی دیوار سے لگ کر بیٹھ گئی۔ ”ایسے ٹھیک ہے؟“
اگرچہ وہ پوری طرح نہیں چھپ رہی تھی کیونکہ سیڑھی چھوٹی تھی مگر کھڑے ہونے کے مقابلے میں بیٹھ جانا بہتر تھا۔ ”ہاں یہ ٹھیک ہے۔“

میں اوپر کی طرف بڑھا۔ جب معبد کی چوٹی سو فٹ دور رہ گئی تو میں نے اس پتھر کو تلاش کرنا شروع کر دیا جو بل رہا تھا۔ میں دائیں سے بائیں پتھروں کو ٹٹولتا ہوا گیا۔ جب اس اسٹیپ پر پتھر نہیں ملا تو میں اوپر والے اسٹیپ پر گیا۔ یہاں بھی تمام پتھروں کو چیک کیا اور وہ ان میں بھی نہیں تھا۔ تیسرے اسٹیپ کے بعد سیڑھیوں کا سائز مختصر ہو گیا تھا اور مجھے یاد تھا کہ وہ پتھر خاصا بڑا تھا۔ میں نے تیسرا پتھر ہلایا تو وہ ہل گیا۔ میں نے جلدی سے مشعل پاس رکھی اور پتھر کو ہلایا۔ یہ آگے پیچھے حرکت کر رہا تھا۔ میں نے ایک اسٹیپ نیچے ہو کر اس کے اوپری حصے پر دونوں ہاتھ جمائے اور اسے آگے کی طرف کھینچنے کی کوشش کی مگر وہ ٹس سے مس نہیں ہوا۔ حالانکہ اس کی حرکت بتا رہی تھی کہ وہ آس پاس کے پتھروں سے آزاد ہے۔ میں نے دوسرے زاویے سے کوشش کی اور اب کی اسے پیچھے دھکیلا اور منہ کے بل گرتے گرتے بچا۔

پتھریوں آسانی سے اندر چلا گیا جیسے کئی سو کلو گرام کے بجائے اس کا وزن صرف چند کلو گرام ہو۔ یہ دوفٹ لمبا، چوڑا اور اونچا پتھر تھا۔ اس کا وزن کم سے کم بھی دو سو کلو گرام ہونا چاہیے تھا۔ میں نے اس کے وزن کے حساب سے زور لگایا تھا۔ پتھر جتنی آسانی سے اندر گیا تھا اتنا ہی بے آواز بھی تھا۔ اس کے سرکنے سے بہت معمولی سی آواز پیدا ہوئی تھی۔ پتھر سرکنا ہوا اوپر والے اسٹیپ کے نیچے بالکل ہی غائب ہو گیا تھا اور جس جگہ سے سرکا تھا۔ وہاں دو ضرب دوفٹ کا خلا نمودار ہوا تھا۔ میں نے مشعل اٹھا کر اندر روشنی ڈالی۔ چار فٹ کی گہرائی تھی اور اس کے آگے تین فٹ کا دوفٹ چوڑا خلا دکھائی دے رہا تھا۔ یہ متوازی تھا یعنی اس میں انسان گھٹنوں کے بل بیٹھ کر چل سکتا تھا۔ مجھے شاید اکڑوں بیٹھنا پڑتا۔ میں نے پلٹ کر رویر کو دیکھا اور اسے بالکل اپنے پاس پا کر مجھے غصہ آیا تھا۔ وہ خاموشی سے اوپر چلی آئی تھی۔ شاید اس نے میرا غصہ بھانپ لیا تھا۔ جلدی سے بولی۔ ”میں نے آپ کو پتھر سرکاتے دیکھ لیا تھا اس لیے اوپر آئی ہوں۔“

”میں اندر جا رہا ہوں۔“ میں نے سرد لہجے میں کہتے ہوئے مشعل اسے پکڑائی۔ ”جب میں مانگوں تو مجھے دینا۔ مگر اب آواز مت نکالنا۔“

اس نے مشعل پکڑی تو مجھے اس کی آنکھوں میں ستارے سے جھللاتے نظر آئے۔ یہ آنسو تھے جو میرے لہجے پر آئے تھے۔ یہ اشک شوئی کا وقت نہیں تھا۔ میں خلا میں اتر اور گھٹنے موڑتا ہوا بیٹھ گیا۔ پھر میں نے ہاتھ اوپر کر کے مشعل لی اور خلا میں دیکھا۔ سامنے چند فٹ تک تین فٹ اونچا خلا تھا اس کے بعد یہ بڑا ہو گیا تھا۔ میں

آگے آیا اور بڑے خلا میں جھانکا۔ یہ دو فٹ چوڑا اور کوئی پانچ فٹ اونچا تھا۔ پورا سراٹھانا تو ممکن نہیں تھا لیکن آدمی کھڑا ہو کر رکوع کی حالت میں چل سکتا تھا۔ میں نے واپس ہو کر روپیر سے گن لی اور پھر اسے بھی اندر آنے کو کہا۔ ساتھ ہی ایک بار پھر ہدایت کی کہ کوئی آواز نہ نکالے اور اگر بولنا ہو تو سرگوشی میں میرے کان میں بولے۔ اس نے سر ہلایا تھا۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ پتھر کس طرح بند ہوتا تھا اور میں اسے بند کرنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا کہ ممکن ہے پھر کھلے ہی نہیں اور ہم چوہے دان میں پھنس کر رہ جائیں۔ میں نے مشعل سامنے کی اور بڑھنے لگا۔ گن میں نے دوسرے ہاتھ سے سنبھال رکھی تھی اور یہ خاصا مشکل کام تھا کیونکہ جھک کر اٹھائی تھی۔ مگر یہ مشکل کام کرنا ہی تھا۔

سریگ کچھ دیر سیدھی چلتی رہی کوئی دس گز کے بعد یہ دائیں طرف گھومی اور کسی قدر سلوپ کے انداز میں نیچے جانے لگی۔ یہاں سے یہ پھر دائیں طرف گھومی اور سلوپ برقرار رہا۔ میرا انداز تھا کہ ہم کوئی بیس فٹ نیچے آچکے تھے۔ یہاں گھٹن نہیں تھی۔ شاید خفیہ راستہ کھل جانے سے تازہ ہوا اندر آ رہی تھی۔ سریگ ایک بار پھر دائیں طرف گھومی اور اس بار سلوپ کے بجائے میڑھیوں سے واسطہ پڑا۔ ان کی تعداد بیس تھی اور ہم بیس فٹ کے فاصلے میں بیس ہی فٹ نیچے اتر گئے۔ پتالیس درجے کی وجہ سے بہت سنبھل کر اترنا پڑا تھا۔ البتہ یہاں چھت اونچی ہو گئی تھی اور ہم سیدھے ہو کر اتر سکتے تھے۔ ورنہ جھکی حالت میں بہت دشواری پیش آتی۔ جہاں میڑھیوں کا اختتام تھا وہیں سریگ بھی ختم ہو گئی تھی۔ تین بائی تین مربع فٹ کی ہموار جگہ کے بعد ایک دیوار تھی۔ یقیناً ہم سینٹور کے معبد کے پاس تھے اور اس دیوار کے پار کوئی کمرایا جگہ تھی۔

اصل سوال یہ تھا کہ اسے کھولا کیسے جاتا؟ میں نے گن روپیر کو پکڑائی تو وہ اس کے وزن سے گرتے گرتے بچی پھر سنبھل کر پکڑ لیا۔ میں مشعل کو دیواروں کے پاس کر کے بہ غور معائنہ کر رہا تھا۔ یہاں ایسی کوئی چیز ہونی چاہیے تھی جس سے آگے راستے کھلتا۔ مگر خاصی تلاش کے بعد بھی ایسی کوئی چیز نظر نہیں آئی تھی۔ یہاں سامنے والی دیوار سمیت تینوں دیواریں قطعی ہموار تھیں۔ ان پر معمولی سا ابھار بھی نہیں تھا۔ دیواروں کے بعد میں نے فرش کا معائنہ شروع کیا اور اس بار بھی مجھے ناکامی ہوئی۔ سب سے آخر میں چھت رہ گئی تھی جو کوئی ساڑھے چار فٹ اونچی تھی۔ یہ بھی ٹھوس پتھر کی اور ہموار ثابت ہوئی۔ ایسا لگ رہا تھا کہ سریگ کے اس طرف سے اسے کھولنے کا کوئی راستہ نہیں تھا۔ تھک کر میں پہلی سیڑھی پر بیٹھ گیا۔ روپیر مجھ سے ایک سیڑھی اوپر تھی اور اس دوران میں قطعی خاموش رہی تھی۔ میں بیٹھا تو اس نے جھک کر سرگوشی میں کہا۔

”راستہ نہیں ملا؟“

”راستہ ہے مگر اسے کھولنے کا طریقہ نہیں مل رہا۔“ میں نے جوابی سرگوشی کی۔

”اب موقع ہے۔“

میں نے پلٹ کر اسے دیکھا اور اپنے برابر کی طرف اشارہ کیا۔ ”روپیر یہاں آؤ میں تم سے کچھ کہنا چاہتا ہوں۔“

اس نے گن اوپری سیڑھی پر رکھی اور ذرا سرک کر میرے برابر میں آئی تھی کہ اس کا وزن پڑتے ہی سیڑھی ذرا سی اندر دھنسی اور سامنے موجود دیوار اپنی جگہ سے بے آواز سرکنے لگی۔ میں نے بہت تیزی دکھائی اور اٹھا تھا

کہ کئی انچ کھل جانے والی دیوار دوبارہ بے آواز اپنی جگہ آگئی۔ روبیر بھی حیران رہ گئی تھی۔ شکر ہے اس نے آواز نہیں نکالی۔ چند انچ کے خلا سے مجھے دوسری طرف ایک روشن کمراد کھائی دیا تھا۔ فرش پر عمدہ قسم کا دبیز قالین بچھا ہوا تھا اور ایک طرف فرشی میز رکھی تھی۔ تو خفیہ دروازے کو کھولنے کا طریقہ یہ تھا۔ شاید سیڑھی پر سہلو گرام یا اس سے زیادہ وزن آتا تو دروازہ کھل جاتا تھا اور جیسے ہی یہ وزن کم ہوتا وہ بند ہو جاتا۔ میرا اور روبیر کا مشترکہ وزن اتنا ہو گیا تھا کہ سیڑھی کا یہ اسٹیپ دب کر خفیہ دروازہ کھول دیتا۔ روبیر نے سرگوشی کی۔ ”یہ ہے خفیہ راستہ؟“

میں نے سر ہلاتے ہوئے عقب میں موجود گن اٹھالی۔ ممکن ہے دوسری طرف کوئی ہو اور اس نے دروازہ کھلتے اور پھر بند ہوتے دیکھ لیا ہو۔ اس صورت میں دروازہ اب دوسری طرف سے کھلتا۔ میں اس کے لیے تیار تھا اور روبیر کو اشارے سے پیچھے ہٹنے کا کہا۔ وہ مشعل لے کر سیڑھیوں کے اوپری حصے میں چلی گئی۔ مگر کئی منٹ گزرنے کے بعد بھی کوئی رد عمل نہیں ہوا تو میں بھی پیچھے ہٹ آیا اور سیڑھی پر بیٹھ گیا۔ روبیر میرے ساتھ آگئی۔“

میں نے کچھ دیر بعد کہا۔ ”سنو میں اندر جاؤں گا اور تم یہیں.....“

”میں آپ کے ساتھ.....“

”میری بات سنو۔“ میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔ ”تم رکو گی نہیں بلکہ واپس جاؤ گی۔ عمارت میں جا کر دوسروں کو بھی اسی راستے سے اندر لاؤ گی۔ اگر میں ناکام رہا اور پکڑا گیا تو تم لوگ ہی میری واحد امید ہو گے۔ تم سمجھ رہی ہونا؟“

اس نے آنسو ضبط کرتے ہوئے سر ہلایا۔ ”جی۔“

”تب جیسے ہی میں اندر جاؤں گا تم یہاں سے نکلو گی اور باقی سب کو لے کر آؤ گی۔“

”آپ جیسا کہیں گے میں ویسا ہی کروں گی۔“

میں نے نرمی سے اس کا ہاتھ تھاما۔ ”روبر تم بہت اچھی لڑکی ہو اور مجھے یقین ہے قدرت نے تمہارے لیے آگے بہت اچھا رکھا ہے۔“

”آپ مجھ سے وعدہ کریں کہ جب شامین ملے گا تو آپ اسے اپنے ہاتھ سے ماریں گے۔“

”وعدے کی ضرورت نہیں ہے میں نے پہلے ہی فیصلہ کر لیا ہے۔“

اس نے اپنی بائیں میرے گلے میں ڈال دیں اور اس سے پہلے میں اسے روکتا اس نے کہا۔ ”بس آخری

بار۔“

یہاں میں بے بس ہو گیا۔ اس نے اپنے نازک لب میرے ہونٹوں سے لگا دیئے۔ میں نے دل ہی دل اللہ سے معافی چاہی کہ یہ بھی اس کے حکم کی خلاف ورزی تھی۔ چند لمحے بعد اس نے ہونٹ الگ کیے اور کھڑی ہو گئی۔ میں نے مشعل اسی کے پاس رہنے دی کہ باہر جانے تک اسے اس کی ضرورت تھی۔ ہم دونوں آخری سیڑھی تک آئے۔ میں نے خود کو تیار کیا اور پہلے میں سیڑھی پر آیا پھر روبیر آئی اور دروازہ کھلنے لگا۔ اس کا میکنزم اتنا اعلیٰ درجے کا تھا کہ پتھر کا وزنی دروازہ سرکنے کی آواز معمولی سی تھی۔ جیسے ہی یہ اتنا کھلا کہ میں اندر داخل ہو سکتا میں نے جست لگائی اور کمرے میں پہنچ گیا۔ وزن ہٹنے ہی دروازہ بند ہونے لگا تھا۔ سیکنڈ سے بھی پہلے میں نے کمرے کا

معائنہ کر لیا۔ وہاں کوئی نہیں تھا اور جب تک میں عقب میں دیکھتا دروازہ بند ہو چکا تھا۔

میرے چھلانگ لگانے سے ہلکی سے آواز پیدا ہوئی تھی اور اگر کوئی کمرے کے پاس تھا تو اس تک یہ آواز جاسکتی تھی۔ میں گن لے کر ایک تریچھے ستون کی آڑ میں ہو گیا۔ مگر جب کوئی رد عمل نہیں ہوا تو میں دبے قدموں کمرے کے دروازے تک آیا۔ یہاں چوکھٹ میں اعلیٰ درجے کی لکڑی سے بنا ہوا دروازہ نصب تھا۔ میں نے پہلے کان لگا کر سن گن لی۔ باہر سے کوئی آواز نہیں آرہی تھی۔ مطمئن ہونے کے بعد میں نے آہستہ سے دروازہ کھولا اور باہر جھانکا تو مجھے ایک خاصا بڑا ہال دکھائی دیا۔ جس کے وسط میں ایک دائرے میں سونے کا اہرام بنا ہوا تھا۔ یہ اوپر چوٹی پر لگے اہرام سے خاصا بڑا تھا۔ اس کا سائز دس بائی دس اور اونچائی بھی دس فٹ تھی۔ دائرہ سیاہ پتھر کا تھا اور فرش سے فٹ بھر اونچا تھا اس دائرے میں ارغونی سیال بھرا ہوا تھا اور بظاہر یہ شراب لگ رہی تھی۔ جہاں تک میری نظر جارہی تھی وہاں کوئی نہیں تھا۔ مگر فوراً ہی ایک آواز آئی۔

”تم سب معبد کی طرف آؤ۔“

یہ آواز ڈیوڈ شا کی تھی۔ مگر وہ کس سے مخاطب تھا میں یہ سمجھنے سے قاصر رہا۔ چند لمحے بعد اس کی آواز دوبارہ آئی۔ ”جو راستے میں آئے اسے اڑادو۔ چاہے جنگل سے آنا پڑے تم لوگ جلد از جلد یہاں پہنچو اٹ از آرڈر۔“

آواز سنتے ہی میں نے دروازہ ذرا بند کر دیا تھا۔ ڈیوڈ شا اہرام کے دوسری طرف سے بات کرتا ہوا نمودار ہوا تھا اس کے ہاتھ میں ریڈیو کا ریسور اور مائیک تھا۔ ریڈیو ایک پجاری نے اٹھا رکھا تھا اس سے منسلک تار کہیں جارہی تھی۔ یہ ویسا ہی ریڈیو تھا جیسا کہ کرنل نے باکس میں رکھا ہوا تھا اور اس سے طیاروں سے رابطہ کیا تھا۔ اس کی گفتگوں کر میرادل دھڑک اٹھا کہ تیسرا طیارہ شاید آرگون یا اس کے آس پاس کہیں لینڈ کر گیا تھا اور اب اس میں موجود مسلح افراد یہاں آنے کے لیے تیار تھے۔ اگر یہ لینڈنگ شہر کے اندر تھی تو ایزارٹ اور حریت پسند سخت خطرے میں تھے۔ طیارے میں آنے والے سات آٹھ افراد خود کار آتشیں ہتھیاروں سے ان کا قتل عام کر سکتے تھے۔ ڈیوڈ شانے دائرے کے پاس رکھی تپائی سے طلائی جام اٹھایا اور تالاب سے ارغونی شراب بھر کر اس کی چسکی لی۔ وہ دوسری طرف کی بات سن رہا تھا۔

میرے لیے یہ اچھا موقع تھا میں نے گن سیدھی کی اور ٹریگر پر دباؤ ڈالا تھا۔ مگر جیسے ہی فائر ہوا کوئی جھری کے سامنے آیا۔ یہ اتنا اچانک ہوا کہ میں خود کو روک ہی سکا تھا۔ گولی آنے والے کے سینے میں اترتی ہوئی دوسری طرف نکلی اور اس نے ریڈیو بردار پجاری کو بھی نشانہ بنایا۔ وہ کرب ناک آواز نکالتا ہوا پیچھے گرا اور جھٹکے کی وجہ سے ریسور کا تار ٹوٹ گیا۔ ڈیوڈ شا کے منہ سے گالی نکلی مگر دوسرے ہی لمحے اس نے حیرت انگیز پھرتی سے جست لگائی اور اہرام کے دوسری طرف جا گرا تھا۔ میری چلائی دوسری گولی اہرام کو لگی تھی۔ ڈیوڈ شانے گرتے ہی چلا کر باسو کو آواز دی۔ وہ اسے بتا رہا تھا کہ دشمن اندر گھس آیا تھا۔ میں نے دروازہ کھولا اور باہر آیا۔ مارا جانے والا ایک سپاہی تھا۔ ایسا ہی ایک سپاہی سامنے سے آرہا تھا اور اس نے نیزہ اٹھا رکھا تھا۔ میں نے اس کے پاؤں کا نشانہ لیا اور گولی نے گھٹنے سے اس کے پاؤں الگ کر دیا تھا۔

مضبوط سپاہی نیچے گر کر دھاڑیں مارنے لگا۔ باسو ایک کمرے سے نمودار ہوا اور اس کے ہاتھ میں اس کا

بڑے سائز کا ریوالتور تھا۔ میں اس کی تباہ کاری سے بہ خوبی واقف تھا۔ اس لیے گن کارخ باسو کی طرف کرتے ہوئے فائر کیا اور تیزی سے کمرے میں واپس آ گیا۔ باسو کی چلائی گولی چوکھٹ سے لگی تھی۔ اگلی گولی نے دروازے میں سوراخ کر دیا اور میں بال بال بچا تھا۔ میں دیوار کی آڑ میں ہو گیا۔ دوسری سمت سے فائر ہوا تو دروازے میں ایک سوراخ اور ہو گیا۔ گولی باسو سے مخالف سمت سے آئی تھی۔ پھر زینی کی آواز آئی۔ ”پاپا یہ شہباز ہے میں نے آپ سے کہا تھا۔“

”یہ وہی ہے۔“ ڈیوڈ شا کی ٹھہری ہوئی آواز آئی۔ ”شہباز کیا تم میری آواز سن رہے ہو؟“

میں نے پہلے سوچا کہ اسے جواب نہ دوں مگر پھر میں نے بولنے کا فیصلہ کیا۔ ”ہاں سن رہا ہوں۔“

”مجھے حیرت ہے تم یہاں تک چلے آئے۔“

”تمہیں صرف اسی بات پر حیرت ہے؟“ میں نے چبھتے لہجے میں کہا۔ ”تمہارے دو طیارے اور کوئی پندرہ سولہ آدمی مٹی میں مل گئے ہیں کیا تمہیں اس پر تعجب نہیں ہوا۔“

”ان کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔“ ڈیوڈ شا نے لاپرواہی سے جواب دیا۔ ”ایک طیارہ اتر گیا ہے اور اس کے آدمی جلد یہاں پہنچ جائیں گے۔“

”میرا خیال ہے وہ جلد اوپر پہنچ جائیں گے کیونکہ وہ یہاں کے بارے میں کچھ نہیں جانتے ہیں۔“ میں نے جواب دیتے ہوئے دروازہ کی چٹخنی چڑھا دی۔ مجھے خطرہ تھا کہ کوئی گریینڈ انڈر اسال نہ کر دیا جائے۔ اس صورت میں میرے پاس سوائے وفات پانے کے اور کوئی چارہ نہیں رہ جاتا۔ یہاں آڑ کے لیے کچھ بھی نہیں تھا۔ اس بار ڈیوڈ شا کے لہجے میں غصہ تھا۔ ”شہباز میں نے ہمیشہ تمہیں رعایت دی مگر تم نے اس کا غلط فائدہ اٹھایا۔“

”تم نے رعایت اپنے مطلب کے لیے دی اور میں اس کا فائدہ کیوں نہ اٹھاتا۔“

”اب تمہیں کوئی رعایت نہیں ملے گی یہی جگہ تمہارا دفن بن جائے گی۔“

”دیکھتے ہیں کہ کس کا دفن کہاں ہوتا ہے؟“ میں نے کہا۔ ”کرٹل کہاں ہے؟“

”وہ شدید زخمی ہے۔“ زینی نے جواب دیا۔ ”شہباز تمہیں اس کا حساب بھی دینا ہوگا۔“

”دو طیاروں سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ کل اس سے زیادہ تعداد میں طیارے آجائیں گے۔“ ڈیوڈ شا بولا۔

”ایک بار میرے آدمیوں کو یہاں آنے دو۔“

ڈیوڈ شا بڑ نہیں ہانک رہا تھا وہ ایسا کر سکتا تھا۔ مگر میں نے اسے الٹا ہی تاثر دیا۔ ”تمہارا کیا خیال ہے تمہیں کل تک مہلت مل جائے گی۔ یہ مت سمجھنا کہ صرف میں خطرہ میں ہوں۔ جلد یہاں موجود اور بھی لوگ معبد میں آئیں گے اور تمہارے لیے کہیں جائے پناہ نہیں ہوگی۔“

”مجھے کسی کی فکر نہیں ہے۔“ ڈیوڈ شا نے کہا۔ ”شہباز میں اب بھی تمہیں ایک موقع دینے کے لیے تیار ہوں۔ ہتھیار ڈال دو اور خود کو میرے حوالے کر دو۔ میں تمہیں ماروں گا نہیں، صرف قید رکھوں گا۔ جب میں یہاں کا حکمران بن جاؤں گا تو تمہیں واپس پاکستان بھجوا دوں گا۔“

”تم صرف ریٹائٹ جیسے لوگوں کو احمق بنا سکتے ہو۔“ میں ہنسا۔ ”کیا ہوا اس کا انجام، اگر میں نے تمہارے

سامنے ہتھیرا ڈال دیئے تو مجھے اپنے انجام پر کوئی شبہ نہیں رہے گا۔“

میری بات مکمل ہوتے ہی باہر سے دروازے پر خود کار رائل فل سے برسٹ مارا گیا۔ گولیاں سوراخ کرتی پار ہو گئیں اور میں دیوار سے لگے ہونے کی وجہ سے محفوظ رہا۔ مگر میں نے ایک کرنک جین مارنے میں کوئی حرج نہیں سمجھا۔ یہ فائرنگ زینی نے کی تھی کیونکہ اسی کے پاس خود کار رائل فل تھی۔ ڈیوڈ شا سے مجھے اس جرأت کی امید نہیں تھی۔ میں بے آواز لیکن تیزی سے دروازے کے دوسری طرف آیا۔ باہر اس برسٹ اور میری جین کے بعد خاموشی تھی۔ میں نے کوشش کی تھی کہ تاثر اصل رہے۔ ڈیوڈ شا جیسا عیار جانتا تھا کہ میں گولی لگنے پر بھی ایک حد سے زیادہ واویلہ نہیں کر سکتا ہوں۔ میں خفیہ راستے کے پاس آیا اور اب مجھے اس کو کھولنے والے طریقے کی تلاش تھی۔ یہ کمرامیرے لیے چوہے دان بن گیا تھا اس سے باہر بیک وقت کئی ہتھیرا منتظر تھے کہ میری جھلک نظر آئے اور وہ موت کا دہانہ کھول دیں۔ میرے لیے دوسری راہ لازمی تھی۔ یہاں دیوار سپاٹ تھی۔ میں دیکھ رہا تھا کہ باہر سے زینی کی آواز آئی۔ ”وہ مارا گیا ہے؟“

ڈیوڈ شانے کچھ کہا مگر اس کی آواز مدھم تھی میں سن نہیں سکا تھا۔ مگر اس نے یہی کہا ہو گا کہ جب تک وہ میری لاش آنکھوں سے نہ دیکھ لے وہ اس بات پر یقین نہیں کرے گا۔ مجھے اس طرف سے بھی خفیہ راستے کا کوئی بن نہیں ملا۔ بنانے والوں نے یقیناً ایسا بنایا تھا جس کی طرف کسی کا دھیان نہ جائے۔ باہر اب خاموشی تھی اور میں سوچ رہا تھا کہ وہ کیا سوچ رہے ہیں۔ ان کے لیے اندر آنا ضروری نہیں تھا وہ باہر رہتے ہوئے بھی میرا خاتمہ کر سکتے تھے یا مجھے قابو کر سکتے تھے۔ قابو کرنے والی بات پر میں نے سوچا ہی تھا کہ باہر سے باسو نے فائر کیا اور دروازہ جو پہلے ہی خاصا سوراخ دار ہو گیا تھا اس میں ایک بڑا سوراخ نمودار ہوا اور فوراً ایک چھوٹا گیس بم اندر آکر گرا۔ اس سے پہلے ہی گیس خارج ہو رہی تھی۔ اسے دیکھتے ہی میں نے چند گہرے سانس لیے اور سانس روک لی۔ دس سیکنڈ سے بھی پہلے پورا کمرامیرے سے بھر گیا تھا۔

اچانک میرا سر چکرایا اور کمرے میں جلنے والی مشعل کا شعلہ جیسے بھڑکنے لگا۔ مجھے تعجب ہوا کہ میں نے تو سانس نہیں لی پھر ایسا کیوں ہو رہا ہے؟ میں دروازے کی طرف بڑھا تو مجھے اپنے قدم من من بھر کے محسوس ہوئے تھے۔ کسی نہ کسی طرح میں دروازے تک پہنچا اور اسے کھولا۔ اب میں دروازے پر کھڑا جھول رہا تھا۔ گن پہلے ہی مجھ سے گر گئی تھی۔ زینی ایک طرف کھڑی تھی اس نے مجھے دیکھ کر رائل فل سیدھی کی تھی کہ ڈیوڈ شانے اسے منع کیا۔ زینی نے حیرت سے باپ کی طرف دیکھا۔ ”پاپا یہ اس وقت قابو میں ہے۔ اگر اسے موقع مل گیا تو یہ بچ جائے گا۔ اس نے چالاکی سے کام لیا تھا اگر ہم اس کے دھوکے میں آجاتے تو؟“

”میں جانتا ہوں لیکن شہباز جیسے لوگ ایسی موت کے مستحق نہیں ہوتے ہیں۔ باسو اسے آگے لاؤ۔“

باسو آگے آیا۔ اس نے مجھے بازو سے پکڑا اور کسی بچے کی طرح کھینچ کر آگے لے آیا۔ اس کے بعد اس نے ایک نیلے رنگ کے سیال سے بھری شیشی نکال کر اس کمرے کی طرف اچھالنا چاہی جہاں سے میں آیا مگر ڈیوڈ شا نے اسے روک دیا۔ ”رہنے دو یہ اسی طرف سے آیا ممکن ہے اس کا کوئی اور ساتھی بھی ہو۔ اس گیس کے ہوتے ہوئے کوئی اس طرف سے نہیں آسکتا ہے۔“

شاید نیلا سیال اس گیس کا توڑ تھا۔ زینی نے کہا۔ ”گیس باہر آسکتی ہے؟“

”نہیں پندرہ فٹ کے بعد یہ بے اثر ہو جاتی ہے۔ اس لیے کمرے سے باہر یہ اثر نہیں کرے گی۔“

میں اہرام کے دائرے کے پاس زمین پر پڑا ہوا تھا اور رفتہ رفتہ میرے ذہن پر تاریکی چھا رہی تھی۔

ڈیوڈ شامیرے پاس بیٹھا اور اس نے ایک چھوٹا سا اسپرے نکال کر میری ناک پر اسپرے کیا۔ جیسے ہی یہ سانس کے راستے میرے جسم میں داخل ہوا۔ میرے ذہن پر چھاتی تاریکی چھٹنے لگی تھی۔ چند لمحے میں ذہن صاف ہو گیا مگر جسم پر چھائی سستی برقرار تھی۔ ڈیوڈ شانے کھڑے ہوتے ہوئے اشارہ کیا تو باسو نے ایک کرسی لا کر رکھ دی اور وہ اس پر بیٹھ گیا۔ زینی نزدیک کھڑی تھی اور کینہ تو زینتوں سے مجھے دیکھ رہی تھی۔ اس کا بس چلتا تو مجھے فوراً شوٹ کر دیتی۔ مگر اپنے باپ کے حکم سے مجبور تھی۔ باسو حسب معمول سپاٹ چہرہ لیے کھڑا تھا۔ ڈیوڈ شانے کچھ دیر بعد کہا۔ ”اب کیسا محسوس کر رہے ہو؟“

میں کوشش کر کے دائرے کی منڈیر سے ٹک کر بیٹھ گیا۔ ”بہتر ہوں لیکن جسم قابو میں نہیں ہے۔“

”تم حرکت کر رہے ہو یہ بھی بڑی بات ہے ورنہ اس گیس کا شکار ہونے والے مفلوج ہو جاتے ہیں اور کئی

گھنٹے بعد ہی حرکت کرنے کے قابل ہوتے ہیں۔“

میں کوشش کر کے مسکرایا۔ ”تم جانتے ہو میں کتنا ڈھیٹ ہوں۔“

ڈیوڈ شا کہہ رہا تھا۔ ”تم نے مجھے بہت تنگ کیا۔ اس وقت وادی پر میرا قبضہ مکمل ہو چکا ہوتا مگر تم نے

میرے پروگرام میں رکاوٹ ڈال دی۔“

”افسوس کہ میں پوری طرح کامیاب نہیں ہوا۔“

”تم بھی نہیں سکتے۔“ ڈیوڈ شانے باسو کی طرف دیکھا اور اشارے سے شراب طلب کی۔ اس نے ایک

سونے کا جام اٹھایا اور تالاب سے بھر کر اسے شراب دی۔

”ڈیوڈ شا، بہت سی باتوں کا فیصلہ آنے والا وقت کرتا ہے ہم پہلے سے کچھ نہیں کہہ سکتے۔“

”میں کہہ سکتا ہوں۔“ اس نے پُر تکبر لہجے میں کہا۔ ”میرا علم کہتا ہے کہ میں اسی وادی میں رہوں گا۔“

”ہو سکتا ہے۔“ میں نے کہا۔ تالاب سے کراہت آمیز بواٹھ رہی تھی مگر میں اس کی منڈیر سے دور ہٹ

کر بیٹھا نہیں رہ سکتا تھا اور اگر مجھے ٹیک نہ ملتی تو شاید میں گر جاتا۔ ڈیوڈ شا جیسے دشمن کے سامنے مجھے زمین پر

پڑے رہنا گوارہ نہیں تھا۔ اس لیے کراہت کے باوجود تالاب کی منڈیر سے نکار ہا۔ ”اب تم میرے ساتھ کیا کرو

گے؟“

”میں تم کو دکھاؤں گا کہ میں جلد اس وادی کا حکمران بن جاؤں گا اور جب میں حکمران بن جاؤں گا تو

پہلا حکم تمہاری سزا کا جاری کروں گا۔ تمہیں آرگون کے شاہی کمپلکس کے سامنے میدان میں وادی کے تمام لوگوں

کو جمع کر کے پھانسی دی جائے گی۔“ اس نے اطمینان سے اپنا ارادہ بتایا جیسے معمول کی کوئی بات کر رہا ہو اور میں

نے بھی یوں سنا جیسے یہ میری موت کی نہیں کسی تقریب کی بات کی جا رہی ہے۔ میں نے سر ہلایا۔

”تمہارا ارادہ تو سمجھ میں آ رہا ہے لیکن یہ کچھ زیادہ طویل نہیں ہو جائے گا۔“

”تم فکر مت کرو سب کچھ تمہاری توقع سے بھی پہلے نمٹ جائے گا۔ ایک بار مطلوبہ تعداد میں میرے آدمی

یہاں آجائیں تو اس کے بعد مشکل سے چوبیس گھنٹے میں صرف وہی لوگ زندہ ہوں گے جو میرے قدموں میں

جھک کر زندہ رہنا چاہتے ہوں۔“

میں ایک ٹک ڈیوڈ شا کو دیکھ رہا تھا۔ ”اس وقت مجھے تمہارے آباؤ اجداد جنہوں نے ایک دنیا کو اپنی کالونی بنالیا تھا۔ بہت رحم دل اور انسانیت پر یقین رکھنے والے لوگ لگ رہے ہیں۔“

ڈیوڈ شا ڈھٹائی سے مسکرانے لگا۔ ”ایسا نہیں ہے، اقتدار کے لیے انسان ہمیشہ سے انسانوں کا خون بہاتا رہا ہے۔ یہاں بھی سات آٹھ ہزار لوگ مارے جائیں تو کوئی خاص فرق نہیں پڑے گا۔“

”بہت فرق پڑے گا۔ وادی میں بسنے والوں کی تعداد چالیس ہزار سے زیادہ نہیں ہے اور تم جنہیں موت کے گھاٹ اتارنے کی بات کر رہے ہو وہی یہاں کا نظام چلاتے ہیں۔ ان کے علاوہ عورتیں، بچے اور بوڑھے بچیں گے۔“

ڈیوڈ شانے جام خالی کر کے باسو کو تھمایا کہ وہ دوبارہ بھرے اور بولا۔ ”دوسری جنگ عظیم میں، جرمنی، جاپان اور روس کا نوجوان طبقہ موت کے گھاٹ اتر چکا تھا اور پھر بچ جانے والوں نے اپنے ملک کو سنبھالا تھا۔ جرمنی میں میں نے ستر چھتر سال کے بوڑھے مردوں اور عورتوں کو سخت مشقت والے کام کرتے دیکھا۔ تم دیکھو گے وادی میں بھی ایسا ہی ہوگا۔ ایک بار صفائی کے بعد میں یہاں جدید ٹیکنالوجی لاؤں گا اور چند سال بعد یہ دنیا کا ایک جدید ترین ملک ہوگا اور یہاں کا حکمران میں ہوں گا۔“

”تم بھول رہے ہو یہ کوئی ایسی جگہ نہیں ہے جہاں کسی ملک کا دعویٰ نہ ہو۔“

”اس جگہ نہیں ہے۔“ وہ مسکرایا۔ ”اگر تمہارا اشارہ چین کی طرف ہے تو جب تک اسے پتا چلے گا یہاں مغربی طاقتوں کا مشترکہ قبضہ ہو چکا ہوگا۔ یہاں کے باشندے اس قبضے کی توثیق کریں گے اور میں یہاں کا حکمران قرار پاؤں گا۔“

میں ایک بار پھر حیران ہوا تھا۔ میں رفتہ رفتہ ڈیوڈ شا کے مقاصد کے بارے میں جانتا جا رہا تھا اور جب مجھے لگتا کہ میں سب جان گیا ہوں تو اچانک ہی کوئی نئی چیز سامنے آ جاتی تھی۔ اس بار بھی نیا سامنے آیا تھا۔ اب تک میں اسے ڈیوڈ شا کا اپنا منصوبہ سمجھ رہا تھا مگر اس نے کہہ دیا تھا کہ وہ اصل میں جدید استعمار کے ہی ایک منصوبے پر عمل درآمد کر رہا ہے اور اس کا بنیادی مقصد چین کے ابھرتے خطرے کا مقابلہ کرنا تھا۔ مغرب عرصے سے چین کی سرحدوں کے آس پاس اڈے حاصل کرنے کی کوشش کرتا رہا ہے۔ جاپان، کوریا اور تائیوان میں اس کے اڈے موجود ہیں۔ یہی ممالک چین کے خلاف مغربی حصار کا اہم ترین حصہ ہیں۔ مگر چین کی مغربی، جنوبی اور شمالی سرحدوں پر اسے ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا ہے۔ وسطی ایشیائی ممالک جن پر ایک عرصے سے نظر تھی ان کے چین اور روس دونوں سے تعلقات بہت اچھے ہیں۔

ایک زمانے میں کشمیر اور لداخ پر بھی نظر تھی مگر وہاں جاری آزادی کی تحریک نے انڈیا اور مغرب دونوں کے لیے مشکل کر دیا ہے کہ وہاں چین کے خلاف کوئی فوجی اڈہ بنا سکیں۔ انڈیا اگرچہ مغرب سے بھرپور فائدے اٹھا رہا ہے لیکن وہ چین کے خلاف حقیقی آلہ کار بننے پر راضی نہیں ہے۔ پاکستان چین کا سب سے نزدیکی اتحادی اور با اعتماد دوست ہے۔ دونوں ملک ایک دوسرے پر اپنی مرضی مسلط کیے بغیر ایک دوسرے کے بے لوث کام آتے ہیں۔ مغرب تمام تر کوشش کے باوجود پاکستان کو چین سے دور کرنے میں ناکام رہا۔ آنے والے دنوں میں

یہ دوستی اور اتحاد مزید مضبوط ہوتا نظر آ رہا تھا۔ اس وقت اقتصادی راہداری کا کوئی ذکر نہیں تھا مگر جلد یہ حقیقت بننے جا رہی ہے۔ ایسے میں مغرب چین کے اطراف میں زیادہ سے زیادہ اڈے حاصل کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ اس وادی پر تسلط کی کوشش ایک مثال ہے۔ مشرق میں فلپائن، سنگاپور اور کسی وقت میں ہانگ کانگ بھی مغرب کے اڈے تھے۔ لیکن اب چین کی ترقی کا مرکز اس کے مغربی صوبے ہیں۔ جو مغرب کی پہنچ سے دور ہیں اور وہ یہاں تک پہنچنے کے لیے بے چین ہے۔

”کیا سوچ رہے ہو؟“ ڈیوڈ شانے کہا۔

”تمہارا کیا خیال ہے دماغ صرف مغرب والوں کے پاس ہے اور وہی سوچ سکتے ہیں؟“ میں نے کسی قدر استہزائیہ انداز میں کہا۔ ”اگر تم لوگ سازشوں میں دماغ لڑا سکتے ہو تو کیا ہم ان کے توڑ کے لیے نہیں سوچ سکتے؟“

”سوچو ضرور سوچو مگر تم لوگ صرف سوچ سکتے ہو۔ عمل نہیں کر سکتے۔“

”وہ وقت دور نہیں جب عمل بھی ہو گا۔“ میں نے یقین سے کہا۔ ”تم لوگ اپنے عمل سے ہمیں سبق دے رہے ہو۔ حالانکہ تمہیں آنکھیں کھول کر اپنے آس پاس دیکھنا چاہیے کہ جو آگ تم دوسرے ملکوں میں لگاتے رہے ہو وہ بالآخر تمہارے گھر تک پہنچ گئی ہے۔“

”یہ سب عارضی معاملات ہیں۔“ اس نے اطمینان سے کہا۔ ”جب ہم گڑبڑ کرنے والے مراکز پر حاوی ہو جائیں گے تو سب ٹھیک ہو جائے گا۔“

میں ہنسا۔ ”آدمی جتنا دور کا سوچتا اور منصوبے بناتا ہے ان میں گڑبڑ کے امکانات اتنے ہی زیادہ ہوتے ہیں۔“

”ہاں ایسا ہوتا ہے لیکن ابھی تک تو سب کچھ ہماری مرضی سے ہو رہا ہے۔“ اس نے جواب دیا۔ یہ موقع ایسا نہیں تھا کہ میں ڈیوڈ شانے سے بین الاقوامی سیاست یا مغرب کے عزائم پر بات کرتا۔ میں اس سے زیادہ سے زیادہ وقت حاصل کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ گفتگو کے دوران میں رویہ اور دوسروں کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ اگر وہ اس طرف سے آتے تو وہ بھی گیس کا شکار ہو جاتے اور ضروری نہیں تھا کہ ڈیوڈ شانے میں میری طرح زندہ چھوڑ دیتا۔ وادی کے لوگوں کے لیے وہ جیسے عزائم رکھتا تھا۔ اس کا بہت زیادہ امکان تھا کہ وہ انہیں مروادے گا۔ اسی اثنا میں ایک طرف سے ایک طویل قامت اور وجیہہ شخص نمودار ہوا جس نے ریٹائٹ کی خاص سپاہ والی وردی پہن رکھی تھی۔ اسے دیکھتے ہی میرے اندر سے کسی نے کہا کہ وہ شامین ہے۔ وہ آگے آیا اور مودبانہ انداز میں ڈیوڈ شانے کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ ڈیوڈ شانے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔ اس نے کہا۔ ”اب میرے پاس صرف ایک آدمی رہ گیا ہے۔“

”فکر مت کرو جس آدمی سے ہمیں خطرہ تھا وہ یہ ہے۔“ ڈیوڈ شانے میری طرف اشارہ کیا تو اس کے چہرے پر نفرت آگئی۔

”شہباز، کاش اسے میں اپنے ہاتھ سے مار سکوں۔“

”تم نے اپنی وفاداری سے خود کو انعام کا مستحق ثابت کر دیا ہے۔“ ڈیوڈ شانے مسکرائے لگا۔ ”میں نے اس

سے وعدہ کیا ہے جب میں یہاں کا حکمران بنوں گا تو پہلا حکم اس کی سزا کا جاری کروں گا۔ تم اسے اپنے ہاتھ سے پھانسی دو گے۔“

میں دیکھ رہا تھا کہ وہ اپنی زبان بول رہا تھا اور ڈیوڈ شا انگریزی میں جواب دے رہا تھا مگر دونوں ایک دوسرے کی بات بہ خوبی سمجھ رہے تھے۔ میں نے پوچھا۔ ”یہ شامین ہے؟“

”ہاں یہ شامین ہے۔“

”یہ مجھے اپنے ہاتھ سے مارنے کی خواہش کر رہا ہے۔ اتفاق سے اس کے بارے میں ایسا ہی وعدہ میں نے بھی کسی سے کر رکھا ہے۔“

”روبیر۔“ شامین حقارت سے بولا۔ ”وہ کیا ہے جو شامین کی موت چاہے۔“

”وہ بہت کچھ ہے جلد تم جان جاؤ گے۔“ میں نے کہا۔ ”مجھے انسان کو مار کر کبھی خوشی نہیں ہوتی چاہے وہ میرا دشمن ہی کیوں نہ ہو لیکن اگر میں نے تمہیں مارا تو یقین کرو مجھے بہت خوشی ہوگی۔“

”دیکھتے ہیں کہ کون کسے مار کر خوش ہوتا ہے۔“

”اب تم جاؤ اور نیچے مستعدی سے پہرہ دو۔“ ڈیوڈ شانے اسے حکم دیا تو وہ سر جھکا کر چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد ڈیوڈ شانے کہا۔ ”یہ اس وادی میں میرا نائب ہوگا کیونکہ یہ شیطان جیسا خود غرض اور مفاد پرست ہے۔ اپنے مفاد کی خاطر یہ اپنے باپ کو بھی قتل کر سکتا ہے۔“

”یقیناً، تمہارے مطلب کا آدمی ہے۔“ میں نے ملامت سے کہا۔ ”ویسے یہاں موجود پجاریوں کے لیے کیا فیصلہ کیا ہے؟“

”انہیں میں سب سے پہلے قتل کروں گا اور لوگوں کے سامنے ختم کروں گا تاکہ ان کے دلوں سے پجاریوں اور ان کے دیوتا کا سحر نکل جائے۔“

میرا اندازہ درست نکلا تھا ڈیوڈ شا کام نکلتے ہی پجاریوں کا کام بھی تمام کر دیتا۔ دیوتا کے ذکر پر مجھے خیال آیا اور میں نے سونے کے اہرام کی طرف اشارہ کیا۔ ”یہی سینتور کی علامت ہے؟“

ڈیوڈ شانے سر ہلایا۔ ”بنیادی طور پر یہ قوت یا دولت کے پجاری ہیں۔ اگرچہ یہاں سونا وہ حیثیت نہیں رکھتا جو ہماری دنیا میں ہے مگر اس کے سحر سے یہ لوگ بھی نہیں بچ سکے۔ انہوں نے وادی میں موجود سارا سونا اپنے قبضے کر لیا اور سینتور کی علامت یہ اہرام ہے۔“

”یہ تعجب نہیں ہے کہ ایک ہی ساخت کی عمارات ساری دنیا میں پائی جاتی ہیں۔“

ڈیوڈ شا مسکرایا۔ ”تم کیا سمجھتے ہو یہ دنیا کا قدیم ترین اور خفیہ ترین مذہب ہے اور اہرام اس کی علامت ہیں۔ اسے صرف قدیم مصر میں سرکاری مذہب کا درجہ حاصل رہا ہے۔ مگر الہامی مذاہب کی آمد کے بعد یہ بظاہر ختم ہو گیا۔“

”لیکن یہ آج بھی موجود ہے۔“ میں نے سر ہلایا۔ ”میں نے اس بارے میں پڑھا ہے۔“

”پڑھا ہے۔“ وہ کسی قدر حقارت سے بولا۔ ”تم لوگ اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتے۔ وہ وقت دور نہیں ہے جب یہ دوبارہ آئے گا اور ساری دنیا پر اس کی حکمرانی ہوگی۔ اسی کے ماننے والے اس وقت دنیا کا نظام

چلا رہے ہیں۔“

”اتفاق سے میں نے بھی ایسا ہی کچھ پڑھا ہے۔“ میں نے اطمینان سے جواب دیا۔ اگرچہ مجھے ڈیوڈ شا کا اعتراف سن کر تعجب ہوا تھا اس نے کتنی آسانی سے مان لیا تھا کہ یہ اسی خفیہ مذہب اور دنیا پر حکومت کرنے والے نظام کا حصہ ہے۔ مگر میں نے یہ بات ظاہر نہیں کی۔ ”جہاں تک آنے والے وقت کا تعلق ہے تو مجھے اور مجھ جیسے بہت سے لوگوں کو یقین ہے کہ اس نظام کو جلد موت آجائے گی اور یہ سامنے ہی اس لیے آئے گا کہ فنا کے گھاٹ اتر سکے۔“

”ایسا کبھی نہیں ہوگا۔“ ڈیوڈ شا نے یقین سے کہا۔

”یقین سے مت کہو۔“ میں نے ہنس کر کہا اور اسی لمحے شامین دوڑتا ہوا اندر آیا تھا اور اس کی صورت بتا رہی تھی کہ کوئی بہت بڑی گڑ بڑ ہے۔ اس نے آتے ہی چلا کر کہا۔

”باہر سے کچھ لوگ اندر آئے ہیں وہ آپ جیسے ہتھیاروں سے مسلح ہیں اور انہوں نے میرے واحد آدمی کو بھی مار دیا ہے۔“

ڈیوڈ شا اور زینی بے ساختہ کھڑے ہو گئے۔ ان کا اضطراب نمایاں تھا۔ صرف باسوکون سے کھڑا ہوا تھا۔ ڈیوڈ شا نے جیسے خود سے کہا۔ ”ایسا کیسے ہو سکتا ہے کیا وہ لوگ پاگل ہو گئے ہیں۔“

میں نے کہا۔ ”ڈیوڈ شا تمہارا خیال غلط ہے یہ وہ لوگ نہیں ہیں۔“

ڈیوڈ شا تیزی سے میرے پاس آیا اور ذرا جھک کر بولا۔ ”تم کیسے کہہ سکتے ہو تم جانتے ہو کیا؟“

”میں صرف اتنا جانتا ہوں کہ آرگون کی طرف سے کوئی اتنی جلدی یہاں نہیں آ سکتا ہے۔“

”جھوٹ مت بولو، تم جانتے ہو کہ یہ کون ہیں؟“

”تم جانتے ہو میں جھوٹ نہیں بولتا۔ بہر حال وہ جو بھی ہیں اس وقت تمہارے دشمن ہیں ممکن ہے مقامی آدمیوں کو آتشیں ہتھیار مل گئے ہوں۔“

”وہ مقامی نہیں ہیں۔“ شامین نے کہا۔ ”وہ آپ کی طرح باہر سے آئے ہوئے لگ رہے ہیں۔“

”باسو اور زینی تم انہیں دیکھو۔“ ڈیوڈ شا نے انہیں حکم دیا اور خود تیزی سے ایک طرف چلا گیا۔ باسو اور زینی نے اسلحہ سنبھالتے ہوئے باہر کا رخ کیا تھا۔ اس سفر کے دوران زینی بہت بھاری گرم کپڑوں میں ملفوف رہی تھی اور اسے اپنی جسمانی نمائش کا موقع نہیں مل سکا تھا۔ وادی میں آنے کے بعد اس نے اب اپنی پسند کا لباس پہن لیا تھا۔ اس وقت وہ بہت ٹائٹ جینز اور اسکن فٹ سلیولیس بنیان میں تھی جس میں اس کے فگرز زیادہ ہی نمایاں تھے۔ شامین نے اسے لچائی نظروں سے دیکھا تھا اور جب اسے احساس ہوا کہ میں اسے دیکھ رہا ہوں تو وہ کھسیا گیا۔ اب وہاں وہی تھا۔ وہ چلتا ہوا میرے پاس آیا اور اچانک اس نے میرے بائیں پہلو پر ٹھوکر ماری۔ تکلیف تو زیادہ نہیں ہوئی لیکن میں لڑھک گیا تھا۔ میں پھر سیدھا ہونے کی کوشش کر رہا تھا کہ اس کی دوسری ٹھوکر نے پھر مجھے لڑھکا دیا۔ اس نے جھک کر زہریلے لہجے میں کہا۔

”تم کیا سمجھتے ہو خود کو؟“

”کچھ بھی نہیں۔“ میں نے گہرے سانس لیتے ہوئے کہا۔ تکلیف تو ہو رہی تھی لیکن اس کی وجہ سے میری

جسمانی بے حسی بھی کم ہو رہی تھی۔ ”میری نظر میں تمہاری اہمیت کچھ بھی نہیں ہے۔“

”جلد ہو جائے گی۔“ اس نے کہتے ہوئے مجھے لگا تار کٹی ٹھوکریں ماریں اور میں بے سدھ ہی رہا لیکن اس کی ایک ٹھوکر جو پہلی پر لگی تھی اس نے مجھے تڑپا دیا تھا۔ میں کراہا تو اس نے قہقہہ لگایا تھا۔ ”جس طرح تم میرے سامنے بے بس ہو جلد اسی طرح رویر بھی میرے سامنے بے بس ہوگی اور میں اس سے کسی کھلونے کی طرح کھیل کر اسے ایک طرف پھینک دوں گا۔“

”یہ موقع تم کو پہلے بھی ملا ہوگا؟“

”ہاں لیکن اس وقت مجھے ایک شریف محبوب کا کردار ادا کرنا تھا۔ یقین کرو میں نے خود پر بہت مشکل سے قابو پایا۔ تم جانتے ہو کہ وہ کتنی حسین لڑکی ہے۔“ شامین کا لہجہ کہتے ہوئے شیطانی ہو گیا تھا۔

”وہ بہت اچھی لڑکی ہے۔“

شامین نے پھر قہقہہ لگایا۔ ”لگتا ہے تم بھی اس کے چکر میں ہو۔“

”ہر ایک کو اپنی طرح مت سمجھا کرو۔“ میں نے اپنی جسمانی حالت کا اندازہ کرنے کی کوشش کی۔ باہر کہیں فائرنگ ہو رہی تھی تو اس کی آواز یہاں تک نہیں آرہی تھی۔ شامین چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر وہ ہال کی طرف آنے والی راہداری میں چلا گیا۔ شاید وہ صورت حال دیکھنے گیا تھا۔ اس کے جاتے ہی میں نے کوشش کی تو مجھے یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ میرے ہاتھ قابو میں تھے۔ اگرچہ انہیں اٹھانے میں دشواری کا سامنا تھا۔ میں مسلسل انہیں ہلاتا رہا۔ پاؤں سمٹ رہے تھے لیکن ان میں اس سے زیادہ زور نہیں آ رہا تھا۔ شامین شاید پانچ منٹ بعد واپس آیا تو اس کا چہرہ زیادہ متفکر تھا۔ اس نے آتے ہی کہا۔ ”مجھے لگ رہا ہے کہ آنے والوں کو روکنا ان کے بس کی بات نہیں ہے۔ اس لیے تمہارا فیصلہ اب مجھے ہی کرنا ہوگا۔“

میں چونکا اس کا انداز بتا رہا تھا کہ اس نے میرے بارے میں کوئی فیصلہ کر لیا ہے۔ میں اگرچہ حرکت کر رہا تھا۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ میں اس سے مقابلہ کرنے کے قابل ہو گیا تھا۔ شامین مسلح تھا اور اس کے پہلو سے دو عدد سنگی چاقو لگے تھے۔ اس نے ایک چاقو نکالا اور میری طرف جھکتے ہوئے کہا۔ ”تمہارا آخری وقت آ گیا ہے۔“

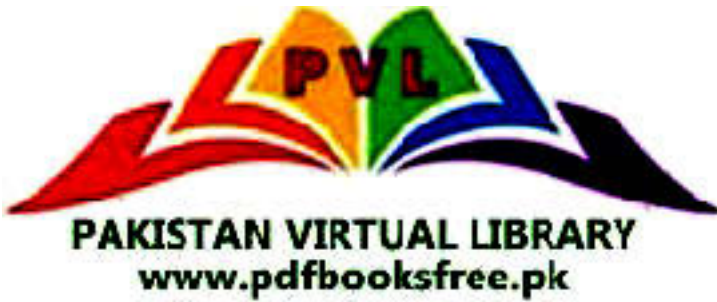
میں یوں سکڑا جیسے بے بسی کی وجہ سے اپنا دفاع نہیں کر سکوں گا۔ میرے انداز پر وہ بھیانک انداز میں مسکرایا۔ اس نے جھک کر میرا بایاں شانہ پکڑا اور چاقو میرے سینے کی طرف لا رہا تھا کہ میرے دونوں ہاتھ حرکت میں آئے۔ ایک ہاتھ سے میں نے اس کا چاقو والا ہاتھ تھام لیا اور دوسرے ہاتھ سے اس کے شکم میں اڑسا ہوا دوسرا سنگی چاقو نکال لیا۔ فطری طور پر اس کی ساری توجہ اور زور اپنے دائیں ہاتھ میں موجود چاقو پر تھا۔ میں نے اس کا چاقو والا ہاتھ کمزور سے انداز میں تھاما تھا اور اس نے زور لگایا تو وہ خود بھی نیچے آیا تھا۔ جب تک وہ میرے اصل عزائم سے واقف ہوتا۔ میں نے دائیں ہاتھ کی پوری قوت استعمال کرتے ہوئے نیچے سے چاقو اس کے جسم کے نازک ترین مقام یعنی حلق میں اتار دیا۔ میرا ہاتھ کمزور تھا اور میں اپنی پوری قوت استعمال نہیں کر سکتا تھا اس لیے حلق ہی مناسب مقام تھا۔

شامین کو توقع نہیں تھی کہ میں ایسا کوئی وار کروں گا۔ اسے غالباً چاقو نکالے جانے کا علم بھی نہیں ہوا تھا۔

چاقو کئی انچ تک اس کے گلے میں زخروں کے مقام پر اندر گھس گیا اور شامین کی آنکھیں کھلی رہ گئیں۔ اس دوران میں اس کا دایاں ہاتھ میرے سینے تک آگیا تھا اور اس کے چاقو کی نوک میری سینے کی کھال میں اتر گئی تھی۔ مگر فوراً ہی اس کی گرفت کمزور پڑ گئی اور وہ لڑکھڑاتا ہوا پیچھے گیا۔ اس نے حلق میں گھسا چاقو نکالنے کی کوشش کی اور چاقو کے نکلنے ہی خون کا فوارہ بلند ہوا تھا۔ بیشتر خون مجھ پر گرا اور کچھ خود اسی کے لباس پر آیا۔ وہ لڑکھڑایا، پہلے گھٹنوں کے بل بیٹھا اور پھر نیچے ڈھیر ہو گیا۔ وہ ایڑیاں رگڑ رہا تھا مگر مرتے ہوئے بھی اس کی آنکھوں میں میرے لیے نفرت تھی۔ میں نے زہریلے لہجے میں کہا۔

”تم نے دیکھ لیا کہ کون کس کے ہاتھ سے مرا۔ میں نے روبیر سے جو وعدہ کیا تھا وہ پورا کر دیا۔“

اسی لمحے ڈیوڈ شامین سے اندر آیا اس کے ساتھ کمزور سا مہا پیجاری آئی کون تھا۔ ڈیوڈ شامین نے اپنے ہی خون میں غلطاں اور ایڑیاں رگڑ کر دم توڑتے شامین اور مجھے دیکھا۔ اسے سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ وہاں کیا ہوا تھا۔ اس نے چیخ کر باسو کو آواز دی۔ دوسرے لمحے باسو اور زینی وہاں آئے تھے۔ وہ اٹنے قدموں آئے تھے جیسے پیچھا کرنے والوں کا مقابلہ کر رہے ہوں۔ ڈیوڈ شامین کے تاثرات بگڑے ہوئے تھے۔ ایسا لگ رہا تھا کہ نیچے آنے والے نہ صرف اس کی توقع کے خلاف تھے بلکہ شاید وہ اب اوپر آنے والے تھے۔



میں سب کچھ دیکھ رہا تھا، محسوس کر رہا تھا لیکن مجھ میں اتنی قوت نہیں تھی کہ اٹھ سکتا۔ ہاتھ اور پیر سلامت تھے لیکن ذہن منجمد تھا۔ اس لیے صرف آنکھیں داہنے بائیں گھما سکتا تھا، دیکھ سکتا تھا کہ کون کیا کر رہا ہے۔ سوچنے سمجھنے کی قوت موجود تھی۔ اس لیے سوچ بھی رہا تھا۔ غور بھی کر رہا تھا۔ گیس کا اثر تو کب کا ختم ہو چکا تھا ابھی تو میں نے شامین کو واصل جہنم کیا تھا مگر اب اس نئی افتاد نے مجھے چکرادیا تھا۔ یعنی ہر بات کا ادراک تو ہو رہا تھا لیکن کچھ کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھا کیونکہ ملک الموت کی صورت میں باسوسر پر کھڑا تھا۔

”اس کا کیا کریں۔“ باسوکی دہاڑتی آواز سنائی دی تو میں نے مڑ کر اس کی طرف دیکھا۔ وہ ایسی ہی نظروں سے ڈیوڈ شا کی طرف دیکھ رہا تھا جیسے اس کے حکم کے بغیر اسی طرح بت بنا کھڑا رہے گا اور میرا خون خشک ہوتا رہے گا۔ تبھی بپ کی آواز ابھری۔ یہ آواز میری داہنی جانب سے آئی تھی۔ میں اگر چاہتا تو گردن موڑ کر ادھر دیکھ سکتا تھا لیکن اسی طرح پڑا رہا۔ ویسے اندازہ ہو چکا تھا کہ کسی طاقتور وائرلیس سیٹ پر کسی نے رابطہ کرنے کی کوشش کی ہے۔ کون ہو سکتا ہے میں نے اپنے ذہن سے پوچھا جو جواب دینے سے قاصر تھا۔ عین اسی وقت باہر سے پھر فائرنگ کی آوازیں آئیں۔ میری نظر ڈیوڈ شا کی طرف گھوم گئی تھیں۔ اس نے گھبرائے ہوئے انداز اور سخت لہجے میں کہا۔ ”اسے شوٹ کر کے جلدی آؤ، ہمیں نکلنا ہے۔“ پھر وہ زینی اور آئی زور کے ساتھ سامنے والے کمرے کے کھلے دروازے میں داخل ہو گیا۔

میں نے نظریں موڑ کر باسوکی طرف دیکھا۔ اس کے اٹھے ہوئے ہاتھ میں پستول تھا اور اس نے میرے سینے کا نشانہ لے رکھا تھا مگر اس کے چہرے پر ہچکچاہٹ تھی۔ جیسے وہ یہ کام نہیں کرنا چاہتا۔ یہ سچ تھا کہ اس نے کئی موقعوں پر میری جان بچائی تھی۔ میری بھرپور مدد کی تھی۔ میری نظروں میں وہ منظر آ گیا جب موت نے مجھے اپنے حصار میں لے لیا تھا۔ میں مرشد کی خانقاہ میں بری طرح پھنس گیا تھا۔ اور تب باسو ہی تھا جس نے مجھے موت کے جڑے سے کھینچ لیا تھا۔ ایک دو اور موقعوں پر بھی اس نے میری جان بچائی تھی اور آج وہ جان لینے کے درپے تھا۔ یقیناً اسے بھی یاد ہو گا کہ یہاں آتے ہوئے وہ ایک کھائی میں گر رہا تھا۔ اگر میں مدد نہ کرتا تو وہ گہری کھائی میں گر کر مر چکا ہوتا۔ شاید انہی باتوں نے اسے مخمضے میں ڈال دیا تھا۔ پہلے اس نے میری جان بچائی پھر میں نے اس کی جان بچائی اور اب وہ میری جان لینا چاہتا تھا۔ گویا حساب بے باق ہونے کے بعد نیا کھانا کھول رہا تھا۔ ایک لمحے میں میں نے کیا کیا سوچ لیا۔ اب تمام سوچ ہمیشہ کے لیے خاموش ہونے والی تھیں۔ اس کی ہچکچاہٹ

دم توڑنے والی تھی۔ اس لیے کہ وہ تو مشینی انداز میں کام کرنے کا عادی تھا۔ ڈیوڈ شانے جو حکم دیا تھا وہ اسے پورا کرنا ہی تھا۔ میں مایوسی کی اٹھاہ گہرائی میں ڈوبا ہوا اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ میری نظریں اس کی انگلیوں پر ٹکی ہوئی تھیں۔ ٹریگر پر انگلیوں کا دباؤ بڑھ رہا تھا۔ مگر بہت آہستہ آہستہ جو اس کی اندرونی کیفیت کا غماز تھا۔ یعنی وہ ہاں اور نہیں کے درمیان جھول رہا تھا۔ تبھی داہنی جانب جو سلوپ تھا اس پر آہٹ ہوئی جیسے کوئی تیزی سے اوپر آ رہا ہو۔ آہٹ پاتے ہی باسو بھڑک اٹھا۔ اس نے پھرتی سے پستول کی نال کا رخ موڑا اور اوپر آ رہے بندے پر فائر جھونک مارا۔ سماعت شکن دھماکے نے کانوں کے پردے کو جھنجھنا دیا۔ اوپر آنے والا ہوشیار تھا۔ جس تیزی سے اوپر آ رہا تھا اسی تیزی سے نیچے کی طرف پلٹ گیا تھا۔ باسو بلی کی طرح پیردبا کر ادھر بڑھا تھا کہ سلوپ سے رائفل کی نال ابھری اور پھر برسٹ چلا۔ آٹومینک رائفل کی نال سے نکلنے والی گولیوں نے میری پشت کی دیوار کو ادھیڑ دیا۔ باسو اگر ہوشیار نہ ہوتا تو گولیاں اس کو چھلنی کر دیتیں۔ اس نے بھاری بدن کو کمال پھرتی سے موڑا تھا اور دوسرا فائر اسی جانب کیا تھا۔ گولیاں چلاتے ہی اس نے اس کمرے کی جانب دوڑ لگا دی تھی جس میں ڈیوڈ شا اور زینی، آئی زور کے ساتھ داخل ہوئے تھے۔ ابھی وہ دروازے پر بھی پہنچا نہ تھا کہ سلوپ سے پھر نال ابھری اور دوسرا برسٹ چلا۔ باسو ہوشیار تھا۔ اس نے چھلانگ لگا دی۔ دروازے کو پار کرتا ہوا اندر غائب ہو گیا تھا۔ اسے راہ فرار اختیار کرتے دیکھ میں نے چیخ کر کہا۔ ”فائر مت کرو۔“

سلوپ پر دبا شخص قہم گیا۔ اس نے میرے حکم کی بجا آوری کی تھی۔ دوسرا فائر نہیں کیا تھا۔ مگر میں ابھی بھی منحصرے میں تھا۔ آنے والا کون ہے؟ کس پارٹی کا ہے۔ میں سوچ رہا تھا کہ وہ دوست ہے یا دشمن ہے۔ ایسا بھی تو ہو سکتا ہے کہ وہ اس پارٹی کا ہو جسے ڈیوڈ شانے بلوایا ہے اور وہ باسو کو پہچانتا نہ ہو۔ میری آواز میں کنفیڈنس تھا جس کو محسوس کر کے اس نے فائرنگ روک دی تھی۔ وہ جو بھی تھا اپنی جگہ دبا ہوا تھا۔ باہر نہیں آیا تھا۔ ادھر سے میں نے توجہ ہٹائی تو باہر کی آوازوں نے متوجہ کر لیا۔ باہر سے متواتر فائرنگ کی آوازیں آرہی تھیں۔ ایسا لگ رہا تھا کہ گھمسان کا رن پڑا ہے۔ طرح طرح کے اسلحے کی آوازیں آرہی تھیں۔

میرے وہ ساتھی جو اب تک میرے شانہ بہ شانہ لڑ رہے تھے۔ جن میں ایرٹ، ربیک، ایزارٹ، شات، ایمار، مارٹ، رائٹون شامل تھے، ان سے مطلق امید نہ تھی کہ وہ ان میں سے کوئی ایک ہتھیار بھی چلا سکتے کیونکہ زیادہ تر آواز آٹومینک ہتھیاروں کی تھی۔ ان سب کے لیے یہ ہتھیار عجوبہ سے کم نہ تھے۔ مجھے یاد آ گیا تھا کہ جب میں سرنگ میں تھا اور خفیہ راستہ تلاش کر رہا تھا تو سینڑھیوں پر کھڑے کھڑے میں نے اپنی رائفل رو بیر کو تھمائی چاہی تھی۔ وہ رائفل کو دیکھ کر ایسے ڈر گئی تھی جیسے وہ گن نہ ہو پھنکارتا سانپ ہو۔ اس نے ڈرتے ڈرتے ہلکے ہاتھوں سے اٹھانا چاہا تھا کہ وزنی گن کی وجہ سے لڑکھڑا گئی تھی۔ اس نے رائفل کو بھی تیر جیسا ہلکا سمجھا ہو۔ جنہوں نے خواب و خیال میں بھی ایسا اسلحہ نہ دیکھا ہو ان کے لیے تو عجوبہ ہوا ناں۔ وہ ایسے ہتھیار کیسے چلا سکتے تھے۔

فائرنگ کی آوازیں بتا رہی تھیں اسے چلانے والے ماہر گنر ہیں۔ اس کا استعمال جانتے ہیں۔ لیکن یہ ہیں کون اس کا اندازہ میں لگا نہیں پار رہا تھا۔ سلوپ پر دبا شخص بھی ابھی تک سامنے نہیں آیا تھا۔ اسے مخاطب کروں یا نہیں۔ ابھی میں یہی سوچ رہا تھا کہ عقب میں دھمک سنائی دی۔ جیسے کوئی اونچی جگہ سے کودا ہو۔ میں نے گردن کو موڑا۔ اتنی دیر میں دوا کا اثر شاید کم ہو گیا تھا۔ اس لیے کہ گردن کو کچھ حد تک میں نے موڑ لیا تھا۔ گردن مڑتے ہی

میں نے کودنے والے کو دیکھ لیا تھا۔ اسے دیکھتے ہی میرے ذہن کو ایک جھٹکا لگا تھا۔ اس کی دو وجہ تھی۔ ایک تو کودنے والا وجود اور دوسرے یہ کہ یہ معبد ہے یا عجائب خانہ۔ عقبی دیوار کے اوپری حصے میں ایک بڑا سا روشن دان کھل گیا تھا۔ کودنے والا اسی کے ذریعہ اندر آیا تھا۔ اس کے ہاتھوں میں تیر اور کمان تھا۔ ان حالات میں تیر کمان بچوں کے کھلونے جیسی اہمیت رکھتا تھا۔ مگر مقامی لوگوں کے لیے یہی سب سے خطرناک ہتھیار تھا اسی لیے وہ اس کے ساتھ تھا۔ اس نے ترکش کو پیٹھ پر باندھ رکھا تھا جب کہ کمان ہاتھ میں تھی۔ اس نے کودنے کے ساتھ عقل مندی کا مظاہرہ کیا تھا۔ جہاں کودا تھا وہیں دبک گیا تھا۔ سر بالکل زمین سے متصل کر لیا تھا۔ گوکہ آتش اسلحہ مقامیوں کے لیے بالکل نئی چیز تھی مگر اس کی ہلاکت خیزی دیکھ کر انہوں نے بچنے کا طریقہ وضع کر لیا تھا۔ نیچے جھک جاتے تھے تاکہ گولیاں اوپر سے گزر جائیں۔ اسی لیے وہ سر زمین پر رکھے ہوئے تھا۔ ادھر سلوپ پر بھی اب تک خاموشی تھی۔ جس نے فائر کیا تھا وہ بھی خاموش تھا۔ شاید اندازہ لگانے کی کوشش کر رہا تھا کہ کودنے والے کا اگلا قدم کیا ہوگا۔

وقت جیسے ٹھہر سا گیا تھا۔ جب کافی دیر تک ادھر سے کسی قسم کی آہٹ سنائی نہ دی تو میں نے آواز دی۔
”ادھر کون ہے؟ باہر آئے۔ ہم دوست ہیں۔“

میں سلوپ ہی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ ادھر ہنوز خاموشی تھی۔ تبھی کودنے والے نے سوال کیا۔ ”آپ ٹھیک تو ہیں نا؟“

میں نے گردن کو مزید موڑ لیا۔ اب وہ میری نگاہوں کے دائرے میں تھا۔ اس کے لباس سے میں دھوکا کھا گیا تھا۔ میں نے سمجھا تھا کہ وہ ایرٹ ہے مگر وہ رویہ تھی۔ مردانہ لباس میں ملبوس۔ میں نے سلوپ کی طرف دیکھتے ہوئے رویہ کو جواب دیا۔ ”ہاں میں ٹھیک ہوں۔ زمین پر لیٹے لیٹے میری طرف بڑھو۔“

میں نے جواب دیتے ہوئے گردن موڑ لی تھی۔ اب میری نظریں سلوپ پر ٹھہری گئی تھیں۔ ایسا اس لیے کیا تھا کہ اگر سلوپ پر دبکا بندہ حرکت کرے تو میں فوراً دیکھ لوں مگر ادھر خاموشی تھی جیسے کوئی ہے ہی نہیں۔ ایسا لگ رہا تھا کہ وہ بندہ بہت چالاک ہے۔ ادھر سے نظریں ہٹا کر میں نے رویہ کا جائزہ لیا۔ وہ کھسکتی ہوئی میرے بالکل قریب آگئی تھی۔

”تمہیں یہ راستہ کیسے ملا؟“ میں نے رویہ سے پوچھا۔

”آپ نے جو راستہ استعمال کیا تھا وہ آپ کے جاتے ہی بند ہو گیا تھا۔ میں نے بہت کوشش کی تھی مگر کھلا نہیں تھا۔ تب میں نئے راستے کی تلاش میں لگ گئی۔ یہاں خفیہ راستوں کا جال بچھا ہوا ہے۔ بس انہیں تلاش کرنے والا کوئی ہو۔“

”پھر تمہیں یہ راستہ کیسے ملا؟“ میں نے اکتا کر پوچھا۔

”میں وہاں سے نکل گئی تھی۔ باہر آنے کے بعد ایک دوسری خفیہ سیڑھیوں کا رخ کیا۔ مجھے یقین تھا کہ ان خفیہ سیڑھیوں کے بعد کوئی نہ کوئی دروازہ ضرور ہوگا۔ اسی کی تلاش میں ادھر ادھر ہاتھ پھیر رہی تھی کہ ایک چوکور ٹکڑا نظر آیا اور میں نے اسے دبایا تو یہ روشن دان کھل گیا اور میں اندر کود گئی۔“

”اور اگر اس وقت دشمن وہاں موجود ہوتے تو کیا ہوتا۔ ایسی اندھی چھلانگ کبھی نہیں لگانا چاہیے۔“ میں

نے سرزنشی انداز میں جواب کہا۔

”میں نے آپ کو دیکھ لیا تھا اسی لیے خود پر قابو نہ رکھ سکی۔ مجھے معلوم تھا کہ جب آپ ہیں تو کوئی خطرہ مجھے چھو نہیں سکتا۔“ اس نے جذبات سے بھرپور انداز میں کہا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ اپنے دل کی آواز کو زبان دے رہی ہے۔

میں نے جواب دینا ضروری نہیں سمجھا اس لیے کہ اس جیسی کئی پاگل لڑکیوں سے میں پہلے بھی مل چکا ہوں۔ اپنی انگلی ہونٹوں پر رکھ کر اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور اس کی جانب سے توجہ ہٹا کر سلوپ کی جانب بڑھا۔ کروٹ لگ کرتے ہوئے میں سلوپ کے منڈیر کی طرف طرف بڑھ رہا تھا۔ میں اب تک سمجھ نہیں پایا تھا کہ فرشتہ رحمت بن کر آنے والا کون ہے۔ اس نے مجھے باسو سے کیوں بچایا۔ یہ کام انجام دینے میں اس سے سرزد ہوا یا وہ مجھے جانتا ہے۔ دوست ہے یا دشمن۔ مگر یہ بات صاف ظاہر تھی کہ وہ مقامی نہیں ہے اس لیے کہ مقامی ہوتا تو میرے الفاظ اس کے لیے بے معنی ہوتے۔ وہ سمجھ ہی نہیں سکتا کہ میں کیا کہہ رہا ہوں۔ زبان کا مسئلہ آڑے آجاتا۔ یہ تو برف والے کا کرشمہ تھا کہ میں مقامی زبان سمجھ لیتا تھا مگر بول نہیں سکتا تھا۔ کسی درمیانی بندے کے بغیر اپنی بات کسی کو سمجھا ہی نہیں سکتا تھا، پھر اس بندے نے میری بات کیسے سمجھ لی۔ یقیناً وہ مقامی نہیں ہے۔ اگر مقامی نہیں ہے تو پھر کون ہے؟ اگر باہر سے کوئی پارٹی آئی ہے تو وہ کس ملک کی ہے؟ ہماری دنیا میں دو طاقتیں مسلسل ٹکرا رہی ہیں۔ یہ دو عالمی طاقتیں ایک دوسرے کی جاسوسی بھی کرتی ہیں۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ ڈیوڈ شانے کسی بڑے ملک سے معاہدہ کر لیا ہو کہ وہ آکر اس سے یہ علاقہ خرید لے۔ یہ خبر کسی دوسری پارٹی تک پہنچ گئی اور اس نے اپنے فوجی وادی میں اتار دیئے۔ اگر ایسا ہو گیا ہے تو یہ بہت برا ہوا ہے۔ اس لیے کہ یہ ایک پُر امن علاقہ ہے۔ باہر کے لوگوں کی وجہ سے یہ وادی سازشوں کا گڑھ بن جائے گی۔ یہی کچھ سوچتا ہوا میں سلوپ کی طرف بڑھتا چلا جا رہا تھا..... اب میں سلوپ کی منڈیر تک آ گیا تھا۔ اس لیے کروٹ لگ روک لی اور مڑ کر دوسری طرف دیکھا پھر ہاتھ بڑھا کر اس کے ترکش سے ایک تیر نکالا پھر وہیں پڑا ایک کنورا اٹھایا جو اہرام کے تالاب میں بھرے ارغوانی شراب کو پینے کے لیے استعمال کیا گیا تھا۔ اسے تیر کے سرے پر رکھ کر نہایت احتیاط سے سلوپ کی جانب بڑھاتے ہوئے ایک ہاتھ اونچا کیا۔ دور سے اسے انسانی سر سمجھا جاسکتا تھا اور دیکھتے ہی نیچے دبا شخص فائر کر سکتا تھا مگر ادھر خاموشی ہی رہی جیسے نیچے کوئی نہیں ہے۔ تب سلوپ کے نزدیک پہنچ کر میں نے نیچے جھانکا۔ نیچے جب کوئی نظر نہیں آیا تو میں کھڑا ہو گیا۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کون تھا جو کسی فرشتہ کی طرح نمودار ہوا اور مجھے موت کے منہ میں جانے سے بچا کر اپنی راہ لگ گیا۔ لیکن سوچنے اور غور کرنے کا وقت بالکل نہیں تھا اس لیے کہ باہر سے لگا تار فائرنگ کی آوازیں آرہی تھیں۔ ایسا لگ رہا تھا کہ باہر میدان جنگ ہے اور دو پارٹیوں نے قسم کھالی ہے کہ فتح صرف انہیں حاصل کرنا ہے۔ وہ دونوں ہیں رُن یہ جاننا بھی ضروری تھا اور یہاں چھپ کر بیٹھے رہنے سے مجھے الہام نہیں ہوتا۔ اس کے لیے باہر نکلنا ضروری تھا۔ اور برستی ہوئی گولیوں میں ایک دم سے باہر نکلنا بھی عقلمندی نہ تھی۔ کہاں اور کس طرف سے نکلا جائے یہ جانچنے کے لیے میں نے اس کمرے کی طرف قدم بڑھا دیے جس کمرے میں ڈیوڈ شا، زینی، آئی زور اور باسو داخل ہوئے تھے۔ اس کمرے میں داخل ہونے کے لیے میں نے پھر وہی طریقہ آزمایا۔ تیر پر کنورا رکھ کر پہلے اسے اندر کیا اور جب کوئی رد عمل سامنے نہ آیا

تو کٹورے کو فرش پر گرادیا۔ کٹورا گرنے سے زوردار آواز پیدا ہوئی مگر کسی قسم کا رد عمل سامنے نہیں آیا تو میں نے اندر قدم رکھا مگر اس احتیاط کے ساتھ کے اندر جاتے ہی اپنی جگہ بدل لی۔ لیکن وہ کمر خالی تھا۔ دوسری جانب کا دروازہ پاٹو پاٹ کھلا ہوا تھا۔ میرے پیچھے رو بہر بھی اندر آگئی تھی۔ اسے میں نے پیچھے رہنے کا اشارہ کیا اور اس دروازے سے باہر جھانکا۔ جس عمارت میں ہم تھے۔ اس کے برابر برابر میں دو اور عمارتیں بھی تھیں۔ گو کہ یہ معبد کی مرکزی عمارت تھی لیکن وہ دونوں بھی اہم ہوں گی تبھی تو اتنی نزدیک بنائی گئی ہیں۔ میں اسی بات پر غور کرتا ہوا ادھر ادھر نظر دوڑا رہا تھا۔ ان دونوں عمارتوں سے فائرنگ ہو رہی تھی۔ ایسا لگ رہا تھا کہ ان میں سے ایک پر ڈیوڈ شا کا قبضہ ہے اور دوسری پر اس کی مخالف پارٹی کا مگر مخالف پارٹی ہے کون یہ ابھی تک راز تھا لیکن یہ ثابت ہو چکا تھا کہ ڈیوڈ شاہ کی مخالف پارٹی میری حلیف ہے اسی لیے تو ان میں سے کسی ایک نے مجھے باسو کے ہاتھ سے بچایا تھا۔ وہ پارٹی کس عمارت میں ہے یہ بھی معلوم نہ تھا۔ جس طرح دونوں پارٹیاں ایک دوسرے پر فائرنگ کر رہی تھیں ایسے میں اس عمارت سے باہر جانا بھی خطرناک تھا مگر میں ایسے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھنے والا بھی نہیں تھا۔ باہر جانے کے راستے کو دیکھا۔ عمارت زمین سے تقریباً چھ فٹ کی بلندی پر بنائی گئی تھی۔ اندر آنے کے لیے سیڑھیوں کا استعمال کرنا پڑتا تھا۔ اگر میں سیڑھیوں پر جاتا تو اللہ کو پیارا ہو جانا یقینی تھا۔ کیونکہ سیڑھیاں گولیوں کی زد پر تھیں۔ دونوں جانب کی گولیاں پندرہ سولہ فٹ چوڑی سیڑھیوں پر سے گزر رہی تھیں۔ میں واپس کمرے میں آگیا اور پھر سلوپ کی طرف دیکھا جو بالکل ویران پڑا تھا۔ اب میں نے سلوپ پر اترنا شروع کر دیا۔ سنبھل سنبھل کر نیچے اترتا چلا گیا۔ نیچے پہنچ کر دیکھا ایک کھڑکی ہے جو کھلی ہوئی ہے۔ اس کھڑکی میں کسی دھات کی بنی سلاخیں بھی لگی ہوئی تھیں۔ جنہیں توڑے بغیر باہر نکلا نہیں جاسکتا تھا۔ میں نے کھڑکی سے جھانک کر باہر دیکھا۔ یہ کھڑکی عین سیڑھیوں کے نیچے کھل رہی تھی جن سیڑھیوں کے ذریعہ اس عمارت میں داخل ہوا جاتا تھا۔ یہ کھڑکی داہنی جانب کی عمارت سے نزدیک تھی لیکن مسئلہ وہی تھا کہ باہر گولیاں بارش کے قطروں کی طرح برس رہی تھیں۔ دونوں طرف سے آٹومینک گنز کا استعمال ہو رہا تھا اگر کھڑکی توڑ کر باہر جاتے بھی تو زندگی کی ضمانت نہ تھی۔

”کیا تم اس عمارت میں جانا چاہتے ہو۔“ روہیر نے میرے چہرے کا جائزہ لیتے ہوئے پوچھا۔

”ہاں۔“ میں نے جواب دیا۔

”باہر تو آگ والے تیر چل رہے ہیں۔ کیسے جاؤ گے؟“ روہیر نے گولیوں کو آگ والے تیر کا نام دیا تھا۔

”یہی تو میں سوچ رہا ہوں۔“ میں نے مڑ کر اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”ابھی تک میں نے یہی دیکھا ہے کہ معبد میں جگہ جگہ خفیہ راستے بنے ہوئے ہیں۔ پتا نہیں بنانے والوں

کا مقصد کیا تھا۔ شاید ان راستوں کو اس لیے بنایا گیا ہو گا کہ باہر والوں کی نظروں میں آئے بنا پجاری آمد و رفت رکھ سکیں۔“

”ہاں یہ بات بھی ہو سکتی ہے۔“

”ایک وقت میں یہاں کئی کئی بڑے پجاری، پروہیت رہتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ یہ انتظام اس لیے بھی کیا

گیا ہو کہ کسی پروہت کی عبادت میں خلل نہ پڑے۔“ روہیر نے اپنا خیال پیش کیا۔

”ہو سکتا ہے تمہارا قیاس صحیح ہو۔ ویسے تمہاری یہ بات پسند آئی کہ ہر دو عمارت میں جانے کے لیے خفیہ راستہ بھی ہوگا۔ ایسا کرتے ہیں کہ اس راستے کو تلاش کرتے ہیں۔“ کہہ کر میں نے نیچے کی دیوار کو ٹھونک بجا کر دیکھنا شروع کر دیا۔ ہر ایک ہاتھ کے بعد میں دیوار پر کٹورا مارتا پھر کان لگا کر آواز سنتا اگر دیوار میں کہیں خلا ہوتا تو گونج کی بازگشت سنائی دے جاتی۔ تمام کی تمام دیواریں ٹھوس ٹھوس ہوئیں تو واپس اوپر آ گیا۔ سلوپ سے اوپر جاتے ہوئے میں نے پوچھا۔ ”تم نے وہ والا راستہ کیسے تلاش کیا جس سے کود کر نیچے آئی تھیں۔“

”اتفاقاً دیوار پر ایک ابھرا ہوا پتھر نظر آ گیا تھا۔ میں نے اسے دبایا تو سامنے تین فٹ چوڑا خلا نظر آیا۔ اس خلا میں اتنی جگہ تھی کہ کوئی بھی شخص لیٹ کر کھسکتا ہوا آگے جاسکتا تھا۔ بس میں اس خلا میں داخل ہو گئی۔ باہر نکلنے سے پہلے اندر جھانکا تو آپ نظر آ گئے اور میں نے اندر چھلانگ لگا دی۔“

”اب تم بھی دیوار پر نظریں دوڑاتی رہو۔ کہیں بھی ویسا ابھار نظر آئے تو بتا دینا۔“

”جی اچھا۔“ کہہ کر وہ مجھے کراس کرتی ہوئی اوپر چلی گئی۔ میں جب اس ہال نما کمرے میں پہنچا تو دیکھا کہ وہ اہرام کے سامنے والی دیوار پر ہاتھ پھیرتی ہوئی آگے بڑھ رہی ہے۔ میں بھی جا کر اس کے برابر میں کھڑا ہو گیا۔ خود میں بھی دیوار کا باریک بینی سے جائزہ لے رہا تھا۔ تبھی میری نظر ایک ابھار پر پڑی۔ وہ ابھار ایسا نہیں تھا کہ دیکھتے ہی نظروں میں آ جاتا۔ دیوار کے ہم رنگ تھا مگر چوکو سا ابھار تھا۔ میں نے روبیر سے کہا۔ ”غور سے دیکھو کیا ایسا ہی ابھار تھا؟“

”ادھر جو ابھار نظر آیا تھا وہ ایسا نہیں تھا۔ مگر اسی طرح ابھرا ہوا تھا جو آسانی سے نظروں میں نہ آئے۔“

روبیر کے لہجے میں دبا دبا جوش تھا۔

”ٹھہرو میں اسے دبا کر دیکھتا ہوں۔“ کہہ کر میں آگے بڑھا اور بہ غور جائزہ لیا پھر اس پر دباؤ ڈالا۔ دباؤ ڈالتے ہی اس جگہ کی دیوار میں ایک خلا سا بن گیا۔ جہاں روبیر کھڑی تھی وہاں کی دیوار سلائیڈنگ ڈور کی طرح ایک طرف سرک گئی تھی۔ میں نے خلا میں جھانک کر کہا۔ ”میں اندر جا رہا ہوں۔ تم یہیں ٹھہر کر میرا انتظار کرو۔ جب تک میں باہر سے اندر آنے کا اشارہ نہ دوں اندر داخل نہ ہونا۔“

”ٹھیک ہے۔“ اس نے مستعدی سے جواب دیا۔

میں نے ہٹ گئی سلائیڈنگ دیوار کو ہٹانے کے لیے سرکانے کی کوشش کی تو وہ بڑی آسانی سے مزید سرک گیا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے اس میں مخصوص قسم کے بیرنگ لگے ہوں۔ اب اتنا راستہ بن گیا تھا کہ ایک فرہ آدمی بھی بہ آسانی گزر سکے۔ میں نے جھانک کر دیکھا۔ ایک زینہ نیچے کی طرف جا رہا تھا۔ مگر زینے کے نچلے حصہ میں تاریکی تھی۔ جب کہ سیڑھیوں کی دیوار میں عجیب قسم کے دو پتھر لگے ہوئے تھے جن سے روشنی پھوٹ رہی تھی۔ یہ جواہرات میں سے کوئی خاص قسم کا پتھر تھا۔ میں بہت احتیاط سے نیچے اتر گیا۔ ابھی ایک دو سیڑھیاں ہی طے کی تھیں کہ عقب میں آہٹ محسوس ہوئی۔ میں نے مڑ کر دیکھا۔ روبیر میرے پیچھے آگئی تھی۔ مجھے غصہ تو بہت آیا مگر میں نے کچھ کہا نہیں اور نیچے کی طرف بڑھنے لگا، مزید نیچے جانے کے بعد جائزہ لیا۔ مگر کہیں کوئی سن گن نہ تھی۔ باہر سے آتی ہوئی فائرنگ کی آواز بھی بہت ہلکی ہلکی سنائی دے رہی تھی۔ پھونک پھونک کر مزید نیچے اتر ا۔ کئی سیڑھیاں طے کیں تو یکایک نیچے کا حصہ بھی روشن ہو گیا۔ شاید سیڑھیوں میں ایسا کوئی میکانیزم تھا کہ پیر پڑتے ہی وہاں کی

دیوار میں نصب پتھر روشن ہو جاتا تھا۔

اس وقت ہم دونوں ہی موت اور حیات کے دروازے پر کھڑے تھے۔ کسی بھی وقت نیچے نظر آنے والا بند دروازہ کھل سکتا تھا اور کوئی بھی اوپر آ سکتا تھا، میرے پاس ایسا کوئی اسلحہ بھی نہیں تھا کہ میں اسے روک سکوں۔ ہمیں پشت کی طرف سے کوئی خطرہ نہیں تھا کیونکہ سلوپ پر اترتے ہوئے میں باہر والا دروازہ بند کر آیا تھا۔ اب اگر کوئی خطرہ تھا تو نیچے والے دروازے سے ہی تھا۔ اس لیے میری پوری توجہ اسی بند دروازے کی طرف تھی ایک ایک قدم پھونک پھونک کر رکھتے ہوئے ہم بالآخر نیچے پہنچ ہی گئے۔ ہمیں اس زینے پر آئے ہوئے صرف ڈھائی سے تین منٹ ہوئے تھے مگر ایسا لگ رہا تھا جیسے ڈھائی گھنٹے گزر گئے ہیں۔ دروازے کے نزدیک پہنچ کر میں نے روپیر کی طرف دیکھا۔ وہ بھی سوالیہ انداز میں میری طرف دیکھ رہی تھی۔ میں نے دروازے میں کوئی درز یا سوراخ تلاش کرنے کی کوشش کی تاکہ دوسری جانب کا منظر دیکھ سکوں مگر مجھے ناکامی ہوئی۔ وہ دروازہ مضبوط لکڑی کا تھا۔ جس طرح کی لکڑی ہمارے یہاں بلوط کی لکڑی کہلاتی ہے اسی قسم کی لکڑی سے بنا دروازہ تھا۔

میں نے آہستگی سے دروازے کے مختلف حصوں پر دباؤ ڈال کر اندازہ لگانے کی کوشش کی کہ وہ کہاں سے بولٹ ہو سکتا ہے جسے کھول کر باہر نکلا جائے مگر وہ اس مضبوطی سے بند تھا کہ کچھ اندازہ ہی نہیں ہو رہا تھا۔ میرا اندازہ تھا کہ وہ ایک پٹ کا دروازہ صرف اس معنوں میں تھا کہ وہ لکڑی سے بنا ہوا تھا مگر اس طرح دیوار میں فٹ تھا کہ وہ دیوار کا حصہ لگ رہا تھا۔ زینے پر اتنی جگہ بھی نہیں تھی کہ پیچھے ہٹ کر اس پر چوٹ ماری جاسکتی۔ بھرپور ضرب کے لیے جگہ بنانا ضروری تھا۔ اس لیے میں واپس سیڑھیوں پر آ گیا۔ اور چند لمحوں تک غور کیا کہ کس رخ سے دروازے پر لات ماری جائے۔

میں نے چند لمحوں تک سوچا اور پھر تیار ہو گیا کہ یہاں سے اچھل کر دروازے پر لات ماروں گا بھی میری نظر سیڑھیوں کی چھت پر پڑی اور میں رک گیا۔ چھت میں ایک چھوٹا سا کنڈا نظر آ گیا تھا۔ یہ کنڈا اسی قسم کا تھا جیسے ہمارے یہاں چھت میں سیلنگ فین کے لیے لگاتے ہیں۔ مگر وہ کنڈا اتنا چھوٹا تھا کہ صرف ایک انگلی اس میں داخل ہو سکتی تھی۔ مجھے اس کنڈے کی وہاں موجودگی پر حیرت ہو رہی تھی۔ بھلا اس تنگ زینے پر کنڈے کا کیا کام؟ یہاں روشنی کے لیے چراغ یا مشعل اٹکانے کی ضرورت بھی نہیں تھی۔ کیونکہ دیوار پر روشنی دینے والے جواہر لگے ہوئے تھے۔ ان پتھروں سے اتنی تیز روشنی پھوٹ رہی تھی کہ کسی چراغ کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ سیڑھیاں اترنے والا شخص با آسانی سیڑھیاں اتر سکتا تھا۔ پھر یہ کس لیے ہے۔ غور کرنے کے بعد بھی سمجھ نہیں آیا۔ تب میں نے اس کنڈے میں انگلی پھنسا کر اس کی مضبوطی کا اندازہ کرنا چاہا تھا کہ ایک ہلکی سی آواز سنائی دی جیسے کوئی چیز اپنی جگہ سے کھسکی ہو۔

”کھل گیا۔“ روپیر کی چپکتی ہوئی آواز سنائی دی۔

میں نے مڑ کر دیکھا۔ روپیر کے چہرے پر خوشی کی جھلک تھی۔ اس کی نگاہوں کے زاویے پر نظریں موڑیں اور ایک انجانی سی خوشی کا احساس ہوا۔ جہاں میں کھڑا تھا اس کے دواٹھپ نیچے داہنی جانب کی دیوار میں ایک درز سا کھل گیا تھا۔ کسی سلائیڈنگ ڈور کی طرح دیوار کا قد آدم حصہ سرک گیا تھا۔ شاید دیوار میں جگہ بنی ہوئی تھی۔ جس میں ایک مخصوص حصہ سرک کر چلا گیا تھا۔ میں نے اس ادھ کھلے در پر ہلکا سا دباؤ ڈالا تو وہ مزید

سرک گیا۔ اب اتنی جگہ بن چکی تھی کہ ایک آدمی بہ آسانی اس سے گزر سکتا تھا۔

دروازہ کھلتے ہی فائرنگ کا شور اندر تک آنے لگا۔ ایسا لگ رہا تھا کہ دو پارٹیاں ایک دوسرے کو زیر کرنے کی کوشش میں کوشاں ہیں۔

”چلو دروازے کی دوسری طرف چل کر دیکھتے ہیں۔“ رویہ نے میرے کان کے قریب منہ لا کر کہا۔

اس کی تیز سانسوں کا لمس میری گردن پر محسوس ہوا۔ میں غیر محسوس انداز میں اس سے کچھ دور ہو گیا اور بولا۔ ”مگر ہمیں احتیاط کی ضرورت ہے۔ ممکن ہے کوئی اس طرف گھات لگائے بیٹھا ہو۔ ہمیں ہوشیاری کے ساتھ آگے بڑھنا ہے۔“ یہ کہہ کر میں محتاط انداز میں تیزی سے دوسری جانب آ گیا۔

دروازے کی دوسری جانب ایک بڑا سا ہال نما کمر تھا۔ اس کمرے میں داخل ہوتے ہی میں نے خود کو زمین پر گرالیا تھا تاکہ اگر کسی کی نال میری طرف اٹھی ہوئی ہو تو گولی مزاج نہ پوچھ لے۔ پھر لیٹے لیٹے میں نے کمرے کا جائزہ لیا۔ اس کمرے میں کوئی سامان نہیں تھا۔ شاید وہاں عبادت کے لیے لوگ فرش پر بیٹھے ہوں گے یا پھر یوں ہی خالی پڑا رہتا ہوگا۔ کمرے کا فرش صاف ستھرا تھا۔ گرد کی ہلکی سی تہ بھی نہیں تھی۔ شاید ہر روز صفائی ہوتی ہوگی۔ مجھے آگے بڑھنا ضروری تھا۔ میں نے سینے کے بل سر کننا شروع کر دیا۔ سرکتے ہوئے مڑ کر دیکھا۔ رویہ بھی میری تقلید میں کروٹ لگ کرتی ہوئی بڑھی چلی آرہی تھی۔ میرا رخ باہر والے دروازے کی جانب تھا۔ یہ اقدام حفظِ ماتقدم کے طور پر تھا کہ کوئی دور سے ہمیں دیکھ نہ لے۔ پھر ایک بات اور بھی تھی۔ مقابلہ ڈیوڈ شا جیسے عیار سے تھا جو الیکٹرونک آلات سے کام لینا بخوبی جانتا تھا اور پتا نہیں کیسے کیسے آلات ساتھ لے کر آیا ہو۔ اس کا ہلکا سا مظاہرہ میں دیکھ چکا تھا۔ اس نے کس چالاک سے خود کار گن عمارت کے باہر لگائی تھی جس کا خود کار نظام اپنے سینسر کی مدد سے سامنے آ جانے والے جاندار کی موجودگی کا پتا فوراً لگا لیتا تھا اور فائرنگ شروع کر دیتا تھا۔ ایسا ہی کوئی نظام اس نے یہاں بھی لگا رکھا ہو۔ اگر میں کھڑا ہوتا تو اس کا سینسر پتا لگا لیتا۔ ان نادیدہ آلات سے نکلنے والی شعاعوں سے خود کو محفوظ رکھنے کی ایک کوشش تھی اور اب تک ایسا کچھ ہوا نہیں تھا جس سے اندازہ ہوتا کہ ہمیں کہیں سے دیکھا جا رہا ہے۔ ہم بڑے آرام سے سرکتے ہوئے۔ کروٹ لگ کرتے ہوئے دروازے کی جانب بڑھتے جا رہے تھے۔ دروازے کے نزدیک پہنچتے ہی میں تھم گیا۔ میرے پیچھے رویہ بھی تھی۔ وہ بھی ٹھنک گئی۔ اس نے میرے بازو کو تختی سے پکڑ لیا تھا۔ اس کی پکڑ اتنی مضبوط تھی کہ انگلیاں گوشت میں دھنستی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں۔ اگر اور تھوڑا سا ہم آگے بڑھتے تو ان کی نظروں میں آ جاتے۔ اس کمرے کا دروازہ باہر کھل رہا تھا۔ یہ عمارت بھی زمین سے کچھ اونچائی پر بنی ہوئی تھی اور اوپر چڑھنے کے لیے سیڑھیاں تھیں۔ ان سیڑھیوں کے اختتام پر دو آدمی کھڑے تھے۔ ان کی پیٹھ ہماری جانب تھی۔ دونوں کے ہاتھوں میں آتشیں اسلحے تھے مگر وہ فائر نہیں کر رہے تھے۔ بس خاموش کھڑے تھے۔ شاید ان کی کوئی پلاننگ ہو۔ ان کے لباس کی تراش خراش بتا رہی تھی کہ وہ مقامی نہیں ہیں۔ یقیناً ان کا تعلق ہماری دنیا سے تھا۔ وہ کس پارٹی کے ہیں۔ ڈیوڈ شا کے لوگ ہیں یا اس کے مخالف اس کا اندازہ لگانا مشکل تھا۔ پہلا شخص تو قریب تھا مگر یہ شخص ایک دیوار کی آڑ میں کھڑا تھا اگر اس کے کندھے آڑ سے باہر نہ ہوتے تو پتا ہی نہ چلتا کہ کوئی دوسرا بھی وہاں موجود ہے۔

”اب کیا کیا جائے؟“ رویہ نے سرگوشی میں پوچھا۔

میں کوئی جواب دیتا کہ عقب سے ہلکی سی آواز آئی۔ میں کسی چوٹ کھائے سانپ کی طرح پلٹا تھا اور عقبی دروازے کی طرف دیکھا۔ ادھر کوئی نظر نہیں آیا لیکن میری چھٹی حس نے اشارہ دیا کہ ادھر کوئی ہے۔

”آڑ میں ہو جاؤ۔“ کہتے ہوئے میں نے الٹی طرف کروٹ لگ کر شروع کر دی۔ اب جدھر سے میں آیا تھا ادھر ہی واپس جا رہا تھا۔ نہایت تیزی سے کروٹ لگ کرتا ہوا واپس دروازے میں داخل ہوا اور سلو پ سے اوپر کی طرف بڑھنے لگا۔ بالکل اوپر پہنچ کر نہایت احتیاط سے تھوڑا سا سر اٹھا کر دیکھا اور ایک گہری سانس لی۔ اطمینان بھری سانس خارج کر کے میں کھڑا ہو گیا، وہ ایرٹ تھا۔ پتا نہیں اس نے کیسے یہاں، اس عمارت میں آنے کا سوچا ورنہ تو میں اسے اپنی جگہ چھوڑنے سے منع کر آیا تھا۔

”تم کیسے آ گئے؟“ میں نے پوچھا۔

”جب آپ واپس نہیں آئے اور نہ آپ کی کوئی خبر ملی تو مجھے تشویش ہوئی اور میں آپ کی تلاش میں نکل پڑا۔ یہ عمارت سامنے تھی۔ پھر آپ نے کہا بھی تھا کہ آپ مرکزی عمارت میں داخل ہوں گے اس لیے میں سیدھا اسی میں آیا۔“ اس نے ہنستے ہوئے کہا۔

”دوسروں کا کیا حال ہے؟“

”سب پریشان سے بیٹھے ہیں۔ ایسی گڑگڑاہٹ ایسی آوازیں انہوں نے پہلی بار سنی ہیں۔“ وہ ہاتھ پیر جھاڑ کر بدن میں چستی لانے کی کوشش بھی کر رہا تھا۔ شاید سرنگ میں جسم سیڑ کر آگے کھسکنا پڑا ہوگا اس کی وجہ سے اس کے ہاتھ پیر جام محسوس ہو رہے ہوں گے اسی لیے وہ بار بار ہاتھ پیر جھٹک رہا تھا۔

”یہ گڑگڑاہٹ نہیں اسلحہ چلنے کی آواز ہے۔ اسے فائرنگ کہتے ہیں۔ بس یوں سمجھ لو جو کام تم لوگ تیر سے لیتے ہو وہی کام یہ لوگ اس ڈنڈے سے لیتے ہیں۔ کہ دور کا دشمن بھی زخمی ہو جاتا ہے۔ مر جاتا ہے۔“ میں نے سمجھانے کے لیے کہا۔

”اس کا اندازہ تو ہو چکا ہے۔ میں نے دیکھا تو تھا کہ آواز ہوتے ہی ایک آدمی کے جسم میں سوراخ ہوتا چلا گیا تھا۔“ اس نے جواب میں کہا۔

”بالکل۔۔ یوں سمجھ لو کہ انتہائی چھوٹا سا تیر ہوتا ہے جو اس ڈنڈے میں جسے گن کہتے ہیں لگا ہوا ہوتا ہے۔ جیسے ہی اس تیر کو پھینکنے کے لیے نیچے لگا ایک ٹن دبایا جاتا ہے۔ زور سے آواز نکلتی ہے اور وہ تیر جا کر شکار کے جسم میں بہت اندر تک زخم ڈال دیتا ہے۔“

”ان تیروں سے میں نے دیواروں کو بھی چھلنی ہوتے دیکھا ہے۔“

”ہاں..... وہ مضبوط سے مضبوط چیز میں سوراخ کر دیتا ہے۔ ایسا ہی تیر ہوتا ہے۔“

”بہت خطرناک ہتھیار ہے۔ اگر میں زندہ بچ گیا تو ایسے کئی ہتھیار اپنے پاس رکھا کروں گا۔“ وہ ہنستے ہوئے بولا۔

میں بھی ہنس دیا پھر کچھ سوچ کر بولا۔ ”کچھ اندازہ ہے۔ یہ ٹکرانے والے کون ہیں؟“

”ایک تو وہ لوگ ہیں جو آپ کے دشمن کے ساتھ اوپر سے آئے۔ پھر ان کا ایک آدمی اس طرف والے

میدان میں جا کر کھڑا ہو گیا تھا۔ وہاں وہی والا ایک پرندہ جسے آپ نے مار گرایا تھا آسمان سے اترا۔“

میں سمجھ گیا کہ اس نے سگنل دے کر کسی جہاز کو اتارا ہوگا۔

”وہ بڑا سا بغیر پر ہلے اڑنے والا دھاتی پرندہ اتر اٹھا۔ اس سے چھ سات آدمی باہر آئے تھے۔ ان سب کے ہاتھ میں وہی ہتھیار تھے جن سے چھوٹے چھوٹے تیر نکلتے ہیں۔ ان کے پیٹھ پر بڑے بڑے تھیلے بندھے ہوئے تھے۔ وہ سب اس اڑنے والے پرندے سے نکل کر ادھر آ رہے تھے کہ ایک اور پرندہ آ گیا۔ وہ سب اسے دیکھ کر رک گئے اور حیرت سے اسے دیکھنے لگے۔ پھر وہ بھی اسی میدان میں اتر گیا۔ اس کے اندر سے بھی چھ سات آدمی باہر نکلے جو ان لوگوں جیسے کپڑوں میں نہیں تھے۔ ان کو دیکھتے ہی پہلے والوں نے چیخ کر کچھ کہا۔ جواب میں نئے آنے والوں نے کندھوں سے لٹکے ہوئے ڈنڈے اتار کر ہاتھ میں لے لیے اور پھر گڑگڑاہٹ گونجنے لگی۔ وہ سب زمین پر لیٹ گئے تھے اور ایک دوسرے کی طرف ڈنڈے سیدھے کر کے دھماکا کرنے لگے تھے۔ پہلے آنے والے اس والی عمارت میں داخل ہو گئے اور بعد میں آنے والے ادھر ہی دوڑے تھے۔ درمیان میں برابر والی عمارت آگئی تھی اس لیے میں دیکھ نہ سکا کہ کون کدھر گیا۔“

اس نے جو کچھ بتایا اس سے سمجھ تو یہی آ رہا تھا کہ ڈیوڈ شا کے تعاقب میں کوئی دوسری پارٹی بھی وادی میں داخل ہو گئی ہے۔ اب سوال یہ تھا کہ وہ دوسری پارٹی کون ہے؟ کس مقصد سے آئی ہے۔ اس کا پتا لگانا ضروری تھا۔ لیکن کیسے لگایا جائے یہ سمجھ نہیں آ رہا تھا۔ تبھی میرے ذہن میں ایک خیال کوندا۔ سامنے کی بات تھی اور اسے اب تک آزمایا نہیں تھا۔ جب میں باہر گیا تھا دو تین لوگ نظر آئے تھے جن کا رخ ایک خاص سمت میں تھا اور وہ ہتھیار تھا مے مستعد کھڑے تھے۔ مجھے باسو کے ہاتھ سے بچانے والا بھی ادھر ہی گیا تھا۔ ہو سکتا ہے ان میں سے کوئی ایک ہو جس نے باسو پر فائر کیا تھا۔ ایرٹ نے بتایا تھا کہ جہاز سے پہلے اترنے والے چست کپڑوں والے تھے یعنی وردی پوش تھے۔ ان کی پیٹھ پر وار بیگ بھی تھا۔ جب کے بعد میں اترنے والے عام لباس میں تھے۔ میں نے جن دونوں کو دیکھا تھا وہ بھی عام لباس میں ملبوس تھے۔ یقیناً وہ دشمن نہیں ہیں ورنہ مجھے بچاتے نہیں۔ اور مجھے پہچانتے بھی ہیں اسی لیے تو باسو کے جاتے ہی وہ میدان جنگ کی طرف لوٹ گئے۔ اس وقت باہر کی جو حالت تھی اسے دیکھ کر تو یہی لگتا تھا کہ میدان جنگ کا سماں ہے اسی لیے میں نے یہ لفظ استعمال کیا۔

اس خیال کے آتے ہی میں پھر سے سلوپ کی طرف چل پڑا۔ اب میرے ساتھ دو لوگ تھے۔ ان دونوں کے ساتھ میں نیچے پہنچا مگر باہر والے دروازے پر جانے سے پہلے ان کو ہدایت دی۔ ”تم دونوں یہیں چھپے کھڑے رہنا۔ پتا نہیں وہ دوست ہیں یا دشمن۔ پہلے میں ان سے معلوم تو کر لوں۔“

”جی اچھا۔“ ایرٹ نے جواب دیا مگر مجھے شک ہوا کہ وہ اس طرح خاموش کھڑا نہیں رہے گا۔ اگر میرے پیچھے آ گیا تو کھیل بگڑ بھی سکتا ہے۔ گولی بندوق اس کے لیے نئی چیز ہے۔ کہیں وہ جان سے ہاتھ نہ دھو بیٹھے۔ اس خیال کے آتے ہی میں نے پلان بدل دیا اور ان سے کہا:

”نہیں تم دونوں اوپر جا کر میرا انتظار کرو۔ جب میں آواز دوں تبھی نیچے آنا۔“

میرا حکم پاتے ہی وہ دونوں سر جھکائے سلوپ سے اوپر چڑھتے چلے گئے۔ ان دونوں کے اوپر جاتے ہی مجھے حیرت کا شدید جھٹکا لگا۔ اس لیے کہ اب وہ جگہ خالی تھی۔ دور دور تک کسی بندے کا نام و نشان نہ تھا۔ کہیں میں نے جاگتے میں خواب تو نہیں دیکھا۔ کیونکہ گولیاں ہنوز چل رہی تھیں۔ یہ چند منٹ میں کہاں چلے گئے۔ ابھی میں

سوچ ہی رہا تھا کہ میری نظر برابر والی عمارت پر پڑی۔ اس عمارت سے دوسری عمارت پر فائرنگ ہو رہی تھی۔ میں نے سوچا اس عمارت تک اگر میں چاہوں تو جاسکتا ہوں کیونکہ گولیاں جس زاویہ سے آ جا رہی تھیں وہ کافی دور تھا۔ اگر میں کروٹ لگ کرتا ہوا چلوں تو اس عمارت تک بہ آسانی جاسکتا ہوں۔ یہی بات دوسری عمارت پر بھی صادق آ رہی تھی۔ میں نے اللہ کا نام لیا اور داہنی جانب والی عمارت کی سمت میں زمین پر لیٹ کر ریگنا شروع کر دیا۔ آہستہ آہستہ کچھوئے کی رفتار سے بڑھتا ہوا میں اس عمارت تک پہنچ ہی گیا۔ اب جو مسئلہ تھا۔ وہی سب سے اہم اور خطرناک تھا۔ اس عمارت کے سامنے بھی چوڑی سیڑھیاں تھیں اور ان سیڑھیوں پر قدم رکھنے کا مطلب تھا نشانہ بن جانا۔ سیڑھیاں دونوں طرف کی فائرنگ کی زد میں تھیں۔ اس کے علاوہ اور کوئی راستہ بھی نہیں تھا۔ ایک اور مسئلہ بھی تھا کہ کہیں رو بیر یا ایرٹ میرے حکم کو ٹھکرا کر میری محبت میں باہر نہ آ جائیں۔ زندگی اور موت خدا کے ہاتھ میں ہے۔ اگر آج میری موت لکھی ہوئی ہے تو کوئی بھی مجھے بچا نہیں سکے گا اور اگر میری موت کا وقت یہ نہیں ہے تو کوئی میرا کچھ بگاڑ بھی نہیں سکے گا۔ اب جو بھی قسمت میں ہو۔ موت یا زخمی ہونا جو ہو گا دیکھا جائے گا یہ سوچ کر میں نے سیڑھیوں کی جانب رخ کر لیا۔

بالآخر سیڑھیاں بھی آ گئیں۔ اب ان پر چڑھنا تھا۔ کچھ دیر تک میں اسی حالت میں ساکت لیٹا رہا پھر میں آگے کی جانب سر کا پہلی سیڑھی عبور کیا ہی تھا کہ اندر سے کسی نے فائر کیا گولی میرے اس ہاتھ سے صرف ایک انچ کے فاصلے پر سیڑھی کے کنارے کو چھیلی ہوئی نکل گئی۔ میں پہلی سیڑھی پر دبک گیا۔ سمجھ گیا تھا کہ اندر والوں نے مجھے دیکھ لیا ہے۔ تبھی کسی کی چیختی ہوئی آواز آئی۔ ”خبردار فائر نہ کرنا۔ یہ شہباز صاحب ہیں۔“ آواز جانی پہچانی لگی لیکن صاف سنائی نہیں دی تھی اس لیے میں پہچان نہیں سکا تھا کہ کس کی آواز ہے۔ اندر سے کسی نے پکار کر کہا۔ ”شہباز صاحب ہوشیاری سے اوپر آ جائیں۔ کیونکہ سامنے سے آنے والی گولیاں آپ کو نقصان پہنچا سکتی ہیں۔“

میں نے اونچی آواز میں جواب دیا۔ ”میں احتیاط کے ساتھ اوپر چڑھتا جا رہا ہوں صرف تم مجھے کور دو۔ فائرنگ کا رخ کچھ دیر کے لیے موڑ لو تا کہ سامنے والے مغالطے میں آ جائیں۔“

میری بات اس کی سمجھ میں آ گئی تھی۔ یکا یک فائرنگ کرنے والے نے میرے داہنے ہاتھ پر برسٹ چلایا جس کا اثر فوراً ہوا۔ اب سامنے سے آنے والی گولیوں کا رخ اسی جانب ہو گیا تھا۔ شاید دوسری عمارت والوں نے یہی سوچا ہو گا کہ ادھر بھی کوئی ہے۔ اس وقفے کا فائدہ اٹھا کر میں نے سیڑھیوں پر ریگنا شروع کر دیا۔ نہایت تیزی سے اوپر چڑھتا چلا جا رہا تھا۔ یہ سات یا آٹھ سیڑھیاں تھیں مگر اس وقت ایسا لگ رہا تھا جیسے مجھے کئی منزل اوپر جانا ہے۔ اوپر چڑھتے ہوئے موت کا تصور آنکھوں میں سما یا رہا۔ کسی بھی وقت دوسری عمارت سے نشانہ بنایا جاسکتا تھا۔ مگر یہ پل صراط بھی عبور ہو گیا۔ میں بہ آسانی آخری سیڑھی عبور کر کے برآمدے پر پہنچ گیا مگر اب تک لیٹا ہوا تھا۔ اٹھنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ اور جب میں برآمدہ پار کر کے اندر والے ہال میں پہنچا تو میرے دیوتا کوچ کر گئے۔ پوری بازی الٹ چکی تھی۔ میرے سامنے پستول تھا مے با سوکھڑا تھا۔ یہ وہی تھا جس نے پہلے بھی مجھے زچ کیا تھا۔ مجھے دیکھ کر وہ مسکرا ہوا تھا۔ ”ہیلو بیک مین۔“ مجھے دیکھ کر تمہیں خوشی نہیں ہوئی؟“

اس وقت مجھے سفیر بری طرح یاد آیا ایسے موقع کے لیے اس نے ایک نہایت شستہ گالی ایجاد کر رکھی تھی۔

مگر یہ موقع اسے دوہرانے کا نہیں تھا اس لیے میں خاموش رہ گیا۔ ”شما اس وقت یہاں نہیں ہے ورنہ وہ بہت خوش ہوتا۔ وہ اس حرام کی پٹی کو لے کر سامیرا کے قلعے کی طرف گیا ہے۔ وہاں دونوں فوجیں آمنے سامنے کھڑی ہیں۔ ان کے درمیان آخری بازی کھیلنے گیا ہے تاکہ فیصلہ جلد ہو جائے۔“

”اس عمارت میں تو تم لوگ ہو۔ اس عمارت میں کون ہے؟“ میں نے اس کی بات کو نظر انداز کر کے پوچھا۔

”یہ تو تم بتاؤ گے۔ تم نے اپنی مدد کے لیے کسے بلایا ہے۔ یاد رکھو ڈیوڈ شما نے اس پروجیکٹ پر لاکھوں ڈالر لگا دئے ہیں۔ کئی ممالک سے بات چل رہی ہے۔ اربوں ڈالر کا گیم ہے اور شاید کبھی نہیں چاہے گا کہ یہ بازی اس کے ہاتھ سے نکل جائے۔ اس کے لیے چاہے کتنی ہی گردن کیوں نہ کٹ جائے۔“

”اوہ..... یہ بات ہے۔“ میں نے ہونٹ کو گول بنا کر جواب دیا۔ ”گویا امریکا سمیت کئی ممالک سے اس وادی کا سودا کر لیا ہے۔“

”ابھی سودا ہوا نہیں ہے اسی لیے تو میں نظر آ رہا ہوں۔ سودا ہوتے ہی میں اپنا حصہ لے کر چلا جاؤں گا۔ ایک ارب ڈالر کا کھیل کھیلنا ہے اس بار میں نے۔“

”ڈیوڈ شما کو چھوڑ جاؤ گے یہ ناممکن ہے۔ پھر ایسا بھی تو ہو سکتا ہے کسی ایسے ملک نے جو سودا کرنے کی بجائے قبضہ کرنے کے موڈ میں ہو اس نے اپنے کمانڈر وڈا کے آدمیوں کے تعاقب میں بھیج دیئے ہوں۔“

”یہ ناممکن بات نہیں ہے اسی لیے تو شما کا حکم ہے کہ جو بھی راستے میں آئے اسے اڑا دو۔“

”تو ٹھیک ہے مجھے بھی اڑا دو۔“

”مجھے اگر اڑا دینے کا اختیار ہوتا تو کب کا اڑا دیتا لیکن کچھ ہی دیر قبل ڈیوڈ شما نے خود ہی کہا ہے کہ شہباز پر نظر رکھو وہ جیسے ہی کہیں نظر آئے اسے زندہ گرفتار کرنے کی کوشش کرو۔“

”اچھا تو گویا وہ مجھے چارابنا کر حملہ آوروں سے نمٹے گا؟ ٹھیک ہے میں بھی دیکھتا ہوں۔ اگر مجھے زندہ اس تک پہنچا سکتے ہو تو کوشش کر لو۔“ کہتے ہوئے میں نے اپنی داہنی آنکھ دبا دی۔ وہ تو تھا ہی موٹے دماغ کا اس لیے میں اسے یہ تاثر دینا چاہ رہا تھا کہ ان حالات میں بھی میں اس سے کمزور نہیں ہوں۔ حالانکہ میں اس کی فطرت سے واقف تھا۔ جانتا تھا کہ وہ کسی کو زیا لے سانپ سے کم نہیں۔ انتہا درجے کا کینہ پرور ہے اور اپنی شکست کو بھولتا نہیں ہے۔ پچھلی شکست کو بھی نہیں بھولا ہوگا۔ اس سے نمٹنا اتنا بھی آسان نہیں ہے۔ پھر بھی میں نے کوشش کرنے کی ٹھان لی تھی۔

”شہباز یاد رکھو میں اس وقت ڈیوڈ شما کی وجہ سے نرمی برت رہا ہوں اس لیے کوئی چالاکی دکھانے کی کوشش نہ کرنا۔“ اس نے میری حرکت کو نظر انداز کر کے جواباً کہا۔ ”تم اس قسم کی اوجھی حرکت تبھی کرتے ہو جب سامنے والے کو الجھانا چاہتے ہو۔ میں تمہارے جھانے میں آنے والا نہیں ہوں۔ اپنے ہاتھ آگے کر دو تاکہ میرا آدمی تمہارے ہاتھ باندھ سکے۔“

”یہ لو، میں نے منع کیا ہے۔ میں تو خود ڈیوڈ شما سے ملنا چاہ رہا ہوں۔ وہ ہے کہاں؟“

”اس وقت وہ یہاں نہیں ہے۔ اپنے ان بندوں سے ملنے گیا ہوا ہے جو اترے تو یہاں تھے لیکن بھٹک کر

سامیرا کے ایریا میں چلے گئے ہیں۔ وہاں دونوں فوجیں آمنے سامنے ہیں۔ کہیں غلطی سے وہ لوگ ان سے نہ الجھ جائیں اسی لیے ڈیوڈ شا وہاں گیا ہے اور اب آتا ہی ہوگا۔“

”تو چلو مجھے باندھو.....“ کہتے ہوئے میں نے ہاتھ آگے بڑھایا تو اس نے اپنے ساتھی کو اشارہ کیا۔ جیسے ہی وہ آگے بڑھا، باسوا اور میرے درمیان آیا میں نے بجلی کی سی پھرتی سے اس کے پستول پر ہاتھ مارا اور قلاب بازی کھا کر پلک جھپکتے میں باسوا کی پیٹھ پر پہنچ گیا۔ وہ سنبھلتا کہ میں نے پستول اس کی کنپٹی سے لگا دیا۔ یقیناً میری برق رفتاری پر وہ بھی اش اش کر اٹھا ہوگا۔ میں نے اپنے بائیں بازو کا حلقہ اس کی گردن میں ڈالا اور اسے لے کر ایسے رخ پر گھوم گیا جہاں سے کوئی میری پشت سے حملہ نہیں کر سکتا تھا۔

”تم میں سے کوئی ہلنے کی کوشش نہ کرے ورنہ تمہارے اس سورما کی کھوپڑی کے پر نچے اڑ جائیں گے۔“ میں نے کرخت لہجے میں دھمکی دی۔

میری گرفت اتنی مضبوط تھی کہ اس کا دم گھٹنے لگا۔ چہرہ لال ہو گیا تھا۔ اس کے سرخ چہرے پر نظر ڈال کر میں نے کہا۔

”تم سب اپنی اپنی گنیں پھینک دو اور دیوار کی طرف منہ کر کے کھڑے ہو جاؤ۔“ اس نے پھنسی پھنسی آواز میں حکم دیا۔ پھر مجھ سے مخاطب ہوا۔ ”تم نے مجھ پر ہاتھ اٹھا کر اچھا نہیں کیا ہے۔ اگر دوستی چاہتے ہو تو میرا گلا چھوڑ دو۔“

”اور اگر نہ چھوڑا تو؟“

”تم اکیلے ہو اور میرے جسم میں تم سے زیادہ قوت ہے۔ تم کتنی دیر تک مجھے یرغمال بنا کر کھڑے رہو گے۔ یہاں سے باہر نکلتے ہی سامنے والوں کی فائرنگ کی زد میں آ جاؤ گے۔ اس لیے عقل سے کام لو۔“

”اب تم نے عقل کی بات کی ہے۔ میں گردن تو چھوڑ دوں گا مگر تمہیں بھی ضمانت دینی ہوگی کہ مجھے جانے دو گے۔“

”اس وقت وادی پر ہمارا قبضہ ہونے والا ہے اور تم یہاں سے نکل نہیں سکتے۔ اگر میں نے تمہیں ڈیوڈ شا کے سامنے پیش کر دیا تو میرا بھلا ہوگا اور تمہاری زندگی بھی بچ سکتی ہے۔ اس لیے کہ ڈیوڈ شا تمہیں مارے گا نہیں۔ اگر اسے مارنا ہوتا تو بہت پہلے مار چکا ہوتا۔ وہ تم سے کوئی کام لینا چاہتا ہے۔ گویا تمہاری زندگی کی ضمانت ہے۔“

”ڈیوڈ شا مجھے مارے گا یا زندہ رکھے گا یہ بعد کی بات ہے۔ اس وقت تو میری بات پر عمل کرو اور اندر بڑھنا شروع کر دو تا کہ اکیلے میں تم سے مذاکرات کر سکوں۔“

”اچھا۔“ کہہ کر وہ مڑا۔ مڑنے کی وجہ سے میرے بازو کا حلقہ کچھ کمزور ہوا اور اسی موقعے کا اس نے فائدہ اٹھا لیا۔ وہ اندر کی طرف بھاگا۔ اس کے پیچھے میں بھاگا اور میرے پیچھے اس کا ساتھی دوڑا۔ دوڑتے ہوئے میں نے گولی چلا دی۔ اس کی قسمت اچھی تھی۔ میں نے یوں ہی فائر کیا تھا اس لیے نشانہ چوک گیا۔ اس نے پھرتی سے ایک آراٹھی کھبے کے پیچھے خود کو محفوظ کر لیا تھا۔ میں اس تک پہنچتا کہ پیچھے سے فائر ہوا۔ یہ فائر بھی پستول کا تھا۔ ابھی کچھ دیر پہلے اس عمارت سے بھی میں نے آٹومیک گنز کی فائرنگ سنی تھی مگر اس وقت مجھ پر جس اسلحہ کا استعمال ہوا تھا وہ پستول جیسا معمولی ہتھیار تھا۔ شاید گھبراہٹ میں ان دونوں نے اسے آزمایا نہیں تھا اور

باسو خالی ہاتھ تھا۔ عقب سے ہونے والے فار سے میں اتفاقیہ بچا تھا۔ میری قسمت اچھی تھی یا اس شخص کا نشانہ کچا تھا کہ گولی میرے بازو کو چھوتی ہوئی گزر گئی تھی۔ شرٹ کی آستین پر جلنے کا دھبا ثبت ہو گیا تھا۔ بازو سے رسنے والا خون میری پسلیوں پر پھیلتا محسوس ہوا تھا لیکن اس وقت اس پر توجہ دینے کا موقع نہیں تھا۔ میں نے خود کو موڑا پھر پستول کی نال سیدھی کی اور ٹریگر دبا دیا۔ سنسناتی ہوئی گولی نکلی اور سیدھے جا کر عقب والے کے پستول پر پڑی۔ پستول چھٹک کر دور جا گرا۔ وہ اسے اٹھانے کے لیے لپکا تھا کہ میں نے دوسرا فار کیا۔ یہ فار بھی نشانے پر لگا۔ پستول مزید آگے پھسل گیا۔ مرشد سے ٹکرانے کی وجہ سے میرے لیے پستول کھلونا بن گیا تھا۔ ہر روز اس سے کھیلنا پڑ رہا تھا۔ گولی اور بارود کے اس کھیل میں ایک فائدہ ضرور ہوا تھا کہ میرا نشانہ پختہ ہو گیا تھا۔ جس کا ایک ثبوت سامنے تھا۔ مگر اب میں نے اپنا رخ پھر سے باسو کی طرف کر لیا تھا کیونکہ اسے موقع ملتا تو وہ بھرپور وار کرتا۔ اس کی طرف مڑنے کے بعد میں نے پستول کو انگلیوں پر نچاتے ہوئے کہا۔ ”اگر میں چاہتا تو یہ گولیاں تمہارے سینے میں بھی اتر سکتی تھیں مگر میں خون خرابہ پسند نہیں کرتا جب تک جان پر نہ بن آئے۔“

”مگر میں پسند کرتا ہوں۔“ کہنے کے ساتھ باسو نے گولی چلا دی۔ شاید اس نے ایک اور پستول جسم پر کہیں باندھ رکھا تھا۔ اگر میں اتفاقی طور پر ایک سیکنڈ پہلے اپنی جگہ سے ہٹ نہ جاتا تو وہ گولی میرے سر میں دھنس جاتی۔ اب میں دو طرفہ حملے کی زد میں تھا۔ گو کہ عقب والے کے پاس اب پستول نہیں تھا۔ مگر کسی اور ہتھیار سے بھی حملہ کر سکتا تھا۔ میں پوری طرح ہوشیار تھا کہ باسو نے پھر فار کیا۔ اور میں بندر کی طرح اچھل کر داہنی جانب ہٹ گیا۔ باسو اب نظر نہیں آ رہا تھا۔ اور اس کی جانب سے فار بھی نہیں ہوا تھا۔ پھر بھی میں ہوشیار تھا۔ فار نہ ہونے کی وجہ پستول کا خالی ہو جانا بھی ہو سکتا تھا۔ یہ خیال آتے ہی میں نے دل ہی دل میں اس کے فار گئے۔ اس نے کل پانچ فار کیے تھے۔ آخری گولی اب بھی اس کے پستول میں ہوگی۔ میں اس آخری گولی کے انتظار میں تھا کہ دھم کی آواز آئی۔ عقب والا چپ لگا کر کھبے کے قریب آ گیا تھا۔ سوچ بچار کا وقت نہیں تھا۔ میں نے نال کا رخ اس کی طرف کر کے ٹریگر دبا دیا مگر ہلکی سی کلک کی آواز نکل کر رہ گئی۔ گولیاں ختم ہو گئی تھیں۔ یہ ہلکی سی آواز اس نے بھی سن لی تھی۔ بصارت و سماعت ذہن و دل پر اثر انداز ہوتی ہے، دل میں خوف اور دماغ میں فکر پیدا کرتی ہے۔ کلک کی آواز نے اس شخص کے چہرے سے خوف کے آثار مٹا دیے تھے۔ جب خوف مٹ جائے تو بھیگی بلی بھی شیر بن جاتی ہے۔ وہ دونوں بھی شیر بن گئے تھے اور بے خونی سے میری طرف بڑھ رہے تھے۔ گیلری والے شخص نے پستول جیب میں رکھ لیا تھا۔ شاید میرا اندازہ غلط تھا اور اس کے پستول میں گولیاں ابھی ختم نہیں ہوئی تھیں یا پھر اسے آخر میں آزمانے کے لیے محفوظ رکھ لیا تھا۔ وہ دونوں دو اطراف سے میری جانب بڑھ رہے تھے۔ ان کے چہروں سے ہویدا تھا کہ وہ مجھے پس کر رکھ دیں گے۔

”آتو گئے ہواب تمہیں یہاں سے کوئی دوسرا گھسیٹ کر لے جائے گا کیونکہ تم زندہ تو بچو گے نہیں جو اپنے پیروں پر چل کر جاسکو۔“ یہ کہہ کر وہ میری طرف بڑھا۔ میری نظریں اس پر مرکوز تھیں۔ وہ ایک دو قدم چلا ہوگا کہ اس نے ہوا میں اپنے جسم کو اچھالا اور اڑتا ہوا میری جانب آیا۔ اس کا انداز بتا رہا تھا کہ وہ جنٹلمن کا ماہر ہے۔ یہ کوئی نئی بات نہیں تھی۔ عام طور پر کرایہ کے فوجی جنٹلمن کے ماہر ہوتے ہی ہیں۔ ڈیوڈ شا ایسے ہی لوگوں کو اپنے ساتھ رکھتا تھا جو ہر فن مولا ہوں۔ اسے اپنی طرف اڑ کر آتے دیکھ میں نے پھرتی سے اپنی جگہ چھوڑ دی۔ وہ خود کو

روک نہ سکا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ اڑتا ہوا باسو سے جا ٹکرایا اور اسے لیتا ہوا نیچے گر پڑا۔
 ”ارے واہ کیا اڑان بھری ہے۔ ذرا پھر ایک بار کوشش تو کرنا۔“ میں نے مذاق اڑانے والے لہجے میں کہا۔

وہ جھلا کر کھڑا ہوا اور پھر ہوا میں قلابازیاں کھاتا ہوا میری طرف بڑھا۔ یہ انداز خاصا خطرناک تھا۔ وہ جسم کو اپنے تلے انداز میں گھماتا ہوا تیر کی طرح آ رہا تھا۔ میں نے اپنی جگہ سے ہٹ جانے میں ہی عافیت سمجھی اور وہ اپنے ہی زور میں دیوار سے جا ٹکرایا۔ اس کا یہ داؤ بھی خالی گیا تھا۔ فن حرب کے ماہروں کا کہنا ہے کہ لڑائی کے وقت دماغ کو پرسکون رکھو ورنہ اپنا سکون ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائے گا۔ میں نے اسی بات پر عمل کرتے ہوئے اسے اشتعال دلانے کی کوشش کی۔ ”بیٹے کسی اچھے استاد سے ٹریننگ لے لیتے۔ ابھی بھی موقع ہے۔ میرے شاگرد بن جاؤ۔“

تبھی میری کمر پر لات پڑی اور عقب سے باسو کی آواز سنائی دی۔ ”اور یہ لات کیسی ہے استاد محترم۔“
 لات پڑتے ہی میں کافی دور تک پھسلتا چلا گیا تھا کیونکہ لات کسی ایرے غیرے کی نہیں تھی باسو کے جسم میں کسی عفریت جیسی قوت تھی۔ ڈاکٹر کے تجربے کا وہ شہکار تھا۔ اس کے جسم میں کئی گھوڑوں کی قوت تھی۔ میری جگہ کوئی اور ہوتا تو وہ لات کی ضرب کھا کر کھلے دروازے کے باہر جا گرتا اور کئی حصوں میں تقسیم ہو چکا ہوتا۔ مگر میں نے فوراً ہی مدافعتی قوت کو آزماتے ہوئے خود کو پھسلنے سے روکنے کی پوری کوشش کی تھی پھر بھی کئی فٹ تک پھسلتا چلا گیا تھا۔ پھر میں پھرتی سے اٹھا تھا اور میں کسی زخمی ناگ کی طرح پلٹا داہنے ہاتھ کا مکا ٹھگنے کے سینے پر اور گھٹنا اس کی داہنی ران پر مارا۔ وہ کراہتا ہوا الٹ گیا تھا۔ میں نے اس پر سے توجہ ہٹا کر باسو کی طرف رخ کر لیا مگر عقب میں آہٹ محسوس ہوئی تو دوبارہ ٹھگنے کی طرف گھوم گیا تھا اگر ذرا سی بھی دیر ہو جاتی تو میں چاروں خانے چت گر جاتا۔ ٹھگنا ہوا میں اپنے جسم کو گردش دیتے ہوئے میری طرف آیا تھا۔ میں برقی سرعت سے داہنی جانب ہٹ گیا تھا۔ پھر وہ اپنے ہی ساتھی پر جا پڑا تھا۔ اب انہیں موقع دینا خطرے کو بلانا تھا۔ میں نے ان پر چھلانگ لگائی۔ وہ دونوں بھی کم پھر تیلے نہیں تھے دونوں ہی بیک وقت مخالف سمت میں سرک گئے تھے۔ میں فرش پر اوندھے منہ گرا لیکن ابھی میں اٹھنے کی کوشش کر ہی رہا تھا کہ ٹھگنے قد والے نے میری کمر پر لات جمادی۔ کجنت کی لات اتنی زبردست تھی کہ میں کراہ کر رہ گیا۔ اس نے پھر وار کرنا چاہا تھا کہ میں نے خود کو بچانے کے لیے داہنی طرف سرکنے کی کوشش کی مگر میری کوشش ناکام ہوئی۔ باسو نے فوراً ہی آگے بڑھ کر کلک ماری تھی۔ میں پھر ٹھگنے کے قدموں میں آ گیا تھا۔ اس نے لات مارنے کے لیے پیر اٹھایا ہی تھا کہ میں نے اس کا پیر پکڑ لیا اور زور دار جھٹکا دیا تو وہ اوندھے منہ گرا۔ میں پھرتی سے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ اب بازی میرے ہاتھ میں تھی۔ میں نے مشینی انداز میں باری باری دونوں کی دھنائی شروع کر دی۔ دیکھتے ہی دیکھتے دونوں لہو لہان ہو گئے۔ میں آخری راؤنڈ کرنے والا تھا۔ میرا آخری راؤنڈ کھڑی ہتھیلی کا گدی پر وار تھا۔ اس کے بعد دونوں ہی دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو جاتے۔ میں نے ٹھگنے کو کالر سے پکڑ کر اٹھایا ہی تھا کہ ایک دھماکا سا ہوا اور سنسناتی ہوئی گولی میرے سر کے قریب سے گزر گئی۔ میں نے پلٹ کر دیکھا۔ میرے پیچھے ایک نیا بندہ ہاتھ میں ریوالتور پکڑے کھڑا تھا۔ ”بہت ہو گیا۔ اب ہاتھ اٹھا کر کھڑے ہو جاؤ۔“ اس نے حکم دیا تھا۔

جیتی ہوئی بازی پلٹ گئی تھی۔ میں نے پوری قوت سے ٹھگنے کو فرش پر پٹخا۔ اس کا چہرہ زمین سے ٹکرایا۔ وہ چیخ اٹھا تھا۔ اس کی ناک کا بھرتا بن گیا تھا۔ چہرہ خون سے بھر گیا تھا۔ منہ سے بھی خون بہنے لگا تھا۔

”خبردار اب حرکت کی تو گولی سینے کے پار ہوگی۔“ اس نے چیخ کر کہا۔

میرے پاس اس کے علاوہ کوئی راستہ نہیں تھا کہ میں ہاتھ اٹھا کر کرکھڑا ہو جاؤں۔ میں نے وہی کیا۔ مجھے ہاتھ کھڑا کرتے دیکھ باسو آگے بڑھا۔ اور پوری قوت سے میرے سینے پر اپنے سر سے ٹکرماری۔ میں نے سنبھلنے کی بہت کوشش کی مگر پیروں نے ساتھ نہ دیا اور میں الٹ گیا۔ میرا سر فرش سے ٹکرایا تھا۔ آنکھوں کے سامنے پل بھر کے لیے اندھیرے کی چادر تن گئی تھی۔ میں دونوں ہاتھوں کو ٹیک کر پھر کھڑا ہونے لگا۔ تبھی باسو نے لات چلا دی۔ میں دوبارہ گر پڑا۔ میرے نچلے ہونٹ میں جلن ہو رہی تھی۔ شاید وہ پھٹ گیا تھا۔ میں نے الٹے ہاتھ کی پشت سے ہونٹ پونچھا تھا اور جھٹکے سے کھڑا ہو گیا تھا۔ ٹھگنا دوڑتا ہوا میری جانب لپکا۔ ایک بار میں نے موقع گنوا دیا تھا۔ اس بار میں نے سنہری موقع سے فائدہ اٹھانے کی ٹھانی۔ جیسے ہی باسو میرے اور ٹھگنے کے درمیان آیا، میں باسو سے لپٹ پڑا۔ اس کی آڑ لے کر کہا۔ ”اپنا پستول پھینک دو۔ ورنہ اس کی ہڈی ٹوٹ جائے گی۔“

”باسو نہ میرا بھائی ہے نہ بھوپا۔ اس پر بھی گولی چلا سکتا ہوں۔“ نئے بندہ نے چیخ کر کہا۔

اور واقعی اس نے گولی چلا دی۔ ابھی باسو کی موت کا وقت نہیں تھا۔ نشانہ چوک گیا۔ اتنی دیر میں باسو کو دھکیلتے ہوئے میں اس کے قریب لے آیا تھا۔ اب ہمارے اور اس کے درمیان صرف چھ فٹ کی دوری رہ گئی تھی۔ اس بار اگر وہ گولی چلاتا تو باسو کا جسم سوراخ دار ہو جاتا۔ اگر پستول کی مار صحیح تھی تو گولی باسو کے پہاڑ جیسے جسم کو چھیدتی ہوئی مجھ تک بھی پہنچ سکتی تھی۔ باسو میری جگہ سے ٹکرنے کی لیے متواتر کوشش کیے جا رہا تھا۔ اس کے جسم میں شیطانی قوت تھی۔ اگر میں گردن کے مخصوص حصے کو دبائے ہوئے نہ ہوتا تو اب تک وہ مجھے اچھال چکا ہوتا لیکن اس کے ہر جھٹکے پر گردن کا منکادب جاتا جس کی تکلیف اسے زیادہ زور لگانے نہیں دے رہی تھی پھر وہ فائر کے بعد تو بہت زیادہ خوفزدہ ہو گیا تھا۔ ادھر نیا بندہ بھی سخت ہیجان میں لگ رہا تھا۔ اس کی انگلی ٹریگر پر تھی۔ اور میری نظریں اس کی انگلیوں پر۔ تبھی باہر سے ایک سنسناتا ہوا تیر آیا اور عقب سے اس کی گردن میں پیوست ہو گیا۔ وہ ایک لمحہ ضائع کیے بغیر گر کر ترپنے لگا۔ اسے گرتے دیکھ میں سمجھ گیا تھا کہ رویہ یا کوئی اور یہاں تک پہنچ گیا ہے۔ میں نے اسے گرتے دیکھ باسو سے کہا۔ ”میرے آدمیوں نے اس پوری عمارت کو گھیر لیا ہے۔ اس لیے میں جو کہہ رہا ہوں۔ اس پر عمل کرو۔“

وہ کوئی جواب دیتا کہ رویہ تیر کمان سنبھالے اندر آگئی۔ اسے دیکھ کر میں نے کہا۔ ”گرے ہوئے بندے کی تلاشی لو۔ پستول نکال لو۔“

رویہ تو جیسے موقع کی منتظر تھی۔ اس نے کمال پھرتی سے اس کی تلاشی لی پھر وہ باسو کی طرف بڑھی تھی کہ میں نے اسے منع کیا۔ ”خبردار۔ اس کے قریب بھی نہ آنا۔“

وہ ہتھم کروہیں کھڑی ہو گئی۔ میں نے باسو سے کہا۔ ”اب تم اندر والے کمرے کی طرف بڑھنا شروع کر

دو۔“

باسو مڑا، جیسے وہ میرے حکم کی تعمیل کر رہا ہو۔ مڑنے سے میرے بازو کا حلقہ کچھ ڈھیلا پڑا اور اسی موقع کا

اس نے بھرپور فائدہ اٹھایا۔

اتنی دیر سے وہ خاموش کھڑا تھا اس لیے میں کچھ حد تک بے پروا ہو گیا تھا۔ یہ انسان کی نفسیات ہے اور اس نے اسی بات کا فائدہ اٹھایا تھا۔ پہلے اس نے جھٹکا مارا اور ساتھ ہی ساتھ باہر کی سمت اچھال بھری تھی۔ وہ جمپ لگا کر برآمدے میں پہنچا اور زندگی کی پروا کیے بغیر اس نے میدان میں دوڑ لگا دی تھی۔ اسے دوڑتے دیکھ کر دوسری عمارت سے پھر فائرنگ شروع ہو گئی تھی۔ ایسا لگ رہا تھا کہ باسو پاگل ہو گیا ہے۔ وہ اپنی جسامت، تن و توش کو بھلا کر دوڑتے ہوئے ایک دیوار کی آڑ میں چلا گیا۔ اسے فرار ہوتے دیکھ کر ٹھٹھا بھی میدان میں دوڑ گیا تھا۔ یہ اس کی غلطی تھی۔ باسو کے بیچ نکلنے کی وجہ سے فائر کرنے والے ہوشیار ہو گئے تھے پھر ایسی فائرنگ میں ٹھٹھے کو اپنے آپ کو زمین پر گرالینا چاہیے تھا مگر وہ دوڑا تھا اور یہی اس کے حق میں برا ہوا تھا۔ تیسرا برسٹ اس کے جسم کو چھلنی کر گیا تھا۔ وہ اوندھے منہ زمین پر گرا تھا۔ اس کے جسم سے نکلنے والا خون مٹی کو رنگین کر رہا تھا۔ جس کی عیاری مکاری اور بہیمانہ کاروائی سے ایک عالم دہشت زدہ تھا وہ عالم بقا کو کوچ کر گیا۔ انسان تمام عمر جلاد بنا رہتا ہے مگر جب قضا آتی ہے تو کہیں کا نہیں رہتا، قبر میں جاسوتا ہے۔

اس کی موت پر مجھے خوش ہونا چاہیے تھا مگر میں رنجیدہ تھا۔ اس نے دانستہ موت کو گلے لگایا تھا۔ شاید وہ سمجھ گیا تھا کہ اب وہ کسی طور بھی زندہ بیچ نہیں پائے گا اس لیے کہ اس نے رویر کو دیکھ کر یہی سمجھا ہوگا کہ مقامی لوگوں نے اسے گھیر لیا ہے۔ مقامیوں کی مدد میرے آدمی کر رہے ہیں جو دوسری عمارت میں ہیں۔ مگر اس دوسری عمارت میں کون لوگ ہیں اس کی خبر خود مجھے بھی نہیں تھی۔ میں گرے ہوئے بندے کی لاش کو پھلانگتا ہوا باہر کی سمت بڑھا۔ گولی باری تقریباً رک چکی تھی اس لیے خطرہ بھی کم ہو گیا تھا۔ دروازے پر پہنچ کر میں نے باہر جھانکا۔ تبھی رویر بولی۔ ”شہباز تمہیں کچھ ہوا تو نہیں؟“

”نہیں..... ایرٹ کہاں ہے؟“

”وہ ابھی اسی عمارت میں خفیہ دروازے ڈھونڈ رہا ہے۔ میں نے جب باہر چلنے کو کہا تو اس نے یہ کہہ کر انکار کر دیا تھا کہ جب ہمیں اندر رہنے کے لیے کہا گیا ہے تو میں باہر نہیں جاؤں گا۔ اس بات پر میں غصے میں اکیلی ہی باہر آ گئی۔“

”یہ بات ہے تو غلط کہ میرے منع کرنے کے باوجود تم باہر آ گئیں۔“ میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ”لیکن تمہارے آنے سے مجھے مدد مل گئی اور میں نے اپنے ایک بڑے دشمن کو مرتے ہوئے دیکھ لیا۔“

”اچھا یہ وہی ڈیوڈ تھا..... مبارک ہو۔“

”نہیں۔“

”اوہ..... وہ ابھی تک بچا ہوا ہے۔“

”فکر کی بات یہ ہے کہ وہ سامیرا کے قلعوں کی طرف گیا ہوا ہے۔ مجھے یہ فکر کھائے جا رہی ہے کہ کہیں وہ کوئی بد معاشی نہ کرے۔“

”وہاں سامیرا کی پوری فوج ہے۔“

”اس کے پاس جو ہتھیار ہیں ان کی تباہ کاریاں تو تم نے بھی دیکھی ہوں گی..... اب بتاؤ کیا سامیرا کی

فوج ان کا مقابلہ کر پائے گی؟“

”ہاں یہ بات تو ہے۔“ اس نے پُر سوچ انداز میں جواب دیا۔ پھر کچھ سوچ کر بولی۔ ”اس والی عمارت میں تو یہ لوگ تھے۔ اس والی میں کون ہیں؟ ان کی خبر لی؟“

اس کے یاد دلانے پر مجھے خیال آیا کہ اس عمارت کی بھی خبر لینا ضروری ہے۔ اس عمارت میں ہے کون؟ انہوں نے میری مدد کیوں کی؟

”تم ایرٹ کے پاس جاؤ میں اس عمارت کو چیک کرتا ہوں لیکن خدا کے لیے میرے پیچھے مت چلی آنا۔ پتا نہیں اس عمارت میں کون لوگ ہیں۔“ کہہ کر میں سیڑھیوں سے نیچے کی جانب چلا۔ اب فائرنگ رک چکی تھی۔ پھر بھی میں احتیاط کے ساتھ آگے بڑھ رہا تھا۔ ابھی بہ مشکل دس قدم چلا ہوں گا کہ ادھر سے فائر ہوا۔ یہ تو میری قسمت اچھی تھی یا میری موت ابھی نہیں تھی۔ میری نظریں اس عمارت پر تھیں اور میں آگے بڑھتا جا رہا تھا کہ زمین میں گڑے ایک اونچے پتھر سے پیرالچہ گیا اور میں گرتے گرتے بچا اور یہی ٹھوکر کام آگئی۔ گولی سر کے اوپر سے گزر گئی۔ میں نے اسی وقت خود کو زمین پر گرا دیا اور چیخ کر بولا۔ ”میں دوست ہوں۔“

”کوڈ نیم؟“ ادھر سے سوال ہوا۔

اب میں کوڈ نیم کیا بتاتا کیوں کہ خود مجھے نہیں پتا تھا کہ یہ ہیں کون۔ اس لیے میں نے چیخ کر کہا۔ ”پہلے تم بتاؤ کون ہو؟“

”ہم تمہاری موت ہیں۔“ کہتے ہوئے اس نے پھر گولی چلا دی۔ میں پہلے ہی ہوشیار تھا۔ جیسے ہی رائفل کی نال بلند ہوتے دیکھی فوراً ہی خود کو زمین پر آگے کی سمت گھسیٹ لیا اور یہی حکمت عملی کام کر گئی۔ گولی کافی اوپر سے گزر گئی۔ اب یہ اور بات تھی کہ دوسری بار گولی چلانے والا اس رخ پر فائر نہیں کرتا اور نال کا رخ زمین کی طرف رکھتا تھا کہ میں بہ آسانی ملک عدم کوچ کر جاؤں۔ مگر مجھے مرنا نہیں تھا اس لیے تیزی سے کروٹ لگ کر ہوا اسی جانب بڑھا۔ وہ عمارت قریب آگئی تھی۔ میں اس میں داخل ہوتا کہ ادھر سے ایک بار پھر گولیوں کا مینہ برسا۔ ایک ساتھ دو گن کا استعمال ہوا تھا۔ دونوں نے برسٹ چلایا تھا۔ اگر میں سیڑھیوں کے عین نیچے نہ ہوتا تو کوئی نہ کوئی گولی میرے جسم میں روشن دان کھول چکی ہوتی۔ فائر کرنے والے عمارت کے اندر تھے اور عمارت کی کھڑکیاں اونچائی پر بنی ہوئی تھیں۔ اس لیے وہاں سے نال کا رخ اس رخ پر مڑ نہیں سکتا تھا جہاں میں کسی بھیکے چوہے کی طرح دبکا ہوا تھا۔ گولیوں کی باڑ میرے عقب میں صرف دو ہاتھ کی دوری پر برسی تھیں۔ مجھے معلوم تھا کہ اب اگر میں نے سیڑھیوں پر قدم رکھا تو گولیاں ضرور میرے جسم کے مختلف حصوں کو چومیں گی اس لیے میں جہاں تھا وہیں دبکا رہا۔ اگلے قدم کے بارے میں غور کرتا رہا۔ یہاں آکر میں کسی چوہے دان میں پھنس گیا تھا۔ اب نہ آگے جاسکتا تھا اور نہ پیچھے مڑ سکتا تھا۔ اب کروں تو کیا کروں یہ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ میں نے دائیں بائیں نظریں گھما کر فرار کا راستہ ڈھونڈنے کی کوشش کی۔ جہاں چاہ وہاں راہ۔ مجھے سیڑھیوں کے پیچھے والی جگہ زیادہ محفوظ نظر آئی اور میں نے ادھر کھسکتے جانے کی سوچ لی۔

سوچنا بہت آسان ہے مگر اس سوچ کو حقیقت کا روپ دینا اتنا ہی مشکل تھا۔ میں اگر مڑتا تو مجھے پیر سیدھا کرنا پڑتا اور اس طرح میں نچلی سیڑھی کے نیچے والی جگہ سے باہر آ جاتا۔ جب باہر آتا تو اوپر سے گولیوں کی

صورت میں شاباشی ملتی جو موت کا پیغام دیتی۔ مگر رسک تو لینا ہی تھا۔ اس لیے میں نے کوشش کی کہ میرے جسم کا کوئی بھی حصہ زیادہ نہ پھیلے۔ اس کوشش میں کافی وقت نکل گیا۔ چیونٹی کی رفتار سے میں نے جسم کو موڑا اور پھر اسی سمت میں ریگنے کی کوشش کی۔ ایک ایک انچ کر کے میں نے تقریباً دو ہاتھ کا فاصلہ طے کیا۔

اوپر بالکل خاموشی تھی۔ یا تو میں انہیں نظر نہیں آ رہا تھا یا پھر وہ میری تنگ و دو سے محفوظ ہو رہے تھے۔ بات جو بھی ہو لیکن فائر نہیں ہو رہا تھا۔ اسی وقفہ کا فائدہ اٹھاتے ہوئے میں دس ہاتھ چوڑی سیڑھیوں کے آخری سرے تک پہنچ گیا۔ یہ وقت اتنا بھاری تھا کہ ہر انچ کے بعد مجھے لگتا جیسے ابھی گولی چلی کہ چلی۔ سیڑھیوں کے آخری سرے پر پہنچ کر میں نے خود کو موڑا اور پھر سرعت سے اس کوٹنے کی طرف بڑھا جو عمارت کے عقب کی طرف جانے کا راستہ تھا۔

میں تیزی سے اس طرف بڑھ رہا تھا جو مجھے اس عمارت کے عقب میں لے جاتا۔ مجھے حیرت بھی ہو رہی تھی کہ اندر والے اتنے بے پروا کیوں ہیں کہ عقب کو بھلا بیٹھے ہیں۔ ادھر بھی کسی نہ کسی کو ہونا چاہیے تھا۔ ایسا بھی ہو سکتا تھا کہ ادھر نظر رکھنے والا خاموشی سے میری کارگزاری دیکھ رہا ہو کہ میں اب کیا کرتا ہوں پھر جب میں اندر داخل ہونے کی کوشش کروں گا تبھی وہ فائر کرے گا۔ یہی کچھ سوچتا ہوا میں عمارت کے عقب میں پہنچ گیا۔ وہاں پہنچ کر ہنسی آ گئی۔ جدوجہد بیکار گئی تھی۔ ادھر ایک اونچی دیوار کھڑی تھی۔ یہ دیوار اس عمارت سے متصل تھی جس میں ڈیوڈ شا سے آمناسا منا ہوا تھا۔ دیوار اس انداز میں تعمیر ہوئی تھی کہ دونوں عمارتوں کے درمیان کی جگہ بند گلی بن گئی تھی۔ میں نے متلاشی نظروں سے عمارت کا جائزہ لیا۔ صرف ایک کھڑکی نظر آرہی تھی جو کافی بلندی پر تھی۔ ہو سکتا ہے وہ کھڑکی کمرے میں عام اونچائی پر بنی ہوئی ہو لیکن عمارت اونچائی پر تعمیر ہوئی تھی اس لیے کھڑکی بھی زمین سے کافی اونچائی پر تھی۔ وہاں تک پہنچنا ناممکن سی بات تھی۔ میں نے واپسی کا سوچا تھا کہ میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی۔ دوسری عمارت کی دیواروں میں آرائشی پتھر لگے ہوئے تھے مگر اس ترتیب سے کہ ان کا سہارا لے کر کوئی بھی اوپر جا سکتا تھا، میں نے سہارا لیا اور اس پر چڑھتا چلا گیا۔ میرے لیے یہ کام بہت آسان ثابت ہوا تھا۔ شاید بنانے والے نے اسی مقصد سے اسے بنایا ہو کیونکہ بالکل سیڑھیوں کی طرح پتھر ابھرے ہوئے تھے اور ان پر بہ آسانی چڑھا جا سکتا تھا۔ سہارے کے لیے اس سے اوپر کے پتھر کو پکڑا جا سکتا تھا۔ تھوڑی سی کوشش سے میں دیوار تک پہنچ گیا اور پھر دیوار سے ہوتا ہوا اس کھڑکی کے قریب پہنچ گیا۔ اب صرف اس دیوار سے کھڑکی کے اوپر بنے چھبے پر کودنا تھا۔ اندر مسلح افراد تھے۔ وہ دھمک سن کر ادھر متوجہ ہو سکتے تھے۔ لیکن رسک تو لینا ہی تھا۔ وہ میں نے لے لیا۔ ایک ہی چھلانگ میں چھبے پر اتر گیا۔ اندر اب تک خاموشی تھی۔ فائرنگ کرنے والے پتا نہیں کیوں خاموش تھے۔ شاید وہ دروازے کی پہرے داری میں مشغول تھے۔ ان کے خواب و خیال میں بھی نہ ہوگا کہ کوئی کھڑکی سے بھی آ سکتا ہے۔ کچھ دیر تک میں دم سادھے چھبے پر بیٹھا رہا۔ جب کسی قسم کی کوئی آہٹ محسوس نہ ہوئی تو میں نے سر جھکا کر کھڑکی میں جھانکا۔ کمر بالکل خالی تھا۔ اطمینان ہوتے ہی میں نے دونوں ہاتھ سے چھبے کو تھاما اور ہاتھوں کے سہارے لٹک گیا پھر جسم کو موڑ کر پیر کو کھڑکی کے کنارے پر جمایا اور اندر کود گیا۔ اس موقع پر جناسٹک کا تجربہ کام آ گیا تھا۔

اندر پہنچنے کے بعد میں نے سن گن لینے کی کوشش کی مگر ہر طرف خاموشی کا راج تھا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے

اندر کوئی ذی روح موجود نہیں۔ میں نے اندر کا مکمل جائزہ لینے کی ٹھانی کہ فائر کرنے والے کس کمرے میں ہیں۔ انہیں ڈھونڈنے کے لیے میں دبے پاؤں اندر کی طرف بڑھا۔

کمرے میں ملگجا اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔ کمرے کا دروازہ بند تھا۔ میں نے اس دروازے پر ہلکا سا دباؤ ڈالا۔ دروازہ کھل گیا۔ وہ کمرہ بھی خالی تھا مگر اس میں پہلے کمرے کی نسبت زیادہ اندھیرا تھا۔ اگر کوئی کھڑکی ہوتی تو شاید روشنی اندر تک آتی۔ اس کمرے کو پار کرنے کے لیے آگے بڑھا تھا کہ ایک مدھم سی آواز سنائی دی۔ کسی کے حرکت کرنے کی آواز۔ اس آواز نے میرے قدم جکڑ لیے تھے۔ میں نے کان آہٹ پر لگا دیئے تھے۔ اس وقت میرے اعصاب کشیدہ ہو رہے تھے۔ اتنے میں وہی آواز پھر سنائی دی۔ میں نے خود کو ایک ستون کی آڑ میں کر لیا۔ اور پھر وہ پستول نکال لیا جو باسو سے چھینا تھا۔ آواز وقفے وقفے سے آرہی تھی۔ میں اضطراری کیفیت میں کھڑا سنتا رہا۔ چند ثنائے بعد ہی وہ آواز اس کمرے کے دروازے کے سامنے سے گزر گئی۔ دروازہ نیم وا تھا لیکن گزرنے والا اتنی تیزی سے گزرا تھا کہ کچھ سمجھ میں ہی نہیں آیا کہ وہ کون ہے۔ عورت ہے کہ مرد ہے۔

میں نے کچھ توقف کیا پھر دروازے کو تھوڑا سا کھولا اور گردن نکال کر نیم اندھیرے میں دیکھنے کی کوشش کی۔ باہر گلیاں راتھا جو خالی پڑا تھا۔ میں خالی گلیاں دیکھ کر حیران رہ گیا۔ اگر کوئی شخص تھا تو کہاں گیا۔ اتنی جلدی غائب ہو جانا خلاف عقل بات تھی۔ اتنی جلدی اتنے بڑے گلیاں کو پار کرنا آسان نہ تھا۔ اس کے معنی یہی تھے کہ وہ جو کوئی بھی تھا۔ سامنے کے دونوں کمروں میں سے کسی ایک میں داخل ہو کر چھپ گیا تھا۔ شاید وہ میرے لیے پھندا بن جانا چاہتا تھا۔ میں نے باہر قدم نکالا۔ اس نیم تاریک گلیاں کے میں آگے بڑھا تھا کہ اچانک کسی نے جست بھری اور مجھ پر آ پڑا۔ اس نے میری گردن کے گرد شنجہ سا کس لیا تھا۔

وہ اچانک ہی حملہ آور ہوا تھا اس لیے مجھے سنبھلنے کا موقع نہیں ملا تھا۔ میں جھونک میں نیچے گر گیا تھا لیکن اس کا ایک فائدہ یہ ہوا تھا کہ میری گردن آزاد ہو گئی تھی۔ میں نے جھٹکا دے کر خود کو آزاد کر لیا تھا۔ مگر ابھی اٹھ بھی نہ پایا تھا کہ وہ پھر مجھ پر آ پڑا تھا۔ لیکن اس بار میں غافل نہیں تھا۔ وہ جیسے ہی میری گردن کو پکڑنے کے لیے جھکا میں نے ٹانگوں کا زور لگا کر اسے اچھال دیا۔ وہ بھد سے فرش پر گرا تھا مگر اتنی ہی پھرتی سے اٹھ کھڑا ہوا اور ہم پھر سے گتھم گتھا ہو گئے تھے۔ اندھیرے میں ہماری یہ کشتی خاصی عجیب تھی۔ اس لیے کہ وہ بہت پھر تیل ثابت ہو رہا تھا۔ بار بار میری پکڑ میں آ کر نکل جا رہا تھا۔ ابھی میں خود کو آزاد کرانے کے بعد سانس بھی نہ لے پایا تھا کہ یہ افتاد آ پڑی تھی۔ اس نے الٹ کر اپنی پیٹھ پر مجھے لاد لیا تھا۔ اور ہاتھ لٹا کر کے میری گردن پھنسا لی تھی۔ مجھے حیرت کا ایک شدید جھٹکا لگا کیونکہ یہ داؤ خاص میری ایجاد تھی۔ اس سے نمٹنے ہی والا تھا کہ میرے کانوں میں ایک آواز آئی۔ ”اف کی ساخت جان ہے ٹو۔“

یہ ایک ایسی آواز تھی جسے سننے کے لیے میرے کان ترس رہے تھے۔ میں نے اٹھ ہاتھ کی انگلی اس کی پسلیوں پر مار کر کہا۔ ”تیرا بیڑا غرق..... چھوڑ مجھے یہ میں ہوں۔“

میری آواز سنتے ہی اس نے مجھے چھوڑ دیا لیکن چند سیکنڈ کے لیے۔ اس نے فوراً ہی سیدھے ہو کر مجھے جکڑ لیا اور چلایا۔ ”بیڑا تو میں تیرا غرق کروں گا۔ صبح سے تجھے ڈھونڈ ڈھونڈ کر پریشان ہوں۔“

”تجھے آنے کا کہا کس نے تھا۔ کیا میں نے دعوت نامہ بھیجا تھا۔“ میں نے مصنوعی غصے سے کہا۔

”تجھ پر رحم کھانا حرام ہے مجھے تو سویرا بھابی پر رحم آگیا تھا اسی لیے چلا آیا۔“

”اب اگر آہی گیا ہے تو یہ بتا تیرے ساتھ اور کون کون ہے اور مجھ پر فائر کس نے کیا تھا؟“

”کب..... تم پر کب فائر ہوا تھا؟“

”کچھ دیر پہلے، جب میں دروازے سے آنے کی کوشش کر رہا تھا۔“

”مگر ادھر تو تیرے پرانے یار ڈیوڈ شا کے لوگ تھے۔“

”وہ تھے..... اب سب جہنم میں ڈنر کی تیاری کر رہے ہوں گے۔“

”گویا حضرت مغالطہ نے کام دکھا دیا۔ دو گھنٹے سے میں اور احمد شاہ ادھر بیٹھے گندی نالی کے کیڑوں سے

نمٹ رہے تھے۔ پندرہ منٹ پہلے میں اسے مورچے پر بٹھا کر خود باتھ روم آیا تھا، شاید اسی درمیان تم نے اندر آنے کی کوشش کی ہوگی۔ احمد شاہ تمہیں پہچانتا نہیں ہے۔ وہ سمجھا ہوگا کہ تم بھی ڈیوڈ شا کے آدمی ہو..... آؤ میں اس سے ملواتا ہوں۔“ کہہ کر اس نے میرا ہاتھ پکڑ کر کھینچا اور میں کھینچتا چلا گیا۔

دوسرے کمرے میں ایک اونچی نیبل پر رائفل لیے ایک نوجوان بیٹھا تھا۔ اس کی نظریں کھڑکی سے باہر میدان میں ٹھہری ہوئی تھیں۔ سفیر نے اسے آواز دی۔ ”اوشا کے بچے یہ تو کیا کرنے جا رہا تھا۔“

”کیا ہوا جی؟“ اس نے سر موڑ کر سوال کیا اور مجھے دیکھتے ہی گھبرا کر کھڑا ہو گیا۔

”جانتا ہے یہ کون ہے؟ ابھی کچھ دیر پہلے تو اسے اوپر پہنچانے کے لیے گولیاں برسار رہا تھا..... ابے تجھے خبر نہیں یہ موت کا جگہری دوست ہے۔ یہ شہباز ہے۔“

”شہباز.....“ اس نے ایسے کہا جیسے میں کوئی عجوبہ ہوں۔ پھر وہ دوڑتا ہوا میرے قریب آیا اور بولا۔

”آپ کو دیکھنے کی بڑی تمنّا تھی جی..... میں صرف آپ کو قریب سے دیکھنے کے لیے عبد اللہ صاحب کی منتیں کر کے یہاں آیا ہوں..... یقین کریں جی میں آپ کا بہت بڑا فین ہوں..... اگر مجھ سے کوئی غلطی ہوگئی ہے تو معاف کر دیں جی۔“

میں نے اسے سینے سے لگالیا اور اس کی پیٹھ تھپکتے ہوئے بولا۔ ”خوش رہو یار..... عبد اللہ کہاں ہے؟“ میں نے آخری جملہ سفیر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”وہ.....؟“ اس نے ہنستے ہوئے کہا۔ ”اس وقت خدمت کے لیے محبوب محبوبہ کے ساتھ دوست بستہ کھڑا ہوگا۔“

”کیا؟ راجا صاحب بھی آئے ہوئے ہیں؟“ میرے لہجے میں حیرت ہی حیرت تھی۔

”جی ہاں اور اس وقت راجا صاحب گانا گارہے ہوں گے، بچپن کی محبت کو دل سے نہ بھلا دینا..... اب یاد میری آئے تو مجھ کو سلا دینا..... سر میرا بادینا..... تھکی دے کے سلا دینا۔“ اس نے واقعی گانے کی تان لگائی تھی۔

اس کے اس انداز پر میں نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔ ”اس کا مطلب ہے، راجا صاحب بھی وادی میں آچکے ہیں۔“

”آچکے ہیں۔ یہ کیا بات ہوئی..... وہ بنفس نفیس موجود ہیں بلکہ عشق کے امتحان کا پرچہ حل کر رہے ہیں۔“

سامیرا کی مہمان نوازی کا مزہ لے رہے ہیں۔“

”لیکن ان کی تو طبیعت خراب تھی۔“ میں نے پوچھا۔

”یہ بات غلط نہیں ہے۔ واقعی ان کو کینسر ہے اور شاید آخری اسٹیج پر ہے۔ گھر والے نکلے نہیں دے رہے تھے لیکن یہ فرار ہو کر پہلے اسلام آباد گئے اور پھر وہاں عبداللہ کو بلا کر سب کو جمع کیا۔ ان کا کہنا ہے کہ بستر پر مرنے سے بہتر ہے کہ میدانِ عمل میں مرا جائے۔“

”یعنی وہ خودکشی کے لیے نکلے ہیں۔ اس حالت میں انہیں باہر نہیں نکلنا چاہیے تھا۔“

”یہ بات سب نے سمجھائی مگر راجا صاحب اڑ گئے کہ شہباز وہاں اکیلا ہے۔ اسے مدد کی ضرورت ہے۔ انہیں یہ حکم ’برف‘ والے نے دیا ہے۔ پتا نہیں یہ برف والا، قلفی والا کہاں سے پیدا ہو گیا۔“ سفیر اپنی رو میں بولتا چلا گیا۔

”برف والا نے اگر انہیں بھیجا ہے تو یقیناً وہ کسی مقصد سے ہی آئے ہیں۔“

”اب ان کی طبیعت کیسی ہے؟“

”جب آئے تھے تو بہت خراب تھی لیکن اب محبوبہ دِلنوازی کی صورت دیکھ کر۔ نظروں سے نظریں ملا کر خاصے بہتر ہو چکے ہیں۔ ایسا لگتا ہے ایک دن میں ہی صحت یاب ہو گئے ہیں..... یقیناً کروات میں ملاقات ہوئی تھی۔ لگ ہی نہیں رہا تھا کہ وہ کینسر جیسے موذی مرض میں مبتلا ہیں۔“

”اب شاید یہاں ڈیوڈ شاہ کا کوئی بندہ رہا نہیں۔ اس کے ساتھ ہی سب سامیرا کی طرف چلے گئے۔ اب ہمیں بھی ادھر جانا ہو گا۔“

”اگر ایسا ضروری ہے تو چلو۔ ویسے بھی یہاں صرف ہم دو ہیں۔ آرگون شہر کی فیصل پر وسیم اور عبداللہ کا ایک بندہ ہے۔ اسے بھی ساتھ لے لیتے ہیں۔“

”عبداللہ کتنے ساتھیوں کے ساتھ آیا ہے؟“

”اس کے ساتھ صرف دو بندے ہیں۔ ایک یہ احمد اور ایک فتح دین باقی ہم سب ہیں۔“

میں نے قلعے کی طرف جانے کا فیصلہ تو کر لیا تھا مگر یہاں آرگون میں جو لوگ میرے ساتھ آئے تھے ان کی خبر گیری بھی ضروری تھی۔ ایرٹ۔ ریک۔ ایزارٹ۔ ایمار۔ مارٹ۔ رائٹون اور روبیر کو بتانا بھی تھا کہ میں قلعے کی طرف جا رہا ہوں۔ پھر یہاں کے انتظامات بھی سنبھالنا تھے۔ مجھے یقین تھا کہ بڑا پجاری تو بھاگ گیا ہے لیکن چھوٹے پجاریوں کی ایک بڑی تعداد ابھی بھی معبد میں ہے۔ ان کے بارے میں بھی فیصلہ کرنا تھا۔

یہ کچھ سوچ کر میں نے سفیر سے کہا۔ ”ایسا کرو تم یہیں ٹھہرو اتنی دیر میں میں ایک دو لوگوں سے ملاقات کر لوں۔ شہر میں ایک بڑی تعداد ایسے لوگوں کی بھی ہے جو یہاں کے بادشاہ ریناٹ اور مہا پجاری سے نفرت کرتے ہیں۔ ان معصوم لوگوں کا بھی کچھ انتظام کرنا ہو گا۔ جہاں اچھے لوگ ہوتے ہیں وہاں بد فطرت بھی ہوتے ہیں۔ کہیں ایسا نہ کہ عام لوگ ریناٹ کی شکست کا سن کر لوٹ مار کرنے لگیں۔“

”جو کچھ کرنا ہے جلدی کرو اس لیے کہ اب وسیم اور دیگر ساتھیوں سے دور رہنا نہیں جا رہا ہے۔“

سفیر کو احمد شاہ کے پاس چھوڑ کر میں اس عمارت سے باہر نکلا اور اس والی عمارت میں داخل ہو گیا جس

میں روبیر کو چھوڑا تھا۔ اندر داخل ہوتے ہی ذہن کو جھٹکا سا لگا۔ روبیر سامنے والے کمرے میں نہیں تھی۔ اس کی تلاش ضروری تھی۔ وہ عجیب فطرت کی تھی۔ کہیں اس نے پھر کوئی فیصلہ نہ کر لیا ہو۔ مجھے تلاش کرنے نہ نکل پڑی ہو۔

یہ سوچتا ہوا میں دوسرے کمرے میں داخل ہوا۔ وہاں بھی وہ نہیں تھی۔ اب مجھے تشویش ہونے لگی تھی۔ اس لیے کہ کہیں وہ کسی مصیبت میں نہ پڑ گئی ہو۔ باہر گولیاں چل رہی تھیں۔ ایسے وقت میں اسے نکلنا نہیں چاہیے تھا مگر جس پاگل پن کا اس نے تھوڑی دیر قبل مظاہرہ کیا تھا اور باسو سے مقابلے کے وقت منظر نامے میں گھس آئی تھی۔ ایسا وہ دوبارہ بھی کر سکتی تھی۔ اسے ڈھونڈنا ضروری تھا اور میں اس کمرے میں بھاگتا رہا مگر وہ کہیں دکھائی نہیں دی۔ وہ کہاں جاسکتی ہے۔ یہی سوچتے ہوئے میں آخری کمرے میں چلا آیا اور وہاں پہنچ کر میرے ہونٹوں پر ہنسی آگئی۔ سامنے کی چیز نظر نہیں آئی تھی۔ عقبی کھڑکی کھلی ہوئی تھی۔ اس کھڑکی سے جھانک کر باہر دیکھا۔ وہ کھڑکی تینوں عمارات کے عقب میں کھل رہی تھی۔ اگر ایک کھڑکی سے باہر نکلا جاتا تو دوسری عمارت تک بہ آسانی پہنچا جاسکتا تھا۔ اور اہم بات یہ تھی کہ درمیانی عمارت کے عقبی طرف اوپر جانے کے لیے سیڑھیاں بھی بنی ہوئی تھیں۔ اس عمارت کی کھڑکی کمرے کے حساب سے زیادہ اوپر نہیں تھی لیکن دوسری طرف کی زمین کافی نیچے تھی کیونکہ عمارت زمین سے کچھ کم بلندی پر تعمیر کی گئی تھی۔ اگر روبیر یہاں سے کسی طرح نیچے اتری ہوگی تو بہ آسانی دوسری عمارت میں داخل ہو گئی ہوگی۔ ایرٹ بھی اس عمارت میں ہے۔ کہیں دونوں مل کر مجھے تلاش کرتے ہوئے باہر نہ آجائیں اور سفیر کو دشمن سمجھ کر لہجہ نہ پڑیں اس خیال کے ساتھ ہی میں نے ادھر سے ہی اترنے کی ٹھان لی مگر کھڑکی کافی بلندی پر تھی۔ کوہر نیچے اتر نہیں جاسکتا تھا۔ کس چیز کا سہارا لینا ضروری تھی۔ ایسی کسی چیز کی تلاش میں ادھر ادھر نظریں دوڑائیں۔ مگر وہاں ایسی کوئی شے نہیں تھی جس کا سہارا لیا جاسکتا تھا۔ تنک آکر میں نے اللہ کا نام لیا اور کھڑکی سے ٹنک گیا پھر ہاتھ چھوڑ دیا۔

چوٹ آئی ضرور لیکن اتنی شدید نہیں کہ میں چل نہ سکوں۔ لنگڑاتے ہوئے میں اس عمارت کی طرف چل پڑا۔ چکرار گول سیڑھیاں طے کر کے میں اوپر پہنچا۔ اوپر جاتے ہی دل خوش ہو گیا۔ وہ دونوں بیٹھے کسی قسم کا مشروب پی رہے تھے۔ مجھے دیکھتے ہی ایرٹ نے کہا۔ ”آپ کو کامیابی مبارک ہو۔“

اس کے مسکراتے چہرے پر نظر دالتے ہوئے میں نے جواب دیا۔ ”تمہیں کیسے اندازہ ہوا؟“

”روبیر نے بتایا کہ آپ کا ایک بڑا دشمن مارا گیا۔ پھر باہر سے دھماکے بھی سنائی نہیں دے رہے ہیں۔ اس کا یہی مطلب ہے کہ آپ نے دوسری عمارت کے لوگوں کو بھی قابو کر لیا ہے۔ آپ جادوگر ہیں جادوگر۔“

اس کی بات سن کر مسکراتے ہوئے میں نے ہنس کر کہا۔ ”تمہارا اندازہ صحیح ہے کہ حالات اب ہمارے قابو میں ہیں۔ دوسری عمارت میں موجود افراد ہمارے اپنے لوگ تھے۔ چلو ہم ان کی طرف چلتے ہیں۔“

”پہلے آپ یہ تو پی لیں۔ یہ نہایت مقوی مشروب ہے اور اسے صرف امیر کیر لوگ ہی پی سکتے ہیں۔ بہت قیمتی ہوتا ہے لیکن یہاں اس کے بے شمار مرتبان رکھے ہیں۔“ کہتے ہوئے روبیر نے پیالہ میری طرف بڑھایا۔

”یہ ہے کیا؟“ میں نے پیالہ لے کر مشروب کو سونگھتے ہوئے پوچھا۔

”یہ ایک خاص پھل کا رس ہوتا ہے جسے دودھ میں ابالا جاتا ہے۔“

میں نے مشروب کا پیالہ منہ سے لگا لیا۔ نہایت ذائقہ دار اور دل خوش کن مشروب تھا۔ دو پیالے پینے کے بعد میں نے کہا۔ ”اب چلو۔“

وہ دونوں میری تقلید میں باہر والے دروازے کی طرف بڑھے۔ مجھے اب ڈر نہیں تھا کہ باہر کوئی خطرہ ہے اس لیے بلا جھجک میں باہر نکل آیا۔ اور پھر دوسری عمارت میں داخل ہوا۔ سفیر اور احمد شاہ میرے انتظار میں بیٹھے تھے۔ مجھے دیکھتے ہی سفیر نے کہا۔ ”بڑی دیر لگا دی۔ اب جلدی کریں۔ وسم کو بھی ساتھ لینا ہے۔“

”یہاں سے ہم وسم کی طرف جائیں گے پھر تم سامیرا کے قلعہ کی طرف چلے جانا۔ مجھے اب ان ساتھیوں کو جمع کرنا ہے جو آرگون میں ادھر ادھر چھپے ہوئے ہیں۔ ان بہادروں نے میرا بھرپور ساتھ دیا ہے پھر ان سے مزید کام بھی لینا ہے اس لیے انہیں جمع کرنا ضروری ہے۔“ میں نے کہتے ہوئے باہر کی سمت قدم بڑھا دیئے۔

آگے آگے میں تھا اور میرے پیچھے سفیر، احمد شاہ، ایرٹ اور روبیر۔ ہم سب اب کارخانے کی طرف بڑھ رہے تھے۔ وہاں جن لوگوں کو چھوڑا تھا انہیں ساتھ لینا ضروری تھا۔ ابھی میں راستے ہی میں تھا کہ کارخانے کی عمارت سے نکل کر کوئی دوڑتا ہوا آتا نظر آیا۔ تھوڑا قریب آیا تو میں نے پہچان لیا کہ وہ مارٹ ہے۔ شاید اس نے مجھے آتے دیکھ لیا تھا اسی لیے تیزی سے دوڑتا ہوا قریب آ رہا تھا۔

”یہ اتنی تیزی سے کیوں دوڑ رہا ہے۔ کہیں کچھ غلط تو نہیں ہو گیا؟“ ایرٹ نے خیال ظاہر کیا۔ اس کی بات غلط بھی نہیں تھی۔ یہاں پل پل حالات بدل رہے تھے۔ ڈیوڈ شا جہاں ہو وہاں ہر پل ایک نئی کہانی ہی جنم لیتی ہے۔ اب میں بھی شکوک میں گھر گیا تھا۔

”ایرٹ کی بات غلط نہیں ہے۔ ابھی بھی شہر میں ریناٹ کے جاں نثار بڑی تعداد میں موجود ہیں۔ وہ بھی میدان میں آسکتے ہیں۔“

روبیر کی بات نے میرے اندر ہيجان سا پیدا کر دیا۔ اگر ایسا ہو جاتا ہے تو ایک نیا مسئلہ کھڑا ہو جائے گا۔ اب میں اپنی جگہ تھم گیا تھا اور اس کے نزدیک آنے کا انتظار کر رہا تھا۔ مارٹ اب میدان کو پار کر رہا تھا۔ کچھ اور قریب آیا تو دل کو تھوڑی سی تقویت ملی کہ اس کے چہرے پر پریشانی نہیں تھی۔ وہ مطمئن دکھائی دے رہا تھا۔ اس نے قریب آتے ہی کہا۔ ”شہباز آپ کہاں تھے۔“

”کیوں..... کوئی خاص بات ہو گئی ہے کیا؟“

”بہت خاص..... ہم نے جن لوگوں کو معصوم سمجھ رکھا تھا وہ سب خطرہ ثابت ہوئے ہیں۔“ مارٹ نے پھولی ہوئی سانسوں کے ساتھ کہا۔

”ہوا کیا جلدی بولو؟“ روبیر نے ٹوکا۔ اس وقت سفیر بالکل خاموش تھا۔ اس لیے کہ اسے مقامی زبان کی سمجھ نہیں تھی۔ یہ تو برف والے کی مہربانی تھی کہ اس نے مجھے کچھ ایسی قوت دے دی تھی کہ میں مقامی زبان کا مفہوم سمجھ لیتا تھا۔ یہ اور بات ہے کہ اپنی بات مقامیوں تک پہنچانے کے لیے مجھے کسی اور کا سہارا لینا پڑتا تھا کیونکہ مقامی زبان بول نہیں پارہا تھا۔

”ہونا کیا ہے..... اندر والے کمرے کے نیچے ایک تہہ خانہ ہے۔ اس میں معبد کے کچھ اہم لوگ چھپے ہوئے تھے۔ ہم سب کو بالکل اندازہ نہیں تھا کہ اس کمرے میں کوئی خفیہ دروازہ بھی ہے اس لیے مطمئن تھے۔“

وہیں ایک کمرے میں ہمیں خوراک کی بڑی مقدار مل گئی تھی۔ ایزارٹ کے کہنے پر ہم سب ایک جگہ جمع ہو کر کھانا کھا رہے تھے کہ اندر والا دروازہ کھلا اور بھرامار کر بہت سارے مسلح بندے باہر نکلے اور انہوں نے ہم پر حملہ کر دیا۔ وہ سب تعداد میں بہت زیادہ تھے۔ موت اور زندگی کا سوال تھا اس لیے ہم سب مقابلہ کرنے لگے۔ کافی دیر تک یہ جنگ چلی اور ہم کامیاب ٹھہرے۔ وہ لوگ شکست کھا کر دوبارہ اسی راستے سے اندر چلے گئے۔ لیکن ہمارا بہت بڑا نقصان کر گئے۔“

”پہیلیاں نہ بھاؤ۔ سیدھے سیدھے بتاؤ نقصان کیا ہوا۔ ہم ایام جنگ میں ہیں۔ نقصان پر حیرت کیسی۔“ روپیر نے کہا۔

”ایمار اور شارٹ اب ہم میں نہیں رہے۔“ اس نے سر جھکا کر جواب دیا۔

یہ ایک بڑا نقصان تھا۔ وہ دونوں بہادری کی مثال تھے۔ اپنے وطن سے محبت کرنے والے۔ اپنی آزادی کی خاطر انہوں نے خود کو قربان کر دیا۔ ان کے پکھڑ جانے کا مجھے افسوس تھا لیکن جنگ میں تو ایسا ہوتا ہی رہتا ہے۔ میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ ”اب وہاں کون کون ہے؟“

”رائٹون اور ربیک نے اس کمرے میں مورچہ بندی کر رکھی ہے۔ ایزارٹ دروازے پر ہے۔ ہم سب آپ کے آنے کی دعا کر رہے تھے۔ آپ ہوتے ہیں تو ہمارے حوصلے سوار ہتے ہیں۔ جلدی سے اندر چل کر ان لوگوں کو تسلی دیں اور تہہ خانے کا دروازہ کھول کر ان غداروں کو باہر نکالیں۔“

”چلو۔“ کہہ کر میں نے قدم بڑھا دیے۔ اب سوال یہ تھا کہ اگر میں انہیں باہر نکالنے میں لگ جاتا ہوں تو ادھر ڈیوڈ شا اور اس کے گرگے جو پتا نہیں کون سا کھیل کھیلنے کے لیے سامیرا کی سرحد پر جمع ہیں۔ کہیں وہ کوئی ایسا تماشہ نہ لگا دیں اور سامیرا کے نہتے لوگ موت کا شکار ہو جائیں۔ گوکہ وہاں عبداللہ بھی ہے اور راجا صاحب بھی لیکن راجا صاحب یقیناً بستر پر ہوں گے۔ عبداللہ سامیرا کے لوگوں کی زبان سمجھ نہیں پائے گا اور نہ انہیں کنٹرول کر سکے گا۔ سامیرا کے فوجی ڈیوڈ شا کے آتشی اسلحوں کا مقابلہ بھی نہیں کر پائیں گے۔ اگر میں تہہ خانے میں چھپے لوگوں کو نظر انداز کر دیتا ہوں تو یہ پیچھے سے حملہ کر کے ڈیوڈ شا کو مضبوط بنا دیں گے۔ یعنی کہ دونوں محاذ میرے لیے اہم تھے۔ ان دونوں میں سے کس پر توجہ پہلے دوں یہ سمجھ نہیں آ رہا تھا۔ یہی کچھ سوچتا ہوا میں اس عمارت کی طرف بڑھتا جا رہا تھا۔ اب کارخانہ بہت نزدیک آچکا تھا۔ اس کے سامنے ہی معبد کا وہ حصہ تھا جہاں میں نے ایک خونی جنگ لڑی تھی۔ کارخانے میں داخل ہوتے ہوئے میرے ذہن میں ایک گونج سی ہوئی اور میں نے پلٹ کر سفیر کو دیکھا۔ وہ چاروں جانب دیکھتا ہوا۔ احتیاط بھری نظروں سے جائزہ لیتا ہوا آگے بڑھتا چلا جا رہا تھا۔ میں نے اسے رکنے کا اشارہ کیا اور پھر بولا۔ ”تم نے یہ عمارت دیکھ لی..... یہ ہمارا ہائیڈ پلئس ہے یا یہ سمجھ لو کہ اس وقت ہیڈ کوارٹر ہے۔ اور وہ والی عمارت بہت اہم ہے۔ اس عمارت کے نیچے جو تہہ خانہ ہے اس میں پتا نہیں کتنے لوگ چھپے ہوئے ہیں۔ ان میں یہاں کے تقریباً تمام اہم شخصیات شامل ہیں۔ ان کو باہر لانا بھی ضروری ہے۔“

”جو لوگ اندر بند ہیں انہیں آپ کیسے باہر لائیں گے۔“

”ابھی سوچا نہیں ہے۔ ایسا کرو کہ تم ویم کے پاس چلے جاؤ۔ اس کو بتا دو کہ میں خیریت سے ہوں اور یہ خبر

سامیرا کے یہاں بھی پہنچا دو۔ ان سے نمٹ کر میں ادھر ہی آؤں گا۔“

سفیر نے مجھے ایسی نظروں سے دیکھا جیسے میرے سر پر سینگ اگ آئے ہوں۔ پھر وہ طنزیہ انداز میں بولا۔ ”آپ کا کیا خیال ہے۔ میں جناب محترم کو یہاں اکیلا چھوڑ کر چلا جاؤں۔ اماں میاں میں تو تمہیں قبر میں بھی اکیلا اترنے نہیں دوں گا۔ گورکن سے ریکوئسٹ کروں گا کہ مجھے بھی پائنتی میں سلا دے۔“

”یار سمجھنے کی کوشش کرو۔ دونوں محاذ اہم ہیں۔ اگر میں ان لوگوں کو چھوڑ دیتا ہوں تو یہ بعد میں کوئی نہ کوئی پھنڈا کھڑا کریں گے۔ کیونکہ ان میں ریناٹ اور اس کی کابینہ کے لوگ بھی ہیں جنہوں نے ڈیوڈ شا کو پناہ دے رکھی ہے۔ اور ادھر خود ڈیوڈ شا ہے۔ خطرہ دونوں جانب یکساں ہے اس لیے عقلمندی کا تقاضہ ہے کہ ہمیں دونوں جانب یکساں توجہ دینا چاہیے۔ بس تم دیگر ساتھیوں کو میرے مل جانے کی خبر کر دو۔ اور ہاں..... وسیم سے کہنا وہ اپنا مورچہ کسی حال میں نہ چھوڑے۔ ڈیوڈ شا کو وہیں الجھائے رکھے۔“

میری بات معقول تھی۔ سفیر کی سمجھ میں آگئی۔ اس نے کہا۔ ”ٹھیک ہے میں ایسا کرتا ہوں کہ ان کو خبر کر کے یہیں لوٹ آؤں گا۔“

”یہ بعد کی بات ہے۔ فی الحال میری جان چھوڑو اور جا کر ان لوگوں کو خبر کرو تا کہ وہ سب مطمئن ہو جائیں۔“ میں نے لہجے کو کرخت بنا کر حکمیہ انداز میں اسے مشورہ دیا۔

”ٹھیک میں جا رہا ہوں مگر یاد رکھنا ابھی تمہارے ساتھ یہ جو محترمہ ہیں ان کی تصویر میں نے اتار لی ہے۔ راجا صاحب کے پاس جوفون ہے وہ سیٹ لائٹ قبیل کا ہے۔ اس کا ایک بوسٹر وہ اوپر لگا کر آئے ہیں اس لیے اس سے باہر کی دنیا سے ہمارا رابطہ قائم ہے۔ اس فون کے ذریعہ یہ تصویر سویرا کو وائس آپ کر دوں گا۔“

”آپ کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ سویرا کے پاس دو ہزار روپے والا فون ہے جس پر وائس آپ تو دور رہا کیرے کی سہولت بھی نہیں ہے۔“

”حضور کے لیے اطلاعاً عرض ہے کہ سویرا کے پاس کوئی اور بھی ہے جس کو ہر روز میں وائس آپ کرتا رہتا ہوں۔“

”سویرا تمہاری باتوں کو تو ہوا میں اڑا دے گی لیکن میں نے صرف زبانی بھی اطلاع دے دی تو کون سا طوفان آئے گا اس کا اندازہ تمہیں بخوبی ہوگا۔“

”ہاں یہ بات تو ہے۔“ اس نے سر ہلا کر معصوم سے انداز میں کہا۔ ”پتا نہیں دوسروں کی بیگمات تمہاری باتوں پر اندھا اعتماد کیوں کر لیتی ہیں۔ واپس جا کر میں اس پر ریسرچ ضرور کروں گا۔ اچھا خدا حافظ میں وسیم کی طرف جا رہا ہوں۔“

”یہاں کے راستے، گلیاں تمہارے علم میں نہیں۔ بھٹک سکتے ہو اور یہاں قدم قدم پر خطرہ ہے۔ کوئی ہمارا حامی بھی زبان کی وجہ سے دشمن سمجھ کر الجھ نہ پڑے اس لیے اپنے ساتھ ایرٹ کو لے جاؤ۔ یہ مترجم کا کام بھی کرے گا۔“ پھر میں نے ایرٹ سے کہا کہ وہ سفیر کے ساتھ چلا جائے۔ اس کا ایک ساتھی کسی جگہ مورچہ بنائے بیٹھا ہے۔ اس کے پاس اسے جانا ہے۔

”چلیں۔“ ایرٹ فوراً راضی ہو گیا۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر سفیر کی گن لینا چاہی تھی کہ سفیر اچھل کر دور ہو گیا۔

اس کی اس حرکت پر میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ ”ارے میاں بھائی یہ تمہارا وزن ڈھونے کی خواہش میں آگے بڑھا ہے۔ اسے یہ ہتھیار بہت پسند آیا ہے۔ یہ اس کے کندھے پر ٹانگ دو۔ اس سے یہ ہوگا کہ اس کا حوصلہ بھی بڑھے گا اور یہ خود کو دوسروں سے برتر بھی سمجھے گا۔ تم اپنی حفاظت کے لیے ریوالور ہاتھ میں پکڑ لو۔“

”اواچھا۔“ کہہ کر سفیر نے اپنی آٹومیک گن ایرٹ کے کندھے پر ٹانگ دی۔ اس کا چہرہ کھل اٹھا۔

اس کی خوشی دیکھ کر میں نے کہا۔ ”ایرٹ یہ ہتھیار اب تمہارا ہوا لیکن اسے ابھی چلانا نہیں۔ میں سکھاؤں گا تب چلانا۔ ابھی اگر ضرورت پڑی تو ان صاحب کو ہی چلانا دینا۔“

”جی اچھا۔“ ایرٹ نے جواب دیا اور وہ دونوں فسیل کی جانب بڑھتے چلے گئے۔

میں نے بلند آواز میں ایرٹ سے کہا کہ وہ شہر سے کچھ لوگوں کو تیار کر کے دسیم کے پاس پہنچا دے تاکہ پہرے داری میں اسے مد ملے۔

”جی بہتر۔“ ایرٹ نے جواب دیا اور اپنی رفتار بڑھا دی۔

میں نے رویہ اور مارٹ کی طرف دیکھا اور دوبارہ سے کارخانے کی جانب قدم بڑھا دئے۔ میں وہاں موجود لوگوں سے ایک بار اور مشورہ کرنا چاہتا تھا تاکہ معبد کے تہہ خانے میں چھپے ہوئے لوگوں کو باہر نکالا جائے ورنہ یہ لوگ بڑی مصیبت کھڑی کر سکتے تھے۔ کارخانے میں موجود باغی اور ہمارے ساتھی میری رائے کے خلاف نہیں جاتے پھر بھی میں اپنے طور پر کوئی قدم اٹھانا نہیں چاہتا تھا۔ ان کے مشورے پر ہی ان غداروں کو سزا دینا بہتر تھا تاکہ کوئی الزام مجھ پر نہ آئے۔ راجا صاحب کے آجانے کی وجہ سے مجھے تقویت ملی تھی۔ مجھے یقین سا آ گیا تھا کہ میں اس دنیا سے بہ آسانی نکل جاؤں گا اور اپنی دنیا میں پہنچ کر مرشد سے نمٹوں گا اور پھر سے نارمل زندگی گزاروں گا۔ اس لیے بھی میں جلد سے جلد اس قضیے کا اختتام کر دینا چاہتا تھا۔ انہی سوچوں میں گم میں کارخانے تک آ گیا۔

اندر پہنچا تو وہ لوگ جو ابھی تک یہیں تھے اور شہر نہیں گئے تھے انہوں نے مجھے گھیر لیا۔ یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے سوچ لیا تھا کہ آنے والی نسلوں کے لیے ریٹا جیسے ظالم شخص سے نجات حاصل کرنا ہے۔ یہاں وہ لوگ بھی تھے جو حریت پسند تھے اور آزادی حاصل کرنے کی خاطر جان بھی دینے پر تیار تھے۔ ان سب سے مل کر اپنے خاص دوستوں کی طرف بڑھا۔ رائٹون نے مجھے دیکھتے ہی کہا۔ ”شہباز باہر کے حالات کیا ہیں؟ سامیرا کی فوج کب تک آجائے گی؟“

”بہت جلد میرے دوست بہت جلد۔ ظلم کا سورج غروب ہونے کو ہے۔ ریٹا اپنے خاص لوگوں کے ساتھ محل کے تہہ خانے میں چھپ گیا ہے۔ اب ہمیں ان سب کو نکالنا ہے۔ عوام کی عدالت میں انہیں پیش کرنا ہے۔“

”تو پھر دیر کس بات کی۔ چلو ہم سب اسے باہر نکالیں۔ انہوں نے بڑا نقصان پہنچایا ہے ہمارے دو اہم ساتھیوں کو موت کی نیند سلا دیا ہے۔ اب اور زیادہ صبر نہیں ہوتا ہے۔ سامیرا کو ہم تخت پر بیٹھا دیکھنا چاہتے ہیں تاکہ غریبوں کو ان کا حق مل جائے۔“

اس وقت کمرے میں بہت سے افراد تھے۔ یہ سب کے سب ریٹا سے نجات چاہنے والے تھے۔ ان

سب کی خواہش تھی کہ سامیرا کو اس کا حق مل جائے۔ ریناٹ جیسا حکمران تخت و تاج چھوڑ کر جان بچانے کے لیے تہہ خانے میں جا چھپا تھا۔ ان لوگوں کے خیال میں اب کوئی رکاوٹ نہیں تھی مگر میں سمجھ رہا تھا کہ اصل خطرہ تو باقی ہے۔ ایسا خطرہ جو ریناٹ سے کئی سو گنا بڑا ہے۔ بلکہ ریناٹ اس کے سامنے کچھ بھی نہیں ہے۔ وہ خطرہ ڈیوڈشا کی صورت میں وادی میں اتر چکا ہے۔ ابھی اس سے نمٹنا باقی ہے۔ وہ کوئی بکری کا بچہ بھی نہیں ہے کہ دوڑے اور اسے پکڑ لیا۔ ڈیوڈشا سے نمٹنے میں دانتوں پسینا آنے والی بات تھی۔ اس سے کیسے نمٹا جائے میں اسی پر غور کر رہا تھا کہ رائنوں نے ٹوکا۔ ”کس خیال میں ڈوب گئے۔ بولوا ب کیا کرنا ہے۔ ریناٹ کو تہہ خانے سے کیسے باہر لایا جائے؟“

”یہ بتاؤ آگ لگانے والے روغن کے کتنے پیسے موجود ہیں؟“ میں نے پوچھا۔

”تقریباً دس تو ہوں گے ہی۔“

”بس کافی ہے۔ کچھ لوگوں کو ساتھ لے کر محل میں چلو۔ ریناٹ کو اس کے بل سے نکالنا ہی ہوگا۔“

”تو کیا آپ محل میں آگ لگائیں گے؟“

”بس دیکھتے جاؤ میں کیا کرتا ہوں۔“

میں نے اپنے خیال کو عملی جامہ پہنانے کے لیے ایک نیا طریقہ سوچا تھا۔ گو کہ یہ مشکل تھا لیکن کامیابی کے چانس زیادہ تھے۔ کیونکہ چوہے کو اس کے بل سے نکالے بغیر مارا نہیں جاسکتا۔ ریناٹ کو بھی اس تہہ خانے سے نکالنا ضروری تھا اس لیے کہ وہ یہاں کا راجا تھا۔ اب بھی اس کے حکم پر بہت سے لوگ سرکٹانے پر تیار ہو سکتے تھے۔ وہ کوئی بڑی مصیبت بھی کھڑی کر سکتا تھا پھر وہ ڈیوڈشا کا ساتھ دے رہا تھا اور ڈیوڈشا مجسم مصیبت تھا۔ اس کی جب تک گوشمالی نہ ہوتی کچھ بھی بہتر نہیں ہو سکتا تھا۔ اس لیے میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ محل کی طرف بڑھنے لگا۔

میرے ساتھ رویر اور مارٹ تھے۔ ان کے پیچھے تقریباً دس افراد روغن کا پیپا پکڑے چل رہے تھے۔ میں نے سوچ لیا تھا کہ آج ہر حال میں محل کے تہہ خانے سے ریناٹ اور اس کے لوگوں کو باہر نکالنا ہے۔ انہیں پابند سلاسل کرنا ہے، اسے کھینچتے ہوئے سامیرا کے پاس لے جانا ہے تاکہ وہ اسے عوام کے سامنے پیش کرے۔ دبے کچلے لوگ پہلے ہی سامیرا کے ساتھ تھے۔ مراعات یافتہ طبقہ جو اپنے مفاد کی خاطر ریناٹ کا ساتھ دے رہے ہیں وہ بھی اس کا انجام دیکھ کر دم سادھ لیں لیکن سوال یہی تھا کہ اسے باہر کیسے لایا جائے؟

محل پر قبضہ کے بعد میں نے ایک ایک کمرے کی تلاشی لی تھی۔ اس جگہ کو بھی دیکھا تھا جس کے بارے میں بتایا گیا تھا کہ وہیں تہہ خانہ ہے۔ اس کمرے کا بڑی باریک بینی سے معائنہ کیا تھا لیکن اس کا فرش اس قسم کا تھا کہ اس پر گمان ہی نہیں ہو رہا تھا کہ اس کمرے میں کوئی چور دروازہ بھی ہے۔ روغن اسی لیے لایا تھا کہ اس کے ذریعہ اگر فرش میں کہیں رخنا ہوگا تو پتا چل جائے گا۔ رخنا ہونے کا مطلب ہی یہی ہے کہ وہاں دروازہ ہے۔ دروازے کے مقام کا تعین ہو جانے پر اسے کھولنے کا طریقہ کار ڈھونڈا جاسکتا تھا۔ پھر روغن کی مدد سے انہیں ڈرا دوں گا کہ تہہ خانے میں آگ لگا رہا ہوں۔ وہ اس دھمکی پر خوفزدہ ہو کر باہر آجائیں گے۔

جس وقت ہم محل میں داخل ہوئے وہاں موجود باغی سپاہی مستعد کھڑے تھے۔ جہاں میں نے ان کی

ڈیوٹی لگائی تھی وہ وہاں موجود تھے۔ ان میں وہ شخص جس کو میں نے وہاں کا سربراہ مقرر کیا تھا وہ ہمیں دیکھتے ہی نزدیک آگیا۔ میں نے اس سے کہا۔ ”یہ روغن کے پیپے باہر ہی رکھو۔“ پھر میں اندر داخل ہو گیا۔

اندر بھی جس کی ڈیوٹی جہاں لگائی تھی وہ وہیں کھڑا تھا۔ سربراہ نے پیپے باہر رکھوا دیئے تھے اور اب دروازے سے داخل ہو رہا تھا۔ نزدیک پہنچ کر اس نے مارٹ سے پوچھا۔ ”اب تک نہ تو تہہ خانے کا دروازہ کھلا ہے اور نہ ہی کسی اور طرف سے مزاحمت ہوئی ہے۔ قیدی سپاہی تعاون کی بار بار پیشکش کر رہے ہیں۔ ان کے بارے میں کچھ سوچا ہے۔“

”ان کے بارے میں بھی فیصلہ جلد ہو جائے گا۔ سامیر اپنے عظیم لشکر کے ساتھ آگے آرہی ہیں۔ وہی ان کا فیصلہ کرے گی۔“

اس شخص نے سرتائید میں جھکایا اور دو قدم پیچھے ہٹ گیا۔ یہ یہاں کا فوجی آداب تھا۔ اپنی جگہ کھڑے ہو کر بولا۔ ”ایک بات پوچھنی تھی۔“

”بولو۔“ مارٹ نے رعب دار آواز میں کہا۔

”ابھی کچھ دیر پہلے باہر سے عجیب قسم کی آوازیں آرہی تھیں۔ کیسی آوازیں تھیں؟“

”ہماری آزادی کے دشمن۔ ظالم و جابر ریناٹ کے ایسے ساتھی جو باہر سے آئے ہیں۔ ان کے پاس آگ اگلنے والے ہتھیار ہیں۔ وہ اس سے ہمارے مظلوم عوام کو قتل کر رہے تھے کہ برف والے کے بھیجے ہوئے اس شریف انسان نے ان کا ہتھیار چھین کر ان پر حملہ کر دیا۔ یہ آواز اسی لڑائی کی تھی۔ دونوں اسی چنگھاڑنے والے ہتھیار سے ایک دوسرے کا مقابلہ کر رہے تھے۔“

”اچھا اسے برف والے نے بھیجا ہے۔ یہ تو ہمارے لیے مقدس ہوا۔ اب سمجھا، اسی لیے اس نے اکیلے ہی ریناٹ کو اتنی آسانی سے اس کی اوقات بتا دی۔“ اس شخص کے چہرے پر خوشی چھا گئی تھی۔ یہاں والوں کے لیے برف والے کا نام ہی کافی تھا جسے سن کر ان کے سر جھک جاتے تھے۔

”ہمیں تہہ خانے کا دروازہ ہر حال میں کھلوانا ہے۔ آپ میں سے جس نے بھی اس دروازے کو دیکھا ہے وہ نشاندہی کر دے۔“ میں نے آگے بڑھ کر کہا۔

میری بات سنتے ہی دو بندے بھیڑ سے نکل کر سامنے آگئے۔ ان میں ایک تو وہ سپاہی تھا جس نے ریناٹ کے فوجیوں کو سب سے زیادہ پریشان کیا تھا۔ وہ پتھر کورتی میں باندھ کر لڑنے کا ماہر تھا۔ اس کا یہ فن میں نے جنگ کے وقت دیکھا تھا۔ جس پر حملہ کرتا تھا وہ اپنا دفاع کرنا بھول جاتا تھا۔ بڑی بے جگری سے لڑنے والا تھا اور دوسرا اس مقام کا محافظ تھا۔ پہلے وہ ریناٹ کی فوج کا سپاہی تھا پھر ہمارے ساتھ آ ملا۔ ایٹ نے اس کی سفارش کی تھی۔ اس لیے اس پر سب نے اعتماد کر لیا تھا۔ اب تک اس کی کارگزاری بہتر تھی۔ میں نے اس سے کہا۔ ”بتاؤ کس جگہ وہ دروازہ کھلا تھا۔“

”اس جگہ۔“ اس نے کمرے کے درمیان ایک جگہ کی نشاندہی کی۔ میں نے اس جگہ کا معائنہ کیا۔ فرش پر کہیں کوئی نشان نہیں تھا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے ایک بڑے سے پتھر کو کمرے کے فرش کے سائز پر کاٹ کر فٹ کیا گیا ہے۔ کہیں کوئی جوڑ یا رخنے کا نشان نہیں تھا۔ میں نے اس بندے کو قریب آنے کا اشارہ کیا۔ پھر اس سے

کہا۔ ”ایک پیپا اٹھالو۔“

دوڑتا ہوا گیا اور اسی تیزی سے پیپا اٹھالایا۔ پھر میرے اشارے پر اس نے پیپا اتار کر وہاں رکھا۔ میں نے پیپے کا ڈھکن کھول کر ایک چلو روغن نکالا۔ اسے زمین پر پھینک کر بغور فرش کو دیکھا۔ سفید فرش پر سیاہ روغن پھیلتا جا رہا تھا۔ میری طرح دوسرے بھی اس روغن پر نظریں جمائے کھڑے تھے۔ تبھی میں نے وہ دیکھ لیا جو دیکھنا چاہتا تھا۔ روغن فرش پر بہتے ہوئے دور تک جا رہا تھا مگر ایک جگہ لکیر کی صورت میں جمع ہو گیا تھا۔ یعنی وہاں رخنہ تھا۔ فرش کو اس صفائی سے گھسا گیا تھا کہ وہ جوڑ کھلی آنکھوں سے نظر نہیں آ رہا تھا مگر جب سیاہ تیل فرش پر گرا تو اس جوڑ پر جمع ہو گیا۔ اس نشان کو باری باری سے سب دیکھ رہے تھے اور میری عقلمندی کی تعریف کر رہے تھے۔

اب سوال یہ تھا کہ تہہ خانے کے خفیہ دروازے کو کھولا کیسے جائے۔ مجھے سوچ میں ڈوبادیکھ مارٹ نے مجھے مخاطب کیا۔ ”کیا سوچ رہے ہیں؟“

”اے کھولا کیسے جائے؟“ میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”یہ اتنے سارے روغن کے پیپے کس دن کام آئیں گے؟ آپ انہیں فرش پر گرا دیں۔ رخنے سے یہ اندر بھی گرے گا۔“

”اس کمرے کے فرش کو ڈوبنے کے لیے کم سے کم دس پیپے کا روغن گرانا پڑے گا۔“

”جی ہاں..... اتنا تو گرانا ہی پڑے گا پھر اس میں آگ لگا دیں۔“

”اور یہ سوچا ہے کہ اس روغن میں جب آگ بھڑکے گی تو کیا ہوگا؟ پوری عمارت جل اٹھے گی۔ کوئی بھی زندہ نہیں بچے گا۔“

”اس کے علاوہ اور کوئی راستہ بھی نہیں ہے۔ پھر وہ ہمارے دوست تو ہیں نہیں کہ ہمیں ان کی فکر ہو۔“

ہم ابھی بحث کر ہی رہے تھے کہ اوپر چو بارے سے آواز آئی۔ انہیں شہباز ہم یہی چاہتے تھے۔ اسی لیے یہاں سے باہر نکل کر دور چلے گئے تھے کہ تم مطمئن ہو کر اپنے تمام آٹھوں کو ایک جگہ جمع کر لو۔“

میں نے آواز کی سمت دیکھا۔ اوپر چو بارے میں آڑے کوزنی کھڑی تھی۔

”ڈیڈ کا حکم ہے کہ تمہیں فوراً ختم کر دیا جائے۔“ زینی نے ہنستے ہوئے ایسے کہا جیسے میرے مرنے کا مژدہ

نہیں خوش خبری سنا رہی ہے۔

”مجھے مار دو گی، تم مار دو گی، مگر کیسے؟“ میں نے بھی اس کر جواب دیا۔

”میں اور میرے آدمی تمہیں ختم کریں گے بلکہ کہانی ختم ہونے ہی والی ہے۔ ادھر دیکھو..... دروازے

سے روغن اندر بہتا ہوا آ رہا ہے۔ بس اس میں جلتی ہوئی مشعل پھینکوں گی اور کہانی ختم۔ اس لیے کے چاروں

دروازوں پر میرے آدمی مشین گن لے کر کھڑے ہیں۔ جو جلنے سے بچ کر باہر نکلے گا اسے تحفے میں گولیاں ملیں

گی۔“

میں نے مڑ کر دیکھا۔ باہر کے دروازے سے روغن بہتا ہوا اندر آ رہا تھا۔



باہر سے بہہ کر آتے روغن کو دیکھ کر میرے ہوش اڑ گئے۔ میں نے روغن کے پیسے کس کام کے لیے منگوائے تھے اور یہ کس کام میں آنے والا ہے۔ بہتے ہوئے روغن کی مقدار بتا رہی تھی کہ کئی ایک ڈرم الٹائے گئے ہیں۔ ہر ڈرم میں تقریباً پچاس کلو روغن ہوگا جب کہ بہتے ہوئے روغن کی مقدار دو ڈھائی سو کلو ہوگی جو میں نے شاہی ارکان کو دھمکانے، موت کا خوف دلانے کے لیے منگوایا تھا۔ گویا دوسروں کو موت دینے کا جو سامان اکٹھا کیا تھا وہ ہماری موت کا سبب بننے والا تھا۔ اب مجھے ہی کچھ کرنا تھا لیکن میں مجبور ہو گیا تھا۔ اگر ذرا سی بھی حرکت کرتا تو میرے ساتھ دوسرے بھی لپیٹ میں آ جاتے۔ مجھے اپنی موت کا خوف کبھی نہیں رہا ہے۔ موت تو ایک دن آنی ہی ہے لیکن دوسروں کو، خاص کر اپنے ساتھیوں کو میں مرتا ہوا کبھی نہیں دیکھ سکتا۔ اس لیے میں مسلسل غور کر رہا تھا کہ کس طرح اور کون سی چال چلوں کہ اس پر قابو پاسکوں۔ اس لیے کہ زینی کے بارے میں علم تھا، وہ اذیت کوش بندی ہے۔ اذیت دے کر لطف اٹھاتی ہے۔ ایسے ذہنی بیماروں کی دنیا میں کمی نہیں۔ ان لوگوں کو یہ بیماری کچھ زیادہ ہی لگتی ہے جو دبے کچلے ذہن کے ہوتے ہیں۔ زینی زندگی بھر ٹھوکروں میں رہی۔ ڈیوڈ شاکی نا جائز اولاد ہونے کی سزا پاتی رہی، یہی وجہ تھی کہ وہ اذیت پسند بن گئی۔

میں نے اسے کئی بار ٹھکرایا تھا اس کی پیش رفت کو تحقیر کے ساتھ رد کیا تھا۔ اس کا بھی غبار اس کے دل میں ہوگا اسی لیے مجھے بھی زندہ جلانے پر تلی ہوئی تھی۔

اس کے ہاتھ میں جلتی ہوئی مشعل تھی۔ باہر سے بہہ کر آنے والا روغن آہستہ آہستہ کمرے میں پھیل رہا تھا۔ جیسے ہی وہ مشعل گراتی پورا کرا جہنم بن جاتا۔ آتش فشاں کا دہانہ بن جاتا، بس کچھ ہی دیر کی بات تھی۔ میری طرح دوسرے لوگ بھی دم بخود تھے۔ کسی کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اسے کیسے روکا جائے۔ نیچے سے دوڑ کر اوپر چو بارے میں جانا ممکن نہیں تھا۔ مجھ سے ایک بڑی غلطی یہ ہوئی تھی کہ اندر آنے کے بعد میں نے پستول جو باسو سے چھینا تھا وہ ہولسٹر نہ ہونے کی وجہ سے پہلے کمر میں ٹھونسا تھا پھر روغن کا چوبی ڈرم اٹھانے کے لیے اسے کمر سے نکال کر ایک طرف رکھ دیا تھا۔ وہ جگہ زیادہ دور نہیں تھی لیکن مجبوری یہ تھی کہ اگر میں اس کی طرف بڑھتا تو اسے اٹھا بھی نہ پاتا کہ زینی اوپر سے مشعل روغن پر پھینک دیتی۔ اسے کیسے روکوں میں ابھی سوچ ہی رہا تھا کہ زینی کی آواز گونجی.....

”شہباز، اپنے ہاتھ اٹھا کر باہر کی طرف بڑھو..... میں نہیں چاہتی کہ اس عمارت میں تمہارا تکہ بنے۔ اتنے بہادر آدمی کے جلتے ہوئے جسم کو میں دیکھ نہیں سکتی۔“ ابھی اس نے اتنا ہی کہا تھا کہ ایک معجزہ سا ہوا۔

اس چو بارے کے بالکل سامنے دوسری طرف کی دیوار میں بھی ایک چو بارا بنا ہوا تھا۔ عام طور پر مغل طرز تعمیر میں ابھی ایسا ہی دیکھا ہے کہ آٹھ سائے کی دیواروں میں ایک جیسی نقاشی ہوتی ہے جسے ”جواب“ کہا جاتا ہے۔ جیسا میں نے لکھنؤ کی عمارتوں میں دیکھا تھا۔ لکھنؤ کا رومی دروازہ اور اس کے سامنے بالکل ویسا ہی ایک نمائش دروازہ بنا ہوا تھا۔ لاہور و ملتان کے کئی نمائش دروازے یہاں، اس وادی میں بھی ویسا ہی تعمیراتی انداز تھا کہ چو بارے کے سامنے چو بارہ اور مصر کے پیرامڈ جیسا معبد۔ پتا نہیں یہ مماثلت کیسے بنی یا اتفاق ہے کہ اس چو بارے کے سامنے چو بارہ تھا۔ اس چو بارے کا دروازہ کھلا اور کوئی چو بارے میں آیا۔ ابھی ادھر کسی کی نظر نہیں گئی تھی۔ خود میری نظر بھی نہیں پڑی تھی۔ میری نظر تب ادھر گئی جب اس چو بارے سے ایک تیر سنسناتا ہوا چلا اور

زینی کے گلے میں ترازو ہو گیا۔ اس کی کربناک چیخ پوری عمارت میں گونج کر رہ گئی تھی۔ اس کا جسم لہراتا ہوا اونچائی سے فرش پر گرا تھا۔ مشعل اس کے ہاتھوں میں تھی جو اس کے جسم تلے آکر بجھ گئی تھی ورنہ آگ کا پھیلنا ضروری تھا۔

زینی کو تیر لگتے ہی باہر سے کسی نے فائر کیا مگر گولی اندر نہیں آئی تھی۔ شاید باہر کسی اور طرف چلائی گئی تھی پھر برسٹ چلا تھا۔ ایسا لگا تھا جیسے دو قسم کے ہتھیار چنگھاڑے تھے۔ برسٹ کی بھیانک آواز کے ساتھ ہال میں جمع افراد بھی چیخے تھے، کئی ایک کی چیخ گونجی تھی، یہ خوف کی چیخ تھی۔ شاید اندر جمع افراد ڈر گئے تھے۔ میں نے بلند آواز میں کہا۔ ”سب فرش پر لیٹ جائیں۔ فوراً۔“

میری آواز کی گونج ختم بھی نہیں ہوئی تھی کہ سب کے سب زمین پر اوندھے لیٹ گئے۔ باہر سے گولیاں برسنے کی آواز آرہی تھی، پھر کسی سب مشین گن کی آواز گونجی۔ گونج ختم بھی نہ ہوئی تھی کہ کسی کی چیخ ابھری اور پھر خاموشی چھا گئی۔

جب کافی دیر تک فائرنگ بند رہی تو میں اپنی جگہ سے اٹھا۔ باہر کا جائزہ لینے پر غور ہی کر رہا تھا کہ سب مشین گن کے ساتھ سفیر داخل ہوا۔ اس نے دروازے پر کھڑے ہو کر پوچھا۔ ”شہباز صاحب! سب خیریت ہے نا؟“

”ہاں سب خیریت ہے۔ باہر کتنے آدمی ہیں۔ ان کا کیا بنا؟“

”باہر ایک ہی آدمی تھا جو دروازے سے لگا کھڑا تھا۔“

”لیکن زینی نے تو کہا تھا کہ اس کے آدمیوں نے عمارت کو گھیر رکھا ہے۔“

”ہا ہا ہا۔“ سفیر نے تہقہہ لگایا۔ ”اس کے اندر خون کس کا ہے۔ تم نے ہی بتایا نا کہ وہ ڈیوڈ شا کی بیٹی ہے تو اس میں اس کی خصلت ہونا ضروری ہے۔ جھوٹ مکر فریب اس کی سرشت میں شامل ہے۔ اس کے ساتھ صرف ایک آدمی تھا۔ اسے اس نے باہر کھڑا کر دیا تھا۔ ویسے بات غلط بھی نہیں تھی۔ اس کے پاس آٹو میٹک گن تھی۔ وہ اکیلے ہی پورے مجمع کو روک سکتا تھا۔ میں اسے نشانے پر لے ہی رہا تھا کہ یہ تمہارا عاشق۔“ اس نے چو بارے پر کھڑے ایرٹ کی طرف اشارہ کیا۔ ”یہ کسی چھپکلی کی طرح بغیر ایک لمحہ ضائع کیے دیوار پر چڑھتا چلا گیا۔“ اس نے زینی پر تیر چلایا اور میں نے باہر کھڑے شخص کو نشانہ بنایا۔

میں نے ہاتھ ہلا کر ایرٹ کو شاباشی دی۔ پھر سفیر سے پوچھا۔ ”تم تو قلعہ کی طرف جا رہے تھے لوٹ کیوں آئے؟“

”ابھی میں آدھے ہی راستے میں تھا کہ ایک واقعہ ہو گیا۔“

”کون سا؟“

”ہم شہر سے باہر آچکے تھے۔ باغوں کے اس سلسلہ میں داخل ہو چکے تھے جو دور تک پھیلا ہوا ہے۔ ابھی پہلا باغ ہی پار کیا تھا کہ ایک سیٹی سی بجی۔ میں رک گیا۔ ایسی تیز سیٹی تھی کہ کافی دور تک سنائی دی ہوگی۔“

”یہاں میں نے دیکھا ہے کہ ڈاکیہ یا ہرکارے جب پیغام لے کر جاتے ہیں تو دوڑتے ہوئے تیز سیٹی بجاتے ہیں تاکہ جنگلی جانور دور بھاگ جائیں۔ یہ ان کی پہچان ہوتی ہے۔“

”یہی بات ایرٹ نے بھی کہی تھی۔ اس نے حیرت کا اظہار کیا تھا کہ اس وقت جنگ کا ماحول ہے اور باغوں کی دوسری طرف سامیرا کی فوج ہے۔ ادھر سے کوئی خبر رساں ادھر آنے سے رہا۔ ضرور یہ شہنشاہ معظم کا پیامبر ہے۔“

یہ سن کر میں ایک درخت کی آڑ میں کھڑا ہو گیا۔ ہر کارا سیٹی بجاتا ہوا نزدیک آ گیا۔ جیسے ہی وہ ہمارے قریب سے گزرا میں نے اچھل کر اس کی گردن پکڑ لی اور اسے زمین پر پٹک دیا۔ اس نے گرتے ہی آواز لگائی کہ میں آپ ہی کے پاس جا رہا تھا۔ آپ نے مجھے پہچانا نہیں لیکن میں آپ کو پہچانتا ہوں۔“ سفیر بولتے بولتے رکا پھر سانس لے کر بولا۔ ”اس نے کیا کہا تھا میری سمجھ میں نہیں آیا تھا اس لیے میں نے ایرٹ سے ترجمہ کے لیے کہا تو اس نے جملہ بتایا۔ میں نے کہا، تم نے مجھے کیسے پہچانا تو وہ بولا کہ آپ جب فوج کا معائنہ کرنے آئے تھے تو میں پہلی قطار میں تھا۔ اسی لیے مجھے راجا صاحب نے آپ کے پاس بھیجا ہے۔“

”بات کو مختصر کرو۔“ میں نے سفیر سے کہا۔

”وہی تو بتا رہا ہوں۔ تم ہی بار بار ٹوک دیتے ہو۔“

”تو پھر جلدی بولونا۔“

”اس نے مجھے ایک خط دیا کہ یہ آپ کے لیے ہے۔ کئی دوسروں کے بھی خطوط ہیں، میں اپنی جان ہتھیلی پر لے کر انہیں دینے جا رہا ہوں کیونکہ میرا اصل کام ہی یہی ہے۔ لیکن کچھ عرصہ سے قلعہ اور آرگان کے درمیان قاصد کو بھی آنے جانے سے منع کر دیا گیا تھا۔ اگر میں پکڑا گیا تو گلا کاٹ دیا جائے گا۔“

میں نے خط کھول کر پڑھا۔ اس میں لکھا تھا کہ بہت جلد سامیرا اپنے لشکر کے ساتھ روانہ ہوگی۔ ریٹائٹ کے پاس بہت تھوڑے سے فوجی ہیں، وہ انہیں روندتی ہوئی شہر میں داخل ہو جائے گی۔ تمہیں ریٹائٹ کی فوج پر عقب سے حملہ کرنا ہے لیکن ہوشیاری سے اس لیے کہ ڈیوڈ شاہ بھی ہے جو وہیں کہیں چھپا ہوا ہے۔“

”تو پھر اب کیا ارادہ ہے؟“ میں نے سفیر سے پوچھا۔

”میں یہی خبر تمہیں دینے آیا تھا کہ یہاں یہ نئی کہانی دیکھی اور میدان میں کود پڑا۔“

”چلو یہ بھی بہتر ہوا۔ اگر تم نہ آتے تو شاید میں اتنی جلدی زینی سے نمٹ نہ پاتا۔“

”اب تم ان لوگوں کو سنبھالو میں اپنے کام کو نمٹانے چلا۔“ کہہ کر وہ مڑ گیا۔

سفیر نے جو اطلاع دی تھی وہ بہت اہم تھی۔ یعنی کہ اصل کھیل شروع ہوا چاہتا ہے۔ ریٹائٹ کو اس تہہ خانے سے نکالنا اب ضروری ہو گیا ہے۔ اسے نکالے بغیر کوئی چارہ نہیں، اس لیے کہ سامیرا آگے بڑھ رہی ہے تو ریٹائٹ کی فوج اسے روکے گی اور خون خرابہ ہوگا۔ اس خون خرابے سے لوگوں کو بچانا ضروری ہے۔ اور اس کے لیے ریٹائٹ کو سامنے لانا ہی ہوگا۔ پھر سب سے بڑا خطرہ ڈیوڈ شاہ تھا، اسے بھی قابو کرنا ہے۔ اتنے سارے کام کیسے نمٹاؤں میں یہی کچھ سوچتا ہوا اس محافظ کی طرف بڑھا جس نے تہہ خانے کا مقام بتایا تھا۔

”رونا نام ادھر آؤ۔“ میں نے رونا ناما کو اشارہ کیا۔ وہ آگے بڑھ آیا تب میں نے اس سے کہا۔ ”تم اسی جگہ

کھڑے رہنا میں دروازہ کھولنے کی ترکیب ڈھونڈتا ہوں۔“

”میرا خیال ہے کہ اس دروازے کو کھولنے کا کوئی نہ کوئی کل یا آلہ باہر بھی ہوگا۔“ رونا ناما بولا۔

”تو ڈھونڈ دنا۔“

”میری ڈیوٹی دروازے تک محدود تھی۔ اندر آنے کا حکم نہ تھا ورنہ میں ضرور ڈھونڈ لیتا۔“

”کوئی بات نہیں۔ اب میں تلاش کرتا ہوں۔ شاید کوئی ایسا بٹن یا زنجیر یا دستہ مل جائے جس کے ذریعہ دروازہ کھولا جاسکتا ہو۔“ کہہ کر میں دیوار کی طرف بڑھ گیا۔ عام طور پر خفیہ راستے کی زنجیر یا بٹن دیوار میں ہی لگایا جاتا ہے۔ یہ سوچ کر میں نے دیوار پر ہاتھ پھیرنا شروع کر دیا۔ میری تقلید میں کئی اور لوگ بھی دیوار پر ہاتھ پھیر کر ایسا کچھ تلاش کرنے لگے جسے دبا کر یا کھینچ کر دروازہ کھولا جاسکتا تھا۔ تقریباً دو گھنٹے گزر گئے مگر ایسا کچھ نہیں ملا۔ میں ناامید ہو گیا تھا کہ ایک جگہ دیوار کچھ ابھری ہوئی محسوس ہوئی۔ اس پر رنگ دروغن اس طرح کیا گیا تھا کہ وہ ایک نظر میں دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ میں نے اس ابھرے ہوئے حصے کو دبایا تو یکایک ایک سرسراہٹ سی ہوئی۔ ساتھ ہی ساتھ بہت ساری آوازیں ایک ساتھ ابھریں۔ ”کھل گیا۔“

میں نے چونک کر ادھر دیکھا۔ فرش میں چار بائی چار فٹ کا ایک دروازہ سا کھل گیا تھا اور سب اس میں جھانک رہے تھے۔ میں تیزی سے ادھر بڑھا اور اونچی آواز میں تاکید کی، ”سامنے سے ہٹ جاؤ..... اندر سے کوئی بھی تیر اندازی کر سکتا ہے۔“

تمام لوگ دور ہٹ گئے۔ وہاں موجود ایسے لوگ جن کے پاس اسلحہ تھا وہ سب اسلحہ سونت کر مستعد ہو گئے۔ میں نے نہایت احتیاط سے اندر جھانکا۔ اندر بالکل سناٹا تھا ایسا لگ رہا تھا جیسے نیچے کوئی ہے ہی نہیں۔ میں نے زینبی والی گن کو اٹھالیا اور روناٹا سے کہا۔ ”میں نیچے اتر رہا ہوں، تم گنتی گنتے رہو۔ جب پانچ سو تک گن لو تو احتیاط سے نیچے اتر جانا۔ تمہارے بعد کوئی دوسرا پانچ سو تک گنے اور پھر وہ اترے اسی طرح وقفہ دے دے کر نیچے اترتا جائے۔“

”اس کا فائدہ، ایک ساتھ اترتے تو دشمن کو قابو کرنے میں آسانی ہوتی۔“ رو بیر بولی۔

”میں اکیلا سو پر بھاری ہوں، پیچھے آنے والا مجھے مدد دے گا اگر ضرورت پڑی تو.....“ اتنا کہہ کر میں نے اللہ کا نام لیا اور نیچے اتر گیا۔

میں نے روناٹا کو تو منع کر دیا تھا مگر اس کو منع نہیں کر سکا تھا جو میرے لیے پیر تمہ پا سے کم نہیں۔ چند میٹرھیاں ہی اتر تھا کہ عقب میں آہٹ محسوس ہوئی، میں نے مڑ کر دیکھا۔ وہ رو بیر تھی جو چلی آ رہی تھی۔

اس کی اس حرکت نے مجھے غصہ دلایا تھا لیکن یہ وقت چیخنے چلانے، غصے کے اظہار کا نہ تھا۔ میں خاموش رہ گیا۔ اپنی پوری توجہ نیچے کی جانب مبذول رکھی۔ نیچے خاموشی کا راج تھا۔ مگر میں جانتا تھا کہ اس وقت میں بارود کے ڈھیر پر کھڑا ہوں یعنی خطرے کے منہ پر براجمان ہوں۔ اس لیے ایک ایک قدم اٹھاتے ہوئے احتیاط کے ساتھ آگے بڑھ رہا تھا۔ کسی بھی وقت کسی بھی طرف سے کوئی حملہ آور نمودار ہو سکتا تھا یا ایک ساتھ بہت سارے لوگ مقابلے کے لیے لگا کر سکتے تھے۔ انہی خیالوں میں ڈوبا ہوا بالآخر بالکل نیچے اتر گیا۔ مجھے حیرت ہو رہی تھی کہ بتانے والوں نے بتایا تھا کہ ریناٹ کے ساتھ بیس بائیس افراد نیچے اترے تھے۔ مگر اس وقت ایک بھی فرد نظر نہیں آ رہا تھا۔ وہ سب کدھر گئے؟ میں نے ایک جگہ کھڑے ہو کر جائزہ لیا تبھی میری نظر دور ایک گلیارے پر پڑی۔

سنتے ہیں کہ ہماری دنیا میں، بادشاہ محلوں کے نیچے خفیہ سرنگ بنواتے تھے۔ لگتا ہے کہ یہ تہہ خانہ بھی کسی سرنگ سے منسلک ہے اور وہ تمام لوگ اس سرنگ سے فرار ہو گئے ہیں۔

میں بھی سوچتا ہوا گلیارے کی جانب آگے بڑھ رہا تھا۔ اگر ریناٹ اپنے حواریوں کے ساتھ فرار ہو گیا ہے تو بات مزید الجھ جائے گی اس لیے کہ وہ باہر پہنچ کر شہریوں سے مدد لے گا۔ ابھی تو مٹھی بھر لوگ اس کے ساتھ ہیں پھر تو ایک عالم اس کے ساتھ ہوگا۔

اسی فکر میں ڈوبا میں آگے بڑھ رہا تھا۔ میرے پیچھے رو پیر تھی۔ وہ نہایت احتیاط سے پیر دبا دبا کر آگے بڑھ رہی تھی۔ اس کی جانب میری توجہ بالکل نہیں تھی۔ میری تمام حسیں بیدار تھیں اور میں گویا پھونک پھونک کر قدم بڑھا رہا تھا۔

گلیارہ شیطان کی آنت ثابت ہو رہا تھا۔ پتا نہیں کتنا طویل تھا۔ پھر بھی میں آگے بڑھتا جا رہا تھا۔ تبھی میں نے ایسا محسوس کیا جیسے کسی کے قدموں کی دھمک گونجی ہو۔ بند جگہ پر ہلکی سی آواز بھی گونجدار ہو جاتی ہے نا۔ میں نے ہاتھ پیچھے کر کے رو پیر کو رکنے کا اشارہ کیا اور دبے پاؤں کچھ اور آگے بڑھا۔ آگے گلیارہ مڑ رہا تھا۔ اب میں اور زیادہ ہوشیار ہو گیا تھا۔ موڑ پر پہنچ کر رکنا اور جھانک کر دیکھا۔ گلیارہ آگے تک جاتا تھا مگر سامنے ہی ایک دروازہ تھا جو بند تھا۔ میں نے رو پیر کو دوبارہ رکنے کا اشارہ کیا۔ وہ تھم گئی۔ میں ہمہ تن گوش ہو گیا۔ آواز پھر سنائی دی جیسے کوئی چل رہا ہو۔ وہ آواز اسی دروازے کی طرف سے آرہی تھی۔ میں اور آگے بڑھا۔ اس دروازے پر پہنچا۔ اندر دیکھنے کے لیے دروازے کو ہلکا سا دھکا دیا۔ دروازہ بہت تھوڑا سا کھل گیا۔ میں نے اندر دیکھنے کی کوشش کی اور چونک گیا۔ اس لیے کہ اندر ایک جم غفیر نظر آیا تھا۔ فرش پر بہت سے لوگ بیٹھے تھے اور ایک شخص ٹہل رہا تھا۔ وہ شناسا چہرہ تھا۔ یہ وہی شخص تھا جس نے مجھے موت دینے کے فیصلے کی تائید کی تھی اور اسی نے مشورہ دیا تھا کہ مجھے ہارن کے آگے ڈال دیا جائے۔ اسے دیکھتے ہی میری رگوں میں خون کی روانی بڑھ گئی تھی۔ مگر میری نظریں ہنوز متلاشی تھیں۔ میں ریناٹ کو تلاش کر رہا تھا مگر وہ اس بھیڑ میں نظر نہیں آ رہا تھا۔ سانپ کو چھوڑ کر لیکر پیٹنالا حاصل بات تھی اس لیے میں نے آگے بڑھ جانا مناسب سمجھا۔ اگلے کمرے میں جھانکا۔ وہاں بھی اسی طرح لوگ بھرے ہوئے تھے۔ ان میں بھی ریناٹ نظر نہیں آیا تو میں نے اس کے بعد والے کمرے میں دیکھا۔ اس کمرے میں لوگ کم تھے۔ مجھے شبہ ہوا کہ اسی کمرے میں ریناٹ بھی ہوگا۔ لیکن مسئلہ یہ تھا کہ ایک ساتھ اتنے لوگوں سے نمٹنا کیسے جائے۔ کھلی جگہ میں جنگ کرنا آسان ہے لیکن ایک بند کمرے میں اتنے سارے لوگوں سے نمٹنا آسان نہیں۔ پھر کمرے بھی تین تھے اور تینوں میں کل کتنے لوگ ہیں اس کا بھی اندازہ نہیں تھا۔ میں نے مزید کمروں کی تلاشی کے لیے سوچا اور آگے بڑھ گیا۔ اس کے بعد بھی کئی کمرے تھے لیکن وہ سب خالی تھے۔ میں آگے ہی آگے بڑھتا گیا۔ کافی آگے جانے کے بعد ایک دروازہ نظر آیا۔ میں اس کی طرف تیزی سے بڑھتا چلا گیا۔ اس لیے کہ مجھے دیکھنا تھا کہ وہ دروازہ کھلتا کہاں ہے۔ اس دروازے کے پاس پہنچ کر میں نے اسے کھولنے کی کوشش کی مگر وہ مقفل نظر آیا۔ اسے کھولوں کیسے۔ اس لیے کہ کسی بھی وقت کوئی بھی کمرے کا دروازہ کھل سکتا تھا۔ اگر ایک بھی شخص باہر آتا تو مصیبت کھڑی ہو جاتی۔ وہ آواز دے کر دوسروں کو ہوشیار کر دیتا اور مجبوری میں مجھے گولیوں کا استعمال کرنا پڑتا جو میں نہیں چاہتا تھا۔

میری نظریں دروازے کے آس پاس کی دیواروں کو ٹٹول رہی تھیں۔ اس لیے کہ مجھے اندازہ تھا کہ اس بند دروازے کو کھولنے کے لیے بھی کسی خفیہ کنڈے یا بٹن کا استعمال ہوتا ہوگا۔ میں دیوار پر ہاتھ پھیر رہا تھا کہ اگر کوئی ابھرا ہوا پتھر ہوگا جسے دبا کر دروازہ کھولا جاتا ہوگا تو وہ محسوس ہو جائے۔ کافی دیر تک میں وقت برباد کرتا رہا۔ لیکن مایوسی تھی کہ جکڑے جا رہی تھی۔ میں ناامید ہو چکا تھا کہ مجھے ایک پتلی سی ڈنڈی نظر آئی۔ وہ ڈنڈی ٹھیک اس جگہ لگی ہوئی تھی جہاں دیوار مل رہی تھی۔ یعنی داہنے کونے میں۔ اس کا رز پر وہ اس طرح چپکی ہوئی تھی جیسے وہ شوپس ہو۔ خوبصورتی کے لیے لگائی گئی ہو۔ ایک نظر ملی وہ معیوب نظر نہیں آئی لیکن پتا نہیں کیوں مجھے وہاں اس کی موجودگی کچھ عجیب سی لگی۔ صرف اس لیے کہ سجاوٹ کا سامان ایسی جگہ رکھا جاتا ہے جہاں لوگوں کی نظر پڑے مگر وہ کونے میں رکھی تھی۔ میں نے اسے ہاتھ لگایا تو وہ ہاتھ میں بہ آسانی نکل آئی جیسے وہاں سے اسے نکالا جاتا ہے اور پھر وہیں رکھ دیا جاتا ہے۔ میں نے اسے بغور دیکھا۔ وہ چار فٹ کی ڈنڈی ہوگی جس کا ایک سرادوشاخہ تھا۔ اس دوشاخہ کو ٹٹول کر دیکھا مگر اس میں ایسی کوئی بات نظر نہیں آئی جس پر شبہ ہوتا۔ میں اسے اس کی جگہ پر رکھنے جا رہا تھا کہ مجھے اس کونے کی چھت میں ایک کنڈا سا نظر آیا بالکل ویسا ہی جیسا ایک کنڈا مجھے کچھ دیر قبل معبد کی سیڑھیوں پر نظر آیا تھا۔ مگر یہ کنڈا چھت پر تھا اور وہاں تک ہاتھ پہنچ نہیں پاتا۔ تبھی ایک خیال کے تحت میں نے اس ڈنڈی کو اونچا کر کے اس کنڈے میں اٹکانے کی کوشش کی۔ وہ ڈنڈی اس کنڈی تک پہنچ رہی تھی۔ میں نے ایک کوشش کی۔ تجربہ کامیاب رہا اور ڈنڈی کے دوشاخہ سے کنڈی پر دباؤ ڈالتے ہی دروازہ پاٹوں پاٹ کھل گیا۔ میں نے چھڑی کے ساتھ ادھر دوڑ لگا دی۔ دروازے سے باہر جھانکا۔ ایک ہی نظر میں وہ مقام پہچان میں آ گیا۔ وہ دروازہ محل کے عقب میں کھل رہا تھا جدھر جھاڑیاں سی اگئی ہوئی تھیں۔ میں نے واپس آ کر اسی کنڈے پر ڈنڈی سے دوبارہ دباؤ ڈالا تو دروازہ خود بخود بند ہو گیا۔ یہ دیکھ کر میرے خوشی کی انتہا نہ تھی۔ ایک معرکہ سر ہو گیا تھا۔ میں نے رویہ کو واپسی کا اشارہ دیا اور خود بھی تیز قدموں سے واپس چل پڑا۔

اتنی تیزی سے واپس ہو رہا تھا کہ رویہ بھی خوفزدہ ہو گئی تھی۔ شاید اس نے سمجھا تھا کہ دشمن نے مجھے دیکھ لیا ہے۔ ہم دونوں آگے پیچھے سیڑھیوں تک آئے اور پھر اسی تیزی سے باہر نکلے۔

روانا بس اترنے ہی والا تھا۔ اس نے سیڑھیوں پر قدم رکھ دیا تھا۔ ہمیں باہر آتا دیکھ وہ جلدی سے مڑ گیا تھا۔ اوپر پہنچتے ہی میں نے کہا۔ ”دوستو ہم نے ایک بڑی کامیابی حاصل کر لی ہے۔ بس کچھ دیر کی بات ہے۔ ریناٹ ہمارے قبضہ میں ہوگا۔“

روانا نے میری کہے ہوئے الفاظ کا ترجمہ کیا

”ہمیں یقین تھا۔ ہمیں یقین تھا تم کامیاب لوٹو گے۔“ کئی آوازیں ایک ساتھ ابھریں۔

”مجھے ابھی مکمل کامیابی نہیں ملی ہے۔ جلد پوری کامیابی ملے گی۔“ میں نے کہا۔ ”تم سب فتح حاصل کرنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔ یہ آخری معرکہ ہوگا۔ ظلم کی شمع ہمیشہ کے لیے بجھ جائے گی۔ اب یہاں امن کا راج ہوگا۔“

روانا نے ترجمہ کیا تھا کہ ”ہم تیار ہیں..... ہم تیار ہیں۔“ کا ایک شور سا اٹھا۔ اتنی دیر میں ریناٹ سے منٹے کا پلان میرے دماغ میں بن گیا تھا۔ میں نے اپنے پلان کو عملی جامہ پہنانے کے لیے ان سے کہا کہ کچھ لوگ

یہاں ٹھہریں باقی میرے ساتھ عقبی میدان میں آئیں۔ وہ سب تو گویا حکم کے منتظر تھے۔ سب کے سب میرے پیچھے پیچھے چلے آئے۔ میں نے عقبی میدان کو دکھاتے ہوئے کہا۔ ”تمام تیر انداز دائرہ بنا کر محل کے عقبی حصے کو گھیر لیں۔ اس دیوار میں ایک در ہے۔ جب وہ کھلے اور اندر سے کوئی نکلے اور آپ کو حکم ملے تو آپ بلا تکلف ان پر تیروں کی بارش کر دیں۔“

ان سب نے ترکش سے ایک ایک تیر نکال کر کمان پر چڑھا لیے اور میرے حکم کے مطابق میدان میں پھیل گئے۔ ایک دو نے وہاں موجود پیڑوں پر مورچہ بنا لیا۔ اب وہاں وہ لوگ رہ گئے جو تیر انداز نہیں تھے۔ گرز بردار تھے۔ وہ سب میری طرف دیکھ رہے تھے کہ میں ان کے لیے کون سا حکم جاری کرتا ہوں۔ میں نے روناٹا سے کہا۔ ”اور تم ان کی سربراہی کرو گے۔ یہ سب تمہاری نگرانی میں حملہ کریں گے۔ تم ان کے سربراہ ہو۔ کمانڈر ہو۔“ پھر میں نے ان میں سے دس بارہ افراد کو اپنے ساتھ آنے کے لیے کہا اور واپس پہلی والی سمت میں چل پڑا۔ محل کے مرکزی دروازے پر پہنچ کر میں نے کہا۔ ”آپ سب یہاں سے تہہ خانے کے دروازے تک مورچہ بنالیں۔ اندر سے جو بھی نکلے اس پر حملہ کر دیں۔ لیکن حکم کے بغیر نہیں۔“ پھر میں نے روبیر سے کہا۔ ”تم میرے ساتھ آؤ۔“

روبر میرے پیچھے پیچھے چلتی ہوئی تہہ خانے کے دروازے تک آئی۔ میرے ساتھ مجبوری یہ تھی کہ میں ان کی زبان سمجھتا تھا مگر بولنے پر قادر نہیں تھا اس لیے ایک ترجمان کو ساتھ رکھتا تھا۔ روبیر کو بھی یہاں تک ترجمانی کے لیے لایا تھا۔ تہہ خانے کے دروازے پر پہنچ کر کہا۔ ”ہم اب دوبارہ اندر نہیں اتریں گے۔ صرف تیسری سیڑھی تک رہیں گے۔ یہاں سے تمہیں چنچ کر کہنا ہے کہ ہم محل کو آگ لگا رہے ہیں۔ اگر کسی کو نکلنا ہے تو وہ اپنے دونوں ہاتھ سر پر رکھ کر باہر آ جائے۔“

”جی اچھا۔“ روبیر بولی۔

”یہ جو روغن کے پیسے ہم اٹھا لائے تھے یہ اب کام آئیں گے۔ انہی میں آگ لگا کر ہم نیچے پھینکیں گے۔“ میں نے روغن سے لبالب بھرے لکڑی کے ڈرموں کی جانب اشارہ کر کے کہا۔

”لیکن جب آگ بھڑکے گی تو پورا محل لپیٹ میں آ جائے گا۔ پھر ہم باہر کیسے نکلیں گے؟“ روبیر نے سوال کیا۔

”بے فکر رہو۔ ایسا موقع نہیں آئے گا۔“ کہہ کر باہر کھڑے دو آدمیوں کو قریب آنے کا اشارہ دیا۔ جب وہ قریب آ گئے تو میں نے روبیر سے کہا کہ وہ اسے کہے کہ پیسے اٹھا کر یہاں لے آئے۔ روبیر نے میرے الفاظ کا ترجمہ کیا۔ حکم سنتے ہی وہ دونوں پیسے کی طرف دوڑ گئے اور ایک کے بعد ایک پیسے لا کر تہہ خانے کے دروازے پر رکھنے لگے۔ تقریباً چھ پیسے لائے تھے کہ ایک عجیب واقعہ رونما ہوا۔

قدرت کا نظام کچھ ایسا حیرت انگیز اور عظیم حکمتوں پر مبنی ہے کہ آدمی کا ذہن اس کا احاطہ نہیں کر سکتا۔ یہاں ایک اتفاق دوسرے اتفاق کا اور ایک واقعہ دوسرے واقعے کا سبب بنتا ہے اس طرح واقعات و اتفاقات کا ایک تسلسل زندگی کا تانا بانا اور آدمی حالات کے تاریک بکوت میں بھنس کر رہ جاتا ہے۔ اس وقت ایسا ہی کچھ ہوا۔

میں ان بیپوں کو اندر دھکیل کر آگ لگانے ہی والا تھا کہ تہہ خانے کا دروازہ کھلا اور ایک شخص باہر نکلا۔

یکا یک دروازہ کھلا تھا اس لیے میں آڑ نہ لے سکا۔ وہ بھی تیزی سے باہر آیا تھا اس لیے واپس نہ مڑ سکا اور ہم دونوں ہی اپنی اپنی جگہ پتھر کے بت بن گئے تھے۔ بس ایک ایک دوسرے کو خونخوار نظروں سے دیکھے جا رہے تھے۔ کمرے میں خاموشی طاری تھی۔ اس خاموشی کو میں نے ہی توڑا۔ ”تم سب اس چوہے دان میں پھنس چکے ہو۔ یہ روغن کے پیسے دیکھ رہے ہو، تم اچھی طرح جانتے ہو کہ یہ آگ لگانے کے کام آتا ہے۔“ میں خاموش ہوا تھا کہ رویر نے ترجمہ کر دیا۔

”تو کیا تم آگ لگاؤ گے؟“ اس نے غرا کر پوچھا۔ ”آگ لگا کر زندہ بھاگ سکو گے؟ پورے آرگون میں ہمارے لوگ ہیں، وہ زندہ نہیں چھوڑیں گے؟“

”اتنی خوش فہمی ٹھیک نہیں۔ آرگون پر ہمارا قبضہ ہے..... سامیرا اپنی فوج کے ساتھ بڑھتی آرہی ہے۔ شاید شام تک وہ تخت پر ٹھھی نظر آئے گی۔“ میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

”اچھا ایسی بات ہے۔ اگر تم سچے ہو تو ثبوت بھی دو۔“

”اس سے بڑھ کر ثبوت کیا ہوگا کہ ہم یہاں نظر آرہے ہیں۔“

”ہمارے وہ دوست جو اوپر سے آئے ہیں۔ ان کے پاس دہاڑنے والے ہتھیار ہیں۔ وہ ایک لمحے میں تم سب کو جلا کر رکھ کر دیں گے۔“

”اچھی خبر سنائی ہے۔ تمہارے وہ دوست یعنی ڈیوڈ شا کے ساتھی..... ان کے لیے میں کافی ہوں۔ ڈیوڈ کے دواہم ساتھیوں کو میں نے موت کی نیند سلا دیا ہے۔ یقین کرو اگر ڈیوڈ بھاگ نہ جاتا تو اب تک مارا جاتا۔ میرے آدمی اسے آرگون کے کونے کونے میں تلاش کر رہے ہیں۔“

”اس کے ساتھ ایک ایسا آدمی بھی ہے جو دیو جتنی طاقت رکھتا ہے۔ ایک ہاتھ سے چار آدمیوں کا گلا دبا سکتا ہے۔ اس کے رہتے کوئی بھی ڈیوڈ شا پر ہاتھ نہیں ڈال سکتا۔“

”اسے بھی میں نے زخمی کر دیا ہے۔ تمہاری اطلاع کے لیے بتا دوں کہ میری مدد کے لیے پوری ٹیم اوپر سے آگئی ہے۔ اور ہمارے پاس آگ برسانے والے دھماکا پیدا کرنے والے ہتھیار بھی ہیں۔ تم سب اسی صورت بچ سکتے ہو کہ شکست تسلیم کر لو۔“ کہتے ہی میں نے اپنے کندھے سے لنگتی رافل اتار کر دکھائی۔ ”یہی نہیں اب میں تہہ خانے میں چلنے والا روغن گرانے والا ہوں۔ آگ پورے تہہ خانے میں پھیل جائے گی اور سب جل کر خاک ہو جائیں گے۔“

اس وقت اس کا چہرہ غصے سے سرخ ہو رہا تھا۔ اگر تیر اندازوں کا زغہ نہ ہوتا تو وہ کوئی نہ کوئی چال ضرور چلتا مگر وہ بے بس تھا اس لیے غصے کا اظہار نہیں کر رہا تھا۔ میں نے تپ کا پتا پھینکا۔ ”اگر تم زندہ رہنا چاہتے ہو تو واپس نیچے جاؤ اور اپنے ساتھیوں سے کہو وہ سر پر ہاتھ رکھ کر پیچھے کھلنے والے دروازے سے ایک ایک کر کے باہر نکلیں۔ میں خون خرابہ نہیں چاہتا۔ وقت کم ہے۔ آگ لگانے سے پہلے وہ باہر نکل جائیں۔“

اجازت ملتے ہی وہ تیزی سے نیچے اتر گیا۔ میں نے رویر کی طرف مڑ کر کہا۔ ”جلدی..... جتنی جلدی ممکن ہو یہاں رہ گئے تمام تیر اندازوں کو لے کر محل کے عقب میں چلی جاؤ۔ میں بھی آ رہا ہوں۔“

حکم ملتے ہی اس نے تیر اندازوں کو ساتھ لیا اور ادھر دوڑ گئی۔ اس کے جاتے ہی میں نے ایک پیپا

سیڑھیوں پر اٹھایا۔ سیڑھیاں لکڑی کی تھیں۔ فوراً آگ پکڑ لیتیں اسی لیے میں نے بہت تھوڑا روغن گرایا اور جلتی ہوئی مشعل اندر پھینک کر دروازہ بند کر دیا۔ اس کے اوپر وہیں ایستادہ سنگی مجسمہ کو کھینچ کر دروازے پر رکھا اور بھاگتا ہوا پیچھے پہنچا۔ باقی رہ گئے لوگ بھی میری تقلید میں دوڑ پڑے۔

محل کے عقبی حصے میں پہنچا تو دروازہ کھل رہا تھا۔ میں نے روبیر کو بولنے کا اشارہ دیا۔ اس نے چیخ کر کہا۔ ”ایک ایک کر کے سر پر ہاتھ رکھے باہر آئیں۔ کسی کو کچھ نہیں کہا جائے گا۔ اگر کسی نے شرارت کی تو انجام موت ہوگا۔“

یہ تمام لوگ وہ تھے جن کی زندگی عیش و عشرت میں گزر رہی تھی۔ انہیں جنگ و جدل سے کیا لینا دینا۔ انہیں اپنی جان زیادہ عزیز تھی اسی لیے ایک آواز پر سب نے سر پر ہاتھ رکھ لیے تھے اور ایک ایک کر کے باہر آنے لگے تھے۔ اس وقت میں سوچ رہا تھا۔ دنیا میں بہت سی باتیں بار بار دوہرائی جاتی ہیں اور جو ماضی میں تھا وہی آج ہے۔ سورج ہر صبح ایک افق سے نکلتا اور ہر شام دوسرے افق میں ڈوب جاتا ہے۔ چاند کے طلوع و غروب کے اوقات اور ستاروں کی گردشیں مقرر ہیں۔ ہوائیں اپنے طے شدہ راستوں پر دھرتی کے آخری کناروں تک چکر کاٹی ہیں، زمین کی گردش کے ساتھ ساتھ رُتیں بدلتی ہیں۔ موسم تبدیل ہوتے ہیں۔ 365 دنوں کے چکر میں کبھی سردی کبھی بہار کبھی خزاں کبھی بادلوں کے جھگمگے اور کبھی جلتے سورج کے نیچے، دھرتی کا سفر جاری رہتا ہے اور دھرتی کے اس سفر میں ہم کائنات کے طبعی عوامل کو ایک یکسانی کے ساتھ رنگ بدلتے اور ایک پڑاؤ سے بار بار گزرتے دیکھتے ہیں۔ ایک ہی عمل یا ایک ہی واقعہ بار بار دوہرایا جاتا ہے۔ اس وقت بھی ماضی کا واقعہ دوہرایا جا رہا ہے۔ سامیرا نے بتایا تھا کہ اسے اور اس کے ساتھیوں کو زبردستی محل سے نکالا گیا تھا۔ آج اسے نکالنے والے یا ان کے ساتھی مجبور ہو کر باہر نکل رہے تھے۔

میں نے روبیر سے کہا کہ وہ ان لوگوں سے کہے کہ سب ایک طرف جا کر بیٹھ جائیں۔ اس نے میرے الفاظ کو مقامی زبان میں ادا کیا۔ باہر آنے والے ایک گھنے پیڑ کے نیچے جا کر بیٹھنے لگے۔ تقریباً ایک سو ساٹھ افراد باہر آئے تھے مگر ان میں ریٹائٹ نہیں تھا۔ جب تمام لوگ باہر آ گئے تو میں نے روبیر سے کہا کہ وہ ان سے پوچھے کہ ریٹائٹ کہا ہے۔ اس کے قریبی لوگ کہاں ہیں؟

روبیر کے سوال پر ایک آدمی نے کہا کہ وہ تو کب کا محل سے جا چکا ہے۔

”کہاں؟ کدھر گیا ہے؟“ روبیر نے پوچھا۔

”اپنے آدمیوں کے ساتھ وہ شہر کی طرف گیا ہے۔“

یہ خبر دہلا دینے والی تھی۔ ریٹائٹ کا یوں فرار ہو جانا اچھا نہیں تھا۔ میں نے ایک آدمی کو حکم دیا کہ وہ ان تمام لوگوں کو وہاں لے جائے جہاں پہلے سے کچھ قیدی موجود ہیں۔ انہیں بھی قیدی سمجھا جائے پھر کچھ لوگوں کو اندر بھیجا کہ وہ جا کر سیڑھیوں پر لگی آگ کو بجھانے کی کوشش کریں اگر نہیں بجھے تو یوں ہی چھوڑ دیں۔ محل جلتا ہے تو جلنے دیں۔

حکم دے کر میں شہر کی طرف چل پڑا۔ میرے ساتھ روبیر اور رائون کے علاوہ کچھ اور جانناز بھی تھے۔ میں نے ٹھان لیا تھا کہ ہر حال میں ریٹائٹ کو گرفتار کرنا ہے۔ تاکہ اس کا فتنہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائے۔ رائون

اور رویہ ساتھ چل رہے تھے۔ وہ دونوں بحث کرتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے۔ رائون کو یقین نہیں آ رہا تھا کہ سامیرا اتنی جلدی قلعہ سے یہاں پہنچ جائے گی۔ وہ کہہ رہا تھا۔ ”اتنی طویل مسافت اس قدر پوشیدہ طور پر طے کرنا آسان نہیں ہے۔ کوئی فوج نہیں کر سکتی۔ سامیرا بھی نہیں۔“

”کیوں نہیں کر سکتی؟“ رویہ کا سوال تھا۔

رائون نے اپنا خیال پیش کیا۔ ”اتنی رازداری سے قلعہ سے آرگان پہنچنا۔ درمیانی چوکیوں کو اس طرح فتح کرنا کہ کسی ایک نفس کو بھی علم نہ ہو پائے بعید از قیاس ہے۔“

”آپ کے یقین نہ کرنے سے حقیقت پر کوئی اثر نہیں پڑتا“ رویہ نے جواب دیا۔ ”ہو سکتا ہے سامیرا نے کوئی ایسا راستہ اختیار کیا ہو جو متروک ہے۔ جنگل سے ہو کر گزرتا ہو۔“

”مگر وہ راستہ کتنا دشوار اور خطرناک ہے۔“ رائون نے کہا۔ ”اسے عبور کرنے کی ہمت کون کر سکتا ہے۔“

”اسے عام لوگ دشوار سمجھ کر ترک کر سکتے ہیں۔“ رویہ بولی۔ ”مگر سامیرا ناقابلِ تسخیر ہے۔ کسی سے خوفزدہ ہونے والی نہیں اسی لیے تو وہ اتنے عرصے سے ریناٹ کے مقابل کھڑی ہے۔ اس کے حوصلہ کو دیکھ کر ہی برف والے نے اس کی مدد کے لیے اس بہادر آدمی کو ہمارے پاس بھیجا۔“ رویہ کا اشارہ میری طرف تھا۔ میں خاموش سا ایک جانب بیٹھا ان کی باتیں سن رہا تھا۔

”سب سے اہم بات یہ کہ.....“ رویہ نے مجھ پر نظر ڈال کر کہا۔ ”جو سر سے کفن باندھ لے اس کے لیے راہ کی دشواری یا خطرہ کیا اہمیت رکھتا ہے۔ سامیرا نے سر سے کفن باندھ لیا ہے۔“

”مگر وہ اکیلی نہیں ہوگی۔ اس کے ساتھ پورا لشکر ہوگا۔ مال و اسباب ہوگا۔ جنگی سامان ہوگا اور جنگل میں اسار بھی ہیں ہارن بھی ہیں۔ پھر کانٹے برسانے والے پرندے بھی۔ ان سے مقابلہ کرتے ہوئے بڑھنا ہے جو شاہی فوج سے زیادہ خطرناک ہیں۔ وہ کیسے نمٹ پائے گی؟“

کہیں ایسا نہ ہو کہ رائون اپنی تاویلات سے رویہ کو قائل کر لے اور پھر دوسرے بھی بزدلی کی راہ پر چل پڑیں۔ اس وقت ہمیں بہادروں کی ضرورت ہے۔ ایک ایک سپاہی اہم ہے۔ یہ جنگ اس وادی کی قسمت کا فیصلہ کرے گی اس لیے زیادہ اہمیت کی حامل ہے۔ میرے دل نے سرگوشی کی۔ ”اسے روکنا ہوگا۔ ان کی باتوں میں دخل دینا ہوگا۔“

”کیا تمہیں یقین آتا ہے کہ دوسری دنیا سے کوئی آرگان آ سکتا ہے؟ لیکن میں آ گیا۔ نہ صرف خود آیا بلکہ اپنے ساتھیوں کو بھی بلا لیا۔ اس وقت قلعہ میں میرے دس سے زیادہ دوست موجود ہیں جو سامیرا کے ساتھ آرہے ہیں۔ ان کے پاس دہاڑنے والے ہتھیار بھی ہیں جو آگ والے تیر برساتے ہیں۔“

”آپ کو برف والے نے بھیجا ہے تبھی آپ آئے ہیں۔“

”برف والے کی منشا ہے کہ میں سامیرا کی مدد کروں اسی لیے اس نے میرے ساتھیوں کو بھی بھیج دیا۔ جب برف والا یہی چاہتا ہے تو سامیرا کی فتح یقینی ہے۔ کوئی بھی پریشانی اب اسے روک نہیں پائے گی۔“

”اگر برف والا یہی چاہتا ہے تو ایسا ہی ہوگا۔“ اس نے اپنے گال پر خود ہی تھپہ مار کر کہا۔ یہ دراصل یہاں کا طریقہ کار ہے کہ جب کوئی گناہ سے تائب ہوتا ہے تو وہ اپنے گالوں پر تھپڑ مارتا ہے۔ برف والے کی منشا کے

خلاف اس نے سامیرا کو کچھ کہا تھا یہ اس کے خیال میں گناہ کی بات تھی۔

میں اس کے انداز پر مسکرائے بغیر نہ رہ سکا مگر یہ مسکراہٹ فوراً ہی حیرت میں بدل گئی کیوں کہ ایک آواز ابھری اور پورے آرگان پر چھا گئی تھی۔ یہ آواز تھی اس نقارے کی جو میں پہلے بھی سن چکا تھا اور میرے ساتھیوں نے بتایا تھا کہ یہ طبل جنگ ہے۔ لیکن اس بار آواز میں ہلکا سا فرق تھا۔ میں نے روبیر کی طرف دیکھا۔ گویا آنکھوں ہی آنکھوں میں پوچھا کہ اس کا مطلب کیا ہے۔ روبیر میری بات فوراً سمجھ گئی۔ اس نے سرگوشی جیسے انداز میں بتایا۔ ”یہ..... یہ شاہی اعلان ہے۔ لگتا ہے کہ ریٹا اپنے کسی پڑاؤ میں پہنچ گیا ہے جہاں سے یہ اعلان ہو رہا ہے؟“

”اعلان میں کیا کہا جا رہا ہے۔ اس کا کوئی مطلب تو ہوگا؟“ میں نے تیز لہجے میں پوچھا۔

”تمام سپاہیوں کو حاضر ہونے کا اعلان ہے۔ جنگ کے لیے پیش قدمی ہوگی۔“

”مگر ریٹا کے سارے سپاہی تو میدان جنگ میں ہیں؟“

”ہوسکتا ہے اس نے کچھ فوج یہاں آرگان میں بھی رکھی ہو، وہ انہیں ہی بلا رہا ہے؟“

”اگر یہ بات ہے تو معاملہ پریشان کن ہے۔ میں تو یہی سمجھ رہا تھا کہ اس کی ساری فوج میدان جنگ میں

جا چکی ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ وہ جنگ کسی اور طرح سے لڑنا چاہتا ہے۔“

”مجھے خود حیرت ہے کہ ایسا کیسے ہوا؟ ہمارے یہاں جنگ کا ایک اصول ہے۔ اس اصول کے تحت جنگ

کے لیے خصوصی فوج ہوتی ہے اور وہی میدان جنگ میں جاتی ہے۔ دوسری فوج صرف شہر کا نظم و نسق سنبھالتی

ہے۔ یہاں جو فوج تھی وہ لڑنے والی نہیں صرف امن و امان برقرار رکھنے والی تھی۔ لگتا ہے ریٹا نے دھوکا کیا

ہے اور اپنی پوری فوج سامیرا کے مقابلے میں نہیں بھیجی ہے اور اسے کہیں چھپا کر رکھا ہے۔“

”جس کے ساتھ ڈیوڈ شاہ جیسے لوگ ہوں وہ عیاری سے کام لینا ضروری سمجھتا ہے۔ مجھے لگ رہا ہے کہ

ڈیوڈ شانے یہ عقل دی ہوگی اور اب وہ اسی کے پاس بیٹھا ہے۔“

”اگر ایسی بات ہے تو یہ بہت برا ہوگا۔ تمہارے دشمن کے پاس دھاڑنے والے ہتھیار ہیں جو آگ والے

تیر پھینکتا ہے۔ وہ سامیرا کی فوج کو بہت جلد روک لے گا۔ اسے تباہ کر دے گا۔ لگتا ہے ہم ہمیشہ محکوم ہی رہیں

گے۔ ظلم و جور سہنا ہماری قسمت میں لکھ دیا گیا ہے۔“ روبیر کے لہجے میں درد اتر آیا تھا اور میں سوچ رہا تھا کہ یہ

عورت بھی کیا چیز ہے۔ جب محبت پر اتر آئے تو سب کچھ بھول جاتی ہے اور جب دھوکا کھالے تو عقل کے

گھوڑے پر سوار ہو جاتی ہے۔ یہی وہ روبیر تھی جو میری موت کی خواہاں تھی۔ سامیرا سے غداری کر رہی تھی۔ مجھے

اسی نے رسوا کیا اور صرف اپنی محبت کو پالینے کے لیے اس نے سب سے دشمنی مول لی۔ پھر جب شامین نے اسے

دھوکا دیا تو اب اسے وطن پرستی یاد آرہی ہے۔

”کس سوچ میں ڈوب گئے؟“ روبیر نے ٹوکا تو میں خیالوں کے بھنور سے باہر آ گیا اور اس کی طرف

دیکھتے ہوئے بولا:

”میں ڈیوڈ شاہ کے بارے میں ہی سوچ رہا ہوں کہ اس سے کیسے نمٹا جائے؟“

”تمہارے ساتھ برف والے کی مدد ہے۔ اس نے ہی ڈیوڈ شاہ سے نمٹنے کے لیے تمہارے ساتھیوں کو بھی

بھیجا ہے تو وہی تمہیں فتح بھی دلائے گا کیونکہ وہ عظیم ہے۔ ہمارا محافظ ہے۔“

ساتھیوں کے لفظ نے مجھے سفیر کی یاد دلادی۔ نامعلوم اس پر کیا گزری وہ کسی مصیبت میں گرفتار نہ ہو گیا ہو۔ وہ یہاں کی زبان سے بھی ناواقف ہے۔ جنگل میں موجود درندوں سے بھی آگاہ نہیں۔ اگر اسماں یا ہارن سے مڈبھیڑ ہوگئی تو وہ کیسے نمٹے گا۔ اس کے پاس ہتھیار تو ہے لیکن گولیاں صحیح مقدار میں ہیں بھی یا نہیں۔ ابھی میں اسی سوچ میں تھا کہ نثارے کی گونج میں ایک واضح فرق آگیا۔ ایسا فرق کہ میں چونک گیا اور پوچھے بغیر نہ رہ سکا۔

”رو بیر، اب کون سا پیغام دیا جا رہا ہے؟“

”نثارے پر جو پیغام دیا جاتا ہے یہ ایک الگ علم ہے۔ اس بارے میں مجھے زیادہ علم نہیں لیکن جہاں تک میں سمجھ رہی ہوں وہ یہ ہے کہ کچھ لوگ پہنچ گئے ہیں لیکن ابھی اور پہنچنا باقی ہیں۔ جو پہنچے نہیں ہیں اب وہ سیدھے میدان جنگ میں پہنچیں۔ جنگ کی ابتدا اب ہوا چاہتی ہے۔“

رو بیر کی بات نے مجھے مزید دہلا دیا۔ اس کا مطلب یہی تھا کہ ریٹا اب میدان جنگ کا رخ کرنے والا ہے۔ یقیناً اس کے ساتھ ڈیوڈ شا ہے جو اسے اکسار رہا ہے۔ جب کہ سفیر نے یہی بتایا تھا کہ سامیر ابھی قلعہ سے نکل پڑی ہے اور آرگان کی طرف بڑھ رہی ہے۔ یقیناً اس کے ساتھ راجا صاحب اور میرے تمام دوست بھی ہوں گے۔ ڈیوڈ شا کے پاس اگر آتش اسلحہ ہے تو ان کے پاس بھی ہوگا۔ یہ اور بات ہے کہ ڈیوڈ شا کے پاس جدید ترین اسلحہ ہے۔ مقابلہ ٹکڑا ہے لیکن میں ان سے دور ہوں۔ ان کی مدد کس طرح کروں؟

”کیوں نہ ہم ریٹا کی جمع ہونے والی فوج پر حملہ کر دیں اس طرح یہ لوگ یہیں الجھ جائیں گے۔“

رو بیر نے ایک عقل کی بات سمجھائی تو مجھے ایسا لگا جیسے میرے دماغ کی کھڑکی کھل گئی۔

یہ خیال برا نہیں تھا۔ میں نے رو بیر سے کہا۔ ”تمہیں اندازہ ہے کہ یہ نثارہ کہاں بج رہا ہے۔ ہمیں تیزی سے وہاں پہنچنا ہے۔“

”میں آرگان بہت کم آئی ہوں۔ یہاں کی گلیاں، سڑکیں میرے لیے اجنبی ہیں۔“ رو بیر نے جواب دیا۔

”لیکن میں یہاں کی ایک ایک گلیاں ایک ایک علاقہ جانتا پہچانتا ہوں۔“ رائون نے کہا۔

”تو بتاؤ یہ کہاں سے آواز آرہی ہے؟“ میں نے اس سے سوال کیا۔

”یہ آواز..... سورج والی سمت میں ایک بڑا میدان ہے، مجھے لگ رہا ہے یہ آواز وہیں سے آرہی ہے۔“

”وہ میدان یہاں سے کتنی دور ہے۔“

”اگر ہم تیز تیز چلیں تو زیادہ دور نہیں ہے۔ آواز بھی صاف ہے۔ یہ نزدیک ہونے کا اشارہ ہے۔“

”چلو دیکھ لیتے ہیں تمہارا اندازہ کتنا صحیح ہے؟“ میں نے مسکرا کر کہا تبھی میرے ذہن میں ایک خیال بجلی سا کوندا اور میں نے پاس کے ایک پیڑ کا جائزہ لیا۔ وہ پیڑ خاصا بلند تھا۔ یوں بھی یہاں کے پیڑ بلندی میں ہمارے یہاں کے پیڑوں سے کافی اونچے ہوتے ہیں۔ وہ پیڑ بھی کافی اونچا تھا۔ میں نے اپنے ساتھیوں پر ایک نظر ڈالی پھر کہا۔ ”اگر اس پیڑ پر چڑھ کر دیکھا جائے تو اصل مقام کا تعین بہ آسانی ہو جائے گا“ پھر میں نے ان میں سے ایک مضبوط جسامت والے کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ ”کیا تم اس پیڑ پر چڑھ سکتے ہو؟“

ابھی میں نے صرف پوچھا تھا لیکن وہ جیسے پہلے سے ہی تیار تھا۔ شاید اس لیے کہ میں نے اسے اہمیت دی

تھی۔ وہ دوڑ کر بندر جیسی پھرتی سے پیڑ پر چڑھتا چلا گیا۔ میں نے اس کی تیزی پر داد دی۔ وہ کافی اوپر پہنچ چکا تھا۔ وہ آواز کی سمت دیکھ ہی رہا تھا کہ عقب سے کچھ لوگوں کے دوڑنے کی آواز سنائی دی۔ میں نے گردن موڑ کر دیکھا۔ وہ تعداد میں سات تھے اور ان سب کے ہاتھوں میں ہتھیار تھے۔ کسی نے گرز اٹھا رکھی تھی۔ کوئی ترکش و تیر کمان کے ساتھ تھا تو کسی کے پاس گوبھند جیسا ہتھیار تھا۔ دیکھنے سے ہی اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ سب سپاہی ہیں۔ وہ یکا یک سامنے آئے تھے اس لیے ہم اپنے آپ کو کسی آڑ میں بھی نہیں کر سکے تھے۔ ہم ان کی نظروں میں آچکے تھے۔ میں نے رائون سے کہا۔ ”روپیر کو اشارہ دے کر دوسروں کو بھی ہوشیار کر دو۔“

تقریباً سب ہی اس نئی افتاد پر گھبرا اٹھے تھے۔

”میں انہیں روکنے کی کوشش کرتا ہوں۔ جب تک میں نہ کہوں کوئی دخل نہ دے کیونکہ میں ابھی شور شرابہ

نہیں کرنا چاہتا۔“

”ہمارے پاس وقت نہیں ہے۔ ڈنکے کی آواز پر ادھر ادھر چھپے تمام سپاہی نکلے چلے آ رہے ہوں گے۔

اس طرح ایک ایک دستے کو روکنا وقت برباد کرنا ہے۔“

”ہم لوگ ایک کھیل کھیلتے ہیں۔ جسے شطرنج کہتے ہیں۔ اس کھیل میں ہم کبھی کبھی پیادے کو اہمیت دے کر

شاہ گرا لیا کرتے ہیں۔“

”میں سمجھی نہیں تم کہنا کیا چاہتے ہو۔ ذرا سوچو..... ان لوگوں نے بھی سن لیا ہوگا کہ ریٹائٹ شکست تسلیم کر

کے تہ خانے میں چھپ گیا تھا پھر بھی یہ اس کی آواز پر دوڑے چلے آ رہے ہیں۔ اس کی وجہ کیا ہے ایسا کیا ہوا کہ

یہ لوگ پھر سے جاں نثاری پر تیار ہو گئے ہیں۔“

”بات تو صحیح ہے۔“ رائون نے کہا۔ ”مگر ہمیں جیسا حکم دیا جا رہا ہے ہمیں وہی کرنا چاہیے اس لیے کہ یہ

برف والے کا نمائندہ ہے۔“ اس نے ایک نزدیکی درخت کی جانب دوڑ لگا دی اور کسی بندر کی سی پھرتی سے وہ اس

پر چڑھ گیا۔ باقیوں نے بھی اس کی تقلید کی اور ادھر ادھر خود کو چھپانے کی سعی کرنے لگے۔ اتنی دیر میں سپاہی

قریب آچکے تھے۔ میری منشا نہ تھی کہ میں ان سے جھگڑتا اس لیے میں نے اپنے کندھے سے لٹکی گن کو گرا دیا جیسے

ہی گن گری میں نے اسے پیروں سے جھاڑیوں کے اندر دھکیل دیا تاکہ وہ اسے دیکھ نہ سکیں۔ شاید انہوں نے غور

نہیں کیا تھا کہ میں نے کوئی چیز نیچے گرائی ہے یا پھر انہوں نے دیکھا ہو تو بھی نظر انداز کر دیا تھا۔ اب وہ بہت

قریب آچکے تھے۔ ان کے جسم پر زرہ بکتر بھی تھی۔ اس سے پہلے میں نے جتنے بھی سپاہی دیکھے تھے سب کے سب

وردی میں نظر آئے تھے یہ پہلا دستہ نظر آیا تھا جو زرہ بکتر میں ملبوس تھا۔ یقیناً یہ اہم دستہ تھا۔ مجھے بچ راستے میں

کھڑا دیکھ اس نے پوچھا۔ ”تو کون ہے اور ہمارے راستے میں کیوں کھڑا ہے۔ کیا تجھے اپنی جان کا خوف نہیں

ہے۔ کیوں گھر سے باہر نکلا۔“

میں نے اس کی بات سمجھ تولی تھی مگر بول نہیں سکا تھا۔ جواب میں کیا کہتا یہ الفاظ میرے پاس نہیں تھے اور

نہ میں کسی مترجم سے اپنے جواب کا ترجمہ کرا سکتا تھا۔ اس لیے صرف نفی میں سر ہلا دیا۔ میرے جواب نے اسے

سیخ پا کر دیا۔ اس نے کمر سے لٹکتے سنگی خنجر کو نکالا اور اسے میری طرف بڑھا کر پوچھا۔ ”جواب دے تو کون ہے؟

کیا تو ان لوگوں کا ساتھی ہے جو اوپر سے آئے ہیں۔ جو معبد میں مہمان ہیں؟“

میں نے نفی میں دوبارہ سر ہلا دیا۔ اس بار اس نے خنجر اونچا کیا اور مجھے خوفزدہ کرنے کے لیے اسے ہلایا مگر میں نے پیچھے ہٹ کر خود کو بچا لیا۔ میری اس جسارت پر وہ تلملا گیا۔ اس نے بغیر کچھ کہے خنجر چلا دیا۔ اگر میں ہوشیار نہ ہوتا تو اپنے سر سے محروم ہو چکا ہوتا۔ وہ جھنجھلا کر آگے بڑھا۔ باقی سب اپنی جگہ کھڑے تماشا دیکھ رہے تھے۔ وہ چیختا ہوا خنجر سیدھا کر کے چڑھ دوڑا اور یہی اس کی غلطی تھی۔ میں خود بھی یہی چاہتا تھا کہ اس کا ہاتھ بلند ہو۔ میں نے اس آزمودہ داؤ کو آزمایا جسے میں نے اس چابیز سے سیکھا تھا جو دیکھنے میں کمزور سا تھا لیکن ٹرک خوب جانتا تھا۔ وہی چابیز جس کے تحت جگر کو بیتو دل دے بیٹھا تھا۔ میں نے سپاہی کے بلند ہاتھ کے نیچے سے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا اور اس کی کہنی سے قریب دو انگلیوں سے چوٹ ماری۔ یہ داؤ جتنا مشکل سے اتنا ہی کارگر بھی۔ اگر انگلیوں میں جان ہو تو انگلیاں مقابل کے گوشت میں دھنس جاتی ہیں، وہی ہوا۔ وہ دُراٹھا۔ اس کی چیخ خاصی بلند تھی۔ یقیناً انگلی صحیح نشانے پر لگی تھی۔ کہنی کے قریب والی رگ پر ضرب پڑی تھی۔ اس کا ہاتھ مفلوج ہو گیا ہوگا۔ خنجر بھی چھوٹ کر نیچے جا گرا تھا۔

اپنے ساتھی کی چیخ سن کر باقیوں کو بھی ہوش آ گیا۔ وہ سب ایک ساتھ حملہ آور ہوئے۔ ایک ایک کر کے آتے تو بات دیگر تھی لیکن اتنے سارے سپاہی ایک ساتھ آگے بڑھے تھے۔ میں کوئی فولاد کا بنا ہوا تو تھا نہیں۔ کسی کا بھی خنجر میرے جسم میں دھنس سکتا تھا۔ میں نے ان کے حلقے سے نکلنے کے لیے خود کو زمین پر گرایا اور پھسلتا ہوا دور نکل گیا۔ وہ سب ادھر ہی مڑ گئے۔ اگر میں اس جگہ رکتا تو ایک نہ ایک زخم میرے جسم پر ضرور بن جاتا لیکن میں رکا نہیں پھسلتا چلا گیا۔ کہنیوں کو زمین پر اڑا کر جسم کو آگے دھکیلنا اتنا آسان بھی نہیں۔ مگر پہلے کی مشق کام آئی اور میں ان سے کافی دور ہو گیا۔ ساتھ ہی ساتھ پھرتی سے زمین بھی تھی چھوڑ دی تھی۔ اب میں اٹھ گیا تھا کہ ان میں سے ایک نے منہ سے زوردار آواز نکالی اور میری جانب دوڑا۔ اس کا انداز بالکل ایسا ہی تھا جیسا کرائے میں رائج ہے کہ دشمن پر دہشت طاری کرنے کے لیے زوردار آواز نکالو۔ اس کے چیخنے پر میں نے اپنے جسم کو پیروں کے دونوں بٹنوں پر اونچا کیا اور جیسے ہی وہ قریب آیا میں نے داہنی جانب چھلانگ لگا دی۔ وہ اپنے زور میں آگے بڑھتا چلا گیا۔ ابھی وہ سنبھلا بھی نہیں تھا کہ میں نے کھڑے کھڑے لات گھما دی۔ جوتے کا نوکیلا سرا اس کی ریڑھ کی ہڈی سے ٹکرایا اور وہ بھد سے زمین پر گر گیا۔ مجھے یقین تھا کہ جس جگہ چوٹ لگی ہے وہ اسے اٹھنے نہیں دے گی۔ نچلا حصہ کچھ دیر کے لیے مفلوج ہو چکا ہوگا۔ اس لیے اس کی طرف سے توجہ ہٹا کر باقی سپاہیوں کو دیکھا۔ اگر بروقت میں اپنی جگہ سے ہٹ نہ جاتا تو گرز کا بھرپور وار میرے جسم پر پڑتا۔ جنگ میں اتفاقات ہی اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ اپنی جگہ سے ہٹا میرے کام آ گیا تھا۔ اب میں جس جگہ تھا وہاں سے میں نے ایک لمبی چھلانگ ماری اور ان سب کے عقب میں چلا گیا۔ ان کے سروں پر سے گزرتے ہوئے میں مکار سید کرنا نہیں بھولا تھا۔ ان کے وہم و گمان میں بھی نہ ہوگا کہ میں اس طرح کا وار کروں گا۔ جس کی گردن سے مکار ٹکرایا تھا وہ بھی زمین پر گر گیا۔ ایک قلیل وقت میں میں نے دو بندوں کو فارغ کر دیا تھا۔ باقی رہ جانے والے اپنی اپنی جگہ رک کر مجھے حیرت سے دیکھ رہے تھے کہ میں نے لکار کر پھر اچھال بھری۔ یہ طریقہ جنگ ان کے لیے بالکل نیا تھا شاید اسی لیے وہ حیرت تھے مگر یہ کرائے کا پسندیدہ انداز سمجھا جاتا ہے جس کی پرنکیش مجھے بہت اچھی طرح تھی۔ وہ سب عام انداز سے لڑنے والے میرے سامنے کہاں نکلتے ایک کے بعد ایک چار افراد گر چکے تھے۔ میں نے

تاک تاک کر نازک حصوں کو نشانہ بنایا تھا۔ مجھے حیرت بھی تھی کہ یہ سب کس قسم کے خاص دستے سے تعلق رکھتے تھے جو صحیح انداز سے لڑنا بھی نہیں جانتے۔ اور یہی میری بھول تھی۔ ذرا سی غفلت کا انہوں نے فائدہ اٹھا لیا۔ گوپچن جیسا ہتھیار تھامے ہوئے شخص نے رسی میں بندھے دھات کے وزنی گولے کو گھما کر مجھے مارا۔ وہ گولا پوری قوت سے میری پیٹھ سے نکلایا تھا۔ مجھے اپنی ہڈی چنٹی ہوئی محسوس ہوئی تھی۔ میں زمین پر گر اٹھا کہ ایک دوسرا سپاہی خنجر لہراتے ہوئے میری طرف لپکا۔ اس نے وار کرنے کے لیے خنجر بلند کیا تھا کہ خود چھٹک کر گر پڑا۔ پیڑ پر چڑھے بندے نے وہیں سے اس پر چھلانگ لگا دی تھی۔ عین اس پر گر اٹھا۔ اس لیے اٹھنا تو دور کنار وہ چیخ بھی نہ سکا تھا۔ کودنے والے پر بقیہ سپاہی لپکے تھے کہ ادھر ادھر چھپے میرے ساتھی میدان میں آگئے۔ اب واقعی یہ چھوٹا سام میدان، میدان جنگ بن گیا۔ مگر جو میری چوٹ سے گرے تھے وہ ہنوز بے ہوش تھے۔ اپنے ساتھیوں کی مدد کرنا ضروری تھا۔ میں نے اس جانب دوڑ لگا دی جہاں جھاڑیوں میں اپنی وہ والی گن پھینکی تھی جو میں نے زینی سے حاصل کی تھی۔ ہمارے ساتھیوں نے بھی اپنے ہتھیار سنبھال لیے تھے۔ اور زوردار مقابلہ جاری تھا کہ میں نے گن تلاش کر لی اور اسے ہاتھ میں لیتے ہی ٹریگر دبا دیا۔ ایک زوردار دھماکا ہوا اور وہ سب ہی نہیں خود میرے ساتھی بھی چیخ مار کر گر گئے۔ میں نے اونچی آواز میں کہا۔ ”رو بیر انہیں بتاؤ کہ اگر انہوں نے ہاتھ نہیں روکے تو اس ہتھیار کے جلتے تیران کے جسموں کو چھلنی کر دیں گے۔“

رو بیر نے زمین سے اٹھتے ہوئے میرے الفاظ کا ترجمہ کیا۔ ان سپاہیوں نے اشارے سے بتایا کہ وہ میری بات مانیں گے۔ تب میں نے کہا۔ ”سب اپنے ہتھیار پھینک کر اپنے ہاتھوں کو سروں پر رکھ لیں۔“

رو بیر نے فوراً ہی میرے جملے کا ترجمہ کیا جسے سنتے ہی انہوں نے عمل کیا۔ میں نے سب کو ایک قطار میں بیٹھ جائے گا حکم دیا اور پھر رو بیر کی مدد سے سولات کرنا شروع کر دئے۔ میں نے پہلا سوال کیا کہ وہ کیوں پہلے نہیں گئے اور اب کیوں جا رہے ہیں تو ان میں سے ایک بولا۔ ”اعلان جنگ سے قبل ہمیں حکم دیا گیا تھا کہ ہم ایک مخصوص بڑے سے گھر میں چھپ کر رہیں گے اور جب نقارے کی مدد سے پیغام دیا جائے گا تبھی باہر نکلیں گے۔ ہمیں سامیرا کی فوج پر عقب سے حملہ کرنا ہوگا۔“

”مجھے اس کی بات میں وزن لگ رہا ہے۔“ پیڑ پر چڑھنے والے ایما رک نے کہا۔ ”پیڑ سے کافی دور تک نظر آتا ہے۔ سورج والی سمت میں کچھ سپاہی ضرور ہیں اور ادھر سے ہی نقارہ بجنے کی آواز آرہی ہے لیکن اصل فوج اس جگہ سے بہت دور اٹھنے ہاتھ پر جمع ہے۔ اسی سمت میں کافی دور سامیرا کی فوج صف بستہ ہے۔“

”وہاں پہنچ کر تم لوگ کیا کرتے؟“ میں نے پوچھا۔

”ہم کافی دور سے گھوم کر سامیرا کی فوج کے عقب میں پہنچتے اور حملہ کر کے افراتفری مچا دیتے۔ ہمارا دستہ یہ سوچ کر جنگ میں حصہ لیتا کہ اسے زندہ بچ کر نہیں آتا ہے۔ شہنشاہ پر قربان ہو جانا ہے۔“ اسی قیدی نے جواب دیا۔

جس نے بھی یہ دستہ تشکیل دیا ہے وہ کافی سوجھ بوجھ والا لگا اس لیے کہ اگر یہ حملہ ہو جاتا تو سامیرا کی فوج کو سنبھلنا مشکل ہو جاتا۔ خدا جو کرتا ہے وہ بہتر ہی کرتا ہے۔ میں نے مارٹ کو ان قیدیوں کو لے جانے کا حکم دیا۔ مارٹ سے کہا تھا کہ انہیں بھی اسی جگہ رکھا جائے جہاں دیگر قیدی ہیں۔ اگر ان میں سے ایک بھی فرار ہونے کی

کوشش کرے تو اسے فوراً دھکا کرنے والے اسلحہ سے ختم کر دینا۔“ مارٹ کی طرف دیکھتے ہوئے میں نے اپنی داہنی آنکھ دبا دی تھی۔ اگر اسے پہلے سے اس اشارے کا پتا نہ ہوتا تو شاید وہ سمجھ نہ پاتا لیکن معبد میں ہنستے ہوئے میں نے اس اشارے کا ذکر کر دیا تھا جس کی وجہ سے وہ فوراً سمجھ گیا اور مسکراتے ہوئے بولا:

”جی ہاں، آپ نے جس طرح مجھے سکھایا ہے میں اسی طرح اسے استعمال کر کے ان سب کو موت دے دوں گا۔“ پھر ان قیدیوں کی طرف مڑ کر بولا۔ ”چلو..... اب وہی تم سب کی منزل ہے۔“

قیدی کینچنئے جیسے بن گئے تھے۔ بغیر چوں چرا کیے آگے بڑھنے لگے۔ انہیں واپس جاتے ہوئے میں دیکھتا رہا۔ جب وہ نظروں سے اوجھل ہو گئے تو میں نے اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھا۔ وہ سب مستعد تھے۔ میرے اشارے کے منتظر تھے۔ میں نے انہیں نظروں ہی نظروں میں تو لا۔ مارٹ دلیر تھا، پھریتلا تھا اس کے جانے سے ہمارا ایک اہم سورما کم ہو گیا تھا لیکن مجھے باقی کے لوگوں پر بھی بھروسہ تھا۔ وہ بھی وقت پڑنے پر بے جگری سے لڑتے۔ مجھے خوشی تھی کہ جب بھی اور جہاں بھی مجھے دوست ملے بہادر ملے۔ ایسے بہادروں کا ساتھ ہو تو دل سے خوف کم ہو جاتا ہے۔ میں نے ان بہادروں کو آگے بڑھنے کا اشارہ کیا۔ وہ سب چل پڑے۔ ایمارک ہمارا رہنما تھا۔ اس کی رہنمائی میں ہم اسی جانب بڑھ رہے تھے جدھر سے نغارے کی گونج سنائی دے رہی تھی۔ سب سے آگے وہ تھا، اس کے پیچھے روبیر اور پھر میں اور میرے پیچھے باقی سب۔ ہم احتیاط کے ساتھ آگے بڑھ رہے تھے۔ پگڈنڈی نما سڑک کے دونوں جانب اونچے اونچے پیڑ تھے۔ میری نظریں درختوں کا جائزہ بھی لے رہی تھیں۔ اس لیے کہ میں نے بندر نما مخلوق کی تباہی، خون آشامی دیکھی تھی۔ کہیں کوئی ٹھنڈا دھڑ بھی نہ پک پڑے اسی خیال سے میں ان درختوں کو دیکھتا ہوا چل رہا تھا۔ میرے قدم سے قدم ملا کر روبیر چل رہی تھی۔ چلتے چلتے وہ بولی۔ ”یہ کیا بات ہوئی..... خواہ مخواہ یہ لوگ کود گئے۔ انہیں اتنی آسانی سے پکڑ میں آنا تھا تو سامنے آئے کیوں؟“

”یہ نہ کہو..... بہت بڑا کام ہو گیا ہے۔“ میں نے جواب دیا۔
”کیسا کام؟“

”ان کی وجہ سے ایک اہم بات معلوم ہو گئی۔ ریٹاٹ کس طرح حملہ کرنے والا ہے یہ قبل از وقت پتا چل گیا۔ سمجھ لو آدھی جنگ ہم نے جیت لی یعنی اب اس کی یہ والی فوج جسے اس نے اس کام کے لیے محفوظ رکھا تھا اسے میں تباہ کروں گا۔“

”واہ..... اس بارے میں تو میں نے غور ہی نہیں کیا تھا۔ واقعی یہ ایک اہم کام ہو گیا۔“ روبیر بولی۔
”اب خاموشی سے آگے بڑھنا ہے۔“ کہہ کر میں نے رفتار تیز کر دی۔ میں جلد سے جلد ریزو سپاہیوں تک پہنچنا چاہتا تھا۔ کیونکہ قرین قیاس تھا کہ ریٹاٹ بھی وہیں ہو گا۔ وہاں جتنے بھی سپاہی کیوں نہ ہوں سب کو گرفتار کرنا ہے۔ خون خرابے سے اجتناب کرتے ہوئے سامیرا کی راہ صاف رکھنا ہے اور اگر یہ کام جلدی ہو گیا تو سامیرا کی فوج میں شامل ہو جانا ہے تاکہ اسے تقویت ملے۔ ویسے اس کے ساتھ میری پوری ٹیم ہے جو پوری ایک فوج پر بھاری ہے لیکن ادھر بھی تو ڈیوڈ شا جیسا عیار و مکار ہے۔ پتا نہیں وہ کہاں ہے۔ اس والے دستے میں ہے یا فوج کے ساتھ ہے یہ خبر بھی نہیں مل رہی تھی۔ ڈیوڈ کے ساتھ باسو بھی ہو گا۔ سب سے زیادہ خطرہ اسی سے تھا

کیونکہ عام لوگ اس کے سامنے کچھ بھی نہ تھے۔ وہ قوت کا پہاڑ ہے۔ اسے زیر کرنا آسان نہیں ہے۔ وہ تو قسمت اچھی تھی کہ وہ میرے جنگل میں پھنس گیا تھا اور اس کا ستارہ بلند تھا کہ وہ میری جکڑ سے فرار بھی ہو گیا۔ اب وہ پہلے سے زیادہ ہوشیار ہو گا۔ اب کسی طور وہ مجھ پر رحم نہیں کھائے گا۔ اپنے آپ میں وہ عجوبہ ہے۔ ویسے یہ دنیا ہی عجائبات سے بھری ہے۔ اس عجیب دنیا میں ہر بات ایک نئی بات ہے۔ اس دنیا میں آنے سے پہلے یہاں کے عجائبات کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ اگر واپس جاسکا تو جسے بھی یہاں کے بارے میں بتاؤں گا وہ اسے جھوٹ سمجھے گا۔ ہارن جیسا قوی اور اسار جیسا پھرتیلا خون آشام درندہ۔ دیکھنے میں مور سے بھی زیادہ خوبصورت پرندہ جس کی ہلاکت خیزی ایسی کہ دنیا دنگ رہ جائے جس کے پروں سے زہریلی سوئی جھڑے اور بھی بہت کچھ جو عجائبات میں ہی شمار ہو سکتا ہے۔ میں انہی سب باتوں پر غور کرتا ہوا بڑھ رہا تھا اور سوچتا جا رہا تھا کہ اگر یہاں سے بحفاظت اپنی دنیا میں پہنچ گیا تو پھر سے وہی شب و روز ہوں گے۔ لیکن نہیں، وہاں اب بھی مرشد علی کا قضیہ باقی ہے۔ اسی کی وجہ سے تو در بدری میری زندگی میں در آئی۔ پتا نہیں مرشد کون سی سازش تیار کر رہا ہو گا۔ کیونکہ جب تک وہ زندہ ہے مجھے چین نہیں مل سکتا۔ اسی کی وجہ سے تو میری زندگی اس ڈھب پر آئی۔

خیالوں میں ڈوبا میں بڑھا جا رہا تھا کہ ایمارک نے میرے ہاتھ کو پکڑ کر مجھے روک لیا۔ اس کے روکنے سے میں ماضی کے گرداب سے نکل کر حال میں لوٹ آیا۔

”اب ہمیں احتیاط کرنا ضروری ہے کیونکہ نقارے کی آواز بند ہو گئی ہے۔“

میں نے غور کیا تو واقعی نقارہ بج نہیں رہا تھا۔ ہر طرف خاموشی تھی۔ ایسی خاموشی جو یہاں کے جنگل کا حصہ ہے۔ کہیں کوئی آواز نہیں تھی۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے موت نے پر پھیلا دیئے ہوں۔ سنائے کی چادر پھیل گئی ہے۔ میں نے ایمارک سے کہا۔ ”پیڑ پر چڑ کر دیکھو، اب وہ لوگ کتنی دور ہیں۔ وہاں کیا ہو رہا ہے۔“

”میرا خیال ہے کہ وہ لوگ زیادہ دور نہیں ہیں۔ غور سے سنیں، لوگوں کی باتوں کا ہلکا ہلکا شور سنائی دے رہا ہے۔“

میں نے کان لگا کر سنا مگر میں ان کی طرح خوش سماعت تو تھا نہیں کہ ہلکی سی آواز بھی سن لیتا۔ یہاں کے تقریباً تمام لوگوں کی حس سماعت بہت تیز دیکھی ہے۔ وہ ہلکی سی سرسراہٹ بھی سن لیتے ہیں۔ اس خیال کے آتے ہی میں نے سوچا کہ وہ لوگ بھی تو ہماری آواز سن سکتے ہیں اس لیے واقعی ہمیں احتیاط کرنا ہو گا۔ میں نے ایمارک کو دوبارہ اشارہ کیا کہ وہ پیڑ پر چڑھے۔ ایمارک پیڑ کی طرف بڑھ ہی رہا تھا کہ میں نے اسے روک دیا۔ اس لیے کہ اس پیڑ کا جائزہ لینے کے لیے جیسے ہی میں نے اوپر دیکھا تھا کہ میرے روٹے کھڑے ہو گئے تھے۔ اس لیے کہ شاخوں کے درمیان وہی خوش رنگ پرندہ بیٹھا تھا۔ وہ کسی بھی وقت اڑ سکتا تھا اور وہ اڑتے ہوئے ہی اپنے پروں کو پھیلاتا ہے جس سے زہریلی سویوں جیسے کانٹے برستے ہیں۔ یہ ایک ایسا خطرہ تھا جس سے بچنا بہت ضروری تھا لیکن سوال یہ تھا کہ اس سے پہلے جتنی بار بھی میں نے اسے دیکھا تھا تو وہ جھاڑیوں میں دبکا ہوا تھا۔ پہلی بار اسے کھلے میں بیٹھے دیکھ رہا تھا۔ گو کہ وہ اس طرح سکڑا سمٹا بیٹھا تھا جیسے خوفزدہ ہو۔ مگر یہ پرندہ خطرہ محسوس کر کے ہی تو پروں سے نکلنے والی سویوں کی بارش کرتا ہے۔ اب کیا کیا جائے؟ میں اسی پر غور کرنے لگا۔ ایمارک نے اشارے سے پوچھا کہ کیا ہوا؟ میں نے انگلی سے اوپر اشارہ کیا۔ اس پرندے کو دیکھتے ہی اس پر گویا سستہ سا

طاری ہو گیا۔ اس کے چہرے پر زلزلے کی سی کیفیت تھی۔ اس کے خوفزدہ چہرے کو دیکھ کر باقی لوگوں نے بھی اوپر کی طرف دیکھا۔ جس جس نے اوپر دیکھا تھا وہ سب اسی کیفیت میں آگئے تھے۔ اس خوف کے عالم میں آگے بڑھنا خطرناک تھا اس لیے میں نے واپسی کا اشارہ دیا اور خود بھی مڑ گیا۔ میری تقلید میں سب مڑ گئے اور آہستہ روی سے پیچھے چلنا شروع کر دیا۔ ان سب کے قدم اتنے آہستہ اٹھ رہے تھے کہ لگتا ہی نہیں تھا کہ وہ چل رہے ہیں۔ تقریباً سب کی نظریں اوپر کی طرف تھیں۔ ہر ایک کو یہی خطرہ تھا کہ وہ پرندہ اڑنا نہ شروع کر دے۔ مگر وہ اپنا سر پنوں میں ڈالے بیٹھا رہا۔ کافی پیچھے ہٹنے کے بعد میرے ذہن میں ایک خیال نے جنم لیا اور میں رک گیا۔ مجھے رکتا دیکھ باقی سب بھی رک گئے۔

”مجھے لگتا ہے کہ ہمیں اس پرندے سے کوئی خطرہ نہیں ہے۔“ میں نے سب پر ایک نظر ڈال کر کہا۔

”کیوں..... ایسا کیوں لگ رہا ہے؟“ روہیر پوچھے بغیر نہ رہ سکی۔

”کچھ دیر قبل یہاں نقارہ بج رہا تھا۔ نقارے کی تیز آواز سے جنگل کا ہر چرند پرند خوفزدہ ہوا ہوگا۔ ہے

ت؟“

”بالکل.....“

”اس کے ساتھ بھی یہی ہوا ہے۔ یہ کہیں سے آرہا ہوگا۔ اس نے نقارے کی گونجدار آواز سنی تو خوفزدہ ہو

کر بیٹھ گیا۔ اس کا ثبوت اس کے بیٹھنے کا انداز بھی ہے۔“

”بات تو سو فیصد صحیح ہے۔“ روہیر چپکی۔ پرندے کو دیکھ کر اس پر بھی مردنی چھا گئی تھی مگر میرے ایک جملے

نے اس میں زندگی کی رمت دوڑادی تھی۔ وہ گویا پھر سے جی اٹھی تھی۔

”تو ساقیو، آپ سب آرام سے بیٹھیں۔ اب کچھ ہی دیر میں یہ اپنے گھر کی جانب کوچ کر جائے گا۔

جس طرح ہم نقارے کی آواز نہ آنے پر محتاط ہو گئے تھے اسی طرح یہ بھی اب اڑنے کے لیے پرتول رہا ہوگا۔ بس

کچھ دیر کی بات ہے۔“ ابھی میرا جملہ ختم بھی نہیں ہوا تھا کہ اس پرندے نے اڑان بھری اور نیچی پرواز کرتا ہوا

مغربی سمت میں چلا گیا۔

”آپ کا ہر اندازہ صحیح نکلتا ہے؟“ روہیر نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔ ”آپ جیسا بہادر، زیرک اور میٹھی

باتیں کرنے والا شخص میں نے پہلے نہیں دیکھا۔“

روہیر پر میری تعریف کرنے کا گویا بھوت سوار ہو گیا تھا۔ وہ میری جانب ایسی نظروں سے دیکھ رہی تھی کہ

کوئی اور ہوتا تو شہید ہو چکا ہوتا۔ مگر اس کی قاتل نگاہوں کا اثر مجھ پر ذرا بھی نہیں پڑا۔ میں نے تیز لہجے میں کہا۔

”اب ہمیں آگے بڑھنا چاہیے۔“

اس حکم پر روہیر کا منہ بن گیا۔ یہ عورتیں بھی نا، دنیا کے کسی خطے کی ہوں مزا جا سب ایک ہوتی ہیں۔ اپنی

تعریف کرانا خصوصی طور پر پسند ہوتا ہے اور جب ان کی کسی بات کو نظر انداز کر دو تو منہ بنا لینا بھی ضروری سمجھتی

ہیں۔ گو کہ کئی بار میں نے اسے سمجھایا بھی کہ وہ میری طرف توجہ نہ دے کر ایرٹ پر توجہ دے کیونکہ ایرٹ اس کی

چاہت میں پاگل ہے لیکن وہ تو گویا اس کے لیے پتھر کی بن جاتی تھی۔

میں کن آنکھوں سے اس کا ہی جائزہ لے رہا تھا کہ ایمارک بولا۔ ”آپ نے کہا تھا کہ پڑ پر چڑھ کر میں

اس مقام کا جائزہ لوں جہاں نقارہ بج رہا ہے۔“

”ارے ہاں..... میں تو بھول ہی گیا تھا۔ کسی اونچے پیڑ پر چڑھ کر ایک نظر دیکھ لو۔ وہاں اب کیا ہو رہا ہے اور کتنے لوگ ہیں۔“ یہ کام ضروری بھی تھا کیونکہ اس طرح ان سے نمٹنے کی پلاننگ عمدہ طریقہ سے کی جاسکتی تھی۔ اندھے کنویں میں تو چھلانگ لگانی نہیں تھی۔ اب جو کچھ بھی کرنا تھا ایمارک کی دی گئی معلومات کی روشنی میں ہی کرنا تھا۔ میری نظریں ایمارک کے ساتھ ساتھ پیڑ کی بلندی کی طرف جارہی تھیں۔ ایمارک نہایت پھرتی سے پیڑ کی بلندی کی جانب بڑھتا جا رہا تھا۔

دیکھتے ہی دیکھتے وہ کافی اوپر پہنچ گیا۔ اس کا رخ اسی طرف تھا جدھر سے نقارے کی گونج سنائی دی تھی۔ ابھی وہ ادھر دیکھ ہی رہا تھا کہ ایک زوردار چیخ بلند ہوئی اور وہ پیڑ کی بلندی سے نیچے گرنے لگا۔ ہم سب گھبرا اٹھے۔ شاید اس کا ہاتھ چھوٹ گیا تھا یا پھر پیڑ پر بیٹھنے کسی موذی کیڑے نے اسے کاٹا تھا جس کی وجہ سے اس کا توازن بگڑ گیا اور وہ اوپر سے نیچے گر پڑا۔

ہم سے صرف دس ہاتھ کی دوری پر وہ زمیں پر گرا ہوا تھا۔ اس کے گرد خون کا ایک تالاب سا بنتا جا رہا تھا۔ سب کی نظریں اس پر ٹکی ہوئی تھیں۔ ہر ایک کی نظروں میں رحم اور خوف کا ملا جلا تاثر تھا مگر میری نظریں اس پر نہیں اس کے گلے میں اٹکے ہوئے تیر پر مرکوز تھیں۔ یقیناً اسے دور سے کسی تیر انداز نے دیکھ لیا تھا اور تیر چلا دیا تھا۔ اس حادثے پر میں بھی رنجیدہ تھا مگر یہ وقت غم منانے کا نہیں تھا۔ دشمن نے جب تیر چلایا تھا تو وہ اپنے شکار کو دیکھنے بھی آتا ہوگا۔ اس خیال کے تحت میں نے حکم دیا۔ ”جلدی..... جتنی جلدی ہو سکے سب اس راستے کو بھول کر جنگل میں داخل ہو جاؤ۔ اندر پہنچ کر باقی باتیں کر لینا۔“

”مگر ایمارک کی لاش؟“ رو بیر نے آبدیدہ لہجے میں پوچھا۔

”یہ وقت لاش پر غور کرنے کا نہیں ہے۔ خود کو محفوظ رکھنا ضروری ہے۔ ہمیں ابھی بہت کچھ کرنا ہے۔ اس نے ایک نیک مقصد کے تحت جان دی ہے۔ اس مقصد کو پورا کرنا اب ہماری ذمہ داری ہے۔“ کہتے ہوئے میں جنگل میں داخل ہو گیا۔ میرے ساتھ سب ہی آگئے تھے۔ ہم تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے اس جگہ سے دور ہوتے جا رہے تھے۔ کافی اندر آنے کے بعد میں نے سب کو بیٹھ جانے کا حکم دیا۔ وہ سب رنج و غم سے پُور تھے۔ حکم ملتے ہی بیٹھ گئے۔ میں نے مڑ کر اس طرف دیکھا جدھر سے ہم آئے تھے۔ اس طرف خاموشی تھی۔ ایسا لگتا تھا کہ اب تک لاش دیکھنے کے لیے کوئی آیا نہیں ہے۔ اگر آتا تو پیروں کی چاپ یا باتیں کرنے کی آواز ضرور سنائی دے جاتی مگر ادھر گہری خاموشی تھی۔ ایسی خاموشی جو اس جنگل کا خاصہ ہے۔

”اب ہمیں مزید ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے اس لیے کہ دشمن ہوشیار ہو چکا ہے۔ وہ ہمیں ڈھونڈ رہا ہوگا کیونکہ ہمارے قدموں کے نشان وہاں موجود ہوں گے۔ اسے دیکھ کر وہ لوگ سمجھ جائیں گے کہ ایمارک اکیلا نہیں تھا۔ اس لیے اب وہ ہمیں ڈھونڈنے کی کوشش کریں گے۔“ میں نے تنبیہ کی۔ انہوں نے سر ہلا کر تائید کی۔

”مگر ہمیں رکنا نہیں ہے۔ ہم جس مقصد سے اس طرف آئے ہیں اسے پورا کرنا ہی ہوگا۔“ میں نے پُر عزم لہجے میں کہا۔

”ہمیں آپ ہر معرکہ میں ساتھ پائیں گے۔“ ایک نوجوان نے پُر جوش لہجے میں جواب دیا تو میرا حوصلہ

سوا ہو گیا۔ مجھے ایسے ہی ساتھیوں کی ضرورت ہوتی ہے اور مجھے ہر مقام پر ایسے ہی دوست ملتے ہیں۔
 ”آپ لوگ کچھ دیر آرام کر لیں پھر ہم دوبارہ اپنا سفر شروع کریں گے۔ اس بار ہم زیادہ لمبا چکر کاٹ کر ان کے عقب میں جائیں گے اور اپنے ساتھی کی موت کا بدلہ لیں گے۔ اس لیے کہ ہم اس بے قصور ایمارک کا خون کسی بھی طرح معاف نہیں کر سکتے۔ زندگی اور موت ساتھ چلتی ہے۔ ہر ایک کو مرنا ہے لیکن بے قصور کی موت کا بدلہ لینا بھی فرض ہے۔“ کہہ کر میں نے سب کے چہرے کا معائنہ کیا۔ آہستہ آہستہ سب کے چہروں پر اطمینان چھا رہا تھا۔ میرا وعدہ ان کے لیے اہمیت رکھتا تھا۔ وہ سمجھ رہے تھے کہ میں ان کے ساتھی کو لوٹا تو نہیں سکتا مگر اس کا انتقام ضرور لوں گا۔ یہ ایک اہل حقیقت ہے کہ ہر ایک کو موت آنی ہے مگر کوئی کسی کو قتل کر دے تو مرنے والے کا غم کم محسوس ہوتا ہے اور غصہ زیادہ اثر دکھاتا ہے۔ ان سب پر بھی غصے کا اثر تھا جو میرے وعدہ کی وجہ سے کم ہو گیا۔ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ میں دشمنوں سے انتقام ضرور لوں گا۔ اسی لیے وہ سب آرام سے بیٹھ گئے۔
 روہیر نے پیڑ سے ٹیک لگا لی تھی۔ ایک تو جنگل کا گھنا پن اوپر سے شام اترنے لگی تھی۔ اندھیرے کا گہرا پن پوری طرح سے سیاہ چادر پھیلا چکا تھا۔ لیکن ہم مشعل بھی جلا نہیں سکتے تھے اس لیے کہ روشنی دشمنوں کو متوجہ کر سکتی تھی۔ میں نے ان لوگوں سے کہا۔ ”تم سب آرام کرو۔ میں آس پاس کا جائزہ لے کر آتا ہوں۔“
 ان میں سے کسی نے اعتراض نہیں کیا تھا۔ خود روہیر بھی تھکن کی وجہ سے وہیں لیٹ گئی تھی۔ میں نے اپنے قدم اس جانب بڑھادیئے جدھر سے ہم آئے تھے۔

اس وقت تو وہاں سے چلے آئے تھے مگر اب ضمیر چین لینے نہیں دے رہا تھا۔ میں تو دشمن کی لاش کی بے حرمتی برداشت نہیں کر سکتا مگر حالات کی وجہ سے اپنے دوست کی لاش کو بے یار و مددگار چھوڑ آیا تھا اور اب یہ بات برداشت نہیں ہو رہی تھی۔ اسی لیے میں دے پاؤں ادھر ہی بڑھنے لگا تھا۔ یہ کوئی پگڈنڈی یا راستہ تو تھا نہیں۔ گھنی جھاڑیوں سے گزرنا پڑ رہا تھا۔ جھاڑیوں میں کسی بھی قسم کا جانور دبکا ہو سکتا تھا جو خوفزدہ ہو کر حملہ کر سکتا تھا پھر بھی میں بلا خطر آگے بڑھتا رہا۔ خاردار جھاڑیوں کی وجہ سے جسم میں جلن محسوس ہونے لگی تھی پھر بھی میں رکا نہیں۔ آہستہ آہستہ اس جگہ پہنچ ہی گیا جہاں ایمارک کی لاش پڑی تھی۔ میں نے احتیاط کے ساتھ ادھر ادھر دیکھا لیکن کوئی بھی نظر نہیں آیا۔ لاش اسی طرح پیڑ کے نیچے پڑی تھی۔ یہ حیرت کی بات تھی کہ نشانہ بنانے والا دیکھنے یوں نہیں آیا۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ جس نے اسے نشانہ بنایا ہے وہ خود بھی سمجھ نہ پایا ہو کہ اس کا نشانہ کس پر تھا۔ ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ دور سے اسے صحیح نظر نہیں آیا کہ پیڑ پر کون ہے۔ اس نے ایمارک کو خون آشام بندر نما مخلوق سمجھ کر نشانہ لگایا ہو؟ بات کچھ بھی ہو مجھے تو لاش چاہیے تھی۔ میں آگے بڑھا مگر فوراً ہی رک گیا۔ ایسا بھی تو ہو سکتا تھا کہ دشمن چالاک سے کام لے رہا ہو اور اس نے پیروں کے نشانوں سے اندازہ لگا لیا ہو کہ پیڑ کے نیچے کئی آدمی تھے۔ باقی کہیں چھپے ہوئے ہیں۔ دشمن انتظار میں ہو کہ جیسے ہی لاش کے پاس کوئی آئے اسے گرفتار کر لیا جائے۔ اور وقت بھی کم تھا۔ خطرہ بھی موجود تھا۔ اس لیے میں نے خود کو زمین پر گرالیا اور کروٹ لنگ کرتے ہوئے ادھر بڑھنے لگا۔ دھیرے دھیرے میں لاش کے قریب پہنچ گیا۔ میں پوری طرح ہوشیار تھا۔ ذرا سی آہٹ پر میں مقابلے پر اتر آتا۔ ابھی تک میں نے گن استعمال نہیں کی تھی۔ صرف اس ڈر سے کہ دھماکے کی آواز دور تک سنائی دے گی اور ریناٹ کے سپاہی ہوشیار ہو جائیں گے۔ گن کے ساتھ کروٹ لنگ کرنا آسان نہیں پھر بھی میں کروٹ لنگ

کرتار ہاتھ۔ اب میں نے رسک لینے کا سوچا اور گن کو جسے کندھے سے باندھ رکھا تھا اتار کر ہاتھ میں لے لیا۔
اب تک میں لیٹا ہوا تھا۔ میری نگاہیں چاروں جانب کا جائزہ بھی لے رہی تھیں۔ مگر اب تک کوئی بھی نظر نہیں آیا تھا۔ ہر طرف خاموشی تھی۔ کچھ کچھ مطمئن ہونے لگا تھا۔ اس لیے اٹھ کر بیٹھا پھر کھڑا ہو گیا۔ پھر بھی کہیں سے کوئی کھٹکا کوئی چاپ سنائی نہ دی تو میں نے گن کو دوبارہ کندھے پر لٹکا لیا اور پھر جھک کر لاش کو اٹھا لیا۔

لاش کو کندھے پر لاد کر میں نے دوڑ لگا دی۔ جھاڑیوں کو پھلانگتا۔ روندتا ہوا میں اس جانب دوڑ رہا تھا جدھر باقی ساتھیوں کو چھوڑ آیا تھا۔ کچھ آگے جانے کے بعد میں نے رفتار سُست کر لی اس لیے کہ پتوں کی کھڑکھڑاہٹ۔ جھاڑیوں کی ہلچل سے میرے ساتھی مجھے دشمن سمجھ کر تیر چلا سکتے تھے۔

کافی دور آنے کے بعد احساس ہوا کہ میں بھٹک گیا ہوں اس لیے کہ اتنی دیر میں مجھے ان لوگوں تک پہنچ جانا چاہیے تھا۔ مگر اب تک وہ سب نظر نہیں آئے تھے۔ میں رک گیا۔ کھڑے ہو کر اندازہ لگانے کی کوشش کی کہ ان سب کو میں نے کہاں چھوڑا تھا۔ اس اندھیرے میں پتا ہی نہیں لگ رہا تھا۔ انہیں آواز بھی نہیں دے سکتا تھا۔ ایک عجیب سی لاچاری نے گھیر لیا تھا۔ کندھے پر گن تھی اور دونوں ہاتھوں میں ایما رک کی لاش۔ اب میں کدھر جاؤں یہ سوچ ہی رہا تھا کہ پتے کھڑکھڑائے اور میرے کان کھڑے ہو گئے۔ مجھے ایسا لگا جیسے دور کہیں کسی نے سیٹی بجائی ہو۔ میں نے یہاں ابھی تک کسی کو منہ سے سیٹی بجاتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔ پہلی بار سن رہا تھا۔ اس لیے چونکنا ضروری تھا۔ میں پوی طرح ہمہ تن گوش ہو گیا تھا۔ تاکہ اگر پھر وہ آواز گونجے تو بہ آسانی سن سکوں۔ آواز دوبارہ سنائی دی۔ مگر یہ آواز سیٹی کی نہیں تھی، کچھ مختلف تھی اور بہت ہلکی تھی پھر بھی میں نے اندازہ لگا لیا تھا کہ کوئی دبے پاؤں چل رہا ہے۔ پیروں کے نیچے آنے والے پتے ہلکی آواز میں احتجاج کر رہے تھے۔ میں نے لاش کو زمین پر رکھ دیا اور گن کو کندھے سے اتار لیا۔ میں ادھر ہی دیکھ رہا تھا کہ داہنی جانب کی جھاڑیاں ہلیں اور کوئی بگولے کی طرح اندھیرے سے نکلا اور بھوت کی طرح لپٹ گیا۔ اس کی جکڑ اتنی سخت تھی کہ میں ہل بھی نہیں پار رہا تھا۔ میری گن بھی گر گئی تھی۔ میں اس کی جکڑ سے نکلنے کے لیے زور لگا رہا تھا اور وہ مجھے پچھاڑنے کی کوشش کر رہا تھا۔ دونوں طرف سے زور آزمائی ہو رہی تھی۔ میں نے اب پاؤں کو استعمال کرنے کا سوچا اور اس کے پیروں میں اپنے پیر پھنسانا ہی چاہا تھا کہ اس نے منمناتے ہوئے سرگوشی کی۔ ”پتا نہیں یہ جنگلی کیا کھاتے ہیں۔“

اس آواز نے میرے اندر ایک نئی توانائی بھردی اور میں نے شوخ لہجے میں کہا۔ ”وہی جو سادی کھلائے کھا لیتا ہوں۔“

میری آواز سنتے ہی وہ اور زور سے چٹ گیا۔ بلکہ مجھے چوم بھی لیا۔ ساتھ ہی ساتھ اس کی زبان بھی چل پڑی۔ ”ظالم ایسی بھی کیا بے رخی۔ میری آمد کا سن کر بھی ملنے کی ضرورت نہ سمجھی۔“

”پہلے مجھے چھوڑتے تو جواب دوں گا۔“ میں نے خود کو چھڑاتے ہوئے کہا۔

اس نے جکڑ ذہیلی کرتے ہوئے گلا کیا۔ ”تُو نے بہت ستر کھا ہے۔ واپس جائے گا نا تو دیکھنا سادی کیسا سناتی ہے۔“

”ابھی تمہاری سن رہا ہوں تب اس کی بھی سن لوں گا۔“ میں نے خود کو آزاد کراتے ہوئے جواب دیا۔

”اچھا یہ بتائیں کہ ہم سے دوری کی وجہ کیا تھی۔ سفیر سے آپ کی خیریت کی اطلاع ملتے ہی میں بے چین ہوا تھا۔“

”اگر میں تجھ سے ملنے چلا جاتا تو یہاں معاملہ مزید الجھ جاتا۔ یہ سب باتیں بعد میں بھی ہو سکتی ہیں۔ اس وقت تو اطلاعاً عرض ہے کہ یہاں ایک لاش بھی ہے جو میری مدد کرتے ہوئے مارا گیا۔“

”اوہ..... کہاں ہے لاش۔“

”لاش حضور کے قدموں میں پڑی کہہ رہی ہے، چلنے والے ذرا دیکھ کے چل ہم بھی تو پڑے ہیں راہوں میں۔“ میں نے ماحول کو ہلکا رکھنے کی کوشش کی۔

”ابھی دیکھتا ہوں۔“ کہہ کر اس نے جیب سے پنسل نارنچ نکالی اور اس سے زمین کا جائزہ لینے کے لیے روشنی ڈالی۔ سامنے ہی ایما رک کی لاش رکھی تھی، اسے دیکھ کر اس نے سوال کیا۔ ”لگے ہاتھوں یہ بھی بتادیں کہ اس کا کرنا کیا ہے؟“

”دنیا میں تین طریقہ سے مردوں کے آخری رسومات ہوتی ہیں۔ ہندو جلایا کرتے ہیں۔ پارسی چیل کوؤں کو کھلا دیتے ہیں اور مسلمان و عیسائی اور یہودی دفناتے ہیں۔ ان کے مذہب میں پتا نہیں کیا کرتے ہیں..... لیکن اس وقت یہ میرے مددگار کی حیثیت رکھتا ہے اس لیے میں تو اسے دفناؤں گا۔“

”تو پھر بسم اللہ۔“ کہہ کر اس نے کمر سے ایک خنجر نکالا اور اسے لہرا کر کہا۔ ”اس کی مدد سے ابتدا کرتے ہیں۔“

”ارے ارے..... کیا اسے پارچوں میں تبدیل کر دو گے؟“ میں نے ہنستے ہوئے پوچھا۔

”یہ میرا خنجر ہے..... اس سے میں دنیا کا ہر کام کرتا ہوں..... یہ دیکھیں۔“ کہہ کر اس نے زمین کھودنا شروع کر دی۔ میں نے بھی ہاتھ بٹانا شروع کر دیا۔ زمین نرم تھی۔ دیکھتے ہی دیکھتے اس نے خاصہ بڑا گڑھا کھود لیا۔

جب گڑھا اتنا بڑا ہو گیا کہ اس میں ایما رک کی لاش کو لٹایا جاسکے تو ہم نے اسے لٹا کر اوپر سے مٹی ڈال دیا۔ اس کام سے فرصت پا کر میں نے پوچھا۔ ”اب بتاؤ تم اکیلے کیا کر رہے ہو۔ باقی سب کہاں ہیں؟“

”میں مقابل فوج کا جائزہ لینے نکلا تھا کہ نقارے کی آواز سنی۔ حیرت ہوئی کہ نقارہ فوجی پڑاؤ سے دور بج رہا ہے۔ یہ کون لوگ ہیں یہی دیکھنے چلا آیا کہ یہ لوگ کیا کر رہے ہیں۔“

”میرے ساتھ بھی کچھ لوگ ہیں۔ میں ان کو ایک جگہ بٹھا آیا ہوں۔ تم اپنے پڑاؤ کی جانب جاؤ اور میں ان کی طرف جا رہا ہوں۔“

”یہ کیا بات ہوئی۔ صحیح سے باتیں بھی نہیں کر سکا ہوں۔ دل ابھی بھرا بھی نہیں ہے کہ آپ جانے کی ضد کرنے لگے۔“

”عقل جب بٹ رہی تھی تو تم کہاں تھے؟ ہم یہاں کپنک پر نہیں آئے ہیں۔ جتنی جلد ممکن ہوگا ہم یہاں سے نکلنے کی کوشش کریں گے۔ اوپر اپنی دنیا میں پہنچ کر جتنا مرضی باتیں کر لینا۔ اب جاؤ اور باقی سب سے کہنا کہ وہ تیاری کر لیں۔ آج ہی ان پر ہم بھرپور حملہ کریں گے۔“

”بڑی جلدی میں ہیں۔ کیا کسی کی یاد ستانے لگی ہے۔“ اس نے ہنس کر کہا۔

”تم تو ابھی آئے ہو۔ میں کب سے اس وادی میں پھنسا ہوا ہوں، مجھے کیا اپنوں کی یاد نہیں آئے گی؟ میرا بس چلے تو میں ابھی اور اسی وقت اس وادی سے نکل جاؤں لیکن یہاں سے نکلنے کا نہ تو راستہ معلوم ہے اور نہ کوئی طریقہ۔ یہ برف والا بھی نہ جانے کیا چیز ہے کہ دور بیٹھا ہوا بھی ہمیں پیغام دیتا رہتا ہے۔ ہم اسی کی مدد سے یہاں سے نکل سکتے ہیں اور وہی کوئی راستہ نکالے گا۔“

”برف والے کا کہا تو مجھے یاد آیا..... راجا عمر دراز بھی کسی برف والے کا تذکرہ کرتے ہیں لیکن میں نے اسے دیکھا نہیں ہے۔ بس نام ہی نام سنا ہے۔“

”وہ ایک ایسی پراسرار ہستی ہے کہ میں اس پر جتنا غور کرتا ہوں اتنا ہی الجھتا جاتا ہوں۔ پتا نہیں کیا چیز ہے۔ خیر یہ بتاؤ تم لوگ آئے کیسے؟“

”مت پوچھیں۔ زندگی کا ہر لمحہ آخری لگ رہا تھا۔ صرف آپ کی محبت تھی کہ ہم بر فراروں میں چلتے رہے..... جب چلے تھے تو ہمارے ساتھ بیس افراد تھے لیکن جب ایک غار میں پہنچے تو صرف وہی لوگ بچے جو اسلام آباد سے چلے تھے۔ باقی سب یعنی تمام پور پور برف میں دفن ہو گئے۔“

”اس سرد جہنم کو پار کرنا آسان نہیں ہے۔ میں خود بھی کئی بار مرتے مرتے بچا ہوں۔“

”اور ایک راجا عمر دراز ہیں جو بیماری کی حالت میں بھی اس مشقت کو جھیلنے رہے۔“

”راجا صاحب کی طبیعت اب کیسی ہے؟“

”مت پوچھیں..... وادی میں آنے کے ساتھ پھر سے جوان ہو گئے ہیں۔ سامیرا نے پتا نہیں کون کون سی جڑی بوٹی استعمال کرائی ہے کہ ان کے چہرے پر چھائی مردنی اب نظر ہی نہیں آتی۔ اس لڑکی میں کمال کا طبیب چھپا ہے۔“

”اوئے احمق..... وہ لڑکی نہیں ہے۔ راجا عمر دراز سے بھی عمر میں بڑی ہوگی۔“

”لیکن وہ تو ایسے اٹھلاتی ہے جیسے الہڑتیا رہے۔“

”عشق نام ہے دماغی خلل کا۔ وہ محترمہ راجا صاحب کے عشق میں پور پور ڈوبی ہوئی ہیں۔ راجا صاحب بھی انہی کی محبت میں کچے دھاگے سے بندھے چلے آئے ہیں۔“

”محبت ان کی، ہم لوگوں کے دماغ میں خلل کیوں پیدا کیا گیا۔“ اس نے زور سے قہقہہ لگا کر کہا۔

”تمہارے دماغ کے خلل کا سبب میں ہوں۔ تم سب میری محبت میں چلے آئے۔ یہی تو ہوتا ہے۔ انسان کے دل میں محبت کے سوتے نہ پھوٹیں تو زندگی بے رنگ ہو جائے۔ مجھے فخر ہے کہ میرے تمام دوست مخلص ہیں جیسی تو سب اپنی جان کی بازی لگا دیتے ہیں۔“

”بس بس زیادہ مکھن پالش نہیں۔ میں واپس جا رہا ہوں۔ اب یہ بتا دیں کہ رابطے کا ذریعہ کیا ہوگا؟“

”میں نے ڈیوڈ شا کو دیکھا ہے کہ وہ تمام ضروری آلات لے کر آیا ہے۔ کیا تم لوگ بھی ایسا کچھ لے کر

آئے ہو جس سے رابطہ کیا جاسکے؟“

”بہل فون سب کے پاس ہے لیکن وہ یہاں آکر بیکار ہو گیا ہے۔ موبائل کی وجہ سے کسی کو کوئی اور

ساتھ لینے کا خیال ہی نہیں آیا۔ اس کی وجہ سے اب ہم سب پریشان ہیں۔“

”سفیر بتا رہا تھا کہ راجہ صاحب کے پاس سیٹ لائٹ فون ہے جس کا بوسٹر وہ اوپر لگا آئے ہیں۔“
 ”ہاں ایسا ایک فون ہے تو لیکن وہ بھی بیمار چل رہا ہے۔ کبھی کام کرتا ہے اور کبھی نہیں۔ شاید بوسٹر میں کوئی خرابی آگئی ہے۔“

”پھر رابطے کا ذریعہ کیا ہوگا؟“ میں نے پوچھا۔

”ہمارا خیال ہے صدیوں پہلے کے انسان جو طریقہ استعمال کرتے تھے وہی بہتر رہے گا۔ یعنی ایسا کچھ جس سے پیغام رسانی ہو سکے..... ہم ایک دوسرے کے ساتھ اشاروں کے ذریعہ رابطہ کرتے ہیں۔“
 ”ٹھیک ہے۔ تم اب جاؤ..... مگر یہ بات یاد رکھنا۔ میں اسی جنگل میں ہوں۔“
 ”یہ تو سب کو معلوم ہے کہ آپ اسی جنگل میں تشریف رکھتے ہیں۔“
 ”میرے کہنے کا مطلب ہے کہ اندھا دھند حملہ نہ کرنا ہمارے ساتھی بھی تمہارے مقابلے پر آسکتے ہیں۔“
 ”جی، میں سب کو ہوشیار کر دوں گا۔“

”تم نے یہ تو بتایا ہی نہیں کہ حملے کا طریقہ کیا ہوگا؟“ میں نے سوال کیا۔

”ہمارے پاس آتشیں اسلحہ ہے۔ ہم ایک ہی بار میں پوری فوج کو پیچھے دھکیل دیں گے۔“
 ”یہ مت بھولو کہ ان کے ساتھ ڈیوڈ شا ہے اور اس کے پاس انتہائی جدید اسلحہ ہے۔“
 ”میرا نام وسیم ہے..... یہ مت بھولیں میں نے اسلحے کی اسمگلنگ بھی کی ہے۔ دیکھتے رہیں۔ ڈیوڈ شا کے اسلحے میں استعمال کر رہا ہوں گا بابا۔“

”اچھا اچھا تمیں مار خان، اب جاؤ مجھے اپنے ساتھیوں کو ساتھ لے کر اس نقارہ والے دستے کو منتشر کرنا ہے۔“ کہہ کر میں مڑ گیا۔ وہ بھی اندھیرے میں غائب ہو گیا۔ میں نے آگے بڑھتے ہوئے مڑ کر ادھر دیکھا جہاں ایمارک کو دفن کیا تھا۔ موت بھی کتنی ظالم ہے کہ ایک پل میں جدائی ڈال دیتی ہے۔ زمین انسان کو نگل جاتی ہے مگر خود قائم رہتی ہے۔ کوئی امیر یا غریب، نیک و بد، حاکم ہو یا محکوم پادری پنڈت مولوی، زانی شرابی چور ڈاکو۔ ایک حادثہ سب پر گزرتا ہے۔ موت کا حادثہ، اور یہ حادثہ ایسا ہے جو محبت اور عداوت کے رشتے کاٹ دیتا ہے۔ جب تک آدمی جیتا ہے دھرتی کا پھل اور اناج کھاتا ہے اور جب مرتا ہے، دھرتی اسے کھا جاتی ہے۔ جس طرح زمین اور موسم اپنی طے شدہ منزلوں سے گزرتے ہیں اسی طرح زندگی اور موت کے واقعات بھی ایک ہی مقررہ دائرے میں رونا ہوتے ہیں۔ ایمارک کچھ دیر پہلے تک ہمارے درمیان قہقہے بکھیر رہا تھا مگر اب موت کی گود میں سو گیا۔ میں اس کے بارے میں سوچتا ہوا آگے بڑھتا چلا گیا۔ کچھ دور جانے کے بعد احساس ہوا کہ میں واقعی راستہ بھٹک گیا ہوں۔ اس اندھیرے جنگل میں میں ان لوگوں کو کیسے تلاش کروں میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ اگر زور سے پکارتا ہوں تو دشمن ہوشیار ہو جائیں گے۔ اب مجھے افسوس ہو رہا تھا کہ وسیم کو زبردستی کیوں واپس بھیج دیا۔ اسے خدا نے میری مدد کے لیے بھیجا ہوگا اور میں نے اپنی نادانی میں سنہری موقع کو گنوا دیا۔ وہ رہتا تو تلاش میں مدد ہی کرتا، اب کیا کروں یہی سوچ رہا تھا کہ مجھے یاد آیا کہ جس جگہ سے میں جنگل میں داخل ہوا تھا وہاں سرخ پھولوں سے لدے پیڑوں کی بہتات تھی۔ میں نے اندھیرے میں آس پاس کے درختوں کو دیکھنے کی کوشش کی مگر

تمام پیڑ ہیولوں جیسے لگے۔ جب جنگل میں داخل ہو رہا تھا تب کچھ روشنی تھی اسی لیے پھول نظر آ گئے تھے مگر اب کچھ بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔ میرا ذہن ماؤف ہو گیا تھا۔ میں نے اندازے سے اس رخ پر چلنا شروع کیا جہاں سے داخل ہوا تھا۔ یہ کوشش بار آور ہوئی اور کچھ ہی دیر میں میں جنگل سے باہر نکل آیا۔ ادھر ادھر دیکھا۔ ہم جس جگہ سے جنگل میں داخل ہوئے تھے وہ جگہ دور نہیں تھی۔ اس کی پہچان یہ تھی کہ وہاں خون جمع ہوا تھا۔ جنگل سے باہر بھی اندھیرا تھا لیکن اتنا گہرا نہیں اس لیے خون کا بڑا سیاہ دھبہ نظر آ گیا تھا۔ میں اسی طرف چل پڑا۔ وہاں پہنچ کر میں نے اپنا رخ ادھر موڑا جدھر سے جنگل میں داخل ہوا تھا پھر میں اندر بڑھتا چلا گیا۔ میں بالکل سیدھ میں چل رہا تھا اس لیے کہ ہم سب سیدھ میں ہی دوڑے تھے۔ کچھ دور چلنے کے بعد میں نے دبی دبی آواز میں پکارا۔ ”رو بیر..... رو بیر۔“ لیکن کوئی جواب نہیں آیا تب میں مزید آگے بڑھا اور پھر آواز لگائی۔ اس بار میری آواز خالی نہیں گئی۔ رو بیر نے جواب دیا تھا۔ وہ جواب میں مجھے پکاری تھی۔ میں اس آواز کی سمت بڑھنے لگا۔ اب مجھے وہ بڑی بڑی جھاڑیاں نظر آ گئی تھیں جنہیں پھلانگ کر ہم اس کھلے قطعہ پر پہنچے تھاجہاں وہ سب آرام کرنے کے لیے بیٹھ گئے تھے۔ میں اس جھاڑی کو ہٹا کر دوسری طرف پہنچا ہی تھا کہ میرے سر پر قیامت ٹوٹ پڑی۔ شاید گوپھن سے وار کیا گیا تھا۔ کسی رستی میں بندھا دھات سے بنا گولا پوری شدت سے میرے کندھے پر لگا تھا۔ مارنے والے نے سر کا نشانہ لیا ہو گا مگر وار اچٹ گیا تھا اور گولا میرے کندھے سے ٹکرایا تھا۔ یہ ایسی چوٹ تھی کہ میری جگہ کوئی اور ہوتا تو ضرب کھاتے ہی زمین پر گرتا اور بے ہوش ہو جاتا۔ میں گرا ضرور تھا لیکن بے ہوش نہیں ہوا تھا اور گرتے ہی قلابازی کھا کر دور چلا گیا تھا۔ حملہ کرنے والے نے دوبارہ حملہ کیا مگر اس بار میں ہوشیار تھا، اس کا وار بچا گیا۔ اندھیرا پوری طرح پھیلا ہوا تھا۔ حملہ کرنے والا مجھے سایہ جیسا دکھ رہا تھا۔ اتنی دیر میں، میں نے دیکھ لیا تھا کہ وہاں ایک دو نہیں آٹھ دس مسلح افراد کھڑے ہیں۔ ان لوگوں نے ہمارے تمام ساتھیوں کو قیدی بنا رکھا ہے۔

”کون ہو تم لوگ۔“ میں نے پوچھا پھر احساس ہوا کہ وہ میری بات کب سمجھ پایا ہو گا اس لیے میں نے جلدی سے رو بیر سے کہا کہ وہ ترجمہ کر دے۔ اس نے ترجمہ کر دیا۔

ان سپاہیوں میں سے ایک نے کہا۔ ”ہم شاہ معظم کے جاں نثار سپاہی ہیں۔ صرف خاص موقع کے لیے ہم باہر آتے ہیں۔“

”تو سن لو سامیرا آندھی طوفان کی طرح بڑھتی چلی آرہی ہے۔ اس کے ساتھ دھماکا کرنے والے ہتھیار بھی ہیں اور برف والا بھی۔ ابھی بھی وقت ہے۔ ریٹائر کا ساتھ چھوڑ کر سامیرا کے ساتھ ہو جاؤ ورنہ برف والا بددعا دے گا اور تمہاری آنے والی نسلیں بھی سزا پاتی رہیں گی۔“ میں نے کڑے لہجے میں کہا۔

رو بیر نے ترجمہ کیا تھا کہ وہ غرا کر بولا۔ ”ہم شاہ معظم کے وفادار ہیں۔ ان کا ساتھ دینے کی قسم کھائی ہے۔“

میں سمجھ چکا تھا کہ یہ لوگ برطانوی نائٹوں یا لکھنؤ کے بانکوں جیسی قسم کے لوگ ہیں جو صرف مرنا اور مارنا جانتے ہیں۔ شاید ان کو اس لیے رکھا گیا ہے کہ جنگ کے وقت جدھر کا دستہ کمزور پڑ رہا ہو یہ لوگ اس طرف پہنچ کر انہیں کور دیں۔ ان کی طرف سے لڑیں، اس وقت تک لڑیں جب تک ان کے جسم میں جان ہے۔ یہ بالکل سوکھی لکڑی جیسے ہیں۔ جو تڑخ تو سکتی ہے لیکن پک نہیں دکھائے گی۔ اس کا بس ایک ہی علاج تھا کہ اسے سزا دی

جائے۔ میں نے لیٹے لیٹے اپنے کندھے سے لنگی گن کو ٹولا۔ گن موجود تھی۔ ایک ہاتھ لمبی یہ آٹو میک گن ہلکی بھی تھی اور پٹے کی وجہ سے اب تک پیر ہن کی طرح سے ساتھ بھاری تھی۔ میں نے لیٹے لیٹے غیر محسوس طریقہ سے اسے آگے کیا اور پھر سیفٹی کچھ ہٹایا۔ کٹ کی آواز ہوئی لیکن اس کے لیے یہ غیر مانوس آواز تھی اس لیے وہ سمجھ نہ پایا اور میں نے ٹریگر دبا دیا۔ اگرچہ اتنا تو اس کے سر کی طرف نال کارخ کر سکتا تھا لیکن میں نے ہوا میں فائر کیا تھا۔ فائر کا دھماکا اسے گھبرا دینے کے لیے کافی تھا۔ وہ اچھل پڑا تھا وہ کھڑے کھڑے گرا تھا۔ میرے لیے اتنا موقع کافی تھا۔ میں اسے کھڑا ہو گیا اور اس کی طرف گن تان کر بولا۔ ”تمام لوگ ہتھیار پھینک کر کھڑے ہو جائیں ورنہ یہ دھماکا کرنے والا ہتھیار اس پر آگ والے تیر پھینکے گا۔“

وہ شخص جواتنی دیر سے بڑی بڑی ہانک رہا تھا ایک فائر ہوتے ہی ایسے چپ ہو گیا جیسے اس کی نانی مر گئی ہو۔ زمین پر پڑا پڑ پڑ دیکھے جا رہا تھا۔ اس کی بولتی بند ہو گئی تھی۔ میں نے اس کے چہرے پر چھائے خوف کے لرزتے سائے کو دیکھ کر لطف لیتے ہوئے ڈانٹ کر کہا۔ ”چلو سب ہتھیار پھینک کر کھڑے ہو جاؤ۔“

رو بیر نے میرے الفاظ کا ترجمہ کیا۔ اپنے افسر کی حالت دیکھ کر باقی ساتھی بھی ڈر گئے تھے۔ اور وہ سب ہتھیار پھینک کر کھڑے ہو گئے۔ اتنا بڑا مسئلہ چٹکی بجاتے حل ہو گیا تھا۔ اگر یہی واقعہ ہماری دنیا کا ہوتا تو شاید اتنی جلدی لوگ ہتھیار نہ ڈالتے لیکن یہ لوگ کہنے کو سپاہ گری بھی کرتے ہیں لیکن جنگ و جدل سے کوسوں دور ہیں شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ امن پسندی ان کی سرشت میں داخل ہے۔ ایک دھمکی میں پسا ہو جاتے ہیں۔ ان کی فطرت ہمارے حق میں تھی اس لیے میں نے ان کو بھی گرفتار کرنے کا حکم دیا اور سب کے ہاتھوں کو پشت پر باندھ کر ایک بندے کی نگرانی میں انہیں وہیں بھیج دیا جہاں اور بھی قیدی رکھے ہوئے تھے۔

ان سب کے جانے کے بعد میں نے بقیہ لوگوں سے کہا۔ ”وقت بہت برباد ہو گیا۔ سورج طلوع ہونے کے ساتھ ہی جنگ شروع ہو جائے گی اس لیے ہمیں رات میں ہی اس دستے کو منتشر کر دینا ہے۔“

”ہم تیار ہیں۔ ہم تیار ہیں۔“ سب نے ایک ساتھ آواز لگائی۔

”او میرے بھائی اتنی زور سے چیخو گے تو وہ لوگ خود وہاں سے دوڑ کر آجائیں گے۔“ میں نے کہا تو سب کے سر جھک گئے۔

”سنو اب تمہیں کرنا کیا ہے۔“ میں نے کہہ کر رو بیر کی طرف دیکھا۔ وہ میرے قریب کھسک آئی۔ میں نے اس سے کہا کہ وہ سب کو لے کر دائرے میں آگے بڑھے۔ میں پہلے جاتا ہوں۔

رو بیر نے بولنے کی بجائے سر ہلا دیا پھر وہ ساتھیوں سے گفتگو کرنے لگی۔ اس کی آواز نیچی تھی۔ میں نے گن کو ہاتھوں میں تھاما اور آگے بڑھنے لگا۔ میں اب وقت ضائع نہیں کرنا چاہتا تھا۔ میرا خیال تھا کہ جلد سے جلد حملہ کرنے سے ہمیں کامیابی ملے گی۔ اسی خیال کے تحت میں آگے بڑھ رہا تھا۔ پیچھے آنے والے احتیاط سے کام نہیں لے رہے تھے۔ وہ جھاڑیوں کو روندتے ہوئے بڑھ رہے تھے۔ جھاڑیوں کے ٹوٹنے کی آواز رات کی خاموشی میں دور تک سنائی دے رہی تھی۔ اس آواز سے دشمن متوجہ ہو سکتے تھے اس لیے میں نے رو بیر سے کہا کہ وہ انہیں سمجھائے کہ احتیاط سے آگے بڑھیں۔ پیروں کے نیچے آ کر چرمرانے والے سوکھے پتوں کی بھی آواز سنائی نہ دے۔

وہ سب میرے حکم پر آمنا صدقاً سر جھکا دیتے تھے۔ اب وہ ایک ایک قدم نہایت احتیاط سے اٹھا رہے تھے۔ وہ میدان جس میں شاہی فوج کے اس دستے نے پڑاؤ لگا رکھا تھا وہ سامنے ہی لگ رہا مگر اب احساس ہونے لگا تھا کہ وہ کافی دور ہے۔ اس لیے کہ اتنا فاصلہ طے کرنے کے بعد بھی وہ اتنی ہی دور نظر آ رہا تھا۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ جنگل گھنا تھا اور ہمیں تیز سے میڑھے راستوں سے ہو کر گزرنا پڑ رہا تھا۔ پھر جگہ جگہ کھائی بھی آ جاتی تھی جو شاید بارش کے پانی کی وجہ سے بن گئی تھی لیکن یہ یہاں کے لیے موسم گرما تھا اس لیے پانی سوکھ چکا تھا اور وہ بڑے بڑے کنواں جیسی کھائی ہماری رفتار کو سُست کر رہی تھی۔ ہمارا حوصلہ ہمارے ساتھ تھا اس لیے ہم بڑھتے چلے جا رہے تھے۔ اب رات بھی آخری سرحد پر تھی۔ ختم ہونے کے لیے تیزی سے صبح کی طرف بڑھ رہی تھی۔

بالآخر ہم نے جنگلی علاقے کو پار کر لیا۔ اب ہم میدانی علاقے میں آ گئے تھے اور وہاں سے پڑاؤ بہت نزدیک نظر آنے لگا تھا۔ اس منظر نے ہمارے اندر ایک نیا جوش اور ولولہ بھر دیا۔ ہم نے رفتار مزید تیز کر دی اور آہستہ آہستہ ہم پڑاؤ سے قریب ہوتے چلے گئے۔

وہ ایک بڑا سا میدان تھا، اس میدان میں دور دور تک بہت سارے خیمے لگے ہوئے تھے۔ پڑاؤ کے درمیان ایک بڑا سا الاؤ روشن تھا۔ وہ الاؤ یہاں سے صاف دکھائی دے رہا تھا جس کے نزدیک کئی ایک بندے بیٹھے تھے۔ الاؤ سے پہلپاتی ہوئی آگ کی لپٹیں اٹھ رہی تھیں۔ جس کی کانپتی ہوئی روشنی میں منظر کچھ عجیب سا ہو گیا تھا۔ اس زرد روشنی میں خیموں کی پہرے داری کے لیے ٹہلنے ہوئے سپاہی خاصے خوفناک لگ رہے تھے۔ اس لیے کہ ان کے ہاتھوں میں ان کے قد سے زیادہ لمبے نیزے تھے۔ الاؤ کی کانپتی ہوئی روشنی میں ان کے سائے دور تک پھیل رہے تھے۔ چار سے پانچ سپاہیوں کا ایک جتھا ٹھہلتا ہوا میدان کے آخری حد تک جاتا پھر لوٹ کر الاؤ کے پاس رک جاتا۔ الاؤ کے گرد بیٹھے سپاہی ان کو اپنی جگہ دے دیتے اور ان کے نیزے لے کر ٹھہلنے لگتے۔ میں نے غور کیا، سپاہی ایک بار میں تین چکر لگاتے پھر بیٹھ جاتے اور ان کی جگہ نئے سپاہی لے لیتے خیموں میں کون لوگ ہیں اس کا اندازہ لگ نہیں پایا تھا کیونکہ ابھی تک کسی بھی خیمے کا پردہ اٹھا نہیں تھا۔ جو بھی تھے سب خواب خرگوش کے مزے لے رہے تھے۔ میں نے گنا، کل سترہ خیمے تھے۔ یقیناً ایک خیمے میں چار سے چھ سپاہی یا افسران ہوں گے، اس طرح ان میں ساٹھ سپاہیوں کی موجودگی یقینی تھی۔ اتنے سپاہیوں کو تو میں اکیلے سنبھال سکتا تھا۔ پھر بھی میں نے روبیر سے کہا۔ ”سب مستعد رہیں اور پھیل جائیں۔ جیسے ہی میں آواز دوں ہر جانب سے تیر بر سنا چاہیے تاکہ وہ سب گھبرا اٹھیں۔“

روبیور نے انہیں سمجھایا تو وہ سب تیر کو کمان پر چڑھا کر مستعد ہو گئے۔ میں نے ان پر نظر ڈالی اور پڑاؤ کی جانب قدم بڑھا دیئے۔ ابھی کچھ ہی قدم آگے بڑھائے تھے کہ میرا پیر ایک گڑھے میں جا پڑا۔ اس گڑھے میں سوکھے پتے بھرے ہوئے تھے جو میرے وزن سے چرما اٹھے۔ آواز خاصی بلند تھی، شاید یہ خاموش فضا کی کارستانی تھی کہ ہلکی سی آواز شور جیسی بلند ہوئی تھی۔ یہ آواز پہرے داروں کی سماعت سے ٹکرائی تو کسی ایک نے للکارا۔ ”کون ہے؟“

الاؤ کی زرد روشنی دور تک پھیل رہی تھی اس لیے میرا چہرہ رہنا ناممکن ہی بات تھی۔ پھر بھی میں نے خود کو

زمین پر گرالیا تا کہ دور سے دیکھنے والا صحیح اندازہ نہ لگا پائے کہ یہ کوئی انسان ہے یا جانور۔ آواز دینے والا پہرے دار بھی مغالطے میں آ گیا اور وہ حقیقت جاننے کے لیے قریب آنے لگا۔ میں نے وہاں رکنا بے وقوفی سمجھی اور سینے کے بل پیچھے کی طرف کھسکنے لگا۔ وہ جتنا آگے بڑھ رہا تھا میں اتنا ہی پیچھے ہٹ رہا تھا۔ ہمارے درمیان فاصلے کم نہیں ہو پائے تھے کیونکہ وہ بھی احتیاط کے ساتھ آگے بڑھ رہا تھا۔ اس نے نیزے کو بلند کر رکھا تھا جیسے وہ وار کرنا چاہتا ہے۔ میں بھی کمال ہوشیاری سے ریگتے ہوئے پیچھے ہٹتا جا رہا تھا۔ میری نظریں اسی پر جمی ہوئی تھیں۔ وہ ایک ایک قدم اٹھاتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا۔ مجھے حیرت تھی کہ وہ اتنا آگے بڑھ آیا تھا اور اس کے ساتھیوں نے نوٹس تک نہیں لیا اور اپنی اپنی جگہ کھڑے رہے۔ انہوں نے اس سپاہی کو کوردینے کی بھی کوشش نہیں کی تھی۔ شاید انہوں نے یہی سمجھا ہو کہ ادھر کوئی جانور ہے جسے بھگانے کے لیے ان کا سپاہی آگے بڑھ رہا ہے۔ سامیرا کے فوجی یہاں تک آجائیں گے اس بارے میں تو انہوں نے سوچا بھی نہ ہوگا۔ ان کے وہم و گمان سے پرے کی بات تھی۔ اگر یہی سپاہی ہماری دنیا کے ہوتے تو باقی کے سپاہی بھی آگے آچکے ہوتے۔ مجھے گھیر چکے ہوتے مگر وہ سب اپنی جگہ کھڑے رہے اور میں پیچھے ہٹتا رہا۔

اب میں اتنی دور آچکا تھا کہ اسے قابو کرنے کی سعی کر سکتا تھا۔ جیسے ہی اس نے درمیان کی جھاڑی پھلانگی میں جھٹکے سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ وہ مجھے کھڑا ہوتے دیکھ ٹھنک گیا۔ اس نے نیزہ اونچا کر کے مجھ پر وار کرنے کی کوشش کی تھی کہ میں نے اس پر چھلانگ لگا دی۔ اس کے وہم و گمان بھی نہ ہوگا کہ میں اس پر اثراتا ہوا جا پڑوں گا۔ وہ چاروں شانے چت گرا تھا کہ میں نے اس کے سینے پر سواری گانٹھ لی اور گلا دبائے لگا۔ ہلکا سا ہی دباؤ والا تھا کہ سنگی خنجر تانے رو بیر آڑ سے نکل آئی۔ اس نے وار کرنا ہی چاہا تھا کہ میں نے منع کیا۔ ”نہیں اسے مارنا نہیں ہے۔ اس سے پوچھو کہ وہاں کتنے آدمی ہیں۔“

رو بیر نے سوال کیا تو میں نے گلے پر دباؤ کم کر دیا۔ مگر وہ بولا نہیں۔ تب رو بیر نے پھر اپنا سوال دوہرایا۔ دوسری بار پوچھنے پر اس نے خود سوال کر دیا۔ ”تم لوگ کون ہو؟ یہ آدمی تو باہر سے آیا لگتا ہے۔ لعنت ہے ان لوگوں پر جو باہر سے آدمی بلا رہے ہیں۔“

اس کی بات سن کر میں نے سمجھ لیا کہ وہ شاہی دستے کا سپاہی ضرور ہے لیکن وطن پرست ہے اس لیے میں نے کہا۔ ”دوست، تم نے صحیح کہا۔ ایراٹ نے باہر سے گندے لوگوں کو بلا کر بہت بڑا جرم کیا ہے اسی لیے برف والے نے مجھے اور میرے ساتھیوں کو باہر سے بلا لیا تا کہ میں ان برے لوگوں پر قابو حاصل کر کے اپنی دنیا میں واپس لے جاؤں۔“

”کیا تم واقعی برف والے کے بلاوے پر آئے ہو؟“

”ہاں میں برف والے کے بلانے پر آیا ہوں اور مجھے خون خرابہ پسند نہیں اس لیے تمہیں آزاد کر رہا ہوں لیکن تم شور نہیں مچاؤ گے اور نہ بھاگنے کی کوشش کرو گے ورنہ یہ لڑکی تمہیں ہلاک کر دے گی۔“

رو بیر کی زبانی میرا پیغام سنتے ہی اس نے کہا۔ ”نہیں میں وعدہ کرتا ہوں کہ نہ تو میں بھاگوں گا اور نہ ہی شور کروں گا۔ تم نے برف والے کا نام لیا ہے تو ثبوت پیش کرو کہ تم اس کے مہمان ہو۔“

میں نے اسے آزاد کر دیا۔ وہ کھڑا ہو کر اپنے گلے کو سہلا رہا تھا کہ میں نے اس کے نیزہ کو اٹھا کر اسے

دیتے ہوئے کہا۔ ”یہ لو تمہارا ہتھیار، اس لیے کہ میرے لیے یہ ایک معمولی کھلونا ہے۔ کیونکہ میرے ساتھ یہ ہے۔“ کہہ کر میں نے گن کو اپنے جسم سے بندھے پٹے سے نکال کر اسے دکھایا۔ ”یہ دھماکا بھی کرتا ہے اور آگ والے تیر بھی برساتا ہے۔“

گن دیکھ کر اس پر رعشہ سا چھا گیا۔ اس نے التجا یہ انداز میں کہا کہ اسے سامنے سے ہٹالیں۔ مجھے اس ہتھیار سے خوف آتا ہے۔ اس جیسے ہتھیار نے مجھ سے میرے چار بھائیوں کو چھینا ہے۔
مجھے یہ آدمی بہت کام کا لگنے لگا تھا۔ میں نے پوچھا۔ ”کیا انہیں ان لوگوں نے قتل کیا جو ریٹاٹ کے ساتھ ہیں؟“

”جی ہاں۔“ اس نے رویر کی زبان سے میرے الفاظ سنتے ہی کہا۔ ”جی ہاں، میرے بھائیوں کا بس اتنا قصور تھا کہ وہ باہر سے آنے والوں کا حکم نہیں مان رہے تھے۔“
”وہ سب برے لوگ ہیں اور انہیں ریٹاٹ نے بلایا ہے۔ ایک ایسا شخص جو وطن دشمن ہو، اپنے ہی عوام پر ظلم ڈھا رہا ہو، تم ایسے شخص کے لیے لڑنے آئے ہو؟“ میں نے اس کی غیرت کو لکا را۔
”میں پہلے دل سے شہنشاہ معظم کے ماتھ تھا لیکن جب اس نے باہر والوں کو بلالیا تو میرا دل اس کی طرف سے میلا ہو گیا۔“

”تو پھر ایسا کرو کہ سامیرا کی فوج میں چلے جاؤ۔ وہ لوگ ہاتھوں ہاتھ لیں گے۔“
”میں خود بھی یہی کرنے والا ہوں۔ جیسے ہی جنگ شروع ہوگی میں بھاگ کر ان کے ساتھ مل جاؤں گا۔“
”تو پھر دیکھی تم ابھی ان کے پاس چلے جاؤ۔ میں اپنا ایک آدمی ساتھ کر دوں گا جو تمہیں سامیرا سے ملاقات کرادے گا۔“

”میں تیار ہوں اس لیے کہ میں نے آتے وقت اپنے گھر والوں کو ارگون کے ایک دور دراز علاقے میں چلے جانے کو کہہ دیا تھا۔ میرے گھر والے اپنے آبائی علاقے میں رہیں گے تو ریٹاٹ ان سے بدلہ نہیں لے سکے گا۔“

”تو پھر ہاتھ ملاؤ۔ تم ابھی سے سامیرا کی فوج کے سپاہی ہو۔ اب ہم تمہارے پڑاؤ پر حملہ کرنے والے ہیں۔ تم ساتھ دینے پر تیار ہو تو ہمارے ساتھ چلو۔“
”بالکل تیار ہوں۔“ اس نے پرجوش لہجے میں کہا۔

اتفاقات ہی عروج بخشتے ہیں۔ یہ بھی اتفاق تھا کہ دشمن کی صف کا ایک سپاہی ہمیں مل گیا۔ اب ہمیں اس پڑاؤ میں موجود افسران کو پہچاننے میں دشواری نہیں ہوگی کیونکہ فتح تو ہمیں ملنے ہی والی ہے۔ ابھی میں اسی سوچ میں تھا کہ رویر بولی۔ ”کیا میں ساتھیوں کو بلا لوں؟“

”ہاں کیوں نہیں۔ اب ہم پوری طاقت سے اس دستے پر حملہ کریں گے اور کسی کو فرار بھی نہیں ہونے دیں گے۔ حملے کا طریقہ کار وہی ہوگا جو میں نے پہلے بتایا تھا۔“ میں نے کہا۔

رویر نے آواز دی تو ادھر ادھر دیکھے ہوئے تمام ساتھی باہر آ گئے۔ ان سب نے روٹکا نامی اس شخص کو گلے سے لگایا پھر ہم سب اسی طرح نصف دائرہ کی صورت میں آگے بڑھنے لگے۔ اب ہم پھر سے اسی مقام پر پہنچ گئے

تھے جہاں سے میں نے پسپائی اختیار کی تھی۔ میں نے پڑاؤ پر نظر ڈالی۔ ان کا ایک سپاہی کم ہو گیا تھا۔ وہاں موجود پہرے داروں نے اسے جنگل میں داخل ہوتے ہوئے بھی دیکھا تھا پھر بھی وہاں کوئی ہلچل یا پریشانی نظر نہیں آ رہی تھی۔ تمام پہرے دار اسی طرح اپنی اپنی ڈیوٹی دے رہے تھے، میں نے مڑ کر روئیر سے کہا کہ ”وہ سب کو ہوشیار کر دے جیسے ہی میں کہوں گا وہ سب تیر چلانا شروع کر دیں گے۔“

”جی بہتر ہے۔“ کہہ کر اس نے ساتھیوں تک میرا حکم پہنچایا اور سب آہستہ آہستہ پڑاؤ سے قریب ہونے لگے۔ ہم اتنے قریب پہنچ چکے تھے کہ نیزہ پھینکتے تو کوئی نہ کوئی سپاہی زد میں ضرور آ جاتا۔ میں نے اپنے قریب کھڑے رونکا سے پوچھا۔ ”اس دستے میں کوئی اور بھی ایسا ہے جس کے خیالات تمہارے جیسے ہیں۔“

”ایک دو ہیں لیکن ان کو ابھی میں بلا نہیں سکتا کیوں کہ وہ اس وقت آرام کر رہے ہوں گے۔ ان کی ڈیوٹی صبح کی ہے۔“

”اگر چاہو تو پڑاؤ میں جا کر انہیں بیدار کر کے اپنے ساتھ باہر لے آؤ اس لیے کہ جب ہم حملہ کریں گے تو ہو سکتا ہے کہ ان سے بات کرنے کا موقع نہ ملے۔“

”نہیں اب میرا وہاں جانا خطرے سے خالی نہیں ہے۔“

”کیوں؟“

”اس لیے کہ میں کافی دیر سے باہر رہا ہوں۔ افسران تک یہ بات پہنچا دی گئی ہوگی۔“

”جیسی تمہاری مرضی۔“ میں نے کہا اور کچھ مزید آگے بڑھا تبھی ایک پہرے دار نے للکارا۔ ”کون ہے؟ کیا رونکا ہو کیا؟“

میں جواب میں کیا کہتا اس لیے خاموش رہ گیا۔ مجھے دیکھ لیا گیا ہے، اس کا مجھے احساس ہو چکا تھا۔ اسی وقت مجھے للکارنے والے نے مڑ کر اپنے ساتھیوں سے کچھ کہا اور پھر ایک ساتھ کئی آوازیں ابھریں۔ ایسا لگ رہا تھا کئی افراد مل کر سب کو ہوشیار کر رہے ہوں۔ کچھ ہی دیر میں پورے پڑاؤ میں ہلچل سی مچ گئی۔ سپاہی ادھر سے ادھر بھاگنے دوڑنے لگے۔ پھر ادھر سے کسی نے تیر چلایا تھا جو بالکل میرے قریب سے گزر گیا۔ میں نے چیخ کر کہا۔ ”تیر چلاؤ۔“

حکم سنتے ہی ہمارے ساتھ آئے لڑاکا دستے نے تیروں کی بارش کر دی۔ ادھر سے بھی تیر چلنے لگے۔ یہ ایک ایسی جنگ شروع ہو گئی تھی جس کا اختتام سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ ادھر زیادہ لوگ تھے۔ میں نے سوچا تھا کہ ان پر یکا یک حملہ کروں گا تو وہ سب افراتفری کا شکار ہو جائیں گے مگر ہوا الٹا تھا۔ وہ گویا تیار تھے یا پھر انہیں شبہ تھا کہ ایسا کچھ ہو سکتا ہے۔ تمام کے تمام سپاہی ڈٹ گئے تھے۔ میں جلد سے جلد اس بے معنی جنگ کا خاتمہ چاہتا تھا۔ اس لیے دوبارہ تیروں کی بارش کا حکم دیا۔ ایک ساتھ تمام تیر اندازوں نے تیر چلائے۔ میں دیکھ رہا تھا کہ ادھر کے سپاہیوں نے تیروں سے بچنے کے لیے بڑے بڑے ڈھال آگے کر لیے ہیں۔ اس طرح مقابلہ کرتے میں پہلے بھی دیکھ چکا تھا۔ اس لیے مجھے حیرت نہیں ہوئی تھی مگر میری حیرت تب بڑھ گئی جب ادھر سے تیروں پر کپڑے یا اس قبیل کی کوئی چیز لپیٹ کر اس پر روغن لگا کر آگ والے تیر چلائے جانے لگے۔ یہ طریقہ میں نے سامیرا کی فوج کو سکھایا تھا۔ گویا سامیرا کی فوج میں ان کے جاسوسوں نے وہ طریقہ دیکھا اور اب یہ لوگ اسی طریقہ کو آزما

رہے تھے۔ گویا میری بلی ہمیں سے میاؤں کر رہی تھی۔ میں بھی اگر آگ بھڑکانے والے روغن لے کر آتا تو اسی طرح جلتے ہوئے تیران پر پھینک سکتا تھا۔ میں نے ایک اور نئی بات دیکھی۔ اس سے پہلے شاہی فوج جو بڑے بڑے ڈھال استعمال کرتی تھی وہ عام سی لکڑی کے بنے ہوئے ہوتے تھے مگر اب میں نے مشعلوں کی روشنی میں دیکھا کہ ان کے ڈھالوں پر کسی جانور کی موٹی کھال منڈھ دی گئی تھی۔ شاید یہ طریقہ انہوں نے اس لیے اختیار کیا تھا کہ اگر جلتے ہوئے تیر ڈھال سے ٹکرائیں تو ڈھال فوراً آگ نہ پکڑ لے۔ گزشتہ بار جب شاہی فوج سے ٹکراؤ ہوا تھا تو جلتے ہوئے تیروں نے لکڑی کے ڈھالوں کو جلا دیا تھا۔

ابھی تک دونوں طرف سے صرف تیر چل رہے تھے۔ دو بدو جنگ کی نوبت نہیں آئی تھی۔ ایسی حالت میں اگر میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ یلغار کرتا تو ہمارا ہی نقصان ہوتا کیونکہ وہ سب مورچہ بند ہو گئے تھے۔ میں نے گن کو کندھے سے لٹکے پٹے سے نکالا اور ہاتھ میں لے کر نشانہ سادھنے کی کوشش کی۔ یہ میرا آخری حربہ تھا لیکن میں منحصرے میں تھا کہ گن استعمال کروں یا نہیں۔ اس لیے کہ میرے پاس صرف ایک میگزین تھی۔ اب یہ نہیں پتا کہ اس میگزین میں کتنی گولیاں باقی رہ گئی ہیں۔

میں گن استعمال کرنے پر غور ہی کر رہا تھا کہ عقب سے چیخ سنائی دی۔ میں نے مڑ کر دیکھا۔ میرے پیچھے رونکا اور اس کے پیچھے ایک منحنی سا آدمی تھا جو گوپھن میں پتھر رکھ کر پھینکنے کا ماہر تھا۔ بہت بہادر، نہایت جی دار۔ کئی موقعوں پر اس نے اپنی بہادری کے جوہر دکھائے تھے۔ معبد میں بھی اور محل میں بھی۔ ابھی بھی اس کے پھینکے ہوئے پتھر شاہی دستے پر قیامت ڈھا رہے تھے۔ وہ ایسے تاک تاک کر پتھر مار رہا تھا کہ اس کا نشانہ خالی نہیں جا رہا تھا۔ اس نے کئی دشمنوں کا سر پھاڑ کر اپنی بہادری کی دھاک بٹھا دی تھی لیکن اب وہ خود زمین پر گر کر ترپ رہا تھا۔ میں سمجھ گیا کہ دشمنوں کی تیروں کا وہ شکار ہوا ہے۔ اسے سنبھالنے کے لیے دو شخص لپکے۔ یہ وقت ایسا نہیں تھا کہ میں بھی اس کی جانب متوجہ ہو جاتا۔ میری ساری توجہ دشمنوں کی طرف تھی۔ ان کے پھینکے ہوئے آگ والے تیر جنگل میں آگ بھڑکانے کا سبب بن رہے تھے۔ میرے ساتھ کل گیارہ لوگ تھے جن میں سے دو پہلے ہی تیر کا شکار ہو چکے تھے اور اب یہ تیسرا بھی کم ہو گیا۔ اتنے کم لوگوں سے میں کیسے فتح پاؤں میں اسی سوچ میں تھا اور ان کے تیر کو آگ بھڑکانے سے پہلے ہی ان کی طرف کمان کے ذریعہ پھینک رہا تھا۔ اس وقت میں خود بھی زمانہ قدیم کا جنگجو بن چکا تھا۔ روغن سے میرے ہاتھ سنے ہوئے تھے۔ شاہی فوج آگ بھڑکانے کے لیے جو تیروں پر روغن لگا کر ہماری طرف پھینک رہی تھی اسے واپس کرتے وقت میں ہاتھ سے ہی اٹھاتا تھا اسی روغن کی وجہ سے میرا ہاتھ چپچپا ہو گیا تھا۔ روہیر بھی مسلسل تیر اندازی کیے جا رہی تھی۔ آسمان پر صبح کا ذب کی سفیدی پھیلنے لگی تھی کہ میری نظر رونکا پر پڑی اور میں نے اپنی جگہ سے اچھال بھری۔ اگر ایک سکند کی بھی دیر ہو جاتی تو روہیر بھی ہمارا ساتھ چھوڑ چکی ہوتی۔

میں گویا اڑتا ہوا رونکا پر جا گرا تھا۔ یہ تین ہاتھ کی دوری ایک لمحے میں طے کر لی تھی۔ رونکا کے ہاتھ میں سنگی چاقو تھا۔ روہیر ہر جانب سے بے پروا ہو کر کمان کا چلا کھینچ رہی تھی۔ اسی موقع کا فائدہ اٹھاتے ہوئے رونکا نے اس کی گردن پر وار کرنا چاہا تھا۔ اب میری سمجھ میں آ گیا تھا کہ اب تک جتنے لوگ مرے ہیں وہ اسی کے خنجر کا نشانہ بنے ہیں۔ وہ ہماری ہمدردی حاصل کر کے ہمارے ہی بندوں کو مار رہا تھا۔ اگر آسمان پر سفیدی نہ ہوتی تو یہ

راز راز ہی رہ جاتا کہ کس کے وار سے بندہ مرا۔ ایسے شخص کو آزاد چھوڑ دینا ظلم ہوتا جس نے میرے تین ساتھیوں کو لقمہ اجل بنایا تھا۔ میں نے بلا جھجک اس کے حلقوم پر اپنا خنجر چلا دیا۔ روہیر پر تو سکتہ چھا گیا تھا کہ وہ ابھی مرنے والی تھی۔

اس کی لاش کو دور پھینک کر میں نے دوبارہ سے پڑاؤ کی طرف دیکھا۔ دونوں طرف کے لوگ اب بہ آسانی ایک دوسرے کو دیکھ سکتے تھے۔ ادھر سے تیر اندازی کرنے والے کھلے میدان میں تھے جب کہ ہمارے تیر انداز جس جگہ تھے وہ جنگل سے قریب جگہ تھی اس لیے وہاں جھاڑیاں اور چھوٹے درخت بے حساب تھے اور انہوں نے خود کو ان میں پوشیدہ کر رکھا تھا اس لیے دشمن ان پر صحیح طور سے نشانہ نہیں لگا پا رہا تھا جب کہ ہمارے تیر انداز نشانہ لے کر تیر چھوڑ رہے تھے۔ ادھر جتنے تیر انداز نظر آرہے تھے اسے دیکھ کر مجھے اطمینان سا ہو گیا تھا۔ میں نے رات میں جو حساب لگایا تھا اس سے بہت کم سا ہی نظر آرہے تھے مگر جتنے بھی تھے وہ جی دار تھے اور میدان چھوڑنے پر تیار نہ تھے۔ اب میں نے اس جنگ کو اختتام دینے کا سوچا اور اپنی گن کو سنبھال لیا۔ میں نے میگزین چیک کیا۔ اچھی خاصی گولیاں تھیں۔ یوں بھی میں نے بہت کم فائر کیے تھے۔ گن کا کرشمہ دکھانے سے پہلے میں نے روہیر کو آواز دی۔ وہ میرے قریب کی جھاڑی میں دبکی ہوئی تھی۔ اس کے ہاتھ میں کمان تھی۔ وہ کمان سنبھالتی ہوئی باہر آئی، مگر اس احتیاط کے ساتھ کہ سامنے والوں کا نشانہ نہ بن جائے۔

”جی جناب۔“ اس نے قریب آ کر کہا۔

تھکن اس کے چہرے سے ہویدا تھی۔ اس کا گورا چہرہ مسلسل مشقت کی وجہ سے سرخ ہو رہا تھا۔ خون کی سرخی نے اس کے حسن میں اضافہ کر دیا تھا۔ وہ قریب بیٹھتے ہوئے بولی۔ ”بولیں..... وقت کم ہے۔ اگر ہم ذرا بھی کمزور پڑے تو وہ لوگ ہمیں موت کی نیند سلا دیں گے۔“

”اب میں بھی تھک گیا ہوں اور اس جنگ کا خاتمہ چاہتا ہوں۔“

”کیسے کریں گے خاتمہ؟ یہ لوگ ”زرگی“ ہیں۔ یہ صرف مرنا مانا جانتے ہیں۔ ان کو سمجھانا بہت مشکل ہے۔ مجھے اگر پتا ہوتا کہ یہ زرگی ہیں تو میں آپ کو روک لیتی۔ ان سے ٹکرانے نہیں دیتی۔ ان کے جنگی جنون کو دیکھ کر مجھے اندازہ ہو گیا ہے کہ یہ زرگی ہیں۔“

”زرگی ہیں یا مرغی مجھے کوئی پروا نہیں۔ اندھیرے کی وجہ سے میں مغالطے میں آ گیا تھا۔ میں نے سمجھا تھا کہ ان کی تعداد زیادہ ہے لیکن یہ تو بہت کم ہیں اس لیے میں جو کہہ رہا ہوں اس کا ترجمہ کرو۔ بلند آواز سے ان سے کہو۔“

”جی بولیں۔“

”ان سے کہو کہ اب بھی وقت ہے۔ موت تم سب کے سروں پر قرض کر رہی ہے۔ اگر زندہ رہنا چاہتے ہو تو ظلم اور جبر کے خاتمہ کے لیے ہمارا ساتھ دو۔ سامیرا تمہیں بخش دے گی۔ بس تم لوگ اپنے گناہ دھونے کے لیے اپنے ہتھیار پھینک دو۔ ورنہ اب تم سب پر دھاڑنے والے ہتھیار سے حملہ ہوگا اور تم سب مارے جاؤ گے۔ آگ کے تیر تمہارے جسموں میں سوراخ کریں گے اور تم پر رونے والا بھی کوئی نہ ہوگا۔“

روہیر نے میرے جملوں کو اپنی زبان سے ادا کیا لیکن فائدہ کچھ نہ ہوا۔ اس پر ایک ساتھ کئی تیر چلائے گئے

تھے۔ اب میرے صبر کا پیمانہ بھی لبریز ہو چکا تھا۔ میں نے گن سیدھی کی اور بالکل سامنے کھڑے تیر انداز کا نشانہ لیا اور فائر کر دیا۔ دھماکے سے پورا علاقہ گونج اٹھا۔ وہ گرا تھا کہ میں نے دوسرے پرشت باندھ لی اور اسے بھی گرا دیا۔ پانچ فائر کیے اور پانچ بندے خاک اور خون میں لوٹنے لگے۔ اُدھر سے تیر کا مینہ برسنا بند ہو چکا تھا۔ تیر انداز اب آڑ میں ہو گئے تھے یادور بھاگ گئے تھے۔ تبھی میں نے روبیر سے کہا۔ ”اب ایک اور کوشش کرو، ان سے کہو کہ اب بھی وقت ہے۔ اگر زندہ رہنا چاہتے ہو تو اپنے ہتھیار پھینک دو ورنہ سب کے سب مارے جاؤ گے اس لیے کہ آگ برسنا والا ہتھیار جاگ چکا ہے۔ اس ہتھیار کا مقابلہ کرنا تم میں سے کسی کے بس کی بات نہیں ہے۔“

روبیرو نے چیخ کر جیسے ہی یہ جملہ ادا کیا۔ اُدھر سے خاطر خواہ نتیجہ سامنے آیا۔ ایک ساتھ کئی سپاہی نے چیخ کر کہا۔ ”رحم رحم۔“ پھر کئی کمان اڑ کر میدان میں گرے۔ جسے انہوں نے پھینک کر اشارہ دیا تھا کہ وہ ہتھیار ڈال رہے ہیں۔ میں نے روبیر سے کہا کہ ابھی وہ سامنے نہ آئے۔ اسی طرح جھاڑیوں کے عقب سے کہے کہ تمام لوگ سامنے آ کر بیٹھ جائیں۔ اب ان پر کوئی تیر نہیں چلائے گا۔ دھاڑنے والا ہتھیار بھی نہیں چلے گا۔

روبیرو نے جیسے ہی یہ بات کہی ایک ساتھ بہت سے سپاہی خیموں سے نکل نکل کر، جھاڑیوں اور پیڑوں کے پیچھے سے باہر آ گئے۔ اب جو میں نے ان کی تعداد گنی تو حیران رہ گیا۔ سو سے زیادہ ہی لوگ ہوں گے۔ گن کے خوف نے ان سے بہادری چھین لی تھی۔ اگر ہم تیروں سے جنگ کرتے رہتے تو شاید اتنی جلدی کامیابی نہ ملتی۔

اپنے ساتھیوں میں سے تین بہادروں کو ان کی طرف بھیجا کہ وہ جا کر ان سب کے ہاتھ پشت پر باندھ آئیں۔ ہاتھ باندھنے کے لیے ایک پیڑ کی جٹاؤں کو استعمال کیا گیا۔ ان سب کو پیڑ کے لمبے لمبے ریشوں سے جکڑنے کے بعد انہیں قیدی بنانے کے بعد میں نے دو جانبازوں کو حکم دیا کہ وہ انہیں بھی وہیں لے جائیں جہاں ہم قیدیوں کو رکھ رہے ہیں۔

ان سب کو قیدی بنا کر ہم نے بہت بڑی فتح حاصل کر لی تھی۔ یہ ایک بہت بڑا کام ہو گیا تھا۔ اب سامیرا کا لشکر بہت حد تک محفوظ ہو گیا تھا۔ ریٹاٹ کا پلان فیل ہو چکا تھا کہ سامیرا کا لشکر جب آگے بڑھے گا تو یہ دستہ اس پر عقب سے حملہ کرے گا۔

اگر عقب سے حملہ ہو جاتا تو سامیرا کا بہت نقصان ہوتا۔ فوج افراتفری کا شکار ہو جاتی۔ مجھے تو خوشی تھی ہی مجھ سے زیادہ خوش روبیر تھی۔ اس نے کہا۔ ”آپ کا کیا خیال ہے۔ سامیرا مجھے معاف کر دے گی نا؟“

”ہاں کیوں نہیں۔“ میں نے اس کا دل بڑھایا۔

”اس کامیابی کے صلہ میں جو کچھ میں مانگوں گی مجھے وہ دے گی نا؟“

”ہاں کیوں نہیں۔“

”آپ پوچھیں گے نہیں کہ میں کیا مانگوں گی؟“ روبیر نے قاتل نظروں سے میری طرف دیکھتے ہوئے

کہا۔

اس کی آنکھوں نے مجھے اس کے دل میں چھپی بات بتادی تھی لیکن وہ وقت ایسا نہیں تھا کہ میں اس کو ٹوکتا

کہ بی بی تم سراب کے پیچھے بھاگ رہی ہو۔ جبکہ خود میری زندگی سراب ہے کہ میں دوڑ رہا ہوں، خوشی کی امید پر، جہاں بھی خوشی کی جھلک نظر آتی ہے میں دوڑ پڑتا ہوں اور خوشی ہے کہ وہ روشنی روشنی ہی نظر آتی ہے۔ منزل سامنے آتی ہے اور پھر دور ہو جاتی ہے۔ میری زندگی کو سراب بنانے والا مرشد بڑے آرام سے اپنی نئی خانقاہ میں بیٹھا ہو گا اور میں یہاں اپنوں سے دور زندگی کا جوا کھیل رہا ہوں۔ کسی دوسرے کی لڑائی کو اپنا سمجھ کر لڑ رہا ہوں جس کا نتیجہ کسی بھی وقت موت کی شکل میں سامنے آ سکتا ہے۔ ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ میں یہاں سے زندہ واپس بھی نہ جا پاؤں۔

مجھے فکر میں غلطاں دیکھ کر اس نے کہا۔ ”کیا سوچنے لگے۔“

وہ خطرناک حد تک میرے قریب آ گئی تھی۔ اسے یہ بھی پروا نہیں تھی کہ کوئی بھی شخص اس جھاڑی کی طرف آ سکتا ہے۔ میں نے سمجھ لیا تھا کہ اس پر پھر سے خناس چڑھنے لگا ہے۔ میں اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا تھا اور جھاڑیوں سے نکلتے ہوئے بولا۔ ”ہمیں اب سامیرا کے لشکر کی طرف چلنا چاہئے۔“

”ہاں ہاں کیوں نہیں۔“ کہتے ہوئے رو پیر نے کمان کو کندھے پر لٹکا کر ترکش کو پیٹھ پر باندھا اور چلنے کے لیے تیار ہو گئی۔ دوسرے لوگ بھی میرے ساتھ چل پڑے۔ ابھی ہم کچھ ہی دور گئے تھے کہ دور سے کسی اُلو کے چیخنے کی آواز آئی اور میں چونک گیا۔ اُلو ایک ایسا پرندہ ہے جو تقریباً ہر جگہ پایا جاتا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ کہیں اسے خوش قسمتی کا نمائندہ کہا جاتا ہے اور کہیں اسے نحوست کی علامت۔ یہاں اسے کس قسم کا خطاب دیا گیا ہے یہ مجھے معلوم نہ تھا۔ یہاں کے جنگل میں میں نے اُلو نہیں دیکھا تھا۔ مگر اس وقت اس کے بولنے کی آواز آرہی تھی۔ تبھی اُلو کے چیخنے کی آواز دوبارہ سنائی دی تو میں مسکرا دیا اس لیے کہ میں نے پہچان لیا تھا۔ یہ اُلو کی آواز نہیں تھی۔ یہ آواز وسیم کی تھی۔ بقول اس کے کہ جب وہ اسلحہ کی اسگنگ کرتا تھا تو یہ آواز نکال کر وہ اپنے خریداروں کو بلاتا تھا۔ میں نے منہ میں دو انگلیاں ڈالیں اور ایک تیز سیٹی پورے جنگل میں گونج گئی۔ میں جو چاہتا تھا وہی ہوا۔ ادھر سے بھی سیٹی کی آواز سنائی دی۔ یہ گویا اس بات کا اعلان تھا کہ میری سیٹی اس نے سن لی ہے۔ میں اسی آواز کی سمت بڑھ رہا تھا کہ ایک عجیب بات رُونا ہو گئی۔ میرے بالکل سامنے لمبی لمبی جھاڑیاں تھیں۔ یکا یک ان جھاڑیوں میں ہلچل مچی۔ میں ٹھنک گیا۔ ابھی ادھر دیکھ ہی رہا تھا کہ جھاڑیوں کے عقب سے ایک ہارن نے چھلانگ لگائی اور بالکل میرے مقابل آ کر کھڑا ہو گیا۔ اس عفریت کو دیکھ کر میں سکتے میں آ گیا تھا۔ اس کی خون آشامی، درندگی سے واقف تھا وہ کس قدر انسانوں سے نفرت کرتا ہے۔ اس کا مظاہرہ بھی دیکھ چکا تھا۔ میں نے لاتعداد بار بہادری کے جوہر دکھائے تھے مگر اس وقت خدا گواہ میری ریڑھ کی ہڈی میں سرد لہری دوڑ گئی تھی۔ کیونکہ ہم دونوں کے درمیان فاصلہ بہت کم تھا۔



وہ گھوڑے سے زیادہ تیز دوڑ سکتا ہے اس لیے یہ فاصلہ اس کے لیے کچھ نہ تھا۔ اب میرے پاس اتنا بھی وقت نہیں تھا کہ میں کسی پیڑ پر چڑھ کر خود کو محفوظ کر لیتا۔ اس نے بھی مجھے دیکھ لیا تھا۔ ہارن کی انسان دشمنی اظہر من الشمس ہے۔ اس سے کس طرح خود کو محفوظ رکھوں اسی پر غور کر رہا تھا لیکن غور کرنے کا بھی وقت کہاں تھا۔ اس لیے کہ اس درندے نے اب غرانا بھی شروع کر دیا تھا۔ شاید وہ پہلے سے ہی غصے میں تھا اس کی وجہ سامنے تھی۔ اس

کے جسم میں ایک نہیں کئی تیر پوست تھے جو نشاندہی کر رہے تھے کہ بھٹکتا ہوا اس طرف چلا گیا ہوگا جہاں فوجیں ہیں اور انہوں نے اسے زخمی کر دیا۔

یہ درندہ مقابلے سے فرار نہیں ہوتا۔ آخری وقت تک مقابلہ کرتا ہے جب تک دشمن کو ختم نہ کر دے لیکن اس کی حالت بتا رہی تھی کہ وہ خوفزدہ ہے۔ اتنی بڑی فوج دیکھ کر وہ گھبرا اٹھا ہوگا۔ جب تیروں کا مینہ برسا ہوگا تو اس نے فرار ہو جانے میں ہی عافیت سمجھی ہوگی۔ اب مجھے اکیلا دیکھ کر انتقام لینے پر اتر آیا ہے۔ میں یہی کچھ سوچ رہا تھا کہ اس نے اپنی فطرت کے مطابق پیروں کو زور زور سے پٹخنا شروع کیا۔ یہ اشارہ تھا کہ وہ حملہ کرنے والا ہے۔ اس سے نمٹنے کا بس ایک طریقہ تھا اور میں نے گن سنبھال لی۔ شست باندھی اور ایک کے بعد ایک کئی گولیاں داغ دیں۔ ایک تو دھماکا اور اس کے ساتھ گولیوں کا اس کے جسم میں اترنا۔ وہ چنگھاڑنے کے سے انداز سے چیخا اور گرنا چلا گیا۔

مجھے خطرہ تھا کہ کہیں اس کا کوئی اور ساتھی آس پاس نہ ہو کیونکہ یہ ہمیشہ جوڑے میں نکلتا ہے۔ میں متلاشی نظروں سے ادھر ادھر دیکھ ہی رہا تھا کہ سامنے کی جھاڑیاں ملیں۔ میں نے گن کا رخ ادھر کر لیا، یہ تو اچھا ہوا کہ ٹریگر دبایا نہیں کیونکہ جھاڑیوں کے پیچھے سے دسیم کا چہرہ نمودار ہوا تھا۔ دسیم نے بھی مجھے دیکھ لیا تھا اس نے پوچھا۔
”فائر کس پر کیا تھا؟“

”مقتول سامنے پڑا ہے۔“ میں نے اشارے سے دکھایا۔

دسیم نے اس عجیب الخلق جانور کو دیکھ کھکھا۔ ”یہ ہے کیا؟“

”یہاں کا سب سے خطرناک درندہ۔ انتہائی طاقتور۔ یہ تو میری قسمت اچھی تھی کہ میرے پاس گن موجود تھی ورنہ ابھی تم فاتحہ پڑھ رہے ہوتے۔“

دسیم اس کے پاس بیٹھ کر معائنہ کرنے لگا تھا۔ کبھی اس کے ہاتھ کو دیکھتا کبھی اس کے گھوڑے جیسے جسم کو اور کبھی اس کے سر کو۔

”بھائی میاں اب اٹھ بھی جاؤ۔ اگر اس کا ساتھی کہیں نزدیک ہوا تو وہ بوسوگھتا ہوا آسکتا ہے۔“

”کاش میرے پاس کیمرا ہوتا تو میں اس کی تصویر کھینچ لیتا۔ اگر ایک آدھ یہاں سے پکڑ کر ساتھ لے چلیں تو کیسا رہے گا۔ دیکھنے والے ٹوٹ پڑیں گے۔“

”بات تو صحیح ہے لیکن اسے قابو میں رکھنا آسان نہیں۔ یہ دس گھوڑوں کی طاقت رکھتا ہے اور انسان سے اسے ازلی بیر ہے۔ یہ انسان کو دیکھتے ہی پل پڑتا ہے اور ایک منٹ میں چیر پھاڑ کر رکھ دیتا ہے۔“

”اس کے بچے تو ہوں گے۔ کسی بچے کو پکڑ لیں گے۔“

”میں نے کہا نا کہ اسے پکڑنا ناممکن سی بات ہے۔“

”میرا دل آگیا ہے۔ سامیرا کے مسئلے سے نمٹ لیں تو اس پر غور کریں گے۔ جاتے وقت میں ہر حال میں اس قبیل کا جانور لے جاؤں گا۔“

”اچھا اچھا..... یہ بعد کی بات ہے۔ پہلے ادھر کی خبر سناؤ؟“

”ادھر کی خبر یہ ہے کہ سامیرا اپنی فوج کو لے کر قلعہ سے نکل پڑی ہے۔ پو پھننے کے ساتھ اس کے سپاہی

تیار ہو گئے تھے۔ میں اور سفیر دو طرف سے انہیں کور دے رہے ہیں۔“

”راجا صاحب بھی سامیرا کے ساتھ ہیں؟“

”نہیں، انہیں سامیرا نے زبردستی روک دیا ہے۔ وہ قلعہ میں ہی آرام کر رہے ہیں۔ اب یہ بتاؤ تمہارے ساتھ کتنے آدمی ہیں؟“

”یوں تو اب دس بھی نہیں ہوں گے لیکن شہر میں اچھی خاصی تعداد میں میرے ہمنوا موجود ہیں۔“

”ایسا کریں کہ کچھ اور لوگوں کو بلا لیں۔ سفیر کے ساتھ آٹھ یا دس بندے ہیں جو تیر کمان سے لیس ہیں۔ وہ اپنے ساتھیوں میں سے کچھ مجھے دینا چاہتا تھا لیکن میں نے انکار کر دیا۔ آپ کے ساتھ جتنے لوگ ہیں انہیں میرے ساتھ کر دیں اور آپ شہر سے مزید کچھ لوگوں کو بلا لیں۔ ہمارا پلان یہ ہے کہ سامیرا سامنے سے حملہ کرے گی۔ سفیر داہنی جانب میں بائیں جانب سے اور آپ عقب سے۔ گویا ریناٹ کی فوج کو بھاگتے راستہ نہیں ملے گا۔“

”پلان ہی غلط ہے۔ اس طرح ریناٹ کے سپاہی محصور ہو کر رہ جائیں گے اور وہ مجبوری کی حالت میں مقابلہ کو ترجیح دیں گے۔ تم اور سفیر پیچھے چلے جاؤ۔ میں تمہارے ساتھ اپنے تمام ساتھیوں کو کر دیتا ہوں۔ تم سب عقب سے حملہ کرو گے تاکہ جو فرار ہونا چاہے وہ داہنے بائیں سے فرار ہو سکے۔“

”بات تو صحیح ہے۔ میں سفیر کو بلاتا ہوں۔“ کہہ کر اس نے الو کی آواز نکالنا شروع کر دیہ۔ ایک بار دوبار کئی بار کے بعد کافی دور سے سیٹی کی آواز آئی۔ میں سمجھ گیا کہ سفیر کافی دور ہے۔ دسیم نے بھی سیٹی کی آواز سن لی تھی۔ اس نے جوابی سیٹی بجائی۔ ادھر سے بھی سیٹی سنائی دی۔ سفیر کی سیٹی سن کر اس نے کہا۔ ”وہ کافی دور ہے۔ کیسے آئے گا۔ اسے آنے کے لیے واپس سامیرا کے لشکر میں جانا پڑے گا۔“

”میں خود جاتا ہوں۔“ کہہ کر میں نے اپنا رخ تبدیل کر لیا تاکہ رو بیر وغیرہ کو بلا کر دسیم کے ساتھ کر دوں پھر خیال آیا کہ وہ لوگ تو کافی دور ہیں۔ میں دسیم کو ساتھ لے کر اسی طرف چل پڑا۔ کافی دور آنے کے بعد وہ سب نظر آئے۔ سب کے سب آرام سے بیٹھے باتیں کر رہے تھے، جیسے پلنگ پر آئے ہوں۔ میں نے قریب پہنچ کر ان سب سے کہا۔ ”دوستو! بس آخری جنگ کا وقت آ پہنچا ہے۔ سامیرا اپنی فوج کے ساتھ قلعہ سے نکل پڑی ہے۔ اب ہمارا امتحان شروع ہے۔ آپ سب ریناٹ کی فوج کے عقب میں پہنچ جائیں۔ آپ کے ساتھ میرا یہ ساتھی رہے گا۔ ایک اور ساتھی بھی آرہا ہے۔ یہ دونوں بہادری میں مجھ سے کم نہیں ہیں۔ اب آپ ان کے حکم کے مطابق چلیں گے کیونکہ یہ جنگ کا اصل طریقہ آپ کو بتائیں گے تاکہ آپ کی قسمت میں فتح لکھی جائے۔“

”ہم تیار ہیں۔ ریناٹ کو جہنم پہنچا کر ہم اپنے ملک کو آزاد کرائیں گے۔“ سب نے ایک زبان ہو کر جواب دیا۔

”آپ میں سے کوئی ایک آدمی آرگون چلا جائے اور وہاں جو دوست موجود ہیں ان میں سے کچھ کو ساتھ لے آئے۔ ان سے کہنا کہ یہ میرا حکم ہے۔“

ان سب کو دسیم کے ساتھ کر دیا۔ رو بیر ان کے ساتھ جانا نہیں چاہتی تھی اور میں اس پیر تسمہ پا کو مزید

برداشت کرنے پر تیار نہ تھا۔ بمشکل اسے وسیم کے ساتھ جانے پر تیار کیا۔ وہ سب وسیم کو اپنے ساتھ لے کر اس جانب بڑھنے لگے جہاں سے ریناٹ کی فوج نظر آتی۔ میں نے قلعہ کی جانب بڑھنا شروع کر دیا۔ مجھے بیک وقت دو قسم کے دشمنوں سے بچنا تھا۔ ایک تو ہارن اور اسمار وغیرہ اور دوسرے ریناٹ کی فوج۔ ان دونوں سے بچتے بچاتے ہوئے میں آگے بڑھنے لگا۔ ابھی کچھ ہی دور گیا تھا کہ سیٹی سنائی دی۔ آواز قریب کی تھی۔ میں سمجھ گیا کہ سفیر ہمیں ڈھونڈتا ہوا قریب آچکا ہے۔ میں نے جوابی سیٹی بجائی۔ میری سیٹی کی آواز کافی بلند تھی۔ ادھر سے جوابی سیٹی سنائی دی اور پھر سفیر نظر آ گیا۔ وہ پورا رہبموبنا ہوا تھا۔ اس کے کندھے سے دو دو گن لٹک رہی تھیں۔ اس کی نظر مجھ پر پڑی تو وہ خوشی سے چیخا۔ ”اوئے یہ تُو ہے۔ میں تو سمجھ رہا تھا کہ وسیم ہے۔“

”میں نے ہی اسے کہا تھا کہ سیٹی بجا کر اطلاع دیتا رہا ہے۔“

”جبکہ مجھے اس طرف کا محاذ سنبھالنا تھا۔“ سفیر نے کہا۔

”وہ پلاننگ ہی غلط تھی۔ چار جانب سے گھر کر تو دشمن لڑ مرنے کو ترجیح دیتا۔ یہ لوگ بس نام کے فوجی ہیں۔ ایک حملے میں بھاگنے کا راستہ تلاش کریں گے اس لیے ان کے دو طرف میں نے جان کر راستہ کھلا رکھا ہے۔ تم ایسا کرو کہ شہر کی طرف نکل جاؤ۔ سیٹی بجاتے ہوئے جانا۔ وسیم جوابی سیٹی بجا کر اپنی پوزیشن بتا دے گا۔ تم اور وسیم مقامی ہمدردوں کے ساتھ مل کر عقب سے حملہ کرنا میں سامیرا کی طرف جا رہا ہوں تاکہ اسے صحیح مشورہ دے سکوں۔“

”جو حکم..... میں تو یہاں تمہاری مدد کے لیے آیا ہوں۔“

”بہت شکریہ جناب کا۔ اب حضور چلتے پھرتے نظر آئیں۔ اور ہاں یہاں کے خطرناک درندوں کو پہچانتے ہو جو انسان کے دشمن ہیں۔ ان سے بچ کر رہنا۔“

”اسمار اور ہارن سے بچ کر رہنے کے لیے سامیرا نے بھی کہا ہے لیکن میں ان درندوں کو پہچانتا ہی نہیں۔“

”درندے صرف درندے ہوتے ہیں۔ ان کی حرکات خود بتا دے گی کہ وہ درندے ہیں۔ اس لیے کسی بھی قسم کے جانور کو دیکھتے ہی گولیاں آزمالینا۔ خاص کر ہارن کو تو سانس لینے کا بھی موقع نہیں دینا۔ وہ انتہا سے زیادہ خطرناک جانور ہے۔“

”جی بہتر ہے۔ اب یہ بھی بتادیں کہ مجھے کس طرف جانا ہے۔“

”بس سیدھے سیدھے چلتے چلے جاؤ۔ ایک ڈیڑھ فرلانگ کے بعد سیٹی بجا دینا۔ جواب آ ہی جائے گا۔“

سفیر نے شہر کی طرف قدم بڑھا دیے۔ میں نے بھی قلعہ کا رخ کر لیا۔ میں اپنی دھن میں بڑھتا جا رہا تھا۔ میرا ہر موئے تن جاگ رہا تھا۔ ہر طرف سے ہوشیار تھا۔ کیونکہ یہ جنگل خطروں سے بھرا ہوا تھا۔ یہ بات تو اظہر من الشمس تھی کہ ہارن، اسمار اور دیگر تمام جانور فوج کی پشتقدمی اور نقارے کی آواز سے دور بھاگ چکے ہوں گے پھر بھی کوئی بھولا بھٹکا جانور راہ میں آسکتا تھا۔ جیسے وہ زخمی ہارن سامنے آ گیا تھا۔

ابھی میں کچھ ہی دور گیا تھا کہ نقارے کی گونجدار آواز آنا شروع ہوگئی۔ اس آواز میں کیا پیام دیا جا رہا ہے یہ میری سمجھ سے باہر کی بات تھی کہ ایک اور نقارہ بجنے لگا۔ دونوں کا ردھم ایک تھا۔ ایک آواز نزدیک سے سنائی

دے رہی تھی جب کہ دوسری آواز دور کی تھی۔ دور والی آواز قلعہ کی طرف سے آرہی تھی اس لیے میں نے اندازہ لگا لیا کہ یہ آواز سامیرا کے سپاہیوں کی جانب سے آرہی ہے۔ دونوں طرف کے نقاروں کا رھم ایک تھا یعنی یہ اعلان جنگ ہے۔ اب مجھے اپنی رفتار تیز کرنا تھی۔ میں نے دوڑنے کی حد تک چال تیز کر دی جھاڑیوں کو پھلانگتا ہوا بڑھنے لگا تھا۔

تقریباً آدھے گھنٹے کی مسافت طے کر کے میں سامیرا کی فوج میں پہنچ گیا۔ میرے آنے کی خبر تیز رفتاری سے پوری فوج میں پھیل گئی۔ کیونکہ ابھی میں پانی بھی پی نہ پایا تھا کہ ایک سپاہی دوڑتا ہوا آیا اور بولا۔ ”آپ کو طلب کیا گیا ہے۔“ میں اس کے ساتھ سامیرا کے حضور پہنچ گیا۔ سامیرا نے شفقت بھرے انداز میں مجھے خوش آمدید کہا۔

میں نے سرگوشی کے انداز میں پوچھا کہ میرا آنا لوگوں کو برا تو نہیں لگے گا کیونکہ میں شہر بدر کیا گیا ملزم ہوں تو سامیرا نے ہنستے ہوئے کہا کہ جنگ میں تمام قانون منسوخ ہو جاتے ہیں۔ پھر میں نے بلایا ہے تو اس کا یہی مطلب ہے کہ تمہاری سزا منسوخ کر دی گئی ہے۔

میں نے سامیرا کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ ”راجا صاحب کی طبیعت کیسی ہے؟“

”حکیم اپنی دوا آزما رہے ہیں اور پُر امید ہیں۔ تمہاری دنیا کے حکیموں نے انہیں ڈرا دیا ہے لیکن یہاں کے حکیم کا کہنا ہے کہ یہ بیماری زیادہ خطرناک نہیں ہے۔ حکیم نے خود جنگل سے بوٹیاں ڈھونڈی ہیں۔ ان جڑی بوٹیوں کا اثر بھی نظر آ رہا ہے۔“

”خیر یہ باتیں ہوتی رہیں گی۔ جنگ کہاں پر لڑنا ہے۔ پہلے سے کوئی جگہ منتخب کی ہے؟“

”میرا خیال ہے کہ ریٹاٹ نے جگہ سوچ رکھی ہوگی۔ تم نے بھی دیکھا ہوگا۔ جہاں پر یہ جنگ ختم ہو رہا ہے اور باغات سے پہلے ایک وسیع و عریض میدان ہے۔“

”ہاں وہ جگہ میں نے دیکھی ہے لیکن میرا خیال ہے کہ اس کے پاس مشرقی سمت میں جو پہاڑ ہے آپ اس پر مورچہ لگائیں۔“

”لیکن ادھر سے تو صرف ایک راستہ اترتا ہے وہ بھی بہت تنگ ہے۔“

”اسی وجہ سے میں نے اس پہاڑی کو منتخب کیا ہے۔ جن دنوں میں اس جنگل میں اکیلا بھٹک رہا تھا اس وقت میں نے اس تنگ درے نما راستے کو دیکھا تھا۔“

”اگر تمہارے خیال میں وہاں مورچہ لگانا بہتر ہے تو یہی صحیح۔“ سامیرا نے میری بات مان لی۔

اس نے پیش قدمی کا بگل بجوا دیا۔ اس کی سپاہ آگے بڑھنے لگی۔ میں نے سپاہ کی تعداد کا اندازہ لگانے کی کوشش کی۔ تقریباً دس ہزار کا لشکر ہوگا۔ سب کے سب روایتی ہتھیاروں سے لیس تھے۔ آگے آگے سامیرا تھی ایک رتھ نما سواری پر سوار۔ اس کے ساتھ سوار سپاہیوں میں سے دو نے ایک قسم کی چھتری سی تان رکھی تھی۔ وہ ایک شان سے آگے بڑھ رہی تھی۔ پہاڑی کی طرف بڑھنے سے اس کی فوج کے افسران حیران تھے کہ بجائے میدان کی طرف جانے کے وہ پہاڑی کی طرف کیوں بڑھ رہی ہے۔ یہ سوال ان سب کی آنکھوں سے عیاں تھا۔ حیرانی ان کے چہروں پر چھائی ہوئی تھی۔ مگر یہ وقت ان سوالات کا نہ تھا اس لیے وہ سب نہ چاہتے ہوئے بھی

بڑھتے جا رہے تھے۔ کافی اوپر ایک سطح جگہ پہنچ کر ان سب کو رکنے کا اشارہ دیا گیا۔ وہاں سے میں نے ریٹاٹ کی فوج پر نظر ڈالی تو حیران رہ گیا کیونکہ سروں کا ایک سمندر تھا جو دور دور تک لہر لے رہا تھا۔ میرے اندازے سے بھی بڑی فوج جمع تھی۔ کچھ فوج تو وہ تھی جو بہت پہلے سے آرگون سے باہر نکل کر سامیرا کے لیے چیلنج بنی ہوئی تھی اور کچھ فوجی بعد میں آکر ملے تھے۔ شہر میں پھیلے دستے بھی شامل ہوتے گئے تھے۔ اس طرح ایک بڑی فوج جمع ہو گئی تھی۔ اس کے مقابلے میں سامیرا کی فوج کچھ بھی نہ تھی۔ دونوں طرف کی فوج پوری تیاری کے ساتھ کھڑی تھی۔ بڑی بڑی ڈھالیں لیکن چوہی۔ لکڑی کی ڈھالیں جن پر تیر روکے جاتے ہیں۔ افسران کے جسم پر لکڑی کے زرہ بکتر۔ ہمارے یہاں کے اسلحوں کے سامنے یہ کاغذ ثابت ہوتے لیکن وہ سب اس میں خود کو محفوظ سمجھتے تھے۔ سامیرا کے افسران بھی اسی قسم کے لباس میں تھے۔ میری داہنی طرف سومرو کھڑا تھا۔ جب میں نے قلعہ کے میدان میں سامیرا کی فوج کی صف بندی کر کے معائنہ کیا تھا اس روز پہلی بار میرا تعارف سومرو سے ہوا تھا۔ سامیرا نے اس درمیانی عمر کے آدمی کا یہ کہہ کر تعارف کرایا تھا کہ یہ فوج کا سربراہ ہے۔ اس وقت بھی وہی فوجیوں کو ہدایت دے رہا تھا۔ میری بائیں طرف کاٹینور تھا۔ اس سے بھی پہلی ملاقات اسی دن اسی میدان میں ہوئی تھی۔ سامیرا نے ہی بتایا تھا کہ وہ تیر انداز دستے کا سربراہ ہے۔ نیزہ بردار دستے کا سربراہ میناٹ بھی قریب تھا اور اس کے ہاتھ میں میرا بنایا ہوا ہتھیار تھا۔ اسے میں نے کلہاڑا بنا کر دیا تھا۔ اس سے کیسے حملہ کیا جاتا ہے یہ بھی بتایا تھا۔ اسے بھی یہ ہتھیار بہت پسند آیا تھا اور اس نے اس کی نقل بنوائی تھی جو اس نے اپنے کئی سپاہیوں میں تقسیم کیے تھے۔ میں نے میناٹ کو اپنے پاس آنے کا اشارہ کیا۔ اب تک وہ مجھ سے دور دور تھا۔ شاید اسے اپنی غلطی یاد آتی ہوگی کیونکہ جب مجھ پر رو میر نے الزام لگایا تھا تو یہ بھی میرا مخالف ہو گیا تھا۔

میناٹ نے نزدیک آکر سر کو خم کیا۔ میں نے ہاتھ اٹھا کر اس کا سلام لیا پھر سامیرا کے توسط سے پوچھا۔ ”تمہارا دستہ پوری طرح تیار ہے نا؟“

”جی ہاں۔“ اس نے جواب دیا۔ ”میرا دستہ آگے بڑھنے کے لیے بے تاب ہے۔“

”اس جنگ میں ہر ایک کا اپنا کردار ہے۔ آپ کا دستہ اشارہ ملتے ہی ٹوٹ پڑے گا۔ کاٹینور کا دستہ پہل کرے گا۔ اس کے تیر انداز آپ کے لیے راستہ صاف کریں گے اور تب آپ آگے بڑھیں گے۔“

”آپ کا حکم حکم آخر ہے۔“ اس نے سر جھکا کر جواب دیا۔

”آپ کے لیے سنہری موقع ہوگا۔ میں نے اس جگہ کو اس لیے منتخب کیا ہے کہ اوپر آنے کا رستہ بہت زیادہ دشوار ہے۔ اتنے پتلے راستے پر ریل مار کر سپاہی نہیں آسکتے۔ ایک ایک دو دو کر کے آئیں گے۔ اس وجہ سے آپ کو بھرپور موقع ملے گا۔“

”میں آپ کو مایوس نہیں کروں گا۔ میرا دستہ بہت بے جگری سے لڑے گا۔“

”آپ اپنے لشکر کو لے کر آگے بڑھیں لیکن زیادہ آگے نہیں جانا ہے۔ درمیان میں رک جانا ہے تاکہ ریٹاٹ کے فوجی مقابلہ کرنے آگے آئیں اور آپ کے سپاہی ان کو نشانے پر لے لیں۔“

”اور میرے سپاہی ان کو زندہ واپس نہیں جانے دیں گے۔“

”اب جا کر وہاں صف بندی کر لیں۔“ میرا حکم سنتے ہی وہ اپنے سپاہیوں کے ساتھ اس گھاٹی کی جانب

بڑھ گیا۔ میں نے مڑ کر کاٹینور سے کہا۔ ”آپ کا دستہ نیم گولائی میں صف بنالے اور اس صف کے آگے بالکل پہاڑی کے کنارے تقریباً بیس تیر انداز لیٹ جائیں گے۔ جب ان کو اشارہ دیا جائے گا تو وہ بیٹھ کر نشانہ باندھیں گے اور پھر لیٹ جائیں گے۔“

”بالکل صحیح..... ہمارے تیر انداز آپ کو مایوس نہیں کریں گے۔“

”اپنے تیر اندازوں کو آپ جگہ پر متعین کر دیں۔ ادھر سے بگل بجتے ہی حملے میں پہل آپ کا دستہ کرے گا۔“

”جی بہتر۔“ کہہ کر وہ اپنے دستے کی جانب لوٹ گیا۔

سومرو پوری طرح مجھ سے متفق دکھائی دیتا تھا۔ اب تک اس نے ایک بار بھی میری کسی بات کی کٹ نہیں کی تھی۔ وہ فوج کا سربراہ تھا اس لیے اسے نظر انداز نہیں کیا جاسکتا تھا۔ میں خود اس کے قریب پہنچا اور پوچھا۔

”میں نے جو پیش بندی کی ہے اس پر آپ نے اب تک کوئی رائے نہیں دی ہے؟“

”آپ کی پیش بندی سو فیصد درست ہے۔ مجھے اعتراف ہے کہ شاید میں بھی اتنی بہتر پیش بندی نہ

کر پاتا۔“

”دوستے اپنی اپنی جگہ متعین کر دیئے اب ایک اور دستہ چاہیے جو آپ کی نگرانی میں آگے بڑھے گا اور اسی کا کام اہم ہوگا۔ آپ کا دستہ مینہ پر حملہ کرے گا۔ اور یکا یک سامنے آ کر ٹوٹ پڑے گا تاکہ افراتفری پھیلے۔ ادھر سے میسرہ پر میں خود حملہ کراؤں گا۔ پھر تیر انداز اپنا کام کریں گے گویا ہم ریٹائڈ فوج کو کئی حصوں میں بانٹ دیں گے۔“

”آپ کی پیش بندی یقیناً بہت بہتر ہے۔ ہم سب تعاون کرنے کا وعدہ کرتے ہیں۔ ریٹائڈ کو شکست دینے کے لیے ہم اپنی جانوں کو بھی بچھا کر دیں گے۔“ سومرو کا لہجہ پُر جوش تھا۔ اس نے اپنے ساتھ لے جانے کے لیے سپاہیوں میں سے کچھ کو منتخب کیا اور پھر انہیں لائحہ عمل بتانے لگا۔ میں واپس سامیرا کے پاس آ گیا۔

”حیرت ہے کہ ریٹائڈ نے اب تک اعلان جنگ کا نثارہ نہیں بجایا۔ کیا دوپہر کے بعد جنگ کرے گا؟“

میں نے سامیرا سے کہا۔

”میں خود بھی یہی سوچ رہی ہوں کہ وہ اب تک جنگ کا اعلان کیوں نہیں کر رہا ہے۔“ سامیرا نے

ریٹائڈ کی فوج پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔ ”اس کی فوج اب تک صف بندی ہی کر رہی ہے۔“

”پھر بھی میں نے اپنے تئیں تیاری کر لی ہے۔ فوج کو تین حصوں میں بانٹ دیا ہے۔ مینٹ کا دستہ

پہاڑی پر آنے والے راستے کی گھائی پر گھات لگائے گا۔ نیزہ بردار دستہ ہے اس لیے ادھر سے اوپر آنے والے

دشمنوں کو وہ اکیلا روکے گا۔ کاٹینور درمیان سے حملہ کرے گا اور تیر انداز دستہ وہ کام کر دکھائے گا جس کے بارے

میں سوچا بھی نہیں جاسکتا۔ سومرو کو میں نے اچانک حملہ کرنے، افراتفری پھیلانے کی ذیونی دی ہے۔ مجھے یقین

ہے کہ اس طرح ریٹائڈ کی فوج کئی حصوں میں بٹ جائے گی اور تب ہماری فوج پوری قوت سے حملہ کرے گی۔

افراتفری کی وجہ سے ریٹائڈ کی فوج ہمارے بہادروں کا مقابلہ نہیں کر پائے گی۔“

”تمہاری عقل تیز ہے تمہارا فیصلہ غلط ہو ہی نہیں سکتا۔“ سامیرا نے ہنس کر کہا پھر کچھ سوچ کر بولی۔ ”اب مجھے بھی اپنا فرض نبھانا چاہیے۔“

جملہ تمام کر کے وہ ایک اونچی جگہ پر جا کر کھڑی ہو گئی۔ اس کے ساتھ چل رہے افسران میں سے ایک نے سیٹی جیسی چیز نکالی اور اسے زور سے بجایا۔ تقریباً تمام سپاہیوں کا رخ سامیرا کی طرف ہو گیا۔ اس نے اپنی فوج پر ایک نظر ڈالی پھر پُر جوش انداز میں تقریر کرنے لگی۔ ”میرے بیٹو! آج تم سب حق کی فتح کے لیے یہاں جمع ہوئے ہو۔ ہم سب ظلم اور جبر، نا انصافی کا خاتمہ چاہتے ہیں۔ تم سب سوچ لو کہ ہماری اولادوں کو ایک ایسا وطن دینا ہے جس میں ظلم و نا انصافی نہ ہو۔ ہمارے ساتھ برف والے کا بھیجا ہوا بہادر ہے۔ اس کی مدد کے لیے برف والا نے اس کے ساتھیوں کو بھی وادی میں بلا لیا ہے۔ اب یہ سب اپنی بہادری کے جوہر دکھائیں گے لیکن یہ سب اوپر سے آئے ہوئے لوگ ہیں۔ یہ جنگ ہماری ہے۔ ہماری اولادوں کے لیے ہے اس لیے میں چاہوں گی کہ آپ سب بہادری اس طرح دکھائیں کہ یہ باہر والے لوگ بھی مان لیں کہ ہماری مائیں بہادر پیدا کرتی ہیں۔ باہر سے آنے والوں کی وجہ سے۔ برف والے کی دعا سے فتح ہمارا مقدر ٹھہرے گی لیکن شرط یہی ہے کہ تم سب بہادری ثبوت دو ورنہ ہماری آنے والی نسل تک تم پر لعنت کرتی رہے گی کہ ہم بزدلوں کی اولادیں ہیں۔“

سامیرا کی تقریر نے ہر سپاہی میں جوش بھر دیا تھا۔ ہر سپاہی اپنا اسلحہ اونچا کر کے سامیرا کے حق میں نعرے لگانے لگا۔ ان کی آوازوں سے پہاڑوں میں ایسی گونج پیدا ہونے لگی جیسے زلزلہ آ گیا ہو۔ میں نے سامیرا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ”آپ خوش قسمت ہیں کہ آپ کو ایسے جانباز سپاہی ملے ہیں جو آپ کے لیے جانوں نذرانہ دینے پر ہمہ وقت تیار رہتے ہیں۔“

سامیرا نے اپنا نیزہ بلند کیا اور پوری قوت سے ایک نیا نعرہ لگایا جس کا لب لباب یہ تھا کہ فتح ہمارا ہے۔

جواب میں اس کے فوجیوں نے بھی نعرہ لگایا۔ ابھی اس نعرے کی گونج ختم بھی نہیں ہوئی تھی کہ عین وقت ریناٹ کی فوج میں نقارے پر چوٹ پڑنا شروع ہو گئی۔ یعنی اعلان جنگ ہو چکا تھا۔ میں نے ان لوگوں کی جانب دوڑ لگا دی جنہیں اس کام کے لیے چنا تھا کہ میسر پر حملہ کیا جاسکے۔ مہمہ اور میسر لشکر کے یہ دواہم ہوتے ہیں اور میں نے سوچ لیا تھا کہ ان دو کو پہلے نشانہ بنایا جائے تاکہ ریناٹ کی فوج افراتفری کی شکار جائے۔

میں نے گھاٹی کے نزدیک پہنچ کر ریناٹ کے دستے پر نظر ڈالی۔ وہ اس درہ کے درمیان سے گزر رہے تھے۔ ان کے آگے بڑھ رہے تھے۔ ان کے آگے چلنے والے نے اپنے ہاتھوں میں ایک پرچم اٹھا رکھا تھا۔ کسی جا کے چڑے سے بنا وہ پرچم شاید ان کا نشان تھا یقیناً وہ اونچا ہونے کی وجہ سے ریناٹ کی فوج کو بھی نظر ہوگا۔ اسے بڑھتے دیکھ ریناٹ کی فوجوں میں تلاطم پیدا ہوا تھا۔ وہ سب تیزی سے ریناٹ کی طرف دوڑ رہے تھے۔ ان کی تعداد کسی بھی طرح تیس چالیس ہزار سے کم نہ ہوگی۔ بقیہ سپاہی ابھی اپنی جگہ جمے ہوئے ان کا گزری دیکھ رہے تھے۔ ریناٹ کی آگے بڑھنے والی فوج جس جوش و خروش سے آگے بڑھی تھی یکا یک رک تھی۔ اس لیے کہ گھاٹی کے نزدیک پہنچ کر انہیں احساس ہو گیا تھا کہ آگے کا راستہ خاصہ دشوار ہے۔ وہ درہ نما

گہرائی میں تیس سے چالیس گز ہوگی اور چوڑائی میں دس سے بارہ قدم۔ اس درہ میں داخل ہونا اتنا آسان نہیں تھا پھر ایک اور دشواری ان کے سامنے تھی کہ جس درے نما راستے کو میں نے منتخب کیا تھا اس کی ایک جانب گہری کھائی تھی اور دوسری جانب دیوار جیسی سپاٹ چٹان جو سیدھی اوپر اٹھتی چلی گئی تھی۔ اسی لیے وہ رک گئے تھے۔ پھر ان میں سے ایک سپاہی جو افسر لگ رہا تھا اس نے ایک تینہ جیسا ہتھیار اٹھا رکھا تھا، وہ آگے بڑھا، اس کی تقلید میں کئی اور بھی ساتھ ہو گئے۔ وہ اپنے زعم میں تینہ لہراتا ہوا دوڑا جیسے سامیرا کے اس دستے کو پیس کر رکھ دے گا۔ اس کے ساتھی بھی اسی تیزی سے آگے بڑھے تھے کہ میناٹ کے دستے میں ہلچل ہوئی اور وہ بھی ریناٹ کے دستے کی طرف دوڑے۔ دونوں دستے ٹکرائے۔ اسلوں کی جھنکار اور نعروں کی گونج ہوئی اور پھر دونوں دستے ایک دوسرے میں مدغم ہو گئے۔ ایسا لگا جیسے کوئی تشخص نہ رہا ہو۔ صرف وردی سے پہچان ہو رہی تھی کہ سپاہی کس طرف کے ہیں۔ میناٹ کا دستہ بے جگری سے لڑ رہا تھا۔ ریناٹ کے وہ سپاہی جو درے کے باہر تھے وہ بھی پُر جوش ہو کر نعرے لگا رہے تھے۔ ہتھیاروں کے ٹکراؤ سے ایک عجب سماں بندھ گیا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا کہ آج زندگی موت کی بانہوں میں سو کر رہے گی۔ ایک بندہ بھی نہ بچے گا۔ دونوں طرف ایک جیسا جوش تھا۔ لوگ گر رہے تھے۔ مر رہے تھے مگر جگہ خالی نہیں ہو رہی تھی۔ مرنے والے کی جگہ کوئی دوسرا آ جاتا۔ ریناٹ کی فوج اس درے میں سمانہیں پا رہی تھی مگر باہر سے دباؤ برقرار تھا۔ پیچھے رہ جانے والے سپاہی درے میں گھسنے کی پوری کوشش کر رہے تھے۔ میناٹ کے فوجی بھی بہادری کی تاریخ رقم کر رہے تھے۔ ان کا جانی نقصان کم ہو رہا تھا لیکن وہ جواں مردی سے بڑھ بڑھ کر حملہ کر رہے تھے۔ ان کے ولولے مجھے بھی جوش دلا رہے تھے۔ بار بار میرا دل کر رہا تھا کہ میں بھی میدان میں اتر جاؤں۔ لیکن یہ بے وقوفی ہوتی اس لیے کہ میرا پلان ہی کچھ اور تھا لیکن کچھ ہی دیر میں میں نے محسوس کر لیا کہ ریناٹ کی فوج تجربے کا رہے اور اس کے حملے کی نوعیت الگ ہے اسی لیے وہ آہستہ آہستہ آگے بڑھتے جا رہے تھے۔ گو کہ رفتار بہت کم تھی لیکن وہ بڑھ رہے تھے اور میناٹ کے سپاہی پیچھے ہٹتے جا رہے ہیں۔ اس طرح درے پر ان کا قبضہ ہوتا جا رہا تھا۔ گویا وہ کچھ کمزور پڑ رہے تھے۔ تب میں نے ان کی مدد کی ٹھانی اور مڑ کر کاٹینور کے دستے کو اشارہ دیا۔ اس کا دستہ آگے بڑھا۔ وہ سب نیم دائرے میں آگے آئے تھے پھر انہوں نے کمان کھینچ کر نشانہ لیا اور چلے سے تیراڑا۔ ایک ساتھ ان سب نے نشانہ لگایا تھا۔ تیروں کا مینہ ساریناٹ کی فوج پر برسنا۔ پہلے ہی ہلہ میں تیر اندازوں نے ریناٹ کی فوج کو دھلا دیا۔ سو سے اوپر لوگ گر کر تڑپ رہے تھے۔ جب کہ ابھی تو کاٹینور کا آدھا دستہ دوسری طرف خاموش کھڑا تھا۔ تیر انداز ایک ساتھ سو کی تعداد میں آگے بڑھتے اور تیر چلا کر پیچھے ہٹ جاتے۔ ان کی جگہ لینے کے لیے دوسرا دستہ آگے بڑھ جاتا۔ اس طرح وہ باری باری سے تیر پھینک رہے تھے۔ وہ سب اتنے منظم انداز میں حملہ کر رہے تھے کہ پتا ہی نہیں چل رہا تھا کہ وہ پہلی بار جنگ میں حصہ لے رہے ہیں۔ ان تیر اندازوں نے جنگ کا نقشہ بدل دیا تھا۔ میناٹ کے دستے کے اکھڑتے پیر جم گئے تھے۔ ریناٹ کی فوج کو عقب سے جو مدد مل رہی تھی وہ رک گئی تھی۔ اندر آ جانے والے دشمن میناٹ کے بہادروں کا شکار بنتے جا رہے تھے۔ اس لیے کہ وہ دو تین کی تعداد میں آگے بڑھ کر حملہ کرتے اور اسی تیزی سے واپس پلٹ آتے۔ ریناٹ کے فوجی سنبھلنے سے پہلے خاک اور خون میں لوٹنے لگتے۔

سامنے والے میدان میں بھی اب جنگ شروع ہو گئی تھی۔ وہاں ایک عجب سا شور اٹھ رہا تھا جو کانوں کے

پردے پھاڑے دے رہا تھا۔ ہتھیاروں کی جھنکار، نعروں کی گونج اور زخمیوں کی چیخ و پکار سے پورا جنگل گونج رہا تھا۔ ہر ایک پر جنگی جنون سوار تھا۔ صفیں درہم برہم ہو گئی تھیں۔ ہر سپاہی مقابل سے الجھا ہوا تھا۔ خون کے فوارے اچھل رہے تھے۔ سرخربوزوں کی طرح کٹ رہے تھے۔ لوگ گر رہے تھے، سنبھل رہے تھے۔ کچھ دیر تک تو سامیرا کا پلہ بھاری رہا پھر ریٹاٹ کے فوجی آہستہ آہستہ آگے بڑھنے لگے۔ میں نے محسوس کر لیا تھا کہ سامیرا کے سپاہی حوصلہ ہار رہے ہیں اس لیے کہ موت کا فرشتہ نہایت تیزی سے اپنا کام کیے جا رہا تھا اور قتل ہونے والوں میں زیادہ تعداد سامیرا کے فوجیوں کی تھی۔ ایسا لگ رہا تھا کہ ان کے قدم اکھڑ رہے ہیں۔ یہ بات ریٹاٹ کی عقابلی نظروں سے بھی چھپی نہ رہ سکی۔ یکا یک اس نے اپنا وزنی کلہاڑا بلند کیا اور پھر ایک زوردار نعرہ لگایا۔ نعرہ لگاتے ہی وہ پوری قوت سے حملہ آور ہوا۔ ڈھال پر ہتھیار پڑے ایک جھنکار ابھری۔ نیزے بلند ہوئے۔ کلہاڑا چلا۔ کئی سرائے اور پھر تو خون کی گویا بارش شروع ہو گئی۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے یہ میدان اب مکمل طور پر لال رہے گا۔ انسان گاجر مولیٰ کی طرح کٹ کٹ کر گر رہے تھے۔ میں نے ریٹاٹ پر نظر ڈالی ایسا لگ رہا تھا جیسے اس کے جسم میں کوئی مشین فٹ ہو گئی ہو۔ وہ مسلسل کلہاڑا چلائے جا رہا تھا۔ ریٹاٹ کے سپاہی اب خوفزدہ ہو کر پیچھے ہٹنے لگے تھے۔ دیکھتے ہی دیکھتے اس نے پہلی صف کا صفایا کر دیا تھا۔ ابھی میں نے تیر اندازوں کو دوبارہ حکم دیا اور وہ پھر اسی انداز میں تیروں کا مینہ برسانے لگے۔ تیروں کی تعداد اتنی تھی کہ جب تیر انداز تیر پھینکتے تو آسمان سیاہ ہو جاتا۔ تبھی داہنی طرف سے کمین گاہ سے نکل کر تازہ دم دستے نے بھرپور انداز میں ریٹاٹ کے لشکر پر چڑھائی کی اور تمام صفیں الٹ پلٹ کر رہ گئیں۔ سومرو نے بروقت فیصلہ کیا تھا اور یہ فیصلہ جنگ کا نقشہ بدلنے میں معاون ثابت ہوا۔ ریٹاٹ کی فوج کے قدم اکھڑ گئے اور افراتفری سی پھیل گئی۔ میں عقابلی نظروں سے ریٹاٹ کی فوج کا جائزہ لے رہا تھا۔ میری نظریں ڈیوڈ شا کو تلاش رہی تھیں کہ وہ کہاں گیا۔ اسے سامنے آنا تھا مگر وہ پتا نہیں کہاں چھپا بیٹھا تھا۔ یہ تعجب خیز بات تھی۔ اسی کی وجہ سے میں نے اپنی گن اب تک استعمال نہیں کی تھی کیونکہ میں چاہتا تھا کہ آتش اسلحہ کا استعمال ڈیوڈ شا کی طرف سے ہو۔ جواب میں میں اسلحہ استعمال کروں۔

ابھی میں فکر کے گرداب سے نکلا بھی نہیں تھا کہ ایک زبردست شور ہوا۔ میں نے چونک کر اس طرف دیکھا۔ یکا یک عقب سے زبردست قسم کا حملہ ہوا تھا۔ یہ یقیناً ہمارے بہادروں نے کیا تھا۔ میں نے سفیر وغیرہ کو اسی طرف سے حملہ کرنے کو کہا تھا۔ یہ حملہ اتنا زبردست تھا کہ ریٹاٹ کی فوج پوری طرح بوکھلا گئی۔ اس لیے کہ ان کے اہم افسران سامنے کی طرف تھے۔ سامیرا کی طرف۔ ان کے تو وہم و گمان میں بھی نہ ہوگا کہ ادھر سے بھی حملہ ہو سکتا ہے۔ مگر ہوا تھا۔ اسی وقت سومرو نے داہنی جانب سے یلغار کر دی۔ اب میدان جنگ عجب انداز کا ہو گیا۔ تین طرف سے حملہ ہو رہا تھا اس لیے ریٹاٹ کی فوج تین حصوں میں بٹ گئی تھی۔ ہر طرف شور۔ چیخ پکار اور نعروں کے علاوہ کچھ بھی سنائی نہیں دے رہا تھا۔ میں صاف دیکھ رہا تھا کہ ریٹاٹ کی فوج کے پیر اکھڑ چکے ہیں اور وہ فرار پر آمادہ ہے۔ اس لیے کہ ان کی تعداد مسلسل گھٹ رہی تھی جو اس بات کا اشارہ تھی کہ سپاہی فرار ہو رہے ہیں۔ اور تبھی میں نے تابوت میں آخری کیل ٹھونکنے کے لیے اپنی گن سیدھی کی اور داندن کئی فائر کر دیئے۔ دھماکوں نے ریٹاٹ کی فوج کو مزید بوکھلا دیا۔ ابھی میری گن کے دھماکے کی گونج ختم بھی نہیں ہوئی تھی کہ عقب سے بھی فائرنگ شروع ہو گئی۔ سفیر وغیرہ نے یہی سمجھا ہوگا کہ میں نے انہیں فائر کرنے کا اشارہ دیا ہے۔ یہ دو طرفہ

فائرنگ قیامت ڈھا گئی۔ ریٹ کے سپاہی کھلے عام اپنے ہتھیار پھینک کر بھاگنے لگے۔
میں اسی موقع کا منتظر تھا۔ سامیرا کو اشارہ دیا کہ وہ اب خود بھی میدان میں اتر آئے اور دشمن کو
لکارے۔ یہ بات میں نے پہلے ہی سامیرا سے کہہ دی تھی اس لیے میرا اشارہ پاتے ہی وہ اپنے جاں نثاروں
کے دستے کے ساتھ ریٹ کی فوج کی جانب جھپٹی۔ پلٹ کر جھپٹنا۔ جھپٹ کر پلٹنا کی وہ مکمل تفسیر بن گئی تھی۔
اس کے دستے میں ڈھائی تین ہزار افراد ہوں گے۔ سب کے سب نے بہادری کے جوہر دکھانا شروع کر دیے
تھے۔ سامیرا کی پشتقدمی نے زبردست کام دکھایا۔ ریٹ کی فوج لڑنے کی بجائے بھاگنے لگی تھی۔ دیکھتے ہی
دیکھتے میدان تقریباً خالی ہو گیا تھا۔ ایسا لگنے لگا تھا کہ ریٹ کو بھی اب اپنی جان بچانے کی فکر پڑ گئی تھی۔ اس
کی سواری ادھر ادھر بھاگ رہی تھی۔ شاید وہ اپنے ساتھیوں کی بزدلی سے بدول ہو گیا ہے۔ میری نظریں اس
کی سواری پر جمی ہوئی تھیں کہ عقب سے فائر کرنے والوں نے اس کی سواری کو نشانے پر رکھ لیا کیونکہ اب سیدھا
اسی پر فائر ہو رہا تھا۔

میں نے پلٹ کر سامیرا کی طرف دیکھا۔ اب وہ ایک اونچے ٹیلے پر چڑھ کر کھڑی ہو گئی تھی اور اپنے
سپاہیوں کی بہادری دیکھ رہی تھی۔ اس کی نظریں ریٹ کی سواری پر جمی ہوئی تھیں۔ اس کے چہرے پر مسکراہٹ
تھی۔ وہ ریٹ کی بوکھلاہٹ سے لطف اندوز ہو رہی تھی۔ شاید اسے خیال آ رہا ہو کہ یہ وہی ریٹ ہے جس نے
اس کے خاندان کو شہر بدر کیا۔ جس نے سینکڑوں بے گناہ لوگوں کو ہلاک کرایا۔ جس نے ظلم و ابتلا کا ایک باب رقم
کیا تھا، جس کی لغت میں رحم نام کا لفظ نہ تھا، وہ آج کس طرح اپنی جان بچانے کے لیے ادھر سے ادھر بھاگ رہا
ہے۔ جن پر وہ اکڑا تھا آج وہی فوج اسے چھوڑ کر بھاگنے لگی ہے۔

ابھی وہ وہ اسی طرف دیکھ رہی تھی کہ میں دہل اٹھا۔ اس کے تمام سپاہی میدان جنگ میں جان کی بازی لگا
رہے تھے۔ وہ جوش میں ہوش کھو بیٹھے تھے۔ جنگ صرف طاقت سے نہیں جیتی جاتی۔ جنگی چالیں ہی فتح دلاتی
ہیں۔ اس کے سپاہیوں کی یہ بھول تھی کہ وہ اسے اکیلا چھوڑ گئے تھے۔ اسی کا اس دستے نے فائدہ اٹھایا تھا۔ یکا یک
ہی ریٹ کا ایک دستہ ٹیلے کی دوسری طرف سے نمودار ہوا تھا اور اس نے سامیرا پر حملہ کر دیا تھا۔ سامیرا اکیلی تھی
اور اس دستے میں چالیس سے زیادہ لوگ تھے۔ ان لوگوں نے سامیرا کو گھیر لیا تھا۔ وہ عورت تھی۔ اکیلی تھی لیکن
حوصلے والی تھی۔ وہ نیزہ سے ان کا مقابلہ کر رہی تھی۔ نیزہ اکیلے سپاہی پر چلانا آسان ہے لیکن اس سے پورے
دستے کا مقابلہ کرنا آسان نہیں۔ وہ سخت خطرے میں گھر گئی تھی۔

اسے خطرے میں دیکھ اس کے جاں باز اس کی طرف لپکتے ہوئے بڑھے تھے۔ وقت کم تھا۔ کسی بھی وقت
کسی کا بھی ہتھیار سامیرا کا کام تمام کر سکتا تھا۔ میں نے رسک لے لیا۔ اندھی چال چلی۔ اپنی گن کا رخ ریٹ
کے دستے کی طرف کر کے فائر کرنا شروع کر دیا۔ میں ڈر ڈر کر سنگل فائر کر رہا تھا اس لیے کہ گولی جب چلتی ہے تو
دوست دشمن کی پہچان نہیں کرتی۔ کسی کے بھی جسم میں دھنس کر موت کی نیند سلا دیتی ہے۔ کوئی بھی گولی سامیرا کو
لگ سکتی تھی۔ اسی وجہ سے میں احتیاط کر رہا تھا۔

فائرنگ کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ وہ سپاہی جو سامیرا کو گھیرے ہوئے تھے۔ اپنے ساتھیوں کو لاشوں
میں بدلتے دیکھ پیچھے ہٹنے لگے۔ اسی وقت میدان میں ایک زوردار دھماکا ہوا۔ میں نے پلٹ کر دیکھا۔ ایک

گرینڈ آکر سیدھا ریٹاٹ پر گرا اور اس کی سواری ٹکڑوں میں بدل گئی۔ سواری کے ساتھ اس کا بھی نام و نشان مٹ گیا۔

ریٹاٹ کا حشر دیکھ کر باقی فوج نے اپنے ہتھیار پھینکنا شروع کر دیئے۔ اس وقت بھی چھ سے آٹھ ہزار سپاہی اس کی طرف سے میدان میں لڑ رہے تھے مگر ریٹاٹ کی موت نے انہیں ہتھیار ڈالنے پر مجبور کر دیا تھا۔ اس طرح صبح سے جاری جنگ نے ایک دم ہی دم توڑ دیا۔ سامیرا کی فوج نے فتح کا بگل بجا دیا۔ اس کی فوج جوش و جذبات میں اچھل رہی تھی۔ سامیرا کے نام کا نعرہ لگا رہی تھی۔

میں نے سامیرا سے کہا کہ وہ اپنے سپاہیوں کو پیغام دے دے کہ کوئی بھی کسی کو ناحق قتل نہ کرے۔ لوٹنے کا بھی سلسلہ موقوف سمجھا جائے۔

سامیرا کے پیامبر میدان جنگ میں ادھر سے ادھر دوڑنے لگے۔ اس کا پیغام پہنچانے لگے۔ تبھی سومرو نے بھونپونما چونگا اپنے منہ سے لگا کر اعلان کرنا شروع کر دیا کہ جنگ ختم ہو چکی ہے۔ اب کوئی کسی پر ہتھیار نہ اٹھائے۔ ریٹاٹ کے سپاہی بھی ہمارے بھائی بند ہیں۔ جنگ کے وقت وہ ہمارے دشمن تھے مگر اب نہیں۔

اس اعلان نے بہت اچھا اثر ڈالا۔ ریٹاٹ کی فوج کے کئی افسروں نے سامیرا کی اطاعت کا اعلان کر دیا۔ میدان جنگ اب خاموشی کی چادر سے ڈھک گیا تھا۔ صرف زخمیوں کی آہ و بکا سنائی دے رہی تھی۔ جراح اور حکیم اپنی دواؤں کا اعجاز دکھا رہے تھے مگر میں اسی اونچی جگہ پر کھڑا ہوا اور گرد کا جائزہ لے رہا تھا۔ میری نظریں اب بھی ڈیوڈ شا کو ڈھونڈ رہی تھیں مگر وہ کہیں نظر نہیں آ رہا تھا۔

ابھی میں جائزہ لے ہی رہا تھا کہ سامنے سے آتے ہوئے سفیر، وسیم اور عبداللہ نظر آ گئے۔ وہ تینوں مجھے دیکھ چکے تھے اس لیے سیدھے میری طرف بڑھتے آ رہے تھے۔ ان کے چہرے کھلے ہوئے تھے۔ فتح کی ایک اپنی خوشی ہوتی ہے۔ انہوں نے ایک معمولی سی قوت کو ایک بڑی قوت پر فتح دلادی تھی۔ میرا اپنی جگہ کھڑا رہنا مناسب نہیں تھا اس لیے میں بھی ان کی طرف بڑھنے لگا تھا۔

ادھر ادھر لاشیں ہی لاشیں پڑی تھیں۔ زخمیوں کو طبی امداد دی جا رہی تھی۔ سامیرا کے سپاہی ابھی اپنے ساتھیوں کی لاشیں ہی اٹھا رہے تھے۔ دشمنوں کا نمبر بعد میں آتا اسی لیے ان کی لاشیں جا بجا پڑی ہوئی تھیں۔ سفیر اور وسیم و عبداللہ ان لاشوں کو پھلانگتے ہوئے میری طرف بڑھ رہے تھے کہ ایک عجیب بات ہوئی۔ زخمی سپاہیوں میں سے ایک نے لیٹے لیٹے اپنا نیزہ اٹھا دیا تھا۔ وسیم جو اس پر سے پھلانگ رہا تھا الجھ کر اسی پر گرا۔ اس کے گرتے ہی سفیر نے گن کا رخ اس زخمی کی طرف کر دیا۔ ایک ساتھ کئی گولیاں چلیں اور وہ زخمی ہمیشہ کی نیند س گیا۔ شاید یہ اس کا اضطراری عمل تھا کہ اس نے نیزہ بلند کر دیا تھا۔ اس نے نیزے پر پکڑ مضبوط کی ہوگی کہ نیزہ کھڑا ہو گیا اور وہ وسیم سے ٹکرایا۔ نیزے کی انی نے اپنا کام دکھا دیا تھا۔ وسیم کی ران پر ایک لمبا زخم آ گیا تھا جس سے خون کی دھار نکل رہی تھی۔ میں نے دوڑ کر اسے سنبھالا اور اس کے پینٹ کے پانچا کو پھاڑ کر زخم کا معائنہ کیا۔ زخم زیادہ گہرا نہیں تھا پھر بھی میں نے زخم پر پکڑے کی تہہ رکھی اور اسے کس کر باندھ دیا۔ اس وقت اس سے زیادہ کچھ ہو بھی نہیں سکتا تھا، اس کام سے فرصت پا کر میں سامیرا کی طرف بڑھا۔ وہ خوشی سے سرشار ایک بلند مقام پر

کھڑی تھی۔ میرے ساتھ میرے ساتھی تھے۔ ہم سب اس کے نزدیک پہنچے تو اس نے خوشی سے سرشار لہجے میں کہا۔ ”تم نے دیکھا۔ ظلم کا کیسے انجام خراب ہوا۔ اب اس وادی میں امن و سکون ہوگا۔“

”یقیناً ایسا ہی ہو گا لیکن ابھی دو بڑے خطرے باقی ہیں۔ ایک مہا پجاری اور دوسرا ڈیوڈ شا۔ ان دونوں کو ڈھونڈیں۔ اگر انہیں چھوڑ دیا گیا تو یہ الجھنیں پیدا کرتے رہیں گے۔“

”میرے سپاہی انہیں ڈھونڈ رہے ہیں۔ اس کے علاوہ جاسوسوں کو بھی ہر طرف پھیلا دیا ہے۔ ان خطروں کے بارے میں سومرونے بھی یہی مشورہ دیا ہے۔“

”تو اب ارادہ کیا ہے؟“

”میدان جنگ کی صفائی میں پورا ایک پہر لگ جائے گا۔ اس لیے آرام کرنے کیلئے خیمہ لگایا جا رہا ہے۔ جہاں ہم اور ہمارے تمام افسران آرام کریں گے۔ کل دن میں جب سورج طلوع ہوگا تو ہم آرگون میں داخل ہوں گے۔“

”آرام کے وقت بھی اپنے سپاہیوں کو کہنا کہ وہ جاگتے رہیں۔ ایسا نہ ہو کہ مہا پجاری یا ڈیوڈ شارٹ کے اندھیرے میں شب خون مار دے۔“

اس وقت سامیرا پر فتح کا نشہ سوار تھا۔ اس نے میری بات پر مسکرا دیا۔ وہ بولی۔ ”رات میں جنگ کرنا بزدلی کی علامت ہے۔ رات میں کوئی بھی حملہ نہیں کرتا۔ جو کرتا ہے اس پر بلائیں ٹوٹ پڑتی ہیں۔ مہا پجاری ایسی گری ہوئی حرکت نہیں کر سکتا۔ وہ مذہب کے قوانین کو چلانے والا ہے۔ خود ہی مذہب کو کیسے پامال کر سکتا ہے۔“

معبد میں پجاری کس قسم کی زندگی گزارتے ہیں۔ کیسے مذہب کی خدمت کرتے ہیں اس کا نمونہ میں دیکھ چکا تھا۔ لیکن سامیرا جس انداز میں بات کر رہی تھی میں سمجھ گیا کہ وہ میری باتوں کو اہمیت نہیں دے گی۔ اس لیے میں اس کے پاس سے ہٹ آیا۔ عبداللہ، وسیم اور سفیر ایک جگہ بیٹھے خوش گپیوں میں مصروف تھے۔ میں ان کی طرف بڑھتا چلا گیا۔ سفیر نے مجھے دیکھتے ہی کہا۔ ”آئیے جناب۔ اس میدان کا رزار کے اصل ہیرو۔ ہم آپ ہی کا تذکرہ کر رہے تھے۔“

”اچھا۔“ میں نے ان کے قریب بیٹھتے ہوئے کہا۔

”ذکرِ مہوشاں تھا۔ تم نے جو ایک دم چھلہ ساتھ لگایا ہے وہ تو دن رات صرف تمہارے قصیدے پڑھتی رہتی ہے۔ ایسا لگتا ہے وہ تمہیں اس وادی سے نکلنے نہیں دے گی۔“ وسیم نے ہنستے ہوئے کہا۔ ”پتا نہیں تمہارے پاس کون سی گیدڑ سنگھی ہے کہ لڑکیاں تم پر مرنے کے لیے کھنچی چلی آتی ہیں۔“

”اگر وہ گیدڑ سنگھی چاہے تو میں تمہیں دے سکتا ہوں مگر ایک شرط ہے۔“

”کون سی شرط؟“ وسیم نے تجسس بھرے لہجے میں پوچھا۔

”بہت معمولی سی شرط ہے۔ گیدڑ سنگھی میں تمہیں دے سکتا ہوں لیکن اس بارے میں سفارش کرے گی سادی۔“

”واہ واہ..... گویا میرے قتل کی سازش ہے یہ..... سعدیہ کو گیدڑ سنگھی کی خبر ملی اور اس نے میرا گلا دبایا..... نہ بابانا..... چوہا لندورا ہی صحیح..... مجھے گیدڑ سنگھی نہیں چاہیے۔“ اس کے لہجے پر عبداللہ اور سفیر نے

زوردار قہقہہ لگایا۔

”ویسے یہ بات غلط بھی نہیں ہے۔ اب تک میں نے ایسی تین لڑکیوں کو دیکھا ہے جو آپ کے لیے ہر قربانی دینے کو تیار ہو گئی تھیں۔ ایک تو وہ برٹ شاکی بیٹی دوسری.....“ وہ میری شان میں قہقہے پڑھتا کہ میں نے اسے روک دیا۔

”بھائی میاں اس وقت ہم میدان جنگ میں ہیں۔ یہ مت سمجھنا کہ سامیرا کی فتح نے جنگ کا خاتمہ کر دیا ہے۔ دواہم کردار ابھی باقی ہیں۔ بڑا پجاری اور ڈیوڈ شا..... بڑے پجاری کی تو خیر ہے۔ اسے ہم سنبھال لیں گے لیکن ڈیوڈ شاعیاری کی آخری سرحد پر ہے۔ اسے سنبھالنا اتنا آسان نہیں ہے۔ وہ کب کس طرح حملہ آور ہوگا کہا نہیں جاسکتا۔ اس لیے ہمیں ہر وقت ہوشیار رہنا ہے۔“

”آپ خواہ مخواہ ڈیوڈ شا کو اہمیت دے رہے ہیں۔ جب ہم نے اتنی بڑی فوج کو شکست دے دی تو ڈیوڈ شا کی حقیقت کیا ہے۔“

”ریناٹ کی فوج اور خود ریناٹ ترقی یافتہ لوگوں کی عیاری اور مکاری سے ناواقف تھا اسی لیے اتنی آسانی سے شکست کھا گیا لیکن ڈیوڈ شا نہ صرف عیار و مکار ہے بلکہ اس کے پاس ایسے ایسے اسلحے ہیں کہ تم سوچ بھی نہیں سکتے۔“

”آپ کا حکم ہے تو اسے بھی دیکھ لیں گے۔ یہ بتائیں ہمیں کرنا کیا ہوگا؟“

”آج رات جاگنا ہے۔ اس لیے کہ یہ رات اہم ہے۔ ہو سکتا ہے کہ دشمن رات کی خاموشی کا فائدہ اٹھا کر حملہ کر دے۔ جس طرح سامیرا کے سپاہی فتح کی خوشی میں ہر جانب سے بے پروا ہو گئے ہیں یہ ان کے لیے نقصان کا باعث ہے۔“

”جو حکم۔“ وسیم نے سر کو خم کر کے کہا۔ وسیم اور سفیر کو کسی مہم کے بعد کوئی دیکھے تو یہی سمجھے کہ یہ دونوں کھلنڈرے نوجوان ہیں۔ ہنسنا ہنسانا ان کا کام ہے لیکن جب کسی مہم میں اپنا کام دکھاتے ہیں تو سمجھ آتی ہے کہ یہ کیسے جی دار ہیں۔ ان کی بہادری فلک بوس پہاڑ کو بھی لرزادے۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے جتنے بھی دوست دیئے سب کے سب بے لوث اور بہادر۔ خاص کر میرے لیے تو سب کے سب جان کی بازی لگانے والے ثابت ہوئے ہیں۔ یہ دوستی ہی کی ڈور ہے جس سے بندھے یہ لوگ اس تاریک وادی تک چلے آئے ہیں جہاں سے اب ہم باہر جا بھی سکیں گے یا نہیں اس بارے میں ابھی کچھ یقین سے کہا نہیں جاسکتا تھا۔ یوں بھی ہم نے ابھی تک وادی سے باہر جانے کی کوشش ہی نہیں کی تھی۔ کیونکہ جب تک سامیرا کو تاج و تخت نہیں مل جاتا ہم باہر جانے کی سوچ بھی نہیں سکتے تھے۔ کیونکہ ابھی ڈیوڈ شا زندہ تھا۔ اسے کس طرح تلاش کروں میں یہی سوچ رہا تھا کہ میری نظر سپاہیوں کے اس غول پر پڑی جو میدان میں بکھرے ہتھیاروں کو جمع کر رہا تھا، ان کے ساتھ ایک چھکڑا ٹاپ گاڑی تھی جس پر وہ تیرتوار نیزے اکٹھے کر کے رکھتے جا رہے تھے۔

میں ابھی ان کی طرف دیکھ ہی رہا تھا کہ ان سے کچھ فاصلے پر رو بیر نظر آ گئی۔ وہ ادھر ادھر دیکھتی ہوئی آگے بڑھ رہی تھی۔ شاید اس کی تلاش کا محور میں تھا۔ یہ لڑکی واقعی پیرتسمہ پابن گئی تھی۔ میں اس سے جتنا دور بھاگتا ہوں یہ اتنا ہی قریب آنے کی کوشش کرتی ہے۔

ابھی میں اس کی طرف دیکھ ہی رہا تھا کہ وسیم کی آواز آئی۔ ”سنبھالیے جناب۔ آپ پر جان و جگر نثار کرنے والی دم بہ دم قریب آتی جا رہی ہے۔“

میں نے گردن موڑ کر اس کی طرف غصیلی نظروں سے دیکھا پھر کہا۔ ”تم تو اپنی چونچ بند ہی رکھو۔ اسے بلانا نہیں۔ ابھی کچھ دیر بھٹکنے دو۔“

یوں بھی اس وقت میں اس سے مغز پچی کرنے پر تیار نہ تھا۔ رات میں جب میرا لکراؤ ایک دستے سے ہوا تھا اور اس دستے کے ایک سپاہی نے اپنے گوپھن سے میری پیٹھ پر وار کیا تھا اس وقت تو جوش کا عالم تھا اس لیے درد محسوس نہیں کیا تھا لیکن اب اس کی دھن محسوس کر رہا تھا۔ کیونکہ میں کوئی فولاد کا بنا ہوا تو تھا نہیں۔ ایک عام سا انسان تھا۔ یہ اور بات ہے کہ میری قوت ارادی دوسروں سے زیادہ ہے اس لیے میں اپنے دکھ تکلیف کا احساس نہیں ہونے دیتا۔ اس وقت بھی یہی دل چاہ رہا تھا کہ میں کسی آرام دہ بستر پر لیٹ جاؤں اور کوئی اس دکھتی ہوئی جگہ پر گرم کپڑے سے سنکائی کر دے۔

انسان سوچنے پر آتا ہے تو بہت کچھ سوچنے لگتا ہے لیکن یہ سوچ زیادہ دیر قائم نہیں رہتی۔ اس وقت بھی یہی ہوا۔ میں ابھی اپنی سوچ میں گم تھا کہ رو بیر کسی آندھی طوفان کی طرح وارد ہوئی اور مجھ سے کسی امر نیل کی طرح لپٹ گئی۔

اس جارحانہ پیش قدمی نے مجھے بوکھلا دیا تھا۔ اس لیے کہ میں دیکھ رہا تھا کہ وسیم، سفیر اور عبداللہ نزدیک ہیں جو سر جھکا کر ہنس رہے ہیں۔ ان کے لیے یہ ایک ہاٹ ٹاپک تھا۔ مستقبل میں مجھے چھیڑنے کے لیے وہ اسے آزماتے رہیں گے۔

رو بیر بلند آواز میں رو رہی تھی۔ میں نے بہ مشکل تمام اسے الگ کیا۔ وہ الگ ہو کر بھی بین کیے جا رہی تھی۔ اس کے رونے کی آواز سن سن کر ادھر ادھر بکھرے سپاہی مڑ مڑ کر ہمیں دیکھ رہے تھے۔ اس کے رونے سے مجھے الجھن ہو رہی تھی۔ لیکن خدا کا شکر تھا کہ اس نے بے ساختگی میں کوئی اول جلول حرکت نہیں کی تھی۔ اگر وہ اس حرکت کی مرتکب ہو جاتی تو میں اپنی ہی نظروں میں گر جاتا۔ اس لیے کہ دودن پہلے ہی وہ معبد کے سامنے ایک گری ہوئی حرکت کرنے کی کوشش کر چکی تھی۔ پھر بھی میں پریشان تھا کہ اسے خاموش کیسے کروں۔ میں یہی سوچ رہا تھا کہ سامیرا کا خصوصی ہرکارہ آگیا۔ اس نے آتے ہی کہا۔ ”آپ کو بلایا جا رہا ہے۔“

سامیرا کا یہ ہرکارہ میرے لیے نعمت غیر مترقبہ بن کر حاضر ہوا تھا۔ میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ”اچھا میں ابھی آ رہا ہوں۔“ پھر رو بیر کی طرف مڑ کر بولا۔ ”تم چلو گی؟“

سامیرا کا سامنا کرنا اس کے لیے آسان نہ تھا اس لیے وہ بولی۔ ”آپ جاؤ لیکن جلدی آ جانا۔ اگر دیر کی تو مجھ سے برا کوئی نہ ہوگا۔“

اس کے اس حکمیہ انداز پر سفیر نے تہقہہ لگایا اور اردو میں بولا۔ ”چلو چھٹی ہوئی۔ کاش اس وقت موبائل میرے پاس ہوتا تو میں کلپ بنا لیتا۔“

”کیوں؟“ میں نے آنکھیں تریری۔

”تاکہ سویرا کی خدمت میں پیش کر سکوں کہ حضور والا کے یہ پچھن ہیں۔“

”اور میں جواب میں تمہارا سر توڑ دیتا۔“ کہہ کر میں آگے بڑھ گیا کیونکہ میں جتنی دیر وہاں رہتا سفیر چھیڑتا رہتا۔ وسیم تو پھر بھی ایک حد میں رہتا تھا لیکن سفیر مذاق اڑانے پر آتا تو پھر اسے قابو میں کرنا آسان نہ تھا۔

سامیرا نے اپنا خیمہ اسی اونچے ٹیلہ پر لگایا تھا۔ میں اس ٹیلے کی طرف بڑھتا جا رہا تھا کہ یکا یک داہنی جانب سے ریک دوڑتا ہوا آیا۔ اس نے آتے ہی مجھے اس طرح بانہوں میں بھر لیا جیسے ہم برسوں کے بچھڑے آج ملے ہوں۔ اس نے دھڑا دھڑ مجھے چومنا بھی شروع کر دیا تھا۔ وہ اب بین بھی کرنے لگا تھا۔ اس کی آواز دور تک جا رہی تھی اور لوگ مڑ مڑ کر ہماری طرف دیکھ رہے تھے۔ وہ ایک ہی بات کی رٹ لگائے ہوئے تھا کہ میں نے اسے چھوڑ دیا۔ اسے بھلا دیا ہے۔ وہ میرے بغیر جی نہیں سکتا۔ میں نے بڑی مشکل سے اسے الگ کیا اور پوچھا۔ ”باقی لوگوں کا حال کیا ہے؟ وہ سب کہاں ہیں؟“

اس نے جواب دیا۔ ”سب آپ کے حکم سے اپنی اپنی جگہ مستعد تھے۔ ہمیں پورا یقین تھا کہ فتح ہماری ہو گی اور بالآخر ہمیں فتح مل گئی۔ ظالم و جابر، غاصب ریٹا اپنے انجام کو پہنچ گیا۔“

”تو پھر خوشیاں مناؤ، رونا دھونا کیوں کر رہے ہو؟“

”ہمیں فتح تو ملی لیکن اتنے سارے لوگوں کا خون بہانے کے بعد۔ آرگون میں جتنے لوگ ہیں سب ایک دوسرے کے رشتے دار ہیں اور ان کی موت کا ہمیں بھی دکھ ہے۔ اتنے لوگوں کی جان گئی ہے۔ اس کا دکھ تو ہونا ہے نا۔“

”ہاں..... میں سمجھتا ہوں..... لیکن اس کے علاوہ اور کوئی راستہ بھی نہیں تھا۔ ریٹا یوں تو تخت سے دست بردار ہو نہیں سکتا تھا۔ یہ جنگ خود اس نے چھیڑی تھی۔ سامیرا نے نہیں۔ اب سامیرا کو اس کا حق مل گیا ہے۔ اس لیے خوشیاں مناؤ۔“

”لیکن ایک غم ہم سب کو کھائے جا رہا ہے کہ آپ اب اپنی دنیا میں چلے جائیں گے۔“

”یہ بعد کی بات ہے۔“ میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ ”اچھا یہ بتاؤ۔ ایرٹ کہاں ہے؟“

”ایرٹ اپنے ان رشتے داروں کی لاشیں تلاش کر رہا ہے جو ریٹا کی طرف سے لڑنے آئے تھے۔“

”اس سے ملاقات ہو تو میرا پیغام دے دینا کہ وہ آکر مل لے۔“

”وہ آپ سے ناراض ہے۔“ کہہ کر اس نے قہقہہ لگایا۔ ”اس کا کہنا ہے کہ آپ کی وجہ سے روبیر اس کی

جانب مائل نہیں ہو رہی۔“

میں نے بھی جوابی قہقہہ لگایا پھر کہا۔ ”اس کو سمجھاؤ کہ مجھے روبیر سے کیا لینا دینا۔ میں آج ہوں کل نہیں رہوں گا۔ روبیر اس کی ہے اسی کی رہے گی بلکہ میں جانے سے پہلے سامیرا سے کہہ کر ان دونوں کو ایک کرنے کی کوشش ضرور کروں گا۔“

”لیکن روبیر نہیں مانے گی۔ اس کی آنکھیں بتایا کرتی تھیں کہ وہ آپ کو پسند کرنے لگی ہے۔ ہمارے ہاں

لڑکیوں کو یہی اختیار ہوتا ہے کہ وہ اپنی پسند کا ساتھی منتخب کریں۔ لڑکے کو اختیار نہیں ہوتا۔“

”میں روبیر کو قائل کروں گا۔“

”کوئی فائدہ نہیں اس لیے کہ مجھے یاد ہے کہ ایک بار میں نے اس سے پوچھا بھی تھا کہ ایرٹ خوبصورت

ہے اور اپنے ہاں کا ہے پھر تم اسے نظر انداز کیوں کر رہی ہو تو اس نے جواب دیا تھا کہ شہباز میں بے شمار خوبیاں ہیں ایرٹ میں ایک بھی نہیں۔“

”یہ اس کی بھول ہے..... میں اسے قائل کروں گا۔ اب تم آرام کرو میں ذرا سامیرا سے مل آؤں کیونکہ ابھی ایک خطرہ باقی ہے۔ بڑا پجاری زندہ ہے اور پتا نہیں کہاں چھپ کر بیٹھا ہے۔ کل صبح ہم سب شہر میں داخل ہوں گے، کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ کوئی شرارت کرے کیونکہ ہمارا ایک اور دشمن ڈیوڈ شا بھی اب تک نظر نہیں آیا ہے۔ وہ انسان کی شکل میں مجسم شیطان ہے۔ اس کے پاس کیسے کیسے ہتھیار ہیں یہ تم بھی دیکھ چکے ہو۔“

”ارے۔ وہ بدمعاش اب تک گرفتار نہیں ہوا ہے۔ میں تو یہی سمجھ رہا تھا کہ اس کا بھی قلع قمع ہو گیا ہے..... یہ تو بہت بری خبر ہے۔“ ریک کے چہرے پر فکر رقصاں ہو گئی پھر وہ بولا۔ ”آپ کا وقت بہت قیمتی ہے۔ سامیرا نے بلایا ہے تو جائیں اور میری بھی سفارش کر دیں گے۔ میں نے آزادی کے لیے بہت قربانیاں دی ہیں۔ اپنے ہاتھوں سے اپنے چچا زاد کا خون بہایا ہے۔ اس لیے بھی مجھے وہ نہ بھولے اور کوئی اچھا سا مقام ضرور دے۔“

”تم بے فکر رہو..... میرے ساتھ جتنے بھی لوگ رہے ہیں ان سب کو اعلیٰ مقام دیا جائے گا۔“

”جی بہت بہتر..... میں رات ہی میں آپ کے خیمہ میں آؤں گا۔“ کہہ کر وہ ایک جانب چلا گیا۔ یہاں والوں کی معصومیت۔ سادگی اور اپنا پن نے مجھے گرویدہ کر رکھا تھا۔ یہاں سے جانے کے بعد بھی میں ان لوگوں کو نہیں بھول پاؤں گا۔ یہی کچھ سوچتا ہوا میں سامیرا کے شاہی خیمہ کی طرف بڑھتا چلا جا رہا تھا۔



اس دلچسپ داستان کے بقیہ واقعات
انیسویں حصے (آخری) میں ملاحظہ فرمائیں۔

طاہر جاوید مغل کی وہ تحریر جس کے ہر لفظ میں جذبات کا رنگ اور محسوسات کے سُرِ تال بہتے ہیں

لاکار

بلند حوصلوں اور بے مثال ولولوں سے گندھی ایک تیز رفتار ایکشن اور تہلکہ خیز کہانی

- ❖ ان عاشق پروانوں کا ماجرائے خاص جو لاکار سننے کے دھنی تھے۔
- ❖ ان عاشق پروانوں کا ماجرائے خاص جو لاکار سننے اور لاکار نے کے دھنی تھے۔
- ❖ ایک بزدل نو جوان کی خوں رنگ داستان، حالات کے جبر نے اسے ہتھیار اٹھانے پر مجبور کر دیا تھا۔
- ❖ محبت کے محاذ پر ٹھکرائے ہوئے شخص کی جدوجہد..... اس کو اپنے تحفظ کی جنگ کا سامنا تھا۔
- ❖ اُس شوریدہ سر کا احوال..... دشمن جس کے خون کے پیاسے تھے۔
- ❖ اُمنگوں، حوصلوں، آنسوؤں اور آہوں کی داستان۔
- ❖ اندھیروں کے پرستاروں کا قصہ عبرت، اُجالا ان کا رقیب تھا۔
- ❖ وحشی بھیڑیوں کے نرغے میں پھنسے ایک نو جوان کا قصہ لہو رنگ۔
- ❖ انسانیت کی معراج سے پستی کے اندھیروں میں گرنے والوں کا قصہ۔

اپنے ہا کر یا قریبی بکسٹال سے طلب فرمائیں